فتاویٰ حقانیہ
۱
از افادات و ارشادات
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
ودیگر مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ
نگرانی و اہتمام
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ
ترتیب
مفتی مختار اللہ حقانی
ناشر
جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

فتاویٰ حقانیہ مشاہیر علماء اور رسائل و جرائد کی نظر میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ صدر وفاق المدارس پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی کا فتاوی حقانیہ پر عالمانہ تاثرات و تبصرہ

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ و دیگر مفتیان گرام جامعہ حقانیہ

نگرانی واہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی ممتاز صفات سے نوازا تھا۔ وہ علم و عمل، اخلاص وللھیت، تواضع وانکساری میں اسلاف کا نمونہ تھے اللہ جل شانہ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں ان سے دین اسلام کی بڑی سنہری خدمات لیں۔ ان کی خدمات و ماثر میں سے عظیم الشان کارنامہ دارالعلوم حقانیہ کا قیام ہے۔ حضرت نور اللہ مرقدہ دارالعلوم دیوبند میں درجہ عالیہ کے استاذ تھے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں اپنے آبائی علاقے اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور جب تقسیم ہند کے ہنگاموں اور بدامنی کے سبب واپس نہیں جاسکے تو اپنے علاقے کی مسجد میں درس شروع فرمایا، طلباء کا بکثرت رجوع ہوا مسجد چھوٹی پڑی تو دارالعلوم حقانیہ کی موجودہ جگہ منتقل ہوئے اس طرح بغیر کسی سابقہ منصوبے اور ارادے کے پاکستان کی اس عظیم دینی ادارے کی بنیاد پڑی اور اللہ تعالیٰ نے اس ادارے سے دین کے متنوع شعبوں میں جو رجال دین پیدا فرمائے شاید کوئی دوسرا ادارہ اس پہلو سے اس کی ہمسری کر سکے۔ دارالعلوم حقانیہ نے جہاں دین اسلام کے دوسرے شعبوں میں قابل قدر امور انجام دیئے ہیں وہاں شعبہ نشر و اشاعت اور تصنیف و تالیف میں بھی وسائل طباعت سے دوری کے باوجود بڑا مفید کام انجام دیا ہے "الحق" کے نام سے ایک موقر اور علمی ماہنامہ تقریباً ۳۷ سال سے نکل رہا ہے اس کے علاوہ دارالعلوم

حقانیہ کے اشاعتی ادارے موتمر المصنفین سے بیسیوں علمی تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور اب سال ہا سال کی محنت کے بعد دارالعلوم کے فتاوی کا زیرنظر مجموعہ چھ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے۔

دارالعلوم حقانیہ کے شعبہ افتاء کی طرف ملک و بیرونی ملک سے لوگ بکثرت شرعی مسائل کے متعلق سوالات بھیجتے ہیں صوبہ سرحد کے مسائل خاص طور سے یہاں آتے رہتے ہیں اور دارالعلوم کے مفتی حضرات باقاعدگی کے ساتھ ان کا جواب لکھتے رہتے ہیں۔ ان فتاوی کی نقول کو محفوظ رکھنے اور ان کو الگ رجسٹروں میں نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا جاتا رہا ہے، دارالعلوم کے منتظمین نے ان فتاوی کی اشاعت کا ارادہ کیا اور شعبہ تخصص کے سرپرست مفتی حضرات کی نگرانی میں درجہ تخصص کے طلبہ کو مختلف سالوں میں جاری شدہ فتاوی کی ترتیب وتحقیق کے لیے مختلف حصے حوالے کئے جاتے رہے۔ چنانچہ ترتیب وتحقیق کے مراحل سے گزرنے کے بعد یہ علمی خزینہ مرتب ہو کر اب سامنے آ گیا ہے۔

اس کی جلد اول ۵۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی ابتداء میں مولانا سمیع الحق صاحب کا مرتب کردہ فقہ، تدوین فقہ، اور آداب افتاء واستفتاء سے متعلق ایک پرمغز مقدمہ شامل ہے۔ اس کے بعد جن مفتی حضرات نے یہ فتاوی تحریر کئے ہیں ان کا تعارفی خاکہ دیا گیا ہے۔ ان میں استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ، مولانا مفتی محمد فرید صاحب، مولانا عبدالحلیم زروبی صاحبؒ، مولانا محمد علی سواتیؒ، مولانا عبدالحلیم کوہستانی صاحب، مولانا مفتی غلام الرحمان صاحب اور اس فتاوی کے مرتب مولانا مفتی مختاراللہ حقانی صاحب کے وغیرہ کے سوانح خاکے شامل ہیں۔

اس کے بعد صفحہ ۱۳۵ سے اصل فتاوی کی ابتداء ہوتی ہے سب سے پہلے کتاب العقائد والفرق ہے، عقائد اور فرقوں سے متعلق دوسرے سوالات کے علاوہ اس میں فتنہ قادیانیت آئین پاکستان میں اس کی تکفیر کی رویدات، فتنہ انکار حدیث وغیرہ جدید فرقوں سے متعلق سوالات کے جوابات بھی آ گئے ہیں۔

جلد دوم ۶۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں کتاب الاجتہاد والتقلید، کتاب البدعۃ والرسوم، کتاب العلم، کتاب التفسیر، کتاب ما یتعلق بالحدیث، کتاب السلوک، کتاب السیاسۃ، کتاب الکراہیت و

الاباحۃ، اور کتاب الطہارت شامل ہے۔

جلد سوم ۶۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں کتاب الصلوۃ، کتاب الجنائز اور کتاب الزکوۃ ان تین کتابوں سے متعلق فتاوی آ گئے ہیں۔

جلد چہارم ۶۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں کتاب الزکوۃ کا بقیہ حصہ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، اور کتاب الطلاق کے مسائل شامل ہیں۔

جلد پنجم ۵۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں ان گیارہ کتابوں کے فتاوی جمع کئے گئے ہیں کتاب النفقات، کتاب الایمان والنذور، کتاب الوقف، کتاب الحدود والتعزیرات، کتاب الاشربہ، کتاب القصاص والدیۃ، کتاب الجہاد، کتاب القضاء، کتاب الشہادۃ، کتاب القسمۃ، اور کتاب الاکراہ۔

جلد ششم ۵۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں مندرج ذیل کتب کے فتاوی جمع ہیں۔

کتاب البیوع، کتاب الرباء، کتاب الرھن، کتاب الاجارۃ، کتاب الشفعہ، کتاب الشرکۃ، کتاب المضاربۃ، کتاب الوکالہ، کتاب الحوالہ، کتاب الھبہ، کتاب الغصب، کتاب الودیعہ، کتاب احیاء الموات، کتاب المزارعۃ، کتاب الذبائح، کتاب الصید، کتاب الاضحیہ، کتاب الوصیہ، اور کتاب الفرائض اس طرح تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل ان چھ جلدوں میں ہزاروں سوالات کے عام فہم اسلوب میں جوابات آ گئے ہیں۔ ان جوابات کی ترتیب و تحقیق میں جن امور کا خیال رکھا گیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ ہر جواب کا مراجع و مصادر اور فقہ کے معتبر کتابوں سے حوالہ ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ ہر کتاب میں ذیلی ابواب قائم کئے گئے ہیں اور ہر سوال کیساتھ مسئلہ کا عنوان ذکر کیا گیا ہے ہر جلد کی پشت پر اس جلد میں درج کتابوں کی فہرست بھی لکھ دی گئی ہے۔

۳۔ عصر حاضر کے پیدا کردہ جدید فقہی مسائل کا بھی ایک معتد بہ حصہ اس میں آ گیا ہے اس ضمن میں جامعہ حقانیہ کے دارالافتاء سے لکھے گئے جدید مسائل جو ماہنامہ "الحق" میں شائع ہو چکے ہیں مناسبت کو محفوظ رکھ کر متعلقہ ابواب میں درج کئے گئے ہیں۔

مثلاً کتاب الجہاد کے تحت "سی ٹی بی ٹی کی شرعی حیثیت" کتاب البیوع میں "ٹیلیفون کے ذریعے عقد بیع کا حکم" "ٹریڈ مارک کی خرید و فروخت کا حکم" "انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم" "الکحل کی تجارت کا حکم" کتاب الصوم میں "ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالم دین کے فیصلے کا حکم" کتاب الصلوۃ کے تحت" کرفیو کی وجہ سے نماز میں قصر و اتمام کا حکم۔۔۔۔"غرض یہ کہ عصر حاضر کے اس طرح کے بہت سے استفسارات کا حل اس میں آ گیا ہے۔

فتاوی حقانیہ اردو فتاوی میں ایک قابل قدر اضافہ ہے امید ہے کہ فتاوی حقانیہ کے اس ذخیرے سے عوام و خواص سب فائدہ اٹھائیں گے۔اور دارالافتاء سے متعلق مفتیان کرام اور تخصص کے طلباء اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ (ماہنامہ الفاروق جامعہ فاروقیہ کراچی ۶۰۔۶۱ ربیع الاول ۱۴۲۳ھجری)

جسٹس حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، نائب مہتمم دارالعلوم کراچی کا حضرت مولانا سمیع الحق کے نام مکتوب اور فتاوی حقانیہ پر جامع و مانع تاثرات:

برادر گرامی قدر جناب مولانا سمیع الحق زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدت دراز کے بعد تحریر دلنواز فردوس نظر بنی تو قلب و ذہن میں یادوں کا ایک تلاطم پیدا ہوا اس انداز خطاب سے میں سال ہا سال سے محروم تھا اب اس کیف تخاطب کو نئی زندگی دینے پر آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں؟

کاش میں اتنا بے ھنگم نہ ہوتا کہ پچھلے دور کے خطوط محفوظ نہ رکھ سکا ہوں جہاں تک یاد ہے میں نے شروع میں خطوط محفوظ رکھے تھے مگر فائلوں کی ترتیب سے دور تھے۔لہذا انقلابات زمانہ میں یہ خزانہ گم

ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

فتاوی حقانیہ کی اشاعت سے مزید مسرت ہوئی اور حسب الحکم اس پر چند سطور لکھ کر ارسال کر رہا ہوں۔

عزیزان راشد و حامد سلمھما کو بہت بہت سلام اور دعائیں کاش کہ آئیندہ بھی اس محبوب تحریر کی توفیق ملتی رہے

والسلام!

محمد تقی عثمانی

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم، وعلى الله اصحابه اجمعين۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ (بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) ہمارے عہد کی ان تخصیات میں سے تھے جن پر پوری ملت جتنا فخر کرے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس درو میں انہیں سلف صالحین کا نمونہ بنایا تھا، اکوڑہ خٹک میں ان کے قائم کردہ دارالعلوم حقانیہ نے ہزار ہا علماء پیدا کئے اور علوم اسلامیہ کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں، انہی خدمات جلیلہ کا ایک شعبہ یہ تھا کہ وہاں کا دارالافتاء سالہا سال سے اطراف عالم کے دینی سوالات کا جواب دے رہا ہے۔ یہ فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ کے رجسٹروں میں نقل چلے آرہے تھے اور ضرورت اس بات کی تھی کہ انہیں مدون کر کے افادہ عام کے لئے شائع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ حضرت قدس سرہ کے فاضل صاحبزادے برادر گرامی قدر جناب مولانا سمیع الحق صاحب (مہتمم دارالعلوم حقانیہ) کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اپنے مدرسے کی ایک ٹیم کے ذریعے بڑی عرق ریزی کے بعد ان فتاویٰ کو ابواب پر مرتب کر کے چھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ یہ فتاوی دارالعلوم حقانیہ کے مختلف مفتی حضرات کے لکھے ہوئے ہیں لیکن چونکہ یہ تمام فتاویٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کی نگرانی میں لکھے گئے ہیں، اس لئے ان کو انہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور مجموعے کا نام ''فتاویٰ حقانیہ'' رکھا گیا ہے، فتویٰ نویسی میں ہر مفتی کا انداز و اسلوب جدا ہوتا ہے اور بعض جگہ

مسائل میں بھی اہل علم وافتاء کے لئے اختلاف کی گنجائش باقی رہتی ہے لیکن جہاں تک ان فتاویٰ کے مستند ہونے کا تعلق ہے اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ دارالعلوم حقانیہ جیسے مستند ادارے سے جاری ہوئے ہیں۔ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ جیسے جبل علم کی نگرانی میں جاری ہوئے ہیں' بلاشبہ یہ علم وفقہ' کے ذخیرے میں ایک عظیم اضافہ ہے۔ اور انشاء اللہ عوام اور اہل علم دونوں کی رہنمائی کرے گا۔ دارالعلوم حقانیہ اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اس علمی خزانے کو منظر عام پر لانے کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

....

فتاویٰ حقانیہ پر ماہنامہ البینات کا پرمغز تبصرہ

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ ودیگر مفتیان کرام

نگرانی واہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

فتویٰ کے منصب جلیلہ کی قدر ومنزلت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے منصب افتاء کو اپنا ذات عالی سے منسوب فرمایا ہے' چنانچہ ارشاد ہے: قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ...... (الایۃ)

کلالۃ سے متعلق استفتاء کے جواب میں خود اللہ تعالیٰ فتویٰ صادر فرماتے ہیں' اس عظیم تر نسبت سے اس منصب جلیلہ کی طرح اس کی نزاکت بھی دوبالا ہو جاتی ہے' کوئی بھی مفتی جب کئی فتویٰ دیتا ہے تو گویا وہ مستفتی کو درپیش مسئلہ میں حکم الٰہی بتارہا ہوتا ہے' اگر خدانخواستہ حقیقت میں معاملہ مفتی کے دیئے ہوئے فتویٰ کے برعکس ہو جائے تو گویا حق تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت کردی گئی' جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تھی' تو مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے وبال کا ذریعہ ہے (ضلوا واضلوا) اس کا معنی یہ ہوا کہ فتویٰ کے بارے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے' ہر کس وناکس کو اس میدان میں اترنے کی جرات نہیں کرنی چاہیے' اسی طرح فتویٰ دینے میں شرعی تقاضوں سے صرف نظر کرتے ہوئے فتویٰ کی روح کو مجروح کرنا بھی

سنگین جرم ہے جو مداہنت فی الدین کے زمرے میں آتا ہے' اس منصب کی اس سنگینی سے خائف ہوکر اسلاف اہل علم کی اکثریت کسی امر میں فتویٰ صادر کرنے سے کترایا کرتی تھی' بلکہ بعض تو فتویٰ دینے سے کلی اجتناب کیا کرتے تھے' اور سلف صالحین میں منصب افتاء کی ذمہ داری ان اہل علم کو سونپی جاتی تھی جن کے علم وعمل اور امانت دیانت پر سب کا پوری طرح اتفاق ہوتا' کیونکہ اسلاف کے ہاں کسی کے منصب افتاء پر فائز ہنے کے لئے محض صاحب علم ہونے کو کافی نہیں سمجھا جاتا تھا' بلکہ ماضی قریب تک ہر دور میں ارباب علم سے منصب افتاء کے لئے چند ہستیاں منتخب ہوا کرتی تھیں اور انہی کی علمی رائے گرامی فتویٰ کا درجہ رکھتی تھی (جس کی ایک طویل فہرست مرتب ہوسکتی ہے)

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فتویٰ کے لئے صرف علم' معلومات کے ذخیرہ یا کتب کے مطالعہ اور مراجعت کو ہی قطعاً معیار نہیں بنایا جاسکتا' ورنہ درجہ بدرجہ علم کا حامل تو تقریباً ہر کوئی ہوتا ہے لہذا اسے منصب افتاء پر فائز ہونا چاہیے تھا' لیکن تاریخ میں آج تک ایسا نہیں ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر فن کے لئے خصوصی مہارت و مشق درکار ہوتی ہے جس کے لئے اہل فن کی رہنمائی اور ان کے عملی نمونہ کا موجود ہونا بھی ضروری ہوتا ہے' الحمدللہ کہ فتاویٰ کے اس میدان میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے ایک بہترین باب کا اضافہ کیا ہے جسے ''فتاوی حقانیہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ ''فتاویٰ حقانیہ'' دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ سے جاری ہونے والے ان گرانقدر فتاویٰ پر مشتمل ہے جن میں کچھ تو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کے خود نوشت ہیں' جبکہ بعض دوسرے مفتیان کرام اور اساتذہ کرام کے تحریر کردہ ہیں' اس مجموعہ میں ایک اضافی چیز یہ دیکھنے میں آئی کہ بعض ایسے مضامین و مقالات جو ماہنامہ الحق میں شائع ہوچکے ہیں وہ بھی شامل کرکے اس فتاویٰ کا حصہ بنادیئے گئے ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کے شروع میں فقہی مباحث پر مشتمل ایک ایسا مقدمہ لکھا گیا ہے جو بجائے خود ایک ضخیم مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے' مقدمہ میں فقہی مباحث کے مقدمات کو حتی الوسعت احاطہ تحریر میں لانے کیساتھ ساتھ ان تمام مفتیان کرام کا تعارف بھی پیش فرمایا گیا ہے جن کے تحریر کردہ فتاوی اس مجموعہ میں درج ہوئے ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ اپنے بہترین سرورق' مناسب کاغذ اور عمدہ کتابت کا باعث حسن باطنی کے ساتھ ساتھ ظاہری دلکشی کا مظہر بھی ہے۔ ''فتاویٰ حقانیہ'' اپنی تحقیق و تخریج اور سلاست و روانگی تحریر کے پیش نظر علماء و طلباء' وکلاء اور دینی شغف رکھنے والے عوام الناس سب کیلئے یکساں مفید ہے۔ دعا ہے کہ اسے عوام و خواص کیلئے امفید اور محررین و مرتبین اور جملہ معاونین کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔

آمین و لازکی علی اللہ احدا۔ ماہنامہ بینات کراچی (جون ۲۰۰۲)

ماہنامہ الحسن لاہور کا فتاویٰ حقانیہ پر جامع تاثرات

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق و دیگر مفتیان کرام
نگرانی واہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

زیر تبصرہ ''فتاویٰ حقانیہ'' ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو حضرت اقدس مولانا عبدالحق محدث اکوڑوی قدس سرہٗ اور اکابرین مفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ کی علمی، فقہی اور خداداد بصیرت کے بے مثال شاہکار ہے یہ فتاویٰ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جن کی مجموعی ضخامت ساڑھے تین ہزار صفحات سے زائد ہے۔ فتاویٰ حقانیہ کی تقدیم میں فقہی ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے ان جلدوں کو جن مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

گویا عقائد سے لے کر فرائض تک ہر فتاویٰ اس میں شامل ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کی تقدیم وترتیب کا یہ کام شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کے بڑے صاحبزادے اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی زیرنگرانی انجام دیا گیا ہے۔ اس فتاویٰ کی ایک خوبی تو یہ ہے کہ اس میں دور حاضر کے جدید مسائل کو اس خوبی سے حل کیا گیا ہے کہ دیکھنے سننے اور پڑھنے والے کو کسی بھی قسم کا خلجان یا تشنگی باقی نہیں رہتی ...... حضرت مولانا عبدالحق محدث اکوڑوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، اخلاص، للٰہیت، زہد اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ اسلاف اور اکابرین کے علوم کے محافظ ہی نہیں بلکہ امین بھی تھے، حضرت کا شمار ان اکابرین میں ہوتا ہے جن پر عالم اسلام کو بجا طور پر ناز ہے، حضرت اقدس علوم تفسیر، حدیث اور فنون کے بحر ذخار تو تھے ہی ساتھ ساتھ فقیہانہ بصیرت میں بھی یکتا تھے۔ حضرت والا کے فتاویٰ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت فتویٰ دیتے وقت صرف فقہی جزئیات کو ہی مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ حالات حاضرہ پر بھی آپ کی گہری نظر ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے فتاویٰ کو افتاء کی دنیا میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، حضرت کی کمال احتیاط اور دوراندیشی کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ آپ کی عموماً یہ کوشش ہوتی کہ سائل کو اس کا جواب پورا سمجھایا جائے، اس لئے جواب لکھتے وقت بات کھل کر بیان فرماتے اگرچہ بیان طویل ہو جاتا۔

۲۔ فتویٰ لکھتے وقت آپ فقہ حنفی کی مشہور کتب بدائع الصنائع، ہدایہ اور ردالمختار سے استفادہ فرماتے تھے۔

۳۔ فتویٰ میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ خود تو کیا دارالعلوم حقانیہ کے دیگر مفتیان بھی جب فتویٰ لکھتے تو انہیں اپنے سامنے سنانے کا حکم فرماتے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ۱۹۷۸ء میں سالانہ چھٹیوں کے دوران ناظم دارالعلوم حضرت مولانا سلطان محمود صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا یہ پیغام مجھے پہنچایا کہ چھٹیوں میں یہاں رہ کر دارالافتاء کی خدمت سرانجام دو گے' تو مجھ پر یہ بوجھ بہت بھاری لگا' خود یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی فتویٰ تصویب کے بغیر دے دوں' اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں اس سے قبل مسائل و جزئیات پیش کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا'' جب میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا' کہ جو مسئلہ بھی تم لکھو گے تو پہلے مجھے سناؤ گے۔ یہ اس لئے اگر کوئی جدید مسئلہ ہو تو ذہن میں آ جائے۔ اس سے آپ کا مقصد استحصار مسائل نہیں بلکہ احتیاط ملحوظ تھی۔ چونکہ کسی بھی مسئلہ کا جواب آپ کو سنائے بغیر بھیجنے کی مجھے اجازت نہیں تھی' اس لئے میں مسائل کے جواب لکھ کر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتا' اگر آپ تائید فرماتے تو سائل کو وہ جواب بھیج دیتا۔ لیکن دس دن کی نگرانی کرنے کے بعد جب اعتماد پیدا ہو گیا تو فرمایا کہ مجھے سننے کا وقت کم ملتا ہے اس لئے سنائے بغیر ہی بھیج دیا کرو۔

۴۔ حضرت شیخ الحدیثؒ مسائل کے بیان کرنے یا لکھنے میں ماحول' حالات' اور اس کے نتائج و عواقب کا بھی لحاظ رکھتے تھے اور مصلحت کو سامنے رکھ کر جواب دیا کرتے تھے تاکہ معاشرہ میں بدمزگی پیدا نہ ہو اور لوگ شریعت کے کسی مسئلہ کا مذاق نہ اڑائیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

۵۔ ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم کی سالانہ تعطیلات کے دوران میں نے قضاء عمری کے بارے میں فتویٰ دیا جس میں قضاء عمری کی روایت کو موضوع ثابت کرنے کے بعد لکھا کہ مروجہ قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور بدعت قبیحہ ہے جب آپؒ کو یہ جواب سنایا تو فرمایا کہ جواب تو ٹھیک ہے اس میں کوئی شک نہیں' لیکن ہمارے پٹھانوں کے علاقہ میں لوگ نہایت تدین کی وجہ سے قضاء عمری کے ایسے عاشق ہیں کہ ایسے سخت الفاظ کے نتیجے میں کہیں طیش میں آ کر فتنہ و فساد اور سب و شتم پر نہ اتر آئیں اس لئے ان الفاظ میں یوں ترمیم کرو: "قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہمارے اسلاف نے اس کو بدعت میں شمار کیا ہے۔"

۶۔ اسی طرح ایک موقع پر کسی سڑک کی تعمیر میں ایک پرانی قبر سڑک کی زد میں آتی تھی، حکومت اس قبر کو مسمار کر کے سڑک سیدھا کرنا چاہتی تھی، لیکن مقامی لوگ اس پر خوش نہیں تھے، جب سرکاری اہلکاروں نے دارالعلوم سے فتاویٰ لینا چاہا تو میں نے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا اگر چہ پرانی قبر مسمار کرنا از روئے شرع جائز ہے، لیکن ہمارے اس فتویٰ سے لوگ مطمئن نہیں ہوں گے، بلکہ مذہبی جنون کی وجہ سے شاید یہ لوگ دارالعلوم کو بھی فریق شمار کریں گے، اس لئے اس انداز سے فتویٰ دیا جائے کہ قبر کے اوپر پل بنا کر اس پر سے سڑک گزار لی جائے۔ چنانچہ آپ کی حسن تدبیر اور حزم واحتیاط کی بدولت سڑک بھی تعمیر ہوگئی اور لوگ بھی شرکیہ اعتقاد سے بچ گئے۔

۷۔ ایک دفعہ کسی صاحب نے تصوف کے سلاسل کے بارے میں سوال کیا تو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے جواب میں فرمایا: ''سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ ایک ہی تالاب کی دو نہریں ہیں، دونوں کا مخزن اور مرکز ایک ہے۔ پانی ایک ہے صرف راستے جدا جدا ہیں، دوسرے سلاسل تصوف اور مختلف فقہی مذاہب کا بھی یہی حال ہے۔ حنفیت، حنبلیت اور مالکیت سب کو ایک ہی تالاب سے پانی پہنچتا ہے، سب اسی ایک تالاب کے پانی سے دنیا کی سیرابی کرتے ہیں، صرف راستے جدا ہیں، منزل اور مقصد سب کا ایک ہے بعض لوگ دانستہ طور پر تصوف کے ان سلسلوں اور فقہی مذاہب کو فرقہ واریت پر حمل کر کے دنیا کو گمراہ کرتے اور دھوکہ دیتے ہیں، مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے'' (ماہنامہ ''الحق'' شیخ الحدیث نمبر)

۸۔ اس کے علاوہ آپ مسائل کے جوابات نہایت سادہ اور آسان الفاظ میں دیا کرتے تھے، اور اس میں حوالہ جات کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے۔

(ماخوذ از صفحہ ۸۸، ۹۸، ۹۰ فتاوی حقانیہ ج ۱)

اس فتاوٰی میں جن جید مفتیان کرام کے فتوؤں کو شامل کیا گیا ہے ان کی تعداد اٹھارہ ہے لیکن ان میں مرکزی حیثیت حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو ہی حاصل ہے یہ ان ہی کے فیض کا نتیجہ ہے۔ فتاویٰ حقانیہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے جو کسی اور فتاویٰ میں بہت کم پائی جاتی ہے، وہ ہے اس کا ایک مربوط و مبسوط مقدمہ، یہ مقدمہ حضرت مولانا سمیع الحق مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے قلم سے مرقوم ہے۔ اس مقدمے میں فقہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، کے ساتھ فقہی ماخذ قرآن کریم، سنت، اجماع قیاس، استحسان، عرف وعادت، استصحاب، مصالح مرسلہ، لطائف افتاء، فتاوٰی دور نبویؐ میں، فتاوی دور صحابہؓ میں،

فتاویٰ دورِ تابعین میں، مفتیانِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین اور ان کی اقسام وطبقات، تابعین فقہاء کرام اور انکے طبقات، مفتی کے شرائط وآداب مستفتی سمیت کئی ایک اہم مسائل اور موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔فن افتاء سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے عموماً اور اس فن کے متخصصین کے لئے خصوصاً اس کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔اگر ایسے ادارے جہاں تخصص فی الفقہ کرایا جاتا ہے وہ اس مقدمے کو عقود رسم المفتی کے ساتھ ساتھ طلبہ کے نصاب میں داخل کردیں تو طلبہ کے لئے بہت ہی مفید رہے گا، اسی طرح فتاویٰ کی اہمیت، ضرورت اور اس کی تاریخ پر مولانا انوار الحق حقانی کا وہ مقالہ بھی قابل دید اور اہل علم کے لئے موجب استفادہ ہے جو ''فتاویٰ حقانیہ'' کے مقدمے کا ایک اہم جزو ہے، مولانا انوار الحق حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے وہ صاحبزادے ہیں جنہیں حضرت کی خدمت کا سب سے زیادہ موقع ملا ہے، سفر وحضر میں اکثر مولانا انوار الحق ہی حضرت اقدس کے ساتھ ہوتے تھے۔اس تبصرہ نگار کو اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب حضرت شیخ الحدیث آنکھوں کے آپریشن کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے تو اس وقت بھی مولانا انوار الحق صاحب ہی آپ کے خادم تھے۔مولانا انوار الحق صاحب نے مقدمے میں شامل کئے جانے والے مقالے میں فن افتاء کی عظمت کے سلسلے میں لکھتے ہیں، کہ یہ اتنا عظیم کام ہے کہ جس کی نسبت حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا ہے یفتیکم فی الکلالۃ 'مولانا انوار الحق نے اپنے مقالے میں جن موضوعات پر اظہار خیال فرمایا ہے ان میں قضاء وافتاء میں فرق، منصب افتاء کی عظمت، منصب افتاء وخطرات، اسلامی مملکت میں دارالافتاء کا قیام، اور اس کی ضرورت اور اہمیت، مسلک احناف میں فتویٰ کی عظمت، جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں دارالافتاء کا قیام شامل ہیں۔مولانا انوار الحق مدظلہٗ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم اور استاذ الحدیث ہیں۔درویش منش انسان ہیں، ریا ونمود سے کوسوں دور بھاگنے والے عالم باعمل ہیں۔فتاویٰ حقانیہ کی طباعت اور اس کی ترتیب وتقدیم میں ان کا حصہ قابل قدر رہے۔

موتمر المصنفین اور فتاویٰ حقانیہ کی طباعت واشاعت پر مامورین سے ایک گزارش ہے، وہ یہ کہ آئندہ طباعت میں اس امر کی وضاحت فرمائیں کہ کون کون سا فتویٰ کس کس کا ہے؟ تاکہ اس طرح سے حضرت الشیخ کے اپنے فتاویٰ کا علم ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو کہ حضرت نے اپنے دست مبارک سے کتنے فتاویٰ صادر فرمائے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جن کی تصویب فرمائی ہے، جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند وغیرہ

میں ہے۔اس سے فتاویٰ کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہوگا..... تبصرہ نگار کے نزدیک فتاویٰ حقانیہ ہر دارالافتاء کی ہی نہیں بلکہ ایک اچھی لائبریری کی بھی ضرورت ہے۔فتاویٰ حقانیہ ہر بڑے کتب خانے کے علاوہ براہ راست ناشر سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (محمد اکرم کاشمیری ماہنامہ "الحسن" لاہور)

فتاویٰ حقانیہ پر ماہنامہ الخیر ملتان کا وقیع تبصرہ

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ و دیگر مفتیان دارالعلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختاراللہ حقانی

کسی پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق شریعت راسخ فی العلم کا ادلہ شرعیہ کو سامنے رکھتے ہوے حکم بیان کرنا فتویٰ کہلاتا ہے افتاء واستفتاء کا یہ طریق کار نیا نہیں بلکہ دور نبوت سے چلا آرہا ہے حضرات صحابہ کرامؓ اپنے مسائل کا حل براہ راست حضرت اقدس ﷺ کے وصال کے بعد عام صحابہ اور تابعین اپنی مشکلات اصحاب فتویٰ اجلہ صحابہ کرام سے بیان کر کے شرعی حکم معلوم کرتے تھے بکثرت فتویٰ دینے والے صحابہ کرامؓ میں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت سیدہ عائشہؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل ہیں حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد یہی متوارث ومبارک عمل امت میں طبقاً عن طبق منتقل ہوتا چلا آیا۔آج بھی کسی سلیم العقل مسلمان کو انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی مشکل یا اُلجھن پیش آتی ہے تو وہ کسی دارالافتاء سے رجوع کرتا ہے۔

علماء کرام کے ان فتاویٰ کی حیثیت عدالتی فیصلوں جیسی ہے جو آئین کی شقوق وجزئیات کی توضیح اور اطلاق کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ فتاویٰ علماء امت کی محنتوں اور کاوشوں کا نچوڑ اور بیش قیمت علمی سرمایہ ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے صراط مستقیم پر چلنے کیلئے زادراہ ہے۔ پاکستان کے بڑے دینی مدارس اور

جامعات میں مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے لئے قائم "دارالافتاء" شب و روز متلاشیانِ حق کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ان مراکز فتاویٰ سے جاری ہونے والے فتاویٰ باضابطہ محفوظ رکھے جاتے ہیں بعض جامعات نے ان تحقیقی جواہر پاروں کو افادہ عام، کے لئے شائع فرما کر ایک اہم دینی خدمت انجام دی ہے۔ حال ہی میں ملک کی معروف دینی درسگاہ "جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ" کی طرف سے ٦ جلدوں پر مشتمل "فتاویٰ حقانیہ" کے نام سے ایک عظیم فقہی خزینہ منظر عام پر آیا ہے۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ١٩٤٧ء سے ہمہ نوع کی دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جامعہ کے بانی مہتمم اول شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ، کی ذات گرامی کو علماء و مشائخ میں ایک مرجع کی حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عام مسلمان بھی اپنے علمی دینی اور دنیوی مسائل کے لئے حضرت مرحوم کے قائم کردہ جامعہ کے دارالافتاء کی طرف رجوع کرتے تھے اب تک دارالعلوم کے دارالافتاء سے ہزارہا فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں۔ جن کا ریکارڈ رجسٹروں میں محفوظ تھا۔ حق تعالیٰ شانہ نے اہل علم کی طرف سے بیش از بیش جزائے خیر عطاء فرمائیں خلف الرشید حضرت مولانا سمیع الحق صاحبؒ دامت برکاتہم جنہوں نے اس انمول خزانہ کو رجسٹروں سے نکال کر افادہ و استفادہ امت کے لئے عام کر دیا ہے۔

فتاویٰ کے وسیع و عظیم مگر غیر مرتب ذخیرہ سے انتخاب اور پھر ترتیب و تدوین اور تحقیق و تخریج دشوار گزار گھاٹی ہے جو مولانا موصوف کی شبانہ روز محنت، ذاتی توجہ وانہماک اور خدمت علم کا جذبہ کی بدولت بالآخر طے ہوگئی۔ اس مجموعہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ، کے علاوہ دیگر درجنوں علماء راسخین اور مفتیان کرام کے فتاویٰ شامل ہیں جو دارالعلوم کے دارالافتاء کے منصب پر فائز رہے۔ جن کا اجمالی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے بھی اپنے تحریر کردہ "نقش آغاز" میں فرمایا ہے۔

مبصر کی ناقص رائے کے مطابق یہ مجموعہ مدارس و جامعات کے علاوہ ذاتی علمی لائبریریوں کی بھی ضرورت ہے۔ ماہنامہ "الخیر" ملتان مبصر مولانا محمد ازہر (جولائی ٢٠٠٢ء)

فتاویٰ حقانیہ کے متعلق ماہنامہ القاسم کے مدیر مولانا عبدالقیوم حقانی کا جامع تبصرہ

افادات: شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ ودیگر مفتیان کرام

نگرانی واہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختاراللہ حقانی

اسلامی تاریخ کا ماضی علماء، فقہاء، جامعات، دارالعلوم اورارباب فضل وکمال کی بصیرت وتفقہ مجتہدانہ تگ ودو، مسائل میں قرآن وسنت کی روشنی میں بروقت رہنمائی کی شاندارشہادت دیتاہےاور بلاشبہ یہ علماءفقہاءاوردارالعلوم دیوبنداوردارالعلوم حقانیہ جیسی عظیم جامعات ہی کا مقام ومنصب ہے کہ وہ حال اور مستقبل میں بھی ملت کی سچی اورحقیقی رہبری اوررہنمائی کریں۔ غالبًا کہنے والے نے ایسے ہی اداروں اور علماء کے متعلق خوب کہا کہ " آپ جب فیصلہ کرتے ہیں توصحیح وصائب فیصلہ کرتے ہیں، جب کوئی اقدام کرتے ہیں توبہتر وموزوں اقدام کرتے ہیں اور جب گفتگو کرتے ہیں توحتمی وقطعی انداز اختیار کرتے ہیں"۔

آج ملت کے مسائل کیا ہیں؟ سماجی، اقتصادی حالات میں کیا پیچیدگیاں ہیں اور کیا توجہ طلب گھتیاں ہیں؟ اسلام ہر مختلف سطح سے علمی اعتراضات کے جوابات کیسے دیئے جائیں؟ علماء، فقہاء اور مفتیان کرام ملت کے تحفظ وانسانیت کی رہنمائی اوراس عظیم مسئولیت اور ذمہ داری کوکیسے نبھائیں؟

فتاویٰ حقانیہ اس کاعلمی اور عملی جواب، جو......لتحکم بین الناس بما اراك اللہ ...... کے مطابق قوانین شرعیہ کی تعبیر وتشریح، انضباط وتدوین، ترویج فقہ واشاعت کے عظیم مقصد کی تکمیل اور پوری ملت کے لئے بڑی سعادت اور مسرت کا پیغام ہے۔ مادرعلمی مرکزعلم دارالعلوم حقانیہ جنوبی ایشاء میں دارالعلم دیوبند کے بعد دوسری عظیم آزاد اسلامی یونیورسٹی ہے۔ فروغ علم کی بات ہو، درس وتدریس کاتسلسل ہو، درس نظامی کے بقاءوتحفظ کا مسئلہ ہو، ملک میں نفاذ شریعت اور پارلیمنٹ میں شریعت کے غلبہ کی جدوجہد ہو، فرق باطلہ کے خلاف جنگ ہو یامغربی تہذیب اورمغربی سامراج کے خلاف بغاوت ہو، جہاد کا فتویٰ ہو یاعلمی اقدام، اسلامی نظام حکومت کی تشکیل واستحکام ہو، فقہ وفتویٰ اور قضاء کے مسائل

ہوں، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اس کے بانی ومہتمم اساتذہ اور فضلاء کا کردار مثالی اور تاریخی رہا ہے۔

استاذی واستاذ العلماء، محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ اس کے بانی ومہتمم تھے اور آج کل انکے جانشین مخدوم العلماء، استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم اسکے مہتمم ہیں۔ جب سے جامعہ حقانیہ قائم ہوا تب سے فقہ وفتویٰ اور قضا کا شعبہ بھی قائم ہوا اور مفتیان کرام کے فقہی اور تحقیقی، علمی جواہر سے گزشتہ دس سال سے دارالعلوم حقانیہ کے نصف صدی پر مشتمل فتاویٰ کی ترتیب وتدوین کا کام شروع ہوا۔ علماء، فقہاء، مفتیان کرام، اور درجہ تخصص کے طلباء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی سرپرستی میں اس عظیم علمی اور تاریخی اور فقہی دستاویز کی ترتیب اور تدوین میں لگے رہے۔ بالآخر وہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا فتاویٰ حقانیہ کی صورت میں ۶ جلدوں میں منظر عام پر آ گیا ہے۔

دینی مدارس ہوں یا دارالافتاء اصل مقصد دین کا تحفظ ودفاع اور اسلامی تمدن وتہذیب وثقافت کی حفاظت دین کی دعوت واشاعت نیز اس پر فکری یلغار کا نفسیاتی وعقلی جواب دیتا ہے جو مخاطب کی زبان ہو۔

اس پہلو سے تعلیم تشنہ ہے۔ سماجی مسائل سے عدم واقفیت کا رجحان بھی اس کا ایک جزو ہے اس روح کا فقدان مسلم معاشرے کی پہچان بن گئی ہے۔ فتاویٰ حقانیہ نے الحمدللہ اس ضرورت کی تکمیل کردی اور علمی ودینی اور فقہی قیادت وسیادت کو برقرار رکھے ہوئے ماحول اور گردوپیش میں اٹھتے ہوئے بخارات، اضطراب کی لہروں، وغیرہ کی تیاریوں اور ریشہ دوانیوں کو مدنظر رکھا اور ایک بہترین فقہی انسائیکلوپیڈیا کی صورت میں ایک عظیم علمی پیشکش کے طور پر سامنے آئی۔ فتاویٰ حقانیہ کی ترتیب وتدوین میں استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ، کی مساعی، علماء امت، مفتیان کرام بالخصوص حقانی برادری کے لئے قابل قدر اور ہر لحاظ سے لائق تحسین ہیں۔

شاندار طباعت، عمدہ ترین کتابت، مضبوط جلد بندی اور بہترین کاغذ، ہر دارالافتاء، دارالقضاء، دارالمطالعہ، لائبریری، کتب خانہ، مدرسہ بلکہ ہر گھر کی ضرورت۔ ۶ جلدوں کی قیمت -/2200 روپے بھیج کر موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے منگوائی جاسکتی ہے۔ (ماہنامہ "القاسم" نوشہرہ، شمارہ جون جولائی ۲۰۰۲ء)

فقیہ العصر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی **محمد زرولی خان** صاحب مدظلہ

رئیس دارالافتاء جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی

دارالعلوم دیوبند کے مسلک کے ترجمان ادارے ہندوپاکستان میں بے شمار ہیں حق تعالیٰ ان کو روزافزوں رکھے ان میں بعض مدارس خود دیوبند کا نمونہ اور کامیاب وارثِ مجسم بن کر شجر طوبیٰ کی طرح مثمر اور سایہ دار ہیں ان میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک صوبہ سرحد بھی ہے جس کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ تھے۔ موصوف کی جامع علمی اور عملی بلندیوں کی آئینہ دارحیات جاوداں پر قدر دانوں کے مجلدات آچکے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ کا ہر دن اور ہر مہینہ بلکہ ہر گھڑی اور ہر سانس اور اس کا ذرہ ذرہ روح اور ایمان کی حلاوت ولذت عظمت اور حسن پہنچانے کا حامل ہے۔ حال ہی میں دارالعلوم حقانیہ نے نصف صدی سے زیادہ قیمتی اوقات اور گراں قدر لمحات کے زاویوں میں جن محققین فقہا اور مفتیان نے افتاء کا عظیم منصب نبھایا ہے ان کے گراں قدر فتاویٰ کمال تحقیق احسن ترتیب اور دیدہ زیب طباعت سے آراستہ پیراستہ ہوکر منصۂ شہود پر آچکا ہے۔ چھ ضخیم جلدوں پر اسلامی فقہ کا یہ انسائیکلو پیڈیا اور حنفی فقہ کا برہان مسلم اور مسلک دیوبند کے میزان حق ورشد کو منوانے والا یہ فتاویٰ تھوڑے ہی عرصے میں جامہ طباعت سے آراستہ ہوکر اہل علم سے شکروسپاس اور دادتحقیق لے چکا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے محسن ومخدوم یادگارِ سلف اور فخر الخلف زعیم ملت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی خصوصی توجہات کا یہ حامل دائرۃ معارف بہت تھوڑے عرصے میں سابقہ فتاوی کی طرح صف اول میں اپنا مقام پیدا کر چکا ہے' مولانا موصوف مدظلہ نے کرم بالائے کرم کرتے ہوئے سب سے پہلے مجھ عاجز اور فقیر کو یہ سوغات علم ارسال فرمایا۔ اور یہ بھی خوشی ہے کہ میرے عزیز مولانا مفتی مختار اللہ حفظہ اللہ مفتی واستاد شعبہ تخصص فی الفقہ نے اس پر جواہر شباب اور بہترین صلاحیتیں صرف کر کے کتاب کی ترتیب' تدوین' اور حسن طباعت میں معراج ترقی تک پہنچانے کی کوشش فرمائی ہیں حق تعالیٰ اس عظیم اور مقتدر فتاوی کو دارالعلوم حقانیہ کیلئے اولاً اور پوری امت کیلئے ثانیاً فقہ اسلام اور منہج اسلاف کا ترجمان اور آئینہ دار ذخیرہ کاملہ ثابت فرمائے۔

خدا کا شکروکرم ہے کہ جہاں تک میں نے نظر ڈالی اور تحقیق وتجسس کیا تو فتاویٰ حقانیہ ہر قسم کی تطفیات اور شطحات سے کافی حد تک محفوظ رہا ہے اللہ تعالیٰ اس جلیل القدر خدمت کو قبول فرمائے اور دارالعلوم حقانیہ کے عز وشرف کے لئے معراج ترقیات ثابت فرمائے۔ (ماہنامہ الحسن)

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ (الآیۃ)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی سال کے فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ حقانیہ

جلد اوّل

افادات
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ودیگر مفتیانِ کرام
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام
مولانا سمیع الحق مہتمم واستاذِ حدیث
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

نام کتاب .... فتاویٰ حقانیہ (جلد اول)

افادات .... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ ودیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت .... ۵۹۴ صفحات

تاریخ طبع ششم .... ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء

طابع .... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر .... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

نقشِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الرسالۃ

بحمداللہ عزّوجل دارالعلوم حقانیہ کے وقیع علمی مقام، قبولیتِ خداوندی کی بناء پر اس کے دارالافتاء کو بھی ملک و بیرونِ ملک علمی، تحقیقی اور عدالتی حلقوں میں سندِ اعتماد اور عوام میں مقبولیت حاصل ہے، دارالعلوم کے سنۂ تاسیس ۱۹۴۷ء ہی سے مسلمانوں کو پیش آنے والے علمی، دینی اور دنیاوی مسائل میں دارالعلوم کا دارالافتاء مرجع خلائق بنا، دارالعلوم کے بانی اور مہتمم اول سیدی و والدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہٗ خود ان فتاویٰ کو نہایت غور سے دیکھتے، ان میں کمی بیشی کراتے اور پھر بڑے اہتمام سے ان تحقیقی جواہر پاروں کو رجسٹروں میں نقل اور محفوظ کراتے رہے۔ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط یہ فتاویٰ دارالعلوم کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں عرصہ سے علمی حلقوں اور عامۃ المسلمین کی تمنا اور خود ناچیز کی شدید خواہش تھی کہ یہ انمول خزانہ رجسٹروں سے نکال کر افادہ و استفادۂ امت کا ذریعہ بنے اور یہ فقہ و فتاویٰ کی دنیا میں ایک وقیع اضافہ ثابت ہو مگر دارالعلوم کے محدود وسائل، مختلف ظروف و احوال اور ناچیز کے گوناں گوں متنوع مشاغل (جبکہ میں اس مشکل اور نازک کام کو اپنی نگرانی میں کروا رہا تھا) کی وجہ سے یہ آرزو جلد شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکی مگر بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ عظیم اور وسیع ذخیرہ ترتیب و تدوین، انتخاب و تحقیق، تخریج و تنقیح کے دشوار گذار مراحل سے گذر کر فتاویٰ حقانیہ کی شکل میں ظہور پذیر ہو رہا ہے جو بلاشبہ وقت کا ایک عظیم فقہی اضافہ اور کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک تشنگانِ علم و دین اور متلاشیانِ حق و صداقت کی راہنمائی کا ذریعہ بنتا رہے گا، انشاء اللہ العزیز۔ یہ سب محض توفیقِ خداوندی اور فضلِ ایزدی کا نتیجہ ہے۔

علماء کا مقام وراثتِ نبوت ہے، ان کی تمام ذمہ داریوں اور فرائضِ تعلیم و تعلم، تدریس و تصنیف، دعوت و تبلیغ کے لیے بے پناہ صلاحیت و استعداد، اساتذۂ فن کی صحبت و تربیت، طلبِ علم کی راہ میں جانکاہی و جگر سوزی، تقویٰ و تدینِ ربط و استناد کی ضرورت ہے جس کے بغیر یہ فریضۂ وراثت ادا نہیں ہو سکتا مگر ان تمام ذمہ داریوں میں پلصراط پر چلنے جیسی نازک ذمہ داری قضاء و افتاء کی ہے جس کی شرائط و صفات اتنی ہی نازک، حساس اور عمیق ہیں۔ صرف ذکاوت و ذہانت اور وسعتِ مطالعہ نہیں بلکہ علماء راسخین کا رسوخ، تبحر علمی، کتاب و سنت کے وسیع متنوع قدیم و جدید ذخیروں پر عبور، تغیرات و تبدلاتِ زمانہ سے باخبری اور ہر لمحہ پیدا ہونے والے تہذیبی، معاشرتی اور سماجی و عرفی حالات اور عہدِ جدید کے پیدا کردہ مسائل اور چیلنجوں سے واقفیت پھر سائل اور مستفتی کے سوال اور ماخذِ شریعت

کے نصوص کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت لازمی ہے جسے فقہ کی ایک تعریف میں "فہم غرض المتکلم" سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث میں جسے "خیر" کا ایک عظیم سرمایہ قرار دیا گیا ہے۔ من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین (الحدیث) یہ سارے امور مفتی اور قاضی کے منصب کے تقاضوں کو بہت ہی نازک بنا دیتے ہیں۔ الحمدللہ کہ دارالعلوم کو روزِ اول سے حق تعالیٰ نے ان صفاتِ فضل و کمال سے مزین و متصف مدرسین و مفتیان عطا فرمائے جن کے نبوغ و رسوخ تقویٰ و تدین پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے ــــ اور اس مجموعہ فتاویٰ میں ایسے درجنوں علماء راسخین اور مفتیان کرام کی محنت اور جگر سوزی شامل ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو اعلیٰ علیین میں علماء راسخین و فقہاء امت کے زمرہ میں جگہ عطا فرمائے۔

ــــ کتاب کے آغاز میں فقہ و فتاویٰ سے متعلق ضروری مباحث، ماخذ فقہ، ائمہ اربعہ کے مذاہب فقہ و اجتہاد بھی ایک مقالے میں روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ اس سے عام قاری بھی استفادہ کر سکے، مفتیین کرام کے مختصر حالات بھی دیئے گئے ہیں عربی عبارات اور حوالوں کی تصحیح، اصل ماخذِ محولہ سے تطبیق پھر تائید مزید کیلئے اضافی حوالوں کی تعبیر جلد و صفحات کے اضافہ کی بھی کوشش کی گئی ہے ــــ ان مفتیان کرام کی اکثریت وہ ہے جن کی مادری زبان اردو نہیں تھی، ان کے تحریر کردہ جوابات میں اردو کے محاورہ گرائمر، سلاست اور تذکیر و تانیث کی پاسداری نہیں کی جا سکتی جبکہ فتویٰ کا اصل مقصد بھی حکم اور مسئلہ بیان کرنا ہوتا ہے نہ کہ مضمون نویسی اور لفظی فصاحت و بلاغت کا اظہار، تاہم حتی الوسع فتاویٰ کے مرتبین اور اکثر مجھ ناچیز نے بھی اردو عبارات کی تصحیح اور غلطیوں کے تدارک کی سعی کی ہے اس کے باوجود عبارات کی اصلاح کی بڑی گنجائش ہے اور اگر قارئین اس کی لفظی و معنوی اغلاط اور خامیوں کی نشاندہی فرما سکیں تو آئندہ اس کا ازالہ ہوتا رہے گا، انشاء اللہ ــــ یہ فتاویٰ دارالعلوم کے برگزیدہ اساتذہ و مفتیان کی علمی کاوشوں کا تو ثمرہ ہے ہی مگر درجہ تخصص فی الفقہ والافتاء کے درجنوں تلامذہ و فضلاء، ان کے مایۂ ناز اساتذہ اور مشرفین کی عرق ریزی، پھر تدوین و تحقیق میں کئی رجالِ کار شامل ہیں جن کا ذکر مقدماتِ کتاب میں آ رہا ہے۔ اور پھر عزیز مکرم مولانا مفتی مختار اللہ حقانی جنہوں نے پچھلے کئی سال اس کٹھن کام میں صرف کئے۔

الغرض کتابت و اشاعت کے مراحل اور تصحیح تک۔ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط یہ عظیم شاہکار ان تمام حضرات اور ایک بڑی ٹیم کی مشترکہ محنتوں سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی اس سعی کو قبولیت سے نوازے اور امت کی تعلیم و ارشاد کا ذریعہ اور ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین

سمیع الحق

خادم العلوم بدارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۷ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ / ۲۲ جنوری ۲۰۰۲ء

فہرست مضامین جلد اوّل

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الرسالۃ، اما بعد!

دنیا بھر میں جتنے بھی علوم رائج ہیں لوگ ان کی تحصیل میں ہمہ وقت مصروف و مشغول رہتے ہیں، اس کے حصول کے لیے جان، مال اور وقت خرچ کرتے ہیں، اس کے لیے بڑی بڑی یونیورسٹیاں، مدارس، سکول اور کالج وغیرہ بنائے جاتے ہیں جن پر حکومت اور عوام کی ایک خطیر رقم صرف ہوتی ہے۔ ان اداروں میں پڑھائے جانے والے علوم کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) علوم عقلیہ اس قسم کے علوم صرف عقل سے متعلق ہوتے ہیں نقل کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا، اس کا سارا دارومدار عقل ہی پر ہوتا ہے جیسے علم ریاضی، علم نجوم وغیرہ۔

ان علوم میں بعض محض کذب اور جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں، سچائی کا ان میں شائبہ تک نہیں ہوتا مثلاً سحر، جادو وغیرہ۔ اس لیے ایسے علوم کا حصول شرعاً ناجائز اور حرام ہے، جبکہ بعض علوم سچائی پر مبنی ہوتے ہیں مگر ان کے حصول کا کوئی نفع نہیں ہوتا، اس میں صرف وقت کا ضیاع ہوتا ہے، نہ اخروی فائدہ ہوتا ہے اور نہ دنیاوی فائدہ، اور لایعنی علوم کا حصول شریعت میں ممنوع ہے، البتہ جن علوم کے ساتھ کوئی دینی یا دنیاوی منفعت وابستہ ہو تو ان کا حصول مطلوب ہے۔

(۲) علوم نقلیہ محض ان علوم کا تعلق محض نقل سے ہوتا ہے، عقل کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی، نصوص اور روایات سے وہ علوم ہم تک پہنچے ہیں، جیسے احادیث مبارکہ اور تفاسیر آیات قرآنی۔ ان علوم کے لیے راوی کی ثقاہت روایت اور حافظہ کی قوت ہی

کافی ہوتی ہے، اس میں غور کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہوتی، ان علوم کا حصول دینی فریضہ ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :۔

نضر اللہ امرأً سمع مقالتی فوعاها ثم اداها کما سمعها۔	اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری کوئی بات سنی پھر اس کو محفوظ رکھا اور دوسروں کو اسی طرح سنایا جیسا کہ اس نے سنا تھا۔

ان علوم کے ماہرین کو محدثین و مفسرین کہا جاتا ہے۔

(۳) مجموعہ علوم عقلیہ و نقلیہ ان علوم کا تعلق نہ عقل سے ہوتا ہے اور نہ نقل سے بلکہ دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں، ان کو اشرف العلوم کہا جاتا ہے، اس میں علم الفقہ اور علم اصولِ فقہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان علوم کے حاملین کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :۔

وَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ۔ (سورۃ التوبۃ)	ہر قوم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے جو دین کی سمجھ حاصل کرے اور اپنی قوم کو ڈرائے جب ان کی طرف واپس آجائے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین (الحدیث)	جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

ان علوم کے ماہرین کو فقہاء کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی احکام و مسائل کے جاننے اور سمجھنے کے لیے ایسے لوگوں سے پوچھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا :۔

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (سورۃ النحل آیت ۴۳)	پس اہلِ ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

باجماع مفسرین اہلِ ذکر سے مراد علماء و فقہاء اُمت ہیں جو دین کے احکام و مسائل کا علم رکھتے ہوں، اور جب یہ حضرات مسئلہ کا حل بیان کریں تو ان کی اطاعت شرعاً مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ	اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور

وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ (سورۃ النساء ۵۹) | اس کے رسول اور اپنے ارباب اختیار کی اطاعت کرو۔

فقہ کا لغوی معنیٰ

فقہ کا لغوی معنیٰ ہے کسی شے کو کھولنا، اس کو واضح کرنا اور کسی چیز کو جاننا، اسی سے فقیہ ہے، فقیہ اُس عالم دین کو کہا جاتا ہے جو شرعی احکامات کو کھول دے، اس کو واضح کر دے اور اس کے حقائق کا سراغ لگائے، اسی طرح مسائل کی پیچیدگیاں دور کرے اور انہیں سلجھائے۔ لفظِ فقہ اگرچہ مطلق جاننے اور کھولنے کے معنی میں آتا ہے مگر اب یہ لفظ علم شریعت کے ساتھ مختص ہو گیا ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف

فقہ کی اصطلاحی تعریف مختلف ادوار میں مختلف رہی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عہدِ اولیٰ میں فقہ کا لفظی مفہوم خاص حد تک محدود نہ تھا، جیسا کہ آجکل محض نکاح و طلاق اور بیع و میراث کی تفصیلات جاننے کو فقہ کہا جاتا ہے، بلکہ اُس وقت راہ آخرت کے علم، آفاتِ نفسانی، اعمال کی خرابیوں کے اسباب اور ان کی وجوہات کو جاننے اور معلوم کرنے، دنیا کو حقیر اور آخرت کو بڑی شے سمجھنے، خوفِ خدا کا دل پر غالب آنے کا نام فقہ تھا۔ (احیاء العلوم الدین للغزالیؒ ج ۱ ص۳۲ بیان ما بدل من الفاظ العلوم)

اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے:۔

ھو معرفۃ النفس مالھا وما علیھا۔ (التوضیح والتلویح ج ۱ ص۱۰)

اسی طرح بہت جامع تعریف ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے کہ الفقہ فھم غرض المتکلم یعنی متکلم کے کلام کے مقصد کو سمجھنا اور اس کی تہہ تک پہنچنا۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے فقیہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ فقیہ کسے کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا:۔

انما الفقیہ المعرض من الدنیا، الزاھد فی الاٰخرۃ، البصیر بعیوب نفسہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۷) | بیشک فقیہ وہ شخص ہے جو دنیا سے بیزار ہو، آخرت کی رغبت رکھتا ہو اور اپنے عیوب پر گہری نگاہ رکھنے والا ہو۔

فقہ کی یہ تعریف علم العقائد، تصوّف، آداب معاشرت اور مروجہ علم فقہ سب کو شامل ہے۔

متاخرین کی تعریف

مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ فنون کے پیدا ہونے کی وجہ سے علم عقائد اور علم تصوّف نے الگ الگ علم کی شکل اختیار کر لی تو فقہ کا محور بھی

کچھ محدود ہوگیا، اس لیے متاخرین نے اس علم کی مختلف تعریفات کی ہیں مگر مشہور و معروف تعریف جو ہے وہ یہ ہے کہ:۔

العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلیۃ۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج ۱ ص ۳۱)	فقہ اُن فروعی احکامات کے جاننے کا نام ہے جو ادلۂ تفصیلی سے مستنبط ہوں۔

احکام شرعی کی قسمیں

اسلامی احکامات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) **اعتقادی**: جو عقیدے سے متعلق ہوں، ان احکام کو اصلی بھی کہا جاتا ہے۔ (۲) **عملی**: ان احکامات کا تعلق صرف عمل سے ہوتا ہے، ان کو احکام فروعی اور عملی بھی کہا جاتا ہے۔ متاخرین کی تعریف میں الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ کی قید سے اعتقادی احکامات خارج ہوئے، اس لیے احکام اعتقادی سے بحث علم الکلام میں ہوتی ہے جو کہ ایک مستقل علم ہے۔

علم فقہ کا حکم

ہر مسلمان پر اتنی معلومات کا حصول فرض عین ہے جن کی طرف دین میں احتیاج پایا جاتا ہو، بغیر اس کے کوئی شخص شریعت کے مطابق کام نہیں کرسکتا، اور ضرورت سے زیادہ علم حاصل کرنا تاکہ لوگ محرمات اور منہیات سے بچ جائیں، فرض کفایہ ہے۔ اور اس میں تبحر حاصل کرنا اور جمیع انواع طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق اور عتاق کا حصول مستحب اور مندوب ہے۔ اس کے علاوہ جن اشخاص کا جن جن شعبوں سے تعلق ہے چاہے تجارت ہو، یا نوکری، ملازمت، ان کے مسائل کو حاصل کرنا اور ان کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ محرمات میں ملوث ہونے سے بچ جائے۔

فقہ کی تدوین

صحابۂ کرامؓ کے آخری دور تک اسلام دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکا تھا اور ہر جگہ اسلام کا بول بالا تھا، لوگ اپنے مسائل کا حل حضرات صحابۂ کرامؓ سے پوچھتے تھے، ان میں جو حضرات منصب اجتہاد پر فائز تھے وہ لوگوں کو ان کے مسائل کا حل بتلاتے تھے۔ ایسے ہی یہ سلسلہ چلتا رہا، جب صحابۂ کرام کا دور ختم ہوا تو اس عظیم منصب کو ان کے اجلہ تلامذہ حضرات تابعین نے سنبھال لیا، اُس وقت سات مقامات پر بڑے بڑے دار الافتاء موجود تھے۔ (۱) مدینہ منورہ (۲) مکہ معظمہ (۳) کوفہ (۴) بصرہ (۵) شام (۶) مصر (۷) یمن ــــ ان سات مقامات میں مسائل کا حل نکلتا تھا اور لوگ اس پر عمل کرتے تھے۔

مگر ان ساتوں مقامات میں سے کوفہ ایک الگ خصوصیت کا حامل تھا، یہاں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور دوسرے اجلہ صحابۂ کرامؓ کے تلامذہ موجود تھے۔ وہ علم فقہ و حدیث کا مرکز تھا۔ دنیا کے

اطراف واکناف سے لوگ علم فقہ وحدیث کے حصول کے لیے آتے تھے اور یہاں سے اپنی علمی تشنگی دور کر کے اپنے اپنے علاقوں میں اشاعت دین کے لیے واپس چلے جاتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ بھی اسی عظیم درسگاہ کے ایک ممتاز اور ذہین وفہیم طالب علم تھے۔ ۱۲۰ھ کو جب مشہور فقیہ ومحدث امام حماد بن ابی سلیمانؒ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے تو آپ کے جانشین کے لیے امام ابوحنیفہؒ کا انتخاب کیا گیا اور آپ اس منصب پر فائز ہو کر یہاں کے استاد اور مفتی مقرر ہوئے۔

علامہ خوارزمیؒ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ سے پہلے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے علم فقہ کے ابواب ومسائل پر مشتمل کوئی تصنیف نہیں کی تھی، ان کو اپنی یادداشت پر اعتماد تھا، لیکن امام ابوحنیفہؒ نے متاخرین کے سوء حفظ کے پیش نظر یہ ضرورت محسوس کی کہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے مسائل فقہ کو مدون ومرتب کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کا دنیا کی دیگر اقوام اور مذاہب کے ساتھ واسطہ پڑتا تھا جہاں مختلف قسم کے رواج جڑ پکڑ چکے تھے، مختلف قسم کے فتنے پیدا ہو چکے تھے، وضع حدیث کا فتنہ بھی سر اٹھا چکا تھا اور عالم میں بہت تغیر وتبدل پیدا ہو چکا تھا جس کو روکنا آسان کام نہ تھا، اہل علم حضرات رفتہ رفتہ دنیا سے جا رہے تھے اور لوگ زوال کی طرف گامزن تھے، انہیں احساس ہوا کہ اگر اس علم کو ایک جگہ جمع نہ کیا گیا تو یہ ضائع ہو جائے گا، علم وفضل کے جو مینار اس وقت حیات ہیں ان کے علم وفراست سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے ورنہ آئندہ اس بار گراں کو اٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

تدوین فقہ کے لیے کمیٹی کا قیام

اس کام کے لیے امام ابوحنیفہؒ نے اپنے ہزاروں تلامذہ میں سے چالیس وہ حضرات جو علم وفضل، فہم وفراست، زہد وتقویٰ اور ذکاوت میں اپنی مثال آپ تھے، کا انتخاب کیا اور ایک کمیٹی تشکیل دی، اس کمیٹی کے صدر خود امام ابوحنیفہؒ تھے، اس کمیٹی میں ہر علم وفن کے ماہرین حضرات شامل تھے اور اپنی علمی مہارت کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ، خداترسی اور فرض شناسی جیسے عمدہ اوصاف کے ساتھ متصف تھے، اس کمیٹی کے جملہ ممبران درجہ اجتہاد پر فائز تھے، کمیٹی کے سامنے پیش ہونے والے ہر مسئلہ پر پوری آزادی اور شرح وبسط کے ساتھ بحث ہوتی تھی اور ہر ایک کو اپنی بساط کے مطابق اپنی رائے پر دلائل پیش کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا۔ ان حضرات کے علاوہ بھی دوسرے محدثین اور فقہاء اکثر اوقات ان حدیثی اور فقہی ابحاث کو سنتے تھے، ان کو بھی

اپنے اپنے علم وصوابدید کے مطابق کہنے اور سننے کا برابر حق دیا جاتا تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود پھر بھی اس چالیس رکنی کمیٹی میں دس افراد کا ایک الگ خصوصی بنچ قائم تھا جس میں امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، امام محمد بن حسن الشیبانیؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، عافیہ ازدیؒ، قاسم بن معنؒ، اسد بن عمروؒ اور خود امام اعظم ابوحنیفہؒ شامل تھے۔

طریقۂ استدلال علامہ ابن حجر مکیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے طریقہ استدلال واستنباط کے بارے میں لکھا ہے:-

انہ اولاً یأخذ بما فی القراٰن فان لم یجد فبالسنۃ فان لم یجد فبقول الصحابۃؓ فان اختلفوا اخذ بما کان اقرب الی القراٰن والسنۃ من اقوالہم و لم یخرج عنہم فان لم یجد لاحد منہم قولاً ولم یأخذ بقول احد من التابعین بل یجتہد کما اجتہدوا۔ (الخیرات الحسان ص ۶۹ الفصل الحادی عشر)

بیشک اولاً آپؒ قرآنِ کریم سے استدلال کرتے تھے اگر قرآن میں نہ پاتے تو سنتِ رسولؐ کو لیتے تھے، اور اگر وہاں بھی نہ پاتے تو پھر قولِ صحابہؓ کو لیتے تھے اور اگر ان میں اختلاف ہوتا تو ان حضرات کے اقوال میں سے جس کا قول قرآن وسُنت کے زیادہ قریب ہوتا اس کو لیتے اور ان کی مخالفت نہ کرتے تھے، اور اگر ان میں سے کسی کا بھی قول مروی نہ ہوتا تو تابعین میں سے کسی کے قول کو نہیں لیتے تھے بلکہ اسی طرح اجتہاد کرتے جیسا کہ تابعین نے اجتہاد کیا تھا۔

ضعیف حدیث کی قیاس پر تقدیم مسائل کے استنباط میں رائے اور قیاس پر ضعیف حدیث کو بھی ترجیح دیتے تھے اور کبھی رائے و قیاس کو کسی ضعیف حدیث پر بھی مقدم نہیں کیا، علامہ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں:-

اصحابِ ابی حنیفۃؒ مجمعون علی ان مذہب ابی حنیفۃؒ ان ضعیف الحدیث اولیٰ عندہ من القیاس والرائی۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۸۲)

ابوحنیفہؒ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس اور رائے سے بہتر ہے۔

طریقہ تدوین چونکہ امام ابوحنیفہؒ نے اس کمیٹی کے ہر ممبر کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنا مؤقف پیش کرے اور احادیث وآثار الصحابہؓ، اجماع

اور قیاس کی روشنی میں آزادی کے ساتھ گفتگو کرے۔ ایک موقعہ پر آپؒ نے فرمایا کہ میں نے خود ان کو یہ اختیار دے رکھا ہے اور ان کو اس امر کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ کسی سے مرعوب نہ ہوں اور ایک دوسرے کے دلائل حتیٰ کہ میرے دلائل پر بھی نکتہ چینی کر سکیں تاکہ بات بالکل واضح اور صاف وشفاف ہو کر سامنے آئے۔ بحث وتمحیص کے بعد جب کسی مسئلہ پر سب کا اتفاق ہو جاتا تو پھر اس کو لکھنے کا حکم فرماتے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:۔

روی الامام ابو جعفر الشیر ما زیؒ عن شقیق البلخیؒ انہ یقول کان الامام ابو حنیفۃؒ من اورع الناس واعبد الناس واکرم الناس واکثرھم احتیاطاً فی الدین وابعدھم عن القول بالرائی فی دین اللہ عزوجل کان لا یصنع مسئلۃ فی العلم حتیٰ یجمع اصحابہ علیھا ویعقد علیھا مجلساً فاذا اتفق اصحابہ کلھم علیٰ موافقتھا للشریعۃ قال لابی یوسفؒ اوغیرہ ضعھا فی الباب الفلانی۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۲)

امام ابو جعفر الشیر مازیؒ شقیق البلخیؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار، عبادت گذار، زیادہ کریم النفس اور دین کے بارے میں سب سے زیادہ احتیاط کرنے والے اور دین کے باب میں ذاتی رائے زیادہ استعمال کرنے میں لوگوں سے کوسوں دور تھے، آپؒ اس وقت تک کسی مسئلہ کو حتمی شکل نہیں دیتے تھے جب تک آپؒ کے تمام اہل مجلس متفق نہ ہو جاتے اور جب سب کا اتفاق ہو جاتا تو امام ابو یوسفؒ یا کسی اور کو فرماتے کہ اس مسئلہ کو فلاں باب میں رکھ دو۔

اسی طرح بعض مسائل پر کئی کئی دن بحث ہوا کرتی تھی اس کے بعد کہیں جا کر وہ مسئلہ رجسٹر میں لکھا جاتا تھا، علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں:۔

قال اسد بن عمرو کانوا یختلفون عند ابی حنیفۃؒ فی جواب المسألۃ فیأتی ھذا بجواب وھذا بجواب ثم یرفعونھا الیہ ویسئلونہ عنھا فیأتی بجواب من کثب ای من قرب وکانوا یقیمون فی المسألۃ ثلاثۃ ایام ثم یکتبونھا فی

اسد بن عمرو فرماتے ہیں کہ کمیٹی کے ممبر امام صاحبؒ کے سامنے کسی مسئلہ کے جواب میں اختلاف کرتے تھے، کوئی ایک جواب لاتا تو دوسرا کوئی اور جواب لاتا، پھر اس مسئلہ کو امام صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتے اور آپؒ سے اس کے بارے میں دریافت کرتے تو آپؒ تحقیقی جواب تحریر فرماتے، پھر آخر میں اس کو رجسٹر میں لکھا جاتا۔

الديوان ۔ (مقدمہ نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۸)

اس طرح ایک ایک مسئلہ پر تین تین دن بحث و تمحیص ہوتی تھی۔

بلکہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

فکان اذا وقعت واقعۃ شاورھم و ناظرھم و حاورھم وسألھم فیسمع ما عندھم من الاخبار و الآثار و یقول ما عندہ و یناظرھم شھرا او اکثر حتی یستقر اخر الاقوال فیثبتہ ابو یوسف حتی اثبت الاصول علی ھذا المنھاج شوری لا انہ تفرد بذلک۔

رد المحتار ج ۱ ص ۶۲

جب کوئی واقعہ پیش آتا تو امام ابوحنیفہ اپنی کمیٹی کے تمام ارکان سے مشورہ کرتے، ان سے بحث و مباحثہ اور تبادلۂ خیالات کرتے، پہلے ان سے فرماتے کہ ان کے پاس احادیث اور اقوالِ صحابہؓ کا جو کچھ ذخیرہ ہے وہ پیش کریں، پھر اپنا ذخیرۂ دلائل سامنے رکھتے، اس کے بعد پھر ایک ماہ یا اس سے زیادہ اس مسئلہ پر بحث کرتے تا آنکہ آخری بات طے پا جاتی اور امام ابویوسفؒ اسے قلم بند کرتے۔ اسی طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوتے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تنہا کوئی بات کہی ہو۔

احتیاط کا عالم یہ تھا کہ بحث کے دوران اگر کمیٹی کا رکن قاضی عافیہ نہ ہوتے تو آپؒ فرماتے کہ جب تک عافیہ نہ آجائے اس مسئلہ کو ملتوی کر دو، اُن کے آنے کے بعد جب دوسرے ممبران سے اتفاق ہو جاتا تو آپؒ فرماتے کہ اب اس کو لکھو۔

خلاصہ یہ کہ فقہ حنفی صرف ایک شخص کی رائے نہیں بلکہ ان چالیس جبال العلم حضرات کی شوریٰ کا مرتب کردہ قانون ہے، اور جب تک کوئی مسئلہ خوب تحقیق و تفتیش کے مراحل طے نہ کر لیتا آپؒ اس کو رجسٹر میں لکھنے سے منع کر دیتے، حتیٰ کہ ایک دن قاضی ابویوسفؒ سے فرمایا:۔

ویحک یا یعقوب لا تکتب کل ما تسمع منی فانی قد اری الرأی الیوم و اترکہ غدا و اری الرأی غدا و اترکہ فی غدہ۔

(مقدمہ نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۸)

اے یعقوب! جو کچھ مجھ سے سنو اس کو فوراً مت لکھو، اسلئے کہ میں کبھی آج کے دن ایک مسئلہ کے بارے میں ایک رائے رکھتا ہوں اور کل اس کو ترک کرتا ہوں اور کل دوسری رائے رکھتا ہوں اور پرسوں اس کو چھوڑتا ہوں۔

کسی بھی مسئلہ پر کمیٹی کے ہر ممبر کو اپنی رائے پیش کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی اور وہ خوشی سے اپنی اپنی آراء پیش کرتے تھے اور اس پر خوب جرح و قدح ہوتی تھی، اس کے بعد آخر میں اسے قبول کیا جاتا۔

امام ابوحنیفہؒ نے جس طرز پر تدوینِ فقہ کا کام کیا وہ ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی نظیر غیر اسلامی تاریخوں میں بھی نہیں ملتی۔ اس طریقۂ تدوین سے آپؒ نے باختلافِ اقوال ساڑھے پانچ لاکھ مسائل استنباط فرمائے۔

علامہ خوارزمیؒ فرماتے ہیں کہ ان پانچ لاکھ مسائل میں اڑتیس ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے ہے اور باقی معاملات سے متعلق ہیں۔

فقہ کے ماخذ

جیسا کہ فقہ کی تعریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ المستنبط من الادلۃ الشرعیۃ جو ادلۂ شرعیہ سے ماخوذ ہو۔ یہاں ادلہ کا کسی قدر ذکر کیا جاتا ہے۔ عموماً تو احکامِ شرعیہ کے چار دلائل ذکر کئے جاتے ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں ماخذ میں قرآن و سنت دو بنیادی اصول ہیں اور باقی دو یعنی اجماع و قیاس ان دونوں کے تابع ہیں۔ اس لیے جو اجماع و قیاس قرآن و سنت کے معارض ہو تو وہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان الاحکام تؤخذ من نص او حمل علیٰ نص۔ (اسلامی فقہ کے اصول ص۷۹ باب دوم)

(ترجمہ) "احکامِ شرعیہ یا تو نص سے اخذ کئے جاتے ہیں یا اس امر سے اخذ کئے جاتے ہیں جو نص پر محمول ہو۔"

یہ چاروں دلائل فقہاءِ اُمت کے ہاں متفق علیہ ہیں مگر ان کے علاوہ بھی چند ماخذ ہیں۔ جو فقہاءِ کرام کے ہاں مختلف فیہ ہیں، بعض دلائل کو ایک فقیہ و مجتہد ماخذ کا درجہ دیتا ہے مگر دوسرا فقیہ ان کو ماخذ تسلیم نہیں کرتا۔ یہاں ان ماخذ کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

القرآن الحکیم احکامِ شرعیہ کا سب سے پہلا اور اصل الاصول ماخذ قرآنِ کریم ہے، اصولِ فقہ کی کتابوں میں اس کو الکتاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور یہ قرآنِ کریم کا ایک نام ہے، اس کے علاوہ اور اسماء بھی ذکر کیے جاتے ہیں

جن میں مشہور ترین پانچ اسماء ہیں یعنی القرآن، الفرقان، الکتاب، الذکر، التنزیل۔
قرآنِ کریم میں یہ اسماء جا بجا ذکر کئے گئے ہیں۔
اس کتاب میں جزئیات اور فروعات کا ذکر بہت کم ہے۔ اکثر اصول و قواعد اور کلیات کا ذکر ہے۔
علامہ شاطبیؒ نے الموافقات میں لکھا ہے:۔

القرآن علیٰ اختصارہ جامع ولا یکون جامعاً الا والمجموع فیہ امر کلیات لان الشریعۃ تمت بتمام نزولہ لقولہ الیوم اکملت لکم دینکم (الایۃ) وانت تعلم ان الصلوٰۃ والزکوٰۃ، والجہاد واشباہ ذٰلک لم یبین جمیع احکامھا فی القرآن انما بینتھا السنۃ وکذٰلک العادیات من الانکحۃ والعقود والقصاص والحدود وغیرھا۔
(الموافقات ج۳ ص۳۶۷ المسئلۃ الخامسۃ)

قرآنِ کریم اختصار کے باوجود ایک جامع کتاب ہے اور یہ جامعیت تب ممکن ہے جب اس میں کلیات ذکر ہوں، اس لیے کہ شریعتِ مطہرہ کامل اور مکمل ہو چکی ہے اور اس بات کی طرف اللہ تعالےٰ نے الیوم اکملت لکم دینکم الخ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کیا، سے اشارہ فرمایا ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ نماز، زکوٰۃ، جہاد اور اس جیسے احکامات کی تفصیلات اور جزئیات مثلاً اوقاتِ صلوٰۃ کا قرآن میں ذکر نہیں آیا ہے البتہ اس کو سنت نے بیان کیا، اسی طرح نکاح، بیع و شراء، قصاص و حدود وغیرہ جیسے معاملات کی جزئیات کا ذکر بھی قرآن میں نہیں مگر احادیث نے ان کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

علامہ شاطبیؒ ایک اور مقام پر ذرا واضح اور صریح الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

تعریف القرآن بالاحکام الشرعیۃ اکثرہ کلی لا جزئی وحیث جاء جزئیاً فماخذہ من الکلیۃ۔ (الموافقات ج۳ ص۳۶۶)

قرآن میں اکثر شرعی احکامات کلی مذکور ہیں لیکن جہاں جزئی حکم کا ذکر ہوا ہو تو کسی کلی سے اخذ کیا گیا ہو گا۔

قرآنِ کریم اگرچہ کسی تعارف یا تعریف کا محتاج نہیں، اس لیے کہ یہ ایک بدیہی کلام ہے مگر بعض مصلحتوں کے پیشِ نظر علماء اصولِ فقہ نے یوں تعریف کی ہے:۔

ھو القرآن المنزل علیٰ رسول اللہ علیہ وسلم المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلاً متواتراً بلا شبہ۔

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہوا اور مصاحف میں منقوش ہوا اور ہم تک تواتر

(نور الانوار ص۸، ۹) | کے ساتھ بلا شبہ کے منقول ہو۔

قرآن کا کتنا حصّہ ماخذ ہے قرآن اگرچہ فقہ کا ماخذ ہے مگر خصوصیت سے آیات الاحکام ماخذ ہیں جن پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جس کی تائید کسی نے پانچسو کسی نے سینکڑوں سے متجاوز ذکر کئے ہیں جو کہ فقہ کا ماخذ ہیں اور ایک فقیہ کے لیے اس پر عبور رکھنا ضروری ہے۔

مہارت کے لیے شرائط مگر اس عبور کے لیے چند چیزوں کا علم ضروری ہے۔

(۱) **ناسخ و منسوخ کا علم**: یعنی اس فقیہ کو یہ معلوم ہو کہ کونسی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ۔

(۲) **مجمل و مفسر کا علم**: یعنی فقیہ کو یہ علم حاصل ہو کہ ان آیات میں کون سی آیت مجمل ہے اور کون سی مفسر۔

(۳) **خاص و عام کا علم**: ایک فقیہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو یہ پتہ ہو کہ کونسی آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے خاص ہے اور کون سی عام ہے۔

(۴) **محکم اور متشابہ کا علم**: اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ ان آیات میں کون سی آیت متشابہ ہے اور کون سی محکم ہے۔

(۵) **نوعیّت کا علم**: اور اس کا جاننا بھی ضروری ہے کہ ان آیات میں جو اوامر کی آیات ہیں ان میں امر کی نوعیت کیا ہے، کون سا امر وجوب کا مقتضی ہے اور کون سا فرض، مستحب، یا اباحت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور جن آیات کا تعلق نواہی سے ہے اس میں کونسی نہی حرام کا تقاضا کرتی ہے اور کون سی کراہتِ تحریم یا کراہتِ تنزیہی کا۔

السُّنّۃ فقہ کا دوسرا ماخذ سُنت ہے۔ سنت کا لغوی معنیٰ ہے طریقہ اور عادت، عربی زبان میں یہ لفظ جب بلا کسی قید کے استعمال ہو جائے تو عمدہ طریقہ اور اچھی سیرت کے معنیٰ میں ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہٗ اجرھا واجر من عمل بھا ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا ووزر من عمل بھا۔

جس شخص نے اسلام میں ایک اچھی سُنّت جاری کی تو اس کیلئے اس کا اجر ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں گے اس کا بھی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا

(ابن ماجہ ص۱۸)

اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے اُن کا بھی ۔

اور فقہ کی کتابوں میں سنت کا اطلاق اُس عمل پر ہوتا ہے جو فرض اور واجب نہ ہو مگر اصطلاح میں سنت کا اطلاق وسیع پیمانہ پر ہے کہ :

السنّة تطلق علیٰ قول الرسول صلی الله علیه وسلم وفعله وسکوته وعلیٰ اقوال الصحابة وافعالهم ۔
(نور الانوار ص۱۷۵ باب اقسام السنة)

سُنت کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور سکوت پر ہوتا ہے اور اسکے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال پر بھی سُنت کا اطلاق ہوتا ہے ۔

سُنت اور حدیث میں فرق

اس بارے میں علماء امت کے اقوال مختلف فیہ ہیں :-

(۱) فقہاء کرام کے ہاں حدیث خاص ہے، اس کا اطلاق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوالِ مبارکہ پر ہوتا ہے، اور سُنت عام ہے، اس میں قول و فعل اور تقریر وغیرہ سب شامل ہیں ۔

(۲) مگر محدثین حضرات کے ہاں حدیث اور سُنت دونوں مترادف ہیں ۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :-

المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما اضیف الی النبی صلی الله علیه وسلم ۔
(نزهة النظر ص۸)

حدیث سے مراد شرع کی رُو سے وہ شے ہے جس کی اضافت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو ۔

اب جس طرح اقوال کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے تو افعال و تقریرات اور صفات کی نسبت بھی ہوتی ہے، اس لیے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال و افعال، تقریرات وصفات چاہے عالمِ بیداری میں ہوں یا عالمِ خواب میں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جُملہ حرکات و سکنات حدیث کہلاتی ہیں، سنت و حدیث باہمی مترادف ہیں"

(۳) جبکہ بعض حضرات کی ایک تیسری رائے بھی ہے، ان کے ہاں سُنت خاص ہے اس کا اطلاق صرف اعمال پر ہوتا ہے ۔ اور حدیث عام ہے جس کا اطلاق تمام امور پر ہوتا ہے ۔

سُنت کی حُجیت

علامہ تقی امینیؒ نے سنت کی عجیب تشریح کی ہے کہ قرآن حکیم نقشۂ تعمیر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت اس نقشۂ تعمیر کے مطابق

تیار کی ہوئی عمارت ہے۔ نقشہ (کتاب) کے ساتھ انجنیئر (رسول) بھیجنے کے اصول پر اس وقت سے برابر عملدرآمد رہا ہے جب سے ہدایت الٰہی کے سلسلہ کی ابتداء ہوئی ہے۔ اسی بنا پر حالات و زمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے عمارت کی تعمیر میں انجنیئر کی بتائی ہوئی ہدایات کو قطعاً نظر انداز کرنے سے اصل نقشہ کی مطابقت نہیں ہوسکتی۔ (فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۹۴)

توجس طرح قرآن کریم کا ماننا اور اس کو حجت تسلیم کرنا ضروری ہے اسی طرح سنت کو حجت ماننا بھی اشد ضروری ہے، ورنہ اصل قرآن پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے قرآن کریم کلیات سے بحث کرتا ہے، اس کی جزئیات اور تشریح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے، قرآن کریم خود اس کی حجیت کا داعی ہے، مثلاً :- (۱)

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (سورۃ النجم آیت ۱ تا ۴)	قسم ہے ستاروں کی جب وہ غروب ہو جائیں، یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (رسولؐ) نہ راہ حق سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر ہوئے، اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں، ان کا ارشاد خالص وحی ہے۔

چاہے وہ وحی متلو (قرآن) ہو یا غیر متلو (سنت) دونوں کی وحی منزل من اللہ ہوتی ہے۔

(۲) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ۔ (سورۃ المائدہ آیت ۶۷)	اے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ آپ پر پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسکی تبلیغ کیجئے۔

اس آیت میں لفظ مَا عام ہے، اس میں بھی وحی متلو اور غیر متلو دونوں شامل ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقوال و افعال اور تقریرات سے قرآن کریم کی جو بھی تبلیغ و تشریح کریں گے وہ قرآن ہی سے ماخوذ ہوگی، علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں :-

ليس فى السنة الا واصله فى القرآن انما هى تبيين له وتفصيل۔ (الموافقات ج ۴ ص ۲۱ المسئلة الثالثة)	سنّت میں کوئی بھی ایسا عمل نہیں جس کی اصل قرآن میں نہ ہو بلکہ سنّت قرآن کی وضاحت اور اس کی تفصیل ہے۔

اس کی حیثیت تفسیر و شرح جیسی ہے، شارح یا مفسر تو متن کے مراد کی وضاحت کرتا ہے اس کے خلاف نہیں کرتا، علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ :-

فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح	سنّت قرآن کریم کے احکام کی تفسیر اور اس کی

احکام الکتب۔ (الموافقات ج۴ ص۱۰ المسئلۃ الثالثۃ) | شرح جیسی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب تشریع و تفسیر عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (سورۃ النحل آیت ۴۴)

ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل فرمایا تاکہ آپ واضح کر دیں لوگوں پر وہ چیز (قرآن) جو اُن کی طرف بھیجی گئی ہے، اس لیے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں۔

اس آیتِ کریمہ کے تحت علامہ شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

فلا تجد فی السنۃ امرًا الا والقرآن قد دل علی معناہ دلالۃ اجمالیۃ او تفصیلیۃ۔ (الموافقات ج۴ ص۱۲ المسئلۃ الثالثۃ)

تم سنت میں کوئی ایسا امر نہیں پاؤ گے جس پر قرآنِ کریم میں کوئی دلالت اجمالی و تفصیلی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ (سورۃ النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہیں، پھر اگر تمہارے مابین کسی چیز (معاملہ) میں نزاع پیدا ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

علامہ شاطبیؒ "الموافقات" میں لکھتے ہیں:۔

الرد الی اللہ ھو الرد الی الکتاب و الرد الی الرسول ھو الرد الی سنتہ۔ (الموافقات ج۴ ص۱۴ المسئلۃ الثالثۃ)

اللہ کی طرف رجوع کرنا دراصل کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول کی طرف رجوع کرنا دراصل ان کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی ایسی بے شمار آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس طرح قرآن حجت ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی حجت ہے۔ اور اس موضوع پر علماء امت کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔

الاجماع تیسرا ماخذ اجماع ہے، اجماع کا لغوی معنیٰ ہے عزم اور اتفاق کرنا۔ فقہاء امت نے اجماع کی مختلف تعریفات کی ہیں۔ علامہ قاضی شوکانی رحؒ لکھتے ہیں:۔

اتفاق مجتہدی امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ فی عصر من الاعصار علیٰ امر من الامور۔ (ارشاد الفحول ص۷۱، التیسیر ج۳ ص۸۱)

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی زمانہ میں کسی مسئلہ پر اتفاق کرنا۔

امام غزالیؒ نے یہ تعریف کی ہے:۔

اتفاق امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ علیٰ امر من الامور الدینیۃ۔ (المستصفی ج۱ ص۱۷۳)

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دینی معاملات میں سے کسی معاملہ پر متفق ہونا۔

مگر علامہ آمدیؒ نے اس تعریف پر مختلف وجوہات سے اعتراض کیا ہے:۔

(۱) اس تعریف میں اتفاق سے امت محمدیہ کے الفاظ ہیں جو قیامت تک آنے والوں کو شامل ہیں جس میں اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امت کا کس بات پر اتفاق ہو چکا ہے۔

(۲) اگر بالفرض امت سے کوئی عہد مراد ہے تو ممکن ہے کسی زمانے میں امت کے اندر ارباب حل و عقد نہ ہوں اور لازماً عوام الناس کے کسی دینی مسئلہ پر اتفاق کو اجماع کیا جائے تو شرعاً یہ صحیح نہیں۔

(۳) تعریف میں من الامور الدینیۃ کی قید سے عقلی اور معاشرتی مسائل پر اجماع خارج ہو جائے گا جو عقلاً بھی صحیح نہیں۔

علامہ آمدیؒ نے امام غزالیؒ کی تعریف پر اعتراض کے بعد اجماع کی یہ تعریف کی ہے:۔

الاجماع عبارۃ من اتفاق جملۃ اھل الحل و العقد من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی عصر من الاعصار حکم واقعۃ من الوقائع۔ (الاحکام فی اصول الاحکام ج۱ ص۲۸۱)

اجماع اس اتفاق سے عبارت ہے جو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ ارباب حل و عقد کا کسی زمانے میں کسی واقعہ پر ہو جائے۔

اور اسی قسم کی تعریف قاضی بیضاویؒ نے بھی کی ہے۔ اور اسی طرح کی تعریف کرتے ہوئے

ملا محمد یعقوب البنانی رح لکھتے ہیں :۔

اتفاق المجتہدین من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی کل عصر علیٰ امر من الامور (المولوی حاشیہ حسامی ص۳۸۳ باب الاجماع)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی معاملہ پر متفق ہونا ۔

اجماع کی ان جملہ تعریفات سے معلوم ہوا کہ اجماع کسی زمانے یا کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر دور کے اہلِ اجتہاد کسی مسئلہ پر اتفاق کر سکتے ہیں اور ان کا یہ اتفاق مقبول ہو گا۔ ہمارے ہاں صحیح مذہب یہ ہے کہ ہر زمانے کے اہلِ اجتہاد صاحبِ عدالت حضرات کا اجماع معتبر اور حجتِ شرعی ہے ۔ ملا محمد یعقوب البنانی رح لکھتے ہیں :۔

والصحیح عندنا ان اجماع علماء کل عصر من اہل العدالۃ والاجتہاد حجۃ ۔ (المولوی حاشیہ حسامی ص۳۸۴ باب الاجماع)	ہمارے ہاں صحیح یہ ہے کہ ہر زمانے کے اہلِ عدالت و اجتہاد کا اجماع حجت ہے ۔

اجماع کن کا معتبر ہے

یہ مسئلہ بھی علماء امت کے ہاں مختلف فیہ ہے کہ اجماع کن حضرات کا معتبر ہو گا؟ تو اہلِ ظواہر کا کہنا ہے کہ اجماع کے لیے صرف صحابہ کرام رض متعین ہیں، ان کے اجماع کا اعتبار ہو گا۔ زیدیہ اور امامیہ کے نزدیک صرف اہلِ بیت متعین ہیں۔ اور امام مالک رح کے ہاں صرف اہلِ مدینہ کے اجماع کا اعتبار ہو گا ۔

اجماع کی حجیت

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، آپ کا لایا ہوا دین متین قیامت تک کے لیے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مسائل کا حل وحی الٰہی سے کراتے تھے لیکن آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد وحی کا سلسلہ قیامت تک بند رہے گا جبکہ قیامت تک امتِ محمدیہ کے لیے نئے نئے مسائل پیش آتے رہیں گے جن کا کوئی نہ کوئی حل لازمی ہو گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا راستہ بتلایا کہ ہر زمانے کے جید علماء اہلِ اجتہاد نئے پیش آنے والے مسائل پر غور و فکر کریں اور ان کا حل تلاش کریں ۔ قرآنِ کریم نے اسی حجیت کا کئی مرتبہ ذکر کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ	اور جو مخالفت کرے رسول کی اسکے بعد کہ اس پر کھل چکی ہے ہدایت اور چلے مسلمانوں کے راستے کے علاوہ پر تو ہم اسکو اس رستے کے حوالہ کر دیں گے جس پر وہ چلا ہے اور ڈال دیں گے اس کو جہنم میں

سَآءَتْ مَصِيْرًا ○
(سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔
(سورۃ النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول کی اطاعت کرو اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے اصحاب الرائے ہیں۔

(۳) كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ○
(سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳)

اسی طرح، ہم نے بنایا تم کو بہترین اُمت تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ آیتِ بالا سے اجماعِ اُمت کی حُجیت کے لیے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(۱) فی هٰذه الآیة دلالة علی صحة اجماع الامة من وجهین احدهما وصفه ایاها بالعدالة وانها فیا ز وذلك یقتضی تصدیقها والحکم بصحة قولها وناف لاجماعها علی الضلال والوجه الاخر (قوله) لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ عَلَى الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ۔
(احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۰۱ سورۃ البقرۃ)

یہ آیت اجماعِ امت کی صحت پر دو وجوہ سے دلالت کرتی ہے (۱) اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو صفتِ عدالت کے ساتھ متصف کیا ہے اسلئے کہ یہ بہترین امت ہے اور یہی صفت ان کی تصدیق کی مقتضی ہے اور اس کے قول پر صحت کا تقاضا کرتی ہے اور ان کے اجماع پر گمراہی کے لیے منافی ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ) کہ تم لوگوں پر حُجت ہو۔

علامہ رازیؒ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ:۔

فدل علی ان الاجماع فی ای حال حصل من الامة فهو حجة الله عز وجل غیر صائغ لاحد ترکه ولا الخروج عنه ومن حیث دلت الآیة علی صحة الصدر الاول فهی دالة علی

پس یہ آیت اس بات پر دال ہے کہ بیشک جو اجماع کسی بھی حال میں اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منعقد ہو جائے تو وہ حجۃ اللہ ہے کوئی بھی اس کو ترک نہیں کر سکتا اور نہ اس سے نکلنا جائز ہے، جس طرح یہ آیت قرونِ اولیٰ کے اجماع کی

صحۃ اجماع اھل الاعصار۔ (احکام القرآن ج۱ ص۱۱۵ سورۃ البقرۃ)	صحت پر دال ہے اسی طرح ہر دور کے اجماع پر بھی دلالت کرتی ہے۔

اسی طرح مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:۔

"یہ اجماعِ اُمت کے حجت ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ جب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری امتوں کے بالمقابل ان کی بات کو حجت بنادیا، تو ثابت ہوا کہ اس امت کا کسی مسئلہ پر اجماع حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے، اس طرح کہ صحابہؓ کا اجماع تابعین پر، تابعین کا اجماع تبع تابعین پر حجت ہے"۔ (معارف القرآن جلد۱ ص۳۷۳)

(۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳)	اللہ کی رسی کو سب کے سب مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو۔ (آپس میں پھوٹ نہ ڈالو)

اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کے اجماعی فیصلوں کی مخالفت کرنا ان میں پھوٹ ڈالنے کے مترادف ہے جو شرعاً ممنوع ہے، تو گویا ان کا اجماعی فیصلہ ایک حجتِ شرعی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی مخالفت کو ممنوع قرار دیا۔

احادیث سے حجیتِ اجماع

اجماعِ امت کی حجیت کے بارے میں اتنی روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کہ وہ تواتر قدرِ مشترک کی حد تک پہنچتی ہیں، یہاں ان میں سے چند ایک کو درج کیا جاتا ہے:۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا معاملہ اور مسئلہ پیش آجائے جس کے بارے میں قرآنِ کریم اور سنتِ رسول میں کوئی وضاحت نہ ہو تو پھر ہم اس کے حل کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

شاوروا فیہ الفقہاء العابدین۔ (مجمع الزوائد ج۱ ص۴۲۸ رقم الحدیث ۸۳۴)	کہ تم اس معاملہ میں متقی اور پرہیزگار فقہاءِ کرام سے مشورہ کرو۔

یہ روایت وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ فقہاء عابدین کی رائے اور ان کا

اجماع واجب الاتباع حجت ہے۔

(۲) اسی طرح ایک اور روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لن یزال امر ھذہ الامۃ مستقیماً حتی تقوم الساعۃ۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶ کتاب العلم)	اس امت کی حالت ہمیشہ درست رہے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ساری کی ساری اُمت حق پر ہو۔ مشاہدات اور پیشینگوئی والی روایات سے ثابت ہے کہ بعض لوگ غیر حق پر بھی ہوں گے۔ لہٰذا اس روایت سے معلوم ہُوا کہ اُمت کی ایک جماعت نیکوکار اور ہدایت یافتہ رہے گی اور اس کی رائے واجب الاتباع ہوگی۔

(۳) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد گرامی ہے:۔

ان اللہ لا یجمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ ویداللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ علی النار۔ جامع الترمذی ج ۲ ص ۳۹ ابواب الفتن، باب لزوم الجماعۃ	اللہ تعالیٰ میری امت کو یا یہ فرمایا کہ امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گمراہی پر جمع (متفق) نہیں کرے گا۔

امام الانبیاء جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کئی صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہے حتیٰ کہ بعض تابعین نے بھی اس کو مُرسلاً روایت کیا ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں سب صحابہ کرامؓ کے سامنے فرمایا:۔

ثلاث لا یغل علیھن قلب مسلم اخلاص العمل للہ والنصیحۃ للمسلمین ولزوم جماعتھم فان دعوتھم تحیط من ورائھم۔ (سنن ابن ماجۃ ص ۲۱۹ کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر)	تین خصلتوں کی موجودگی میں کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرے گا (۱) اللہ کیلئے عمل میں اخلاص ہو۔ (۲) مسلمانوں کیلئے خیر خواہی ہو (۳) اور مسلمانوں کی جماعت کی اتباع کا لزوم، کیونکہ ان کی دعا پیچھے سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

مذکورہ بالا جملہ روایات اور آیاتِ قرآنی اس امر پر دال ہیں کہ اجماعِ اُمت حُجت ہے، اسکے علاوہ آثارِ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور تعاملِ امت بھی حُجیتِ اجماع پر دلالت کرتے ہیں اور اس کو فقہ اسلامی کے ایک اہم ماخذ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اجماع کرنے والوں کے شرائط و اوصاف

چونکہ اجماع ہر ایک کا معتبر نہیں بلکہ اس کے لیے وہ لوگ درکار ہیں جو اہلِ حل و عقد ہوں مگر ان میں بھی ایسے اوصاف کا موجود ہونا ضروری ہے کہ وہ اہلِ حل و عقد کہلانے کے مستحق ٹھہرائے جاسکیں اور لوگ ان کے فیصلہ پر عمل کرسکیں اور وہ بطور سند حق بجانب ہوں اجماع کرنے والوں میں مندرجہ ذیل شرائط و اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے:۔

(۱) قرآنِ کریم میں پوری مہارت رکھتا ہو صرف ترجمہ جان لینا کافی نہیں۔

(۲) سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر روایتاً و درایتاً پورا عبور رکھتا ہو۔

(۳) صحابہ کرامؓ کی زندگی سے واقفیت اور ان کے اجماعی فیصلوں کا علم رکھتا ہو۔

(۴) قیاس و اجتہاد کے ذریعے نصوص، مسائل کے استنباط کے اصول و قواعد کا علم رکھتا ہو۔

(۵) زمانہ کے حالات، تقاضوں، قوم کی عادات و اطوار، ان کے رسم و رواج اور ان کے مزاج سے واقفیت رکھتا ہو۔

(۶) اجماع میں ایسے لوگ ہوں جو جدید رجحانات اور ان کے تقاضوں کے نشیب و فراز سے واقفیت رکھتے ہوں تاکہ وہ پیش آمدہ معاملات پر پوری سنجیدگی سے غور و فکر کرکے اپنی رائے دے سکیں۔

اس لیے کہ کسی فنی مسئلہ کے لیے اس فن کے ماہرین کا ہونا ضروری ہے۔

الاجماع المعتبر فی فنون العلم هو اجماع اهل ذلك الفن العارفین به دون من غیرهم فالمعتبر فی الاجماع فی المسائل الفقهیة قول جمیع الفقهاء و فی المسائل الاصولیة قول جمیع الاصولیین وفی المسائل النحویة قول جمیع النحویین ومن اهل ذلك الفن هو فی حكم العوام۔

فنونِ علم کے لیے ان لوگوں کا اجماع معتبر ہے جو اس فن کے ماہر ہوں، ان کے علاوہ کسی دوسرے کے اجماع کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے فقہی مسائل میں جمیع فقہاء کا قول معتبر ہوگا اصولی مسائل میں جمیع اصولیین کے قول کا اعتبار ہوگا نحو کے مسائل میں تمام نحویین کا قول معتبر ہوگا ان کے علاوہ لوگ عوام الناس کے درجے میں ہیں۔

(حصول المامول من علم الاصول بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۱۸)

(۷) علمی اعتبار سے اجماع کرنے والے بلند اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ہو، اوامر پر عمل کرتے اور نواہی سے بچتے ہوں، فسق و فجور، بدعات اور دیگر بری عادات سے پاک و صاف ہوں، متقی اور پرہیز گار ہوں، اس کے ساتھ ساتھ غیر محتاط نہ ہوں، البتہ خفیہ فسق مانع اجماع نہیں۔

اسی لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ :-

ان کان معلنا بفسقہ فلا یعتبر لقولہ فی الاجماع وان کان غیر مظھر لہٗ یعتبر بقولہ فی الاجماع۔ (التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۳ - ماخوذ از فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۱۸)

جو شخص اعلانیہ فاسق ہو اجماع میں اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور جو شخص ظاہراً فاسق نہ ہو اجماع میں اس کے قول کا اعتبار ہوگا۔

اجماع کی اقسام

عموماً اجماع کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں، ۱۔ اجماعِ قولی ۲۔ اجماع عملی ۳۔ اجماع سکوتی۔

(۱) اجماع قولی : اجتہاد کے اہل حضرات کسی دینی مسئلہ پر زبانی طور سے اتفاق ظاہر کریں، جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابۂ کرامؓ نے زبانی طور پر اقرار کرکے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۲) اجماع عملی : اہلِ اجتہاد لوگ کسی دینی مسئلہ پر اتفاق کا اظہار زبانی طور پر تو نہ کریں مگر عملاً اپنے اتفاق کو ظاہر کرکے اس مسئلہ پر مباح، مستحب یا جائز کے درجہ میں عمل کریں۔

علماء نے لکھا ہے کہ اجماع کی اس قسم سے وجوب ثابت نہیں ہوتا البتہ اباحت یا استحباب کا سبب بن سکتا ہے۔ جیسے ظہر سے قبل چار رکعت سنن کے سنتِ مؤکدہ ہونے پر صحابہؓ کا عملی اجماع ہے، حضرت ابوعبیدہ السلمانیؒ فرماتے ہیں :-

ما اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی شیٔ کاجتماعھم علی ھا فظۃ الاربع قبل الظھر والاسفار بالفجر وتحریم نکاح الاخت فی عدۃ الاخت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی شے پر اس طرح جمع نہیں ہوئے جس طرح ان کا اجماع ہوا ہے ظہر سے قبل کی چار رکعت سنتوں پر، فجر کو خوب روشن کرکے پڑھنے پر اور بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنے پر۔

(۳) **اجماع سکوتی:** بعض مجتہدین ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی مسئلہ پر اتفاق کریں اور وہ بات اتنی شہرت پا جائے کہ اس زمانے کے ہر مجتہد کو اس کی خبر ہو جائے اور وہ خوب غور و فکر کے بعد اس پر اپنی رائے کا اظہار نہ کرتے ہوئے سکوت اختیار کر جائے اور اس فیصلے کے ساتھ اختلاف نہ کرے۔

حکم اوّل و دوم قسم کے اجماع کا حجت ہونا متفق علیہ ہے البتہ تیسری قسم کے اجماع (اجماعِ سکوتی) کی حجیت مختلف فیہ ہے، اکثر حنفیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ اس کو حجتِ قطعی مانتے ہیں جبکہ اکثر مالکیہ و شافعیہ حتیٰ کہ خود امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس اجماع کو حجت نہیں مانتے۔ اور بعض فقہاء کے ہاں یہ حجتِ ظنی ہے قطعی نہیں۔

اجماعِ سکوتی کے ثبوت کے لیے شرائط اجماعِ سکوتی کے ثبوت اور اس کو اعتبار دینے کے لیے چند شرائط ہیں:۔

(۱) سکوت اختیار کرنے والوں کی طرف سے دلالۃً، اشارۃً یا صراحۃً کوئی ایسا قول مروی نہ ہو جس سے ان کی مخالفت یا موافقت کا پتہ چلتا ہو۔

(۲) مسئلہ پر غور و فکر کرنے کے لیے کافی وقت موجود ہو مگر اس کے باوجود انہوں نے سکوت کیا ہو۔

(۳) مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہو۔

(۴) سکوت کرنے والے مجتہدین علماء ہوں۔

(۵) وہ مجتہد اس قول / فعل کو اتنا واضح کرے کہ وہ کسی پر مخفی نہ رہے اور ہر ایک کو اس کی خبر ہو۔

ان شرائط کی موجودگی میں اجماعِ سکوتی معتبر ہے ورنہ نہیں۔

اجماع کا حکم جب کسی مسئلہ پر علماءِ امت متفق ہو جائیں تو اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے اس لیے کہ اب وہ مسئلہ قطعی الثبوت بن گیا ہے۔

اجماع حکمِ شرعی کو ثابت کرتا ہے، قیاس کی طرح مظہر نہیں مثبت ہے لیکن یہ اثبات وصفِ حکم کا ہوتا ہے ذاتِ حکم ثابت نہیں کرتا، اس کے لیے صرف قرآن و سنت کافی ہے بناء بریں وجہ بعض علماءِ اصول نے اجماع کو بھی قیاس کی طرح مظہرِ حکم کہا ہے۔

وضاحت اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عام کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ

ادلہ اربعہ میں تین دلائل (قرآن، سنت اور اجماع) مثبت للحکم ہیں اور قیاس مظہر للحکم ہوا جبکہ اثبات ذات کا ہوتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ اصول اور فقہاء ذات حکم اور وصف حکم دونوں پر حکم ہی کا اطلاق کرتے ہیں، وہ ذات حکم کی طرح وصف حکم کو بھی حکم کہتے ہیں، اس لیے انہوں نے وصف حکم پر حکم کا اطلاق کر کے اجماع کو مثبت للحکم قرار دیا ہے ورنہ اجماع صرف وصف حکم کے لیے مثبت ہے ذات حکم قرآن و سنت ہی سے ثابت ہوتا ہے۔

القیاس

فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے، قیاس کا لغوی معنیٰ ہے اندازہ لگانا، برابر کرنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے قاس النعل بالنعل کہ انہوں نے ایک جوتے کو دوسرے جوتے کے ساتھ برابر کر دیا۔ تو قیاس شرعی میں بھی فرع کو حکم میں اصل کے مماثل اور برابر کیا جاتا ہے۔

اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ کے ساتھ یوں کی گئی ہے:۔

(۱) علامہ ابوالحسن البصری فرماتے ہیں:

تحصیل حکم الاصل فی الفرع لاشتباھما فی علۃ الحکم عند المجتھد۔ (اسلامی فقہ کے اصول ومبادی ص ۱۴۶)	اصل کا حکم فرع میں جاری کرنا اس لیے کہ مجتہد کے نزدیک دونوں میں علت حکم کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

(۲) علامہ ابوبکر باقلانیؒ فرماتے ہیں:۔

حمل معلوم علیٰ معلوم فی اثبات حکم لھما او نفیہ عنھما بامر جامع بینھما۔ (اسلامی فقہ کے اصول ومبادی ص ۱۴۶)	ایک معلوم امر کو دوسرے معلوم امر پر اس طور پر حمل کرنا کہ دونوں میں کسی جامع امر کی وجہ سے حکم ثابت ہو جائے یا نفی ہو جائے۔

(۳) صاحبِ "نورالانوار" ملاجیونؒ فرماتے ہیں:۔

تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلۃ۔ (نورالانوار ص ۲۲۴ باب القیاس)	فرع کو اصل کے ساتھ حکم اور علت میں مساوی اور برابر کرنا۔

اس کے علاوہ بھی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جس امر (جزئیہ) کے بارے میں شریعتِ اسلامی کی نصوص (قرآن و سنت) سے کوئی حکم ثابت نہ ہو اور یہ فرع علت میں ثابت شدہ امر کے ساتھ متشابہ ہو تو اس اصل کا حکم اس فرع کو دے دینا قیاس کہلاتا ہے۔

قیاس کی ضرورت

بعض لوگ جو قیاس کے منکر ہیں ان کا کہنا ہے کہ قیاس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ حالانکہ قرآن و سنت ہمارے لیے کافی ہے، ان دونوں میں سب کچھ ہے، جبکہ قیاس کا عمل سب سے پہلے شیطان نے کیا تھا اور شیطانی عمل ممنوع ہوتا ہے مشروع نہیں، لہٰذا قیاس کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس سے کام لینا ممنوع ہے۔

اس کے برعکس اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاس کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے اور رہے گی۔ قرآن و سنت اگرچہ بنیادی ماخذ ہیں مگر قیاس سے ثابت شدہ مسئلہ بھی اصلاً قرآن و سُنت کے مسئلہ پر قیاس کیا جاتا ہے کوئی نیا حکم نہیں گھڑا جاتا۔ قیاس کی ضرورت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کلیات بیان کیے گئے ہیں جزئیات کم ہیں اور وہ کلیات اپنے ظاہر مفہوم سے محدود ہیں، بلکہ ہر زمانے کے حالات کے نئے تقاضے ہوتے ہیں، ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، نئی نئی ایجادات و انکشافات اور سائنسی ترقیات سامنے آتے ہیں جو قدیم زمانے میں نہ تھے، ان کی وجہ سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا حل کرنا لازم امر ہے۔

تو ان کلیات اور اصول میں غور وفکر کر کے اس کے مفہوم کو سمجھنے اور ان کی علت سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد فرع (نئے مسائل) میں علت کی مشابہت کی وجہ سے حکم ثابت کیا جاتا ہے، بغیر اس طریقہ کار کے کوئی دوسرا طریقہ ان جدید مسائل کو حل کرنے کا نہیں ہے ورنہ ہر ایک ان مسائل میں اپنے ذہن ورجحان کا رنگ بھر دے گا اور یوں شریعتِ اسلامی کا ستیاناس ہو جائے گا۔

جہاں تک سب سے پہلے شیطان کے قیاس کرنے کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ بھی بے بنیاد ہے، اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے حضرات ملائکہ سے تخلیقِ آدم کے بارے میں مشورہ لیا تھا، چونکہ انسان سے قبل اس کرۂ ارضی پر صرف جنّات کا وجود تھا جو فتنہ پرور اور مفسد بن تھے، اس بنا پر ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان پر قیاس کرتے ہوئے عدم تخلیق کا مشورہ دیا، تو گویا سب سے پہلے قیاس کرنے والے ملائکہ ہیں۔ بخلاف اس کے اُمت کے مقتدر علماء میں کوئی (الا ماشاءاللہ) ایسا نہیں جو اس نظریئے کا قائل ہو۔

تو قیاس کی ہر دور اور زمانہ میں بہت اہمیت اور ضرورت رہی ہے اور رہے گی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو کرتے ہیں ان کا انکار عناد اور تعصب کی وجہ سے ہے۔

قیاس کا ثبوت شرعی

قیاس کوئی ایسا عمل نہیں جس کو بے بنیاد اور خود ساختہ قرار دیا جائے قرآن و سُنت میں اس کی اساس موجود ہے، آیاتِ مبارکہ کی

کثیر تعداد اور قولی، فعلی اور تقریری روایات مبارکہ اس کی مشروعیت پر دال ہیں، اور ان سے وضاحت کے ساتھ اس کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ۔ (سورۃ الحشر ۲)	اے آنکھوں والو! اعتبار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ بصیرت کو اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے، اور فقہائے کرام نے اعتبار کا معنیٰ یوں کیا ہے:۔

رد الشئ الیٰ نظیرہٖ ای الحکم علی الشئ بما ھو ثابت لنظیرہٖ۔ (توضیح وتلویح ج ۲ ص ۱۱۶ باب القیاس)	کسی شے کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا یعنی اس شے پر وہ حکم لگانا جو اس کی نظیر میں ثابت ہے (اور اسی کا نام قیاس ہے)

(۲) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے:۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (سورۃ النساء آیت ۵۹)	اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولی الامر کی (حاکموں کی) اطاعت کرو، پس اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔

اس آیت میں جب غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں چاروں ادلہ شرعی کا ذکر ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ تک کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور اجماع کا ثبوت ہے، اور فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ والے جملہ سے قیاس کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے امراء کی اطاعت کرو، البتہ امراء کی اطاعت اللہ اور رسول کے موافق ہونے پر موقوف ہے اور امراء کو حکم دیا گیا کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ الخ اگر کسی حکم میں تمہارے مابین نزاع پیدا ہو جائے جس کے بارے میں قرآن وسنت کا صریح حکم نہ ہو تو ایسے امر میں حکم ثابت کرنے کے لیے اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو، اس رجوع کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت کے صریح حکم پر قیاس کر کے اس غیر منصوص امر میں حکم کو ثابت کرو۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ ۔

(سورۃ النساء آیت ۱۰۵)

بیشک ہم نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے مابین اللہ تعالیٰ کے دکھائے ہوئے راستے کے مطابق فیصلہ کریں۔

قیاس کی مشروعیت کے لیے علامہ ابن رشد قرطبیؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ سے مراد استنباط اور قیاس سے حاصل ہونے والے نتائج ہیں۔

(بحوالہ اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۵۰)

قیاس کی حجیت کا احادیث سے ثبوت

قیاس کی حجیت کے لیے احادیث مبارکہ میں بھی کافی ذخیرہ موجود ہے جو اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے کافی ہے اس ذخیرہ میں احادیثِ قولیہ، فعلیہ اور تقریریہ تینوں پائی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت زیادہ مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا والی مقرر کیا تو الوداع کہتے وقت آپؐ سے پوچھا۔

بما تقضی یا معاذ؟ قال بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال فبسنۃ رسولہ، قال فلم تجد فیھما؟ قال اجتھد برائی، فقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ بما یحب ویرضی۔

{ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۹ باب اجتھاد الرای فی القضاء}

اے معاذؓ! جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ اور مقدمہ پیش ہو تو کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے؟ تو آپ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ، اس پر آپؐ نے فرمایا اگر تم اس معاملہ کا حل کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ آپؓ نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ کی سنت کے ساتھ، آپؐ نے فرمایا اگر ان دونوں میں اس معاملہ کا حل نہ پاؤ تو؟ آپؓ نے عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اس پر آپؐ نے فرمایا سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے رسولؐ کے رسول کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے۔

(۲) اسی طرح ابن ماجہ میں بھی ایک روایت یوں مذکور ہے :-

اذا حَکَمَ الحاکم فاجتھد فاصاب فلہٗ اجران فان اخطاء فلہ اجر واحدٌ۔

(ابن ماجہ ص۱۶۷ ابواب الاحکام)

جب کوئی حاکم کسی معاملہ میں حکم کے لیے اجتہاد کرے اور اس اجتہاد میں وہ مصیب ہو تو اُس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر وہ مُخطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس کئی مسائل کو دوسرے منصوص مسائل پر قیاس کر کے ان غیر منصوص مسائل کا حل فرمایا۔

بخاری شریف میں ہے کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ بہت کمزور ہے، اس میں نہ تو سواری پر بیٹھنے کی طاقت ہے اور نہ وہ حج کے لیے سفر کرنے کے قابل ہے، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

کان علی امک دین اقتقضیہ قالت نعم قال فدین اللہ احق ان نقضیہ۔

(صحیح بخاری ج ص)

اگر تمہاری ماں پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتی؟ اس نے عرض کیا ہاں ضرور ادا کرتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس کے دَین (قرض) کو ادا کرو۔

اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی ادائیگی کو عام قرض پر قیاس کر کے جواب دیا جس سے معلوم ہوا کہ قیاس حجتِ شرعی ہے۔

صحابۂ کرامؓ سے قیاس کا ثبوت

علماء امت نے لکھا ہے کہ قیاس کے دلیل شرعی ہونے پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے، چنانچہ صاحبِ کشف الاسرار علامہ فرماتے ہیں :-

ان مدرک الاحتجاج بالقیاس اجماع الصحابۃ فقد علمنا من تتبع احوالھم فی مجری اجتھادھم انھم کانوا یقیسون الفرع

بیشک قیاس کے دلیل شرعی ہونے پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے، صحابۂ کرامؓ کے اجتہادات میں تتبع کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرع کو اصل پر قیاس کرتے

علی الاصل۔ (کشف الاسرار ص) | تھے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب کلالہ کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا:۔

اقول فیہا برائی فان یکن صوابًا فمن اللّٰہ وان یکن خطاءً فمنی ومن الشیطان۔ (منہاج الاصول۔ الکتاب الرابع القیاس)	میں اس مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور اگر خطاء ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دادا کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

اقضی فیہ برائی۔ (منہاج الاصول، الکتاب الرابع القیاس)	میں اس معاملہ کے بارے میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔

(۳) جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس اس عورت کا معاملہ پیش آیا جس کو طلاق کا اختیار دیا گیا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ:۔

"میں اس بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہ ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں"۔

(۴) خود حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر کرتے وقت ایک شاہی فرمان میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی تحریر فرمایا تھا:۔

اعرف الاشباہ والنظائر وقس الامور برأیک۔ (منہاج الاصول، الکتاب الرابع القیاس)	آنے والے مسائل کے نظائر اور اشباہ کی معرفت حاصل کرو اور ان میں اپنی رائے سے قیاس کرکے فیصلہ کرو۔

مندرجہ بالا آیات، احادیث اور اعمال و اقوالِ صحابہؓ قیاس کے دلیل شرعی ہونے پر دال ہیں، اور اس سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ قیاس حجتِ شرعی ہے اور اس سے احکام مستنبط ہو سکتے ہیں۔

قیاس کے ارکان

قیاس کے چار ارکان ہیں:۔

(۱) اصل (۲) حکم (۳) فرع (۴) علتِ مشترکہ

(۱) **اصل**: وہ مسئلہ ہے جس میں حکم منصوص ہو اور نئے مسائل میں حکم کے اثبات کے لیے اس کی طرف احتیاج پایا جاتا ہو۔

(۲) **حُکم**: وہ امر جو دلیل کی وجہ سے کسی معاملہ کے لیے ثابت کیا جاتا ہو جیسے حُرمت، حلت، کراہت وغیرہ۔

(۳) **فرع**: وہ نیا مسئلہ جس میں حکم منصوص نہ ہو بلکہ اس میں حکم کے اثبات کے لیے اصل کا احتیاج پایا جاتا ہو۔

(۴) **علّتِ مشترکہ**: وہ مشترک وصف جو اصل اور فرع میں پایا جاتا ہو اور اصل میں حکم کے لیے شارع علیہ السلام نے مؤثر قرار دیا ہو۔

قیاس کا اصل مدار قیاس کے لیے تین چیزوں کا ہونا نہایت ضروری ہے:۔ (۱) اصل جسے مقیس علیہ کہا جاتا ہے (۲) **فرع**، وہ نیا مسئلہ جس کا حل مطلوب ہو جسے مقیس کہتے ہیں (۳) **علّت**، وہ شئے مشترکہ جو دونوں کے مابین پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے فرع میں اصل کا حکم جاری کیا جاتا ہو، گویا قیاس کے اندر سارا دارومدار علّت ہی پر ہوتا ہے۔

علّت کے ماخذ کسی اصل میں حکم کے لیے علّت کی پہچان یا تو قرآنِ کریم سے ہوگی کہ قرآن نے اس کو علت ٹھہرانے کے لیے تصریح یا اشارہ کیا ہو یا سنت نے اس کا بالفاظِ صریح یا بالفاظِ کنایہ علت کا ذکر کیا ہو، اگر ان دونوں میں اس کا کوئی پتہ نہ ہو تو علّت کا تعین اجماعِ امت سے ہوگا اور اگر اس سے بھی معلومات نہ ہوں تو پھر مجتہد اس حکم کی علّت معلوم کرنے کے لیے غور و فکر کرے گا تاکہ اجتہاد اور استنباط سے علّتِ حکم کا پتہ لگایا جاسکے۔ گویا کہ یہ چار طریقے علّت کے ماخذ شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے ذریعے ہی مقیس علیہ میں علّتِ حکم تلاش کیا جائے گا۔

الاستحسان قیاس کی دو قسمیں ہیں (۱) قیاسِ جلی (۲) قیاسِ خفی قیاسِ خفی کا دوسرا نام استحسان کہلاتا ہے۔

استحسان کی تعریف استحسان حسن سے مشتق ہے جس کے معنیٰ ہیں کسی چیز کو اچھا بنانا' اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحسن الکرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

(۱) الاستحسان ھو ان یعدل المجتھد عن ان یحکم المسئلۃ بمثل ما حکم بہ فی نظائرھا لوجہ اقوی یقتضی العدول عن الاول۔ (الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، للشیخ زرقاء ص۹۰۹)	استحسان یہ ہے کہ مجتہد کا کسی مسئلہ پر اس کے نظائر والے حکم سے قوی دلیل کی بناء پر عدول کرنا جو دلیل حکم اوّل سے انحراف کا مقتضی ہو)
(۲) قطع المسئلۃ عن نظائرھا بما ھو اقوٰی۔ (فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص۱۷۲)	کسی مسئلہ کے حکم کو قوی وجہ کی بناء پر اس کے نظائر سے الگ کرنا۔
(۳) العدول عن قیاس الی قیاس اقوی العدول فی مسئلۃ من مثل حکم بہ فی نظائرھا الی خلافہ بوجہ ھو اقوٰی۔ (منہاج الاصول، الاستحسان)	ایک قیاس چھوڑ کر اس سے زیادہ قوی قیاس اختیار کرنا مسئلہ کے نظائر میں جو حکم موجود ہے کسی قوی وجہ کی بناء پر اس کو چھوڑ کر اس کے خلاف حکم لگانا۔

استحسان اور فقہاء اسلام

احناف، مالکیہ اور حنابلہ اس کو دلیلِ شرعی کے طور پر مانتے ہیں، جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

"کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ استحسان کا قول اختیار کرے، استحسان درحقیقت لذت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔"

(الرسالۃ ص۲۹۴،۲۹۵ باب استحسان کا بیان)

اور منہاج الاصول میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

من استحسن فقد شرع ای وضع شرعًا جیدًا۔ (منہاج الاصول۔ الاستحسان ص)	جس نے استحسان سے کام لیا اس نے نئی شریعت بنائی۔

مگر دوسری طرف محققین شوافع فرماتے ہیں کہ:۔

ان الحق ما قالہ ابن الحاجب واشار الیہ الآمدی انہ لایتحقق استحسان مختلف فیہ۔ (منہاج الاصول بحوالہ فقہ اسلامی کا پس منظر ص۱۹۱)	حق بات وہ ہے جو ابن حاجب نے کہی ہے اور آمدی نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ مختلف فیہ استحسان کا وجود نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ استحسان کی حجیت اور قابلِ اعتماد ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ

ائمہ اربعہ کی متفقہ دلیل شرعی ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ اور استحسان

امام شافعیؒ کے مشہور قول کی طرح امام شاہ ولی اللہؒ نے بھی استحسان کی مخالفت کی ہے بلکہ اس کو دین میں تخریب کاری قرار دیا ہے، چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں :-

ومن اسباب التحریف الاستحسان ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۵)	تحریف کے اسباب میں سے استحسان ہے ۔

لیکن ممکن ہے کہ ان حضرات کا استحسان سے مطلق استحسان مراد نہ ہو بلکہ وہ استحسان مراد ہو جس میں شرعی اصول وضوابط کی کوئی رعایت نہ رکھی جائے اور اپنے نفس کی خواہش کے سہارے کوئی مسئلہ مستنبط کیا جائے۔ جو تحریف فی الدین کے مترادف ہے۔

بہرحال اسلامی احکامات میں استحسان کے ذریعہ مستنبط احکام کا کافی سارا ذخیرہ کتب فقہ میں موجود ہے اور فقہاء امت نے اس کو بطور دلیل شرعی استعمال کیا ہے اور اسی کے ذریعے بے شمار مسائل مستنبط کئے ہیں۔

استحسان کی مشروعیت

استحسان کوئی نیا عمل نہیں کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ قدیم بین الاقوامی قوانین میں بھی ایسی دفعات ہوتی تھیں جن سے استحسان کا مفہوم واضح ہوتا ہے، یونانیوں کے قوانین میں اے پاکیا (EPIEKEIA) کے نام سے اور رومیوں کے قوانین میں ایکیوٹی (AEQUITA) کے نام سے اصول موجود ہیں جس سے استحسان مفہوم ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے بھی اس اصل کی طرف اشارہ کیا ہے :-

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۔ (سورۃ الزمر ع ـــــ)	آپؐ میرے ان بندوں کو خوشخبری دیں جو بات کو سنتے ہیں اور احسن کی اتباع کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ اس بارے میں ارشاد ہے :-

وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۔ (سورۃ الاعراف آیت ـــــ)	آپ اپنی قوم کو حکم دیں تاکہ وہ احسن کام کو اختیار کرے ۔

استحسان کے اندر بھی احسن کی اتباع اور اس کو اختیار کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں یُسر یعنی آسانی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے ارادہ کرتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (سورۃ البقرہ آیت ...)	اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی یُسر کو اچھا اور بہتر دین قرار دیتا ہے:۔

خیر دینکم الیسر۔ (الاشباہ والنظائر)	کہ تمہارا اچھا دین آسان ہے۔

لہٰذا دین میں آسانی اور یُسر کے بارے میں جتنی بھی روایات، آثار صحابہ و تابعین مروی ہیں اُن سے استحسان کی مشروعیت اور ثبوت ملتا ہے۔

عرف و عادت

عرف اور رسم و رواج قدیم زمانہ سے قانون کے لیے ایک ماخذ چلا آرہا ہے، رومی قوانین میں بھی اس کو قانون سازی کے لیے بطور اصل استعمال کیا ہے، اسلام نے بھی بعض فروعی احکامات میں عرف و عادت کو ماخذ کا مقام دیا ہے، علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

والعرف فی الشرع لہٗ اعتبار لذا علیہ الحکم قد یدار	عرف کا شرع میں اعتبار ہے اور اس لیے اس پر کبھی کبھی حکم کا دارومدار ہوتا ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۴۴ الرسالۃ الاولیٰ)

حتیٰ کہ عادت و عرف کی تبدیلی و تغیر سے بعض احکام شرع میں بھی تغیر و تبدل واقع ہوا ہے جس کی مثالیں کتب فقہ میں بکثرت موجود ہیں، علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:۔

واعلم ان اعتبار العادۃ والعرف رجع الیہ فی مسائل کثیرۃ حتی جعلوا ذلک اصلاً فقالوا فی الاصول فی باب ما تترک بہ الحقیقۃ تترک الحقیقۃ بدلالۃ الاستعمال والعادۃ ..... الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی و فی المبسوط الثابت بالعرف کالثابت بالنص۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۱۱۵)	جان لو کہ بیشک عادت اور عرف کو اعتبار دے کر کافی سارے مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اس کو اصل بنا دیا ہے اور انہوں نے اصول میں لکھا ہے کہ عادت اور عرف کی بناء پر حقیقت کو چھوڑ دیا جائے گا..... عرف کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ دلیلِ شرعی کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ کی طرح ہے اور مبسوط میں ہے کہ عرف کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ نص کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ کی طرح ہے۔

اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں عرف کو تشریعی امور کا مادہ (اصل) قرار دیا ہے، آپؒ فرماتے ہیں :۔

ھی مادۃ تشریعیہ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۶)	کہ وہ تشریعی مادہ ہے۔

ایک اور مقام پر آپؒ لکھتے ہیں کہ :۔

نھیٰ عن الرسوم الفاسدۃ وامر بالصالحۃ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۶)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فاسد رسوم سے منع کیا اور صحیح اور درست رسوم کی اجازت دی۔

عرف کی تعریف

فقہاء کرام نے عرف کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں، طوالت کے پیشِ نظر یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے :۔

(۱) علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں :۔

العادۃ عبارۃ عما یستقر فی النفوس من الامور المتکررۃ المقبولۃ عند الطباع السلیمۃ۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۱۱۵)	عادت اس مکرر امر سے عبارت ہے جو نفوس میں استقرار پکڑے اور طبائع سلیمہ اس کو قبول کریں۔

(۲) امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :۔

"عرف و عادت یہ ہے کہ کوئی فعل یا طریقہ عقلی طور پر لوگوں کے نفوس میں اس طرح جاگزیں ہو جائے کہ فطرتِ سلیمہ اسے قبول کرے اور اسلامی دنیا کے سلیم الطبع لوگ اس کے عادی ہو جائیں بشرطیکہ وہ نصِ شرعی کے خلاف نہ ہو"
(اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۸۳)

(۳) امام ابو زہرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

العرف ما اعتادہ الناس من معاملات واستقامت علیہ امورھم۔ (اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۸۴)	عرف وہ ہے کہ لوگ اپنے معاملات میں اس کے عادی ہو چکے ہوں اور اپنے امور کو اس پر قائم کر چکے ہوں۔

مقبول عرف کیلئے شرائط

مگر عرف و عادت مطلقاً مقبول نہیں۔ جو عرف عند الشرع مقبول ہو اور اس کو مادہ (اصل) کی حیثیت حاصل ہو، فقہاء کرام نے اس کے لیے چند شرائط ذکر کی ہیں :۔

(۱) وہ عرف منصوص حکم کے معارض نہ ہو۔
(۲) معاشرے میں اس کو ایسا مقام حاصل ہو کہ اس کا کرنا امر ضروری ہو۔
(۳) وہ عرف معاشرے میں عام اور غالب ہو۔
(۴) اس حکم کے وقت وہ عرف موجود ہو۔
(۵) متعاقدین اس عرف کے خلاف کو معاہدہ یا شرط نہ لگائیں۔

(فقہ اسلامی کے اصول ومبادی ص ۱۹۱)

الاستصحاب فقہی ذخائر کے استنباطات میں استصحاب بھی بطور ماخذ استعمال ہوتا ہے لیکن یہ کوئی مستقل ماخذ نہیں ہے اس لیے اکثر حضرات نے ماخذِ فقہ میں اس کا کم ذکر کیا ہے، یہ اس وقت کارآمد ہوتا ہے جہاں کوئی اور ماخذ موجود نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل میں جو چیز ثابت ہو یا ثابت نہ ہو اس کو اب بھی اپنے حال پر رکھا جائے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہ کیا جائے تاوقتیکہ کوئی دلیل تغیر قائم نہ ہو اس لیے کہ اس کے بارے میں ظنِ غالب یہ ہے کہ یہ صورت ثبوت یا عدم میں بدستور باقی ہے۔

تعریف اصطلاحی اس لیے اصولیین نے اس کی تعریف یوں کی ہے:۔

ماثبت فی الزمن الماضی فالاصل بقاءہ فی الزمن المستقبل مالم یوجد مایغیرہ هول الماموں من علم الاصول۔ (اسلامی فقہ کے اصول ومبادی ص ۲۱۸)	کہ جو چیز زمانہ ماضی میں ثابت ہو تو اصل یہ ہے کہ اس کو مستقبل میں اس وقت تک باقی رکھا جائے جب تک کوئی دلیل مغیر نہ آجائے۔

اور دوسری تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے:۔

الحکم ببقاء امر متحقق لم یظن عدمه [الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۲۲۳ / القاعدۃ الثالثۃ]	کسی متحقق امر کے حکم کو اس وقت تک باقی رکھنا جب تک کہ اس کے عدم پر کوئی ظن غالب پیدا نہ ہو۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس کی توضیح یوں کرتے ہیں کہ:۔
"ثابت شدہ امر کو ثابت شدہ ہی رہنے دے اور غیر ثابت شدہ کو غیر ثابت شدہ کو اس وقت تک کہ کوئی مغیر دلیل سامنے نہ آجائے، اسی کو استصحاب کہا جاتا ہے،
اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پر کسی کا دس ہزار روپے قرض ہے اور اس قرض پر گواہ

بھی ہیں اور دونوں کے مابین تحریری ثبوت بھی ہے تو یہ قرضہ اس کے ذمہ دس سال بعد بھی بحق رہے گا جب تک اس کی ادائیگی پر کوئی دلیلِ شرعی نہ لائی جائے"۔

استصحاب کی اقسام

فقہ کے اس ماخذ کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں :-

(۱) استصحاب براءۃ الاصلیہ : یعنی انسان تکالیف سے اس وقت تک بری الذمہ ہے جب تک اس کے مکلّف ہونے پر کوئی دلیل پیش نہ کی جائے۔ مثلاً کوئی کسی پر قرضہ کا دعویٰ کرے اور دوسرا شخص اس کا منکر ہو تو جب تک مدعی کوئی دلیل پیش نہ کرے اس وقت تک منکر بری الذمہ ہے

(۲) استصحاب شرعی یا عقلی : یعنی شرع یا عقل کسی امر کے بارے میں ثبوت یا عدم ثبوت کے برقرار رہنے کا حکم کر دے تو وہ اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک کوئی دوسری دلیل اس حکم کو تبدیل نہ کر دے۔

مثلاً کسی شخص کو وراثت میں کچھ زمین ملی ہے تو وہ اس وقت تک اس کا مالک متصور ہوگا جب تک زوالِ ملک کا کوئی ثبوت قائم نہ ہو۔

(۳) استصحاب حکم اصلی : کسی امر شرعی کے بارے میں جائز یا ناجائز ہونے پر کوئی دلیلِ شرعی کے موجود ہونے کی صورت میں وہ حکم اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کوئی دوسری تبدیل کرنے والی دلیل موجود نہ ہو۔

مثلاً جمیع مافی الارض میں مفید اور کارآمد اشیاء حلال ہیں اور دنیا کی جمیع عورتیں حرام ہیں مگر وہ اشیاء اور عورتیں جن کی حلال اور حرام ہونے پر دلیل موجود ہو۔

(۴) استصحاب وصفی : یعنی جس امر کے ساتھ کوئی صفت زمانہ ماضی میں لگ چکی ہو تو وہی صفت مستقبل میں بھی اسی طرح ہوگی۔

استصحابِ وصف میں اختلاف

پہلی تین اقسام میں اگرچہ فقہاء کا جزئی اختلاف موجود ہے مگر اصولی طور پر سب متفق ہیں۔ البتہ استصحابِ وصف میں اختلاف زیادہ ہے۔

مالکیہ اور احناف کے ہاں استصحاب وصف تو کسی امر کے دفع کرنے میں مفید ہے مگر کوئی امر ثابت نہیں کر سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ جو حقوق اور ذمہ داریاں اول سے ثابت شدہ ہوں وہ ختم نہیں ہوتیں اور نئی ذمہ داریاں عائد نہیں ہوتیں۔

مثلاً ایک شخص مفقود الخبر ہے تو اس کی بیوی اس وقت تک اس کی منکوحہ رہے گی جب تک اس کے فوت ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو یا عدالت حالات اور شواہد کی روشنی میں اسکے مرنے کے نتیجہ پر نہ پہنچی ہو، البتہ اگر کسی نے اس کے لیے وصیت کی یا اس کا مورث وفات پاگیا تو اس کو میراث میں حصہ نہیں ملے گا اور نہ وصیت کا حقدار ہوگا اس لیے کہ یہ نئی ذمہ داری ہے جو اس پر عائد نہیں ہوتی۔

مگر شوافع اور حنابلہ اس قسم کو بھی دفع اور ثبوت دونوں میں مؤثر قرار دیتے ہیں اس لیے ان کے ہاں مفقود الخبر اپنی املاک کا بھی مالک ہوگا اور وراثت اور وصیت کا بھی مالک ہوگا۔

مصالح مرسلہ

فقہ اسلامی میں مصالح مرسلہ کو بھی بطور ماخذ ذکر کیا جاتا ہے جس کو استصلاح بھی کہا جاتا ہے جس میں صرف ضرورت اور مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔

(۱) **تعریف**: علامہ شاطبیؒ نے الموافقات میں اس کی تعریف یوں ذکر کی ہے:۔

المصالح المرسلہ وھی التی لم یشھد لہا اصل بالاعتبار فی الشرع ولا بالالغاء وان کانت علیٰ سنن المصالح وتتلقتہا العقول بالقبول۔ (الموافقات ج ا ص ۳۹ فصل)

مصالح مرسلہ وہ ہیں جن کے اعتبار کیلئے شرعاً نہ اصل اس کے لیے شہادت دے اور ان کو لغو قرار دے بلکہ وہ مصالح کے طریقوں پر ہوں اور عقل ان کو قبول بھی کرے۔

(۲) دوسری تعریف یہ بیان کی گئی ہے:۔

المصالح المرسلہ وھی التی لم یشھد لہا اصل شرعی من نص او اجماع لا بالاعتبار ولا بالالغاء۔ (منہاج الاصول)

مصالح مرسلہ وہ ہے کہ اصل شرعی چاہے وہ نص (قرآن وسنت) ہو یا اجماع، نہ اُنکے اعتبار کی گواہی دے اور نہ ان کو لغو کرنے کی۔

مصالح مرسلہ کی شرائط

مصالح مرسلہ فقہ اسلامی کا ماخذ تب بن سکتے ہیں جب اس میں مندرجہ ذیل شرائط موجود ہوں:۔

(۱) مصالح اُن مصالح کے مشابہ ہوں جن کا شارع علیہ السلام نے اعتبار کیا ہے۔

(۲) ان مصالح کا حصول یقینی ہو۔

(۳) ان مصالح میں جو عموم پایا جاتا ہو وہ قوم و ملک کے فائدہ کے لیے ہو کسی خاص شخص یا جماعت کے لیے نہ ہو۔ (الموافقات ج۲ ص۳۷۳ القسم الثانی۔ المسئلۃ الثامنۃ)

امام مالکؒ اور مصالح مرسلہ

ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ نے مسائل کے استنباط کے لیے مصالح مرسلہ سے بہ نسبت دوسرے ائمہ کرامؒ کے زیادہ کام لیا ہے، اس لیے یہ اصل (ماخذ) انہی کی طرف منسوب ہے اگرچہ دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا ہے۔ اس بات سے امام غزالیؒ کا استحسان اور استصلاح کو موہوم دلائل میں شمار کرنا بھی بے جا و بے محل رہ جاتا ہے اس لیے کہ دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی مصالح مرسلہ سے کسی نہ کسی عنوان کے تحت ضرورت کی خاطر کام لیا ہے۔

ان ماخذ کے علاوہ دوسرے ماخذ مثلاً شرائع من قبلنا، تعامل، اقوالِ صحابہؓ، ملکی قانون، ذرائع، تعامل اہل مدینہ وغیرہ بھی ہیں۔

فقہاء اسلام نے فقہ کی تدوین کے لیے ان کو بنیاد بنایا ہے مگر غور و خوض کرنے کے بعد یہ تمام کے تمام ماخذ ان چار بنیادی اصول کے تحت داخل ہو جاتے ہیں اور پھر مزید غور و خوض کرنے کے بعد وہ چاروں اصول بھی صرف دو یعنی قرآن و سُنت کے تحت داخل ہو جاتے ہیں۔

ہم نے یہاں اس مقدمہ میں ان کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، تفصیل کے لیے دُوسرے مطولات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، علماء امت نے اِن پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔

ذخیرۂ فقہ کی تقسیم

ان ماخذ سے اب تک جتنے مسائل مستنبط ہوئے ہیں اور کتب فقہ میں درج ہیں، تو فقہ اسلامی کا یہ ذخیرہ کتب تین اقسام پر مشتمل ہے: ۱۔ متون ۲۔ شروح ۳۔ فتاوٰی۔

فتاوٰی اُن حوادث اور واقعات کے حل کا مجموعہ ہے جو مختلف حالات اور ازمنہ میں علماء امت کے سامنے بصورت سوال پیش ہوئے اور انہوں نے ان ماخذ کے تحت حل تلاش کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے۔

اس حل کو فتوٰی، مجموعہ کو فتاوٰی، حل کرنے والے کو مفتی اور حل طلب کرنے والے کو مستفتی کہا جاتا ہے جبکہ یہ عمل اِفتاء کے نام سے بھی موسوم ہے۔

چونکہ فتاوٰی حقانیہ بھی انہی ماخذ کے قبیل سے ہے اس لیے اب ہم فتوٰی اور افتاء کی تعریف لغوی و اصطلاحی اور آداب وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

فتویٰ کا لغوی معنیٰ

لُغت میں فتویٰ دو طرح پڑھا جاتا ہے (۱) بفتح الفاء الفَتْویٰ (۲) بضم الفاء الفُتْویٰ۔ لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے۔ مصباح المنیر ص ۴۶۲ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فاء کا ضمہ صحیح نہیں ہے اصل میں فاء کا فتحہ ہے۔ صاحب قاموس نے دونوں کو جائز لکھا ہے، جبکہ دیگر محققین نے لکھا ہے کہ: ان الفتیا بالیاء لایکون الا مضمومة وان الفتوی بالواو لاتکون الا مفتوحة۔ (المصباح ج ۱ ص ۱۵) "یعنی فتویٰ کا استعمال جب یاء سے ہو تو مضموم الفاء ہوگا اور جب واؤ سے ہو تو مفتوح الفاء ہوگا۔"

عربی زبان میں فتویٰ کے بجائے فتیا زیادہ استعمال ہوتا ہے مگر معنیٰ اور مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔ جیسا کہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے: الفتوی والفتیا اسمان یوضعان من موضع الافتاء الا ان لفظة الفتیا اکثر استعمالا فی کلام العرب من لفظة الفتوی الخ (لسان العرب ج ۵ ص ۲) لیکن استعمال دونوں کا درست ہے۔

فتویٰ کا جمع اَلْفَتَاوِیُ اور اَلْفَتَاوٰی آتا ہے (مصباح اللغات ص ۶۱۸) اگرچہ صاحب مصباح المنیر نے بکسر الواؤ الفتاوِی کو اصل قرار دیا ہے اور بفتح الواؤ الفتاوٰی صرف تخفیف کے لیے جائز کہا ہے لیکن آجکل عموماً بفتح الواؤ پڑھا جاتا ہے۔

مادۂ اشتقاق | فتویٰ کے اشتقاق میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک فتویٰ اَلْفُتُوَّۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے کرم، سخاوت، مروّت اور زور آوری۔ فتویٰ کو بھی فتویٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مفتی اپنی سخاوت، مروّت اور عالمانہ قوت سے کام لے کر کسی دینی مسئلہ کو حل کرتا ہے۔ جبکہ بعض کے نزدیک فتویٰ دراصل الفتی سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے الشاب القوی، ایک مفتی مسائل کو چونکہ اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے اس لیے فتویٰ گویا مدلّل ثبوت والا جواب ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: الفتوی مشتقة من الفتی وهو الشاب القوی وسمیت به لان المفتی یقوی السائل بجواب حادثة۔ (مقدمہ رد المحتار ج ۱ ص ۲۷) اسی سے افتاء ہے۔

الافتاء | افتاء لغت میں هو الجواب لای سوال کان سواء کان متعلقا بالاحکام

الشرعية او بغيرها من المعاملات الاخرى الدنيوية المحضة (المصباح ج ۱ ص۱۵)
یعنی فتویٰ سوال کا جواب دینے کو کہا جاتا ہے، سوال چاہے احکام شرعیہ کے متعلق ہو یا کسی دنیاوی امور کے بارے میں ہو ـــــ جیسے قرآن کریم کا ارشاد ہے: یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ۔ (سورۃ یوسف ۱۴۶) اور عزیز مصر کا اپنے وزراء سے یوں کہنا: یٰاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ (سورۃ یوسف ۱۴۳) ان دونوں آیات میں دنیاوی امور کے بارے میں سوال لفظ فتویٰ سے کیا گیا ہے۔

امام رازیؒ افتاء کے آٹھ معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: معنی الافتاء اظهار المشكل"۔ مگر امام رازیؒ کے ہاں فتویٰ اور فتیا دونوں افتاء کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ بنا بریں مفتی کو مفتی اس لیے کہا جاتا ہے کہ کانہٗ یقوی ببیانه ما اشکل ویصید قویا فتیا۔ (البشریٰ لاصول افتاء ص۸ من تفسیر کبیر سورۃ النساء)

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں: الفتیا والفتوی، الجواب، عما اشکل من الاحکام۔ (مفردات ص۳۷۳ کتاب الفاء)

تو گویا کہ فتویٰ اس شرعی مسئلہ کے حل کو کہا جاتا ہے اور مفتی حل کرنے والا ہوتا ہے، جبکہ مستفتی وہ سائل ہے جو اپنی مشکل کو حل کرنے کے لیے مفتی سے سوال کرتا ہے۔

افتاء کی اصطلاحی تعریف

محققین علماء نے افتاء کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے: هو الاخبار بحكم الله تعالیٰ من مسئلة دينية بمقتضى الادلة الشرعية عن سئال عنه فی امر نازل علیٰ جهة العموم والشمول لا علیٰ وجه الالزام۔ (المصباح شرح اصول افتاء ج ۱ ص۱۶)

بعض نے یوں تعریف کی ہے: هو بيان حكم الله تعالیٰ بمقتضى الادلة الشرعية علیٰ جهة العموم والشمول۔ (الاساس الشرعی والقانونی ص۱۲۸)

علامہ قرآفیؒ لکھتے ہیں: اخبار حکم الله تعالیٰ فی الالزام والاباحة۔ (الفروق ج۴ ص۵۳)

مگر ان سب تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بتا دینا"۔

لطائف افتاء

علامہ عبدالنبی احمد نگریؒ نے دستور العلماء میں فتویٰ کے سلسلے میں سات اہم نکات بیان کئے ہیں جو ایک مفتی کو اپنے پیش نظر

رکھنے چاہئیں۔

(۱) افتاء جو دراصل فَتِیٌ سے ماخوذ ہے، باعتبار ثلاثی مجرد کے افعالِ غیر متصرّف میں سے ہے، اس میں اشارہ یہ ہے کہ ایک مفتی بنیادی اصول اور نصوص میں کسی قسم کا تصرّف نہیں کرسکتا البتہ فروعات میں تصرّف کرسکتا ہے۔

(۲) افتاء ایک متعدی فعل ہے اس لیے مفتی کا علم بھی متعدی ہونا چاہیئے۔

(۳) افتاء بابِ افعال سے ہے جو ثلاثی مزید فیہ کے ابواب میں پہلا باب ہے اس لیے اس میں عبرت یہ ہے کہ جو شخص درجہ افتاء کو پہنچ گیا اس کے سامنے کامیابی کے اور مزید ابواب بھی کھلیں گے۔

(۴) مفتی کے لیے مناسب ہے کہ وہ صاحبِ فتوت ہو کیونکہ فتوٰی اور فتوۃ کے درمیان اخوت ہے، اس لیے مفتی نہ تو فتوٰی پوچھنے والے سے کسی قسم کا طمع یا لالچ کرے اور نہ فتوٰی کی کثرت سے کسی قسم کے ملال یا بیزاری کا اظہار کرے۔

(۵) افتاء کے اول و آخر میں الف ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ مفتی کو ابتداء سے انتہاً تک امورِ دین کے بارے میں استقامت و صداقت کا پیکر ہونا چاہیئے۔

(۶) افتاء کی باعتبارِ ابجد عددی قیمت ۴۸۲ ہے جس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ مفتی کے پاس اصول و فروع کی کتابوں کی تعداد اس سے کم نہ ہو، چنانچہ کتب ظاہر الروایہ کے تفحص و مطالعہ کے بعد محققین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کتبِ افتاء کی تعداد بھی اس عددی قیمت کے برابر ہے۔

(۷) افتاء میں پانچ حروف اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مفتی ظاہر الروایہ کی پانچ کتب پر نظر رکھنے کے علاوہ اسلام کے ارکانِ خمسہ کا بھی پورا پورا خیال رکھے۔

(دائرۃ المعارف اردو جلد ۱۵ ص ۱۴۰)

فتاوٰی دورِ نبویؐ میں

فتوٰی اور افتاء کوئی نیا عمل نہیں بلکہ اس کا تاریخی دور زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے زمانے میں مسائل کا حل براہ راست آپؐ کی ذاتِ اقدس سے وابستہ تھا، جب کبھی صحابہؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر اس کا حل طلب کرتے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی یا کبھی ذاتی اجتہاد سے صحابہ کو اس مسئلہ کا حل بتا دیتے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

بنفسِ نفیس تعلیمِ قرآنِ کریم کے ساتھ ساتھ قانون سازی، فتاویٰ اور قضاء وغیرہ کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے اس لیے آپؐ کے زمانہ اقدس میں فقہ کی نہ تو باقاعدہ ترتیب تھی اور نہ اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ کے فیصلے، فتاویٰ عموماً ایک دستور اور اصولی رنگ میں تھے اس لیے بعض صحابہ ان کو محفوظ کر چکے تھے جس کی لاتعداد مثالیں کتبِ حدیث میں موجود ہیں، مثلاً:۔

(۱) آپؐ نے سود اور ربٰو کے تعین اور جاننے کے لیے اور متفق الاجناس اشیاء کی باہمی بیع کے لیے اشیاءِ ستہ کے بارے میں فرمایا: الحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير والذهب بالذهب والفضة بالفضة والملح بالملح والتمر بالتمر مثلاً بمثل يداً بيدٍ والفضل ربٰو۔ (مشکوٰۃ ص۲۴۴ باب الربٰو)

یہ حدیث اگرچہ بظاہر صرف چھ اشیاء کی بیع کے بارے میں حکم بیان کرتی ہے کہ ان اشیاء کی ہاتھوں ہاتھ اور برابر سرابر خرید و فروخت جائز ہے، مگر غور و فکر کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث میں ہر ہم جنس شے کی تجارت باہمی جنس سے کرنے کا حکم بیان ہوا ہے۔

اس لیے امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے تعینِ ربٰو کے لیے ایک اصل نکالا کہ جس چیز میں قدریت اور جنسیت ہو اُس کی بیع کا طریقہ کار یہ ہے اور اگر اس میں زیادتی کا ارتکاب ہو تو وہ ربٰو (سُود) ہے۔

(۲) دوسری مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک ہے کہ كل قرضٍ جرّ نفعاً فهو حرام۔ (مسئلہ سود از مفتی محمد شفیعؒ)

یہ اساسی جواب ہر اس نفع کو شامل ہے جو قرض دہندہ مقروض سے لینا چاہے خواہ وہ نفع بدنی ہو یا مالی، یا قرض کے بدلہ میں مقروض نے کوئی چیز رہن رکھوائی ہو اور قرض دہندہ اس سے کسی بھی قسم کا نفع لیتا ہو۔

یہ سب اس حدیث کے تحت میں آتے ہیں، اس قسم کے اساسی جوابات کافی تعداد میں جمع ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جوابات جس طرح وحی غیر متلو کی شکل میں تھے اسی طرح وحی متلو میں بھی موجود ہیں، مثلاً:۔

(۱) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ۔ (سورۃ البقرہ)

(۲) يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ (سورۃ البقرہ)

(۳) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۔ (سورۃ البقرہ)

گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات وحی جلی یعنی قرآنی آیات کی شکل میں ہوتے تھے یا پھر وحی خفی یعنی احادیث غیر متلو کی شکل میں ہوتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جوابات اجتہادی صورت میں ہوتے تھے اور مسئلہ کا حل اپنی رائے سے فرمایا کرتے تھے لیکن بعد میں قرآن کریم یا وحی غیر متلو سے اس کی توثیق ہو جاتی تھی ۔

چنانچہ علامہ آمدیؒ نے الاحکام میں امام شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسئلہ میں اجتہاد فرماتے تو بعد ازاں قرآن کریم اور وحی سے یا تو اس کی توثیق ہو جاتی یا پھر اس کے خلاف ہوتا ، اگر خلاف ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ اجتہادی مسئلہ چھوڑ دیتے ۔

اس قسم کے کئی واقعات کتب احادیث میں موجود ہیں کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد فرمایا اور بعد میں منجانب اللہ کبھی تو اس کی توثیق ہو جاتی اور مسئلہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور کبھی اس کی تردید نازل ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ترک فرما دیتے ۔ گویا کہ آپؐ اپنی حیات طیبہ میں صحابہ کرامؓ کے مسائل کو اولاً وحی کی روشنی میں حل فرماتے اور کبھی کبھی اجتہادی فرمایا کرتے تھے ۔ اپنے دور میں فتوٰی صرف آپؐ ہی دیا کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ اس کو یاد فرما لیا کرتے تھے جو آجکل کتب حدیث کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں اگرچہ بعض صحابہ کرامؓ کو آپؐ نے فتوٰی دینے کی اجازت دی تھی ۔

فتوٰی دورِ صحابہؓ میں

بعض صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی فتوٰی دیا کرتے تھے مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ۔

(الطبقات لابن سعد جلد ۲ صـــ۱۱ـــ)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے چھ اصحاب سے علم لیا گیا ۔ ان میں حضرت عمرؓ ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ، حضرت زید بن ثابتؓ علم میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے ، ان میں بعض بعض سے اخذ کرتے تھے ۔ اور حضرت علیؓ ، حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت ابو موسٰی اشعریؓ ایک دوسرے سے مشابہت فی العلم رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے اکتساب کرتے تھے ۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صـــ۱۱ـــ)

مُفتیانِ صحابۂ کرام رضؓ کی اقسام وطبقات

صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی دو قسمیں ہیں ۔

(۱) کوئی صحابیؓ کوئی کام یا بات اپنی رائے واجتہاد سے کرتے یا کہتے اور جب وہ بات حضورؐ تک پہنچ جاتی اور آپؐ صحابہؓ کو اس عمل یا فتویٰ پر برقرار رکھتے ان پر کوئی نکیر نہ فرماتے تو وہ فتویٰ حجت ہوتا۔

(۲) کئی صحابیؓ کسی قول یا عمل کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سن چکے ہوتے اور اسی کو نقل کرکے لوگوں کو بتا دیتے، یہ حضرات اس فتویٰ میں بطورِ رُوات کے ہوتے تھے ۔

(اعلام الموقعین ج۲ ص۲۴۳، ص۲۴۴)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو جملہ صحابۂ کرام میں سے بقول علامہ ابن قیمؒ کے ۱۳۰ یا ۱۶۰ اصحاب فتویٰ دیا کرتے تھے مگر ان کے بھی تین طبقات تھے، مثلاً،

(۱) **مکثّرین**: یعنی جو زیادہ فتویٰ دیتے تھے۔

(۲) **متوسّطین**: وہ جو کچھ کم فتویٰ دیتے تھے ۔

(۳) **مقلّلین**: وہ جو بہت کم فتویٰ دیتے تھے ۔

مکثّرین فقہاء صحابۂ کرامؓ سات تھے جن میں ۱۔ حضرت عمرؓ ۲۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۴۔ ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۶۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل ہیں۔

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ان حضرات کے فتاویٰ کو اگر جمع کیا جائے تو ہر ایک کا فتاویٰ ایک ضخیم کتاب بن جائے گا۔

امام ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوبؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ کو بیس۲۰ جلدوں میں جمع کیا ہے ۔

متوسّطین کی تعداد مکثرین سے زیادہ ہے ان کی تعداد تیرہ۱۳ تک پہنچتی ہے ۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ شامل ہیں ۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان حضرات کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو ہر ایک کے فتاویٰ کی ایک ایک جلد بن جائے گی۔

بعض علماء نے ان صحابہؓ کرام میں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت ابوبکرہؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو بھی شمار کیا ہے

مقلّلین میں ان صحابہؓ کے علاوہ کئی دوسرے صحابہؓ بھی شامل ہیں، گو ان صحابہؓ سے زیادہ فتاویٰ منقول نہیں ہیں مگر بوقتِ ضرورت ایک یا دو مسئلوں یا اس سے زیادہ کے بارے میں فتاویٰ منقول ہیں، اگر ان تمام کے فتوؤں کو جمع کیا جائے تو ایک چھوٹی جلد بن جائے گی۔ ان صحابہؓ میں حضرت ابو درداء، حضرت ابو البشر، حضرت ابوسلمہ المخزومی، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت سعد بن زید، حضرات حسن و حسین ابناء حضرت علی، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوطلحہ، حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت براء بن عازب، حضرت اسامہ بن زید، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ (اعلام الموقعین جلد ا ص ۱۲، ۱۳)

تو گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہؓ کرامؓ نے دین کے دیگر شعبوں کی طرح اس اہم اور انتہائی ضروری کام کو بھی سنبھالا اور اس کی پذیرائی فرمائی، اس کی ترویج اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر کام کیا جس کی وجہ سے دین کا یہ اہم شعبہ آج تک زندہ ہے۔

فتاویٰ دورِ تابعینؒ میں

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد فتویٰ کا کام حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے سپرد ہوا۔ ان حضرات میں آخری صحابیؓ جن کے ہاتھوں میں یہ منصب باقی رہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے، ان حضرات کے ہاں کبار تابعین جن میں فقہاء سبعہ اور دیگر حضرات شامل تھے نے فتویٰ کی تربیت پائی۔

(المصباح فی رسم المفتی ومناھج الافتاء ج ۱ ص ۶۲)

یہ حضرات اپنے وقت کے عظیم مفتی اور قاضی شمار کئے جاتے ہیں اور ان کے فتاویٰ آج بھی بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ صحابہؓ کرامؓ کے زمانے کے بعد اس منصبِ نبویؐ کو حضرات تابعینؒ نے سنبھالا اور الحمدللہ یہ سلسلہ رُکا نہیں، ان حضرات نے گلشنِ نبویؐ کی آبیاری اپنے ذمے لی اور اس کام کو

مختلف بلاد (شہروں) میں (جو مسلمانوں نے اپنی فتوحات کے زمانے میں آباد کیے تھے) شروع کیا۔

تابعینؒ فقہاء کے طبقات

ان فقہاء تابعینؒ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ تابعینؒ جو اپنا سارا وقت روایتِ حدیث میں صرف کرتے تھے اور فقہی مسائل کے استنباط میں کوئی توجہ نہیں دیتے تھے مگر ان مسائل کو جو قرآن و سُنت میں صراحتاً ذکر ہوں یہ حضرات رائے اور قیاس میں انہماک کو مکروہ سمجھتے تھے اور فتویٰ و استنباطِ مسائل سے بلاضرورت خوف زدہ رہتے تھے مگر پھر بھی اس سے چھٹکارا مشکل تھا، اسی طرح بعض کبار صحابۂ کرامؓ بھی کسی واقعہ کے حدوث سے قبل اس کے حل کو ناپسند فرماتے تھے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپؓ فرماتے ہیں کہ، لا تعجلوا بالبلاء قبل نزوله۔

اِسی طرح حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی قبل نزولِ حادثہ میں تکلم اور بحث کی کراہیت کے اقوال مروی ہیں۔

(۲) دوسرے وہ فقہاءِ تابعین تھے جنہوں نے اپنے آپ کو فقہ اور فتویٰ نویسی کیلئے وقف کر رکھا تھا، یہ حضرات صرف روایتِ حدیث اور آثار پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ ہر مسئلہ کے حل میں اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے اور آنے والے واقعات کے حل کی کوشش فرماتے تھے، اور بعض نے تو فقہ کو کتاب کی شکل میں بھی مدون فرمایا جیسے امام شعبیؒ اور امام مکحول۔

(اصولِ افتاء ص۲۰۶)

چونکہ یہ حضرات مختلف بلاد میں آباد تھے اس لیے ان کو وہاں کا امام تصور کیا جانے لگا، چنانچہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مفتیانِ تابعین میں سعید بن المسیب، عروہ بن زبیرؒ، قاسم بن محمدؒ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، خارجہ بن زید، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ فقہاء سبعہ کے نام سے موصوف ہیں، بقولِ شاعر ؎

اذا قیل من فی العلم سبعة ابحر
روایتهم لیست عن العلم خارجة
فقل هو عبید الله، عروة، قاسم
سعید، ابو بکر، سلیمان وخارجة

ان کے علاوہ ابان بن عثمان، سالم بن عبداللہ اور نافع رحمہم اللہ وغیرہ مدینہ منورہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲۴)

مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباحؒ، طاؤس بن کیسانؒ، مجاہد بن جبیرؒ، عبید بن عمیرؒ وغیرہ مفتیان اہلِ فتویٰ تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲۵)

بصرہ میں عمرو بن سلمہ الجرمیؒ، ابو مریم الحنفیؒ، کعب بن اسودؒ، حسن بصریؒ وغیرہ۔ ان کے بعد ایوب السختیانیؒ، سلیمان التیمیؒ، قاسم بن ربیعہؒ وغیرہ فتویٰ کا کام کرتے تھے اور ان کا فتویٰ چلتا تھا۔

صحابۂ کرامؓ کے بعد کوفہ میں علقمہ بن قیس الہمدانیؒ، مسروق بن اجدعؒ، شریح بن الحارث القاضیؒ، سلیمان بن ربیعہ الباہلیؒ، سوید بن غفلہؒ، حارث بن قیس الجعفیؒ وغیرہ بہت سارے علماء فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ان کے بعد ابراہیم النخعیؒ، عامر الشعبیؒ، سعید بن جبیرؒ وغیرہ۔ ان کے بعد حماد بن ابی سلیمانؒ، سلیمان بن معتمرؒ، سلیمان اعمشؒ وغیرہ۔ اور ان کے بعد امام اعظم ابو حنیفہؒ، قاسم بن معنؒ اور سفیان الثوریؒ وغیرہ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲۶)

شام کے اہلِ فتویٰ میں ابو ادریس الخولانیؒ، شرجیل بن سمطؒ، عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعیؒ، قبیصہ بن ذؤیب الخزاعیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

مصر میں یزید بن ابی حبیبؒ، بکیر بن عبداللہ بن الشجعؒ۔ ان کے بعد عمرو ابن الحارثؒ، لیث بن سعدؒ، عبید اللہ بن ابی جعفرؒ وغیرہ اور دیگر فقہاء فتویٰ دینے کا عہدہ سنبھال چکے تھے۔

یمن میں مطرف بن مازنؒ قاضی صنعاء، عبدالرزاق بن ہمامؒ اور ہشام بن یوسفؒ وغیرہ کا فتویٰ چلتا تھا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے جب بغداد شہر تعمیر کیا تو اس میں جید ائمہ کرام، فقہاء عظام اور کثیر تعداد میں محدثین بسا دیئے جن میں ابو عبید، قاسم ابن سلام، ابو ثور ابراہیم بن خالد الکلبی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۶ تا ۲۹)

مفتی کے شرائط و آداب

مسندِ افتاء پر بیٹھنے والے میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً
مفتی قرآن و سُنت کا ماہر عالم ہو اس لیے کہ غیر عالم کو فتویٰ دینا شرعًا درست نہیں، اسی کے
پیشِ نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

لایجوز الفتیا الا لرجل عالم بالکتاب والسنۃ۔ (اعلام الموقعین ج۲ ص۳۵۲)

(۱) مفتی مسلمان ہو (۲) عادل و دیندار اور خدا ترس ہو، فاسق و فاجر کا فتویٰ دینا ممنوع
ہے، البتہ ظاہری عدالت کافی ہے، باطنی فسق مضر نہیں۔ (۳) مفتی کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے۔
علامہ سید طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

شرط المفتی اسلامہ وعدالتہ و لزم منہا بلوغہ وعقلہ فیرد فتوی الفاسق والکافر وغیر المکلف۔ (طحطاوی علی الدرالمختار ج۳ ص۱۷۵)

مفتی کے لیے مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے اور فتویٰ کے لیے اس کا بالغ اور عاقل ہونا لازم ہے، پس کافر، فاسق اور غیر مکلّف کا فتویٰ مردود ہوگا۔

البتہ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں، چاہے وہ جوانی کی عمر میں ہو یا بڑھاپے کی عمر میں، البتہ
علمی رسوخ لازمی ہے۔

صاحبِ معین الحکام فرماتے ہیں :۔

ولا یعتبر السن بلا کثرۃ العدد لان الاصغر لواحد قد یوفق للصواب فی حادثۃ مالا یوفق الاکبر والجماعۃ۔ (معین الحکام ص۳۰)

عمر اور کثرتِ عدد کا کوئی اعتبار نہیں اسلیئے کہ چھوٹی عمر کے آدمی کو کسی حادثے میں زیادہ تصویب کی توفیق ہوتی ہے جو کسی بڑی عمر والے کو حاصل نہیں ہوتی۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ کبار صحابہؓ کے موجود ہوتے ہوئے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ
سے مشورہ لیتے تھے حالانکہ وہ کم سن تھے۔

اسی طرح مفتی میں بیدار مغزی، قوتِ ضبط اور اہلِ اجتہاد جیسی صفات کا ہونا بھی ضروری ہے۔
علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

ویشترط تیقظہ وقوۃ ضبطہ واھلیۃ اجتہادہ۔ (البحرالرائق ج ۶ ص ۲۶۶)

اسی طرح مفتی میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اغنیاء، سلاطین، امراء اور وزراء کی طرف مائل نہ ہونا ہو۔ صاحب نورالہدٰی فرماتے ہیں:۔

ومن شرائط المفتی کون المفتی لا یمیل الی الاغنیاء و اعوان السلطان والامراء۔ (فتاوٰی نورالھدٰی ص ۱۹۵)

مفتی کے شرائط میں سے یہ بھی کہ وہ مالدار لوگوں، وزراء اور سلاطین کی طرف میلان نہ رکھتا ہو۔

ایک مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی ماہر مفتی کا شاگرد رہ چکا ہو اور اس کی نگرانی میں فتوٰی نویسی کی تربیت حاصل کی ہو۔ (عقود رسم المفتی)

اس لیے کہ صرف کتب بینی پر اعتماد کرنا ہی کافی نہیں بلکہ معتمد علمائے کرام کی صحبت لازمی ہے بشرطیکہ ان کو اس فن میں مہارتِ تامہ بھی حاصل ہو۔ اور ان میں ایک نفسانی ملکہ بھی موجود ہو تو وہ شخص فتوٰی دینے کا اہل ہوگا ورنہ نہیں۔

ایک مفتی میں دُور اندیشی کی صفت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

قلت وھٰذا شرط لازم فی زماننا والحاصل ان من غفلتہ المفتی یلزم ضرر عظیم فی ھٰذا الزمان۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۴۱۸)

میں کہتا ہوں اس زمانے میں یہ شرط اس لیے بہت ضروری ہے کہ مفتی کی ذراسی غفلت کی وجہ سے ایک عظیم نقصان پیدا ہو سکتا ہے۔

مفتی میں بلند کرداری کے ساتھ بردباری اور نرم خوئی کا ہونا بھی ضروری ہے۔

مفتی کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے عرف کو جانتا ہو یعنی زمانہ کے عرف سے واقف ہو، اس لیے کہ اگر ایک طرف ظاہرالروایہ ہو اور دوسری طرف عرف اس کے خلاف ہو تو مفتی عرف کو چھوڑ کر ظاہرالروایہ پر فتوٰے نہیں دے سکتا ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

وفی القنیۃ لیس للمفتی ولا قاضی ان یحکما علیٰ ظاھر المذھب ویترکا العرف وھٰذا صریح فیما قلنا ان المفتی لا یفتی بخلاف عرف زمانہ۔ (رسم المفتی ص ۴۰)

قنیہ میں ہے کہ مفتی اور قاضی ظاہر مذہب پر فیصلہ کر کے عرف کو نہیں چھوڑ سکتا اور یہ ہمارے کہنے میں صریح ہے تو بیشک مفتی اپنے زمانے کے عرف کے خلاف فتوٰی نہیں دے سکتا۔

بلکہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

من جھل باھل زمانه فھو جاھل۔ (رسم المفتی ص۴۲)	جو اپنے زمانے کا عرف نہ جانتا ہو تو وہ بھی جاہل ہے۔

یعنی مفتی حالات کو دیکھ کر مبتلیٰ بہٖ کے حالات و حیثیت کے مطابق آسان فتویٰ دے تاکہ لوگ دین سے متنفر نہ ہوں، لہٰذا مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سہل، آسان اور رُخصت پر عمل کرنے کا فتویٰ دے اور عوام الناس کے لیے آسانی پیدا کرے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

و فی عمدۃ الاحکام من کشف البزدوی یستحب للمفتی الاخذ بالرخص تیسرا علی العوام مثل التوضی بماء الحمام والصلوۃ فی الاماکن الطاھرۃ بدون المصلی۔ (عقد الجید ص۳۷)	اور عمدۃ الاحکام میں بزدوی کی کتاب کشف سے منقول ہے کہ مفتی کے لیے مستحب ہے کہ عوام پر آسانی کی غرض سے رخصت پر فتویٰ دے مثلاً حمام کے پانی سے وضو کرنا اور پاک جگہوں پر بدون جانماز کے نماز پڑھنا۔

لیکن جو لوگ محتاط اور خواص ہیں ان کو عزیمت پر عمل کرنا چاہیئے، اس لیے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ولا یلیق ذٰلک باصل العزلۃ بالاخذ بالاحتیاط والعمل بالعزیمۃ اولٰی بھم۔ (عقد الجید ص۳۷)	اور یہ رخصت گوشہ نشینوں کے لائق نہیں بلکہ ان کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ احتیاط پر کاربند رہیں اور عزیمت پر عمل کریں۔

اغلاط سے بچنا اور محفوظ رہنا بھی مفتی کے لیے ضروری ہے کہ اس سے اغلاط کم واقع ہوں ورنہ جس مفتی سے بکثرت غلطیاں واقع ہوتی ہوں وہ قابلِ اعتماد نہیں رہتا۔ علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:۔

وذکر فی الملتقط اذا کان صوابه اکثر من خطاءه حل له ان یفتی وان لم یکن من اھل الاجتھاد۔ (طحطاوی علی الدر المختار ج۳ ص۱۷۲)	اور ملتقط میں ہے کہ جب مفتی کا صواب اغلاط سے زیادہ ہو تو وہ فتویٰ دینے کا اہل ہے اگرچہ وہ درجۂ اجتہاد پر فائز نہ ہو۔

اگر مفتی مقلد ہو تو سب سے بڑھ کر اس میں یہ وصف ہونا ضروری ہے کہ اس کو اپنے امام کے مستنبط مسائل و قواعد اور امام کے طرزِ اسلوب پر مہارت حاصل ہو۔

علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں کہ "مفتی نرم خو، شگفتہ مزاج اور متواضع ہو۔ تند خوئی، درشت مزاجی، غرور و تکبر اور انانیت مفتی کے لیے سخت معیوب ہے۔ مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خوب اطمینان کے ساتھ جواب دے، جب تک وہ خود مطمئن نہ ہو تو جواب دینے سے پرہیز کرے اٹکل سے جواب نہ دے۔ اسی طرح اگر مفتی مقلد ہو تو جس کتاب سے جواب دینا ہو تو اُسے اُس کے مصنف کا حال معلوم ہونا چاہیئے، سوال کا خوب اطمینان کے ساتھ جواب دے"۔

(رسم المفتی ص ۴، ۵)

آداب (۱) فتویٰ دینے کے آداب میں سے یہ بھی ضروری ہے کہ مفتی کتب مذہبیہ سے صریح جزئیہ کو تلاش کرے جب تک صریح جزئیہ نہ ملے محض کلیات و تعلیلات سے جواب نہ دے۔

(۲) تاہم اگر ضرورت پڑ جائے یعنی کافی تلاش اور تتبع کرنے کے بعد بھی جزئیہ نہ مل سکے تو جواب میں یہ لکھنا مناسب ہوگا کہ جزئیہ نہیں ملا لہٰذا جواب قواعد سے لکھا جاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کا یہی طریقہ تھا، آپ فرماتے ہیں "قواعد سے جواب لکھتا ہوں تو اس میں یہ احتیاط کرتا ہوں کہ یہ لکھ دیتا ہوں کہ قواعد سے یہ جواب لکھا ہے جزئیہ نہیں ملا"۔

(اشرف المعمولات ص ۳۲ بحوالہ تحفۃ العلماء جلد ۲ ص ۲۳۷)

(۳) اور نہ صرف ایک جزئیہ ایک کتاب میں دیکھ کر اس پر فتویٰ دیا جائے بلکہ متعدد کتابیں دیکھ کر تحقیق کے بعد فتویٰ دیا جائے، اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی ہو چکی ہو، مثلاً شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت کے مسئلہ پر کئی کتابوں میں احناف کا مذہب عدم قبولیت کا لکھا ہے حالانکہ احناف کے ہاں اس کی توبہ قبول ہوگی۔ (تحقیق رسالہ ابن عابدین)

(۴) جواب ظاہری عبارت کے موافق دینا چاہیئے اگرچہ حقیقت میں معاملہ کچھ اور ہو مگر یہ توضیح لازمی ہے کہ یہ لکھا جائے کہ بناء بر صورتِ مسئولہ یا صورتِ مسئولہ کے مطابق جواب یہ ہے۔

(۵) مفتی کو جواب واضح، صریح اور سلیس زبان میں دینا چاہیئے، الفاظ کے پیچھے پڑنے سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "جو سوال کیا جائے اس کا بلا تکلف صاف صاف جواب دینا چاہیئے، گول اور پیچدار الفاظ ہرگز نہ ہونے چاہئیں، تکلّف اور تصنّع جو آجکل بطور عادتِ ثانیہ کے ہو گئے ہیں بالکل خلوص کے خلاف اور نہایت تکلیف دہ چیزیں ہیں"۔ (ملفوظاتِ اشرفیہ ص ۱۹۸)

(۶) جو مستفتی معترض یا معاند ہو اور صرف امتحان یا اعتراض کی غرض سے سوال کرتا ہو، عمل کرنے کا قصد نہ ہو تو اس کو جواب نہیں دینا چاہیئے اس سے خاموشی بہتر ہے کیونکہ اس کو جواب دینا مفید نہیں۔

حکیم الامت رح فرماتے ہیں کہ معاند کو جواب دینا مفید نہیں بلکہ خاموشی بہتر ہے مگر مولویوں کو کب آتا ہے جوش اٹھتا ہے، جس کو محض اعتراض ہی مقصود ہو اس کو کہہ دینا چاہیئے کہ جاؤ یونہی سمجھو البتہ جو سمجھنا چاہے اس کو سمجھانا چاہیئے۔ (تحفۃ العلماء جلد۲ ص۲۵۲)

(۷) ہر مسئلہ پر فتویٰ دینے سے گریز کرنا مناسب ہے بلکہ فتویٰ کا جواب نہایت غور و فکر کے بعد دینا ضروری ہے کہ کہیں فتویٰ مفاسد کے اٹھنے کا ذریعہ نہ بن جائے، اگر مفاسد کا خطرہ ہو تو اس سے خاموشی بہتر ہے۔

حکیم الامت رح فرماتے ہیں بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ گو فی نفسہٖ صحیح ہو مگر مفضی ہو جاتے ہیں مفاسد کی طرف جہاں عوام کو ان کی اطلاع ہوئی اور آفتیں کھڑی ہو جائیں گی، اس لیے ایسے مسائل کو بیان نہیں کرنا چاہیئے، میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے، تو یہاں بھی ضرر سے بچانا مقصود ہے۔

(۸) اگر کسی استفتاء میں کوئی فتنہ انگیز سوال پوچھا گیا ہو مثلاً کسی عالم دین، واعظ یا کسی شخص کا کوئی عقیدہ بیان کر کے اس کے بارے میں سوال ہو تو اس کو اس طرح جواب دیا جائے کہ ایسا عقیدہ کسی عالم دین یا مسلمان کا نہیں ہو سکتا اگر اس شخص کا یہ عقیدہ ہو تو وہ خود زبانی یا تحریری لکھ کر پوچھیں، یہی طریقہ حکیم الامت رح کا تھا۔ (تحفۃ العلماء جلد۲ ص۴۵۵)

(۹) اگر فتویٰ لمبا ہو اور ایک کاغذ پر جواب تمام نہ ہوتا ہو تو دوسرے کاغذ پر لکھنے کے بعد دونوں کاغذات کو مُہر کرے یا دونوں پر دستخط کرے تاکہ تحریف کا شبہ نہ رہے۔

(۱۰) فتویٰ مختصر اور جامع ہونا چاہیئے طوالات کی ضرورت نہیں اس لیے کہ فتویٰ سے غرض مستفتی کو شرعی حکم بیان کرنا ہے کوئی مناقشہ مقصود نہیں۔

(۱۰) تاہم جہاں اختصار، وضاحت اور بیان مطلوب میں فعل ہو تو وہاں طوالت کے ساتھ فتویٰ دینا واجب ہے مثلاً کسی شخص کے کسی موجب کفر عقیدے کے بارے میں پوچھا جائے تو بغیر بینہ شرعیہ یا اقرار کے فتویٰ نہ دیا جائے۔ اور اسی طرح اگر دو معنی والے لفظ کے بارے میں پوچھا جائے تو بغیر وضاحت اور تفصیل کے فتویٰ نہ دیا جائے۔ (اصول الدعوہ ص۱۶۸ المطلب الرابع لفتویٰ)

(۱۲) فتویٰ دینے میں زمانے اور مکان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس لیے کہ زمانہ اور مکان سے فتویٰ بدل جاتا ہے بشرطیکہ حکم شرعی کسی خاص شہر کے عرف پر مبنی ہو اور جدید عرف نصِ شرعی کا مخالف نہ ہو یا حکمِ شرعی کسی خاص معنیٰ پر مبنی ہو اور وہ معنیٰ زمانہ کی وجہ سے متغیّر ہو جائے۔

(اصول الدعوہ ص۱۶۹ المطلب الرابع الفتویٰ)

(۱۳) ضرورت اور مصلحت کی بناء پر فتویٰ میں سخت الفاظ لکھنا اور سختی کے ساتھ فتویٰ دینا جائز ہے، مثلاً فتویٰ دینے کے بعد یوں لکھے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور جو شخص اس کے خلاف کرے گا گنہگار ہوگا۔ (اصول الدعوہ ص۱۷۰ المطلب الرابع الفتویٰ)

اور اگر جواب نہیں آتا ہو تو صاف الفاظ میں کہے کہ میں نہیں جانتا اس لیے کہ لا ادری بھی نصف علم ہے۔ امام مالکؒ سے ۴۸ مسائل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے ۳۲ کے بارے میں لا ادری فرمایا۔ (اصول الدعوۃ ص۱۵۹)

(۱۴) مفتی فتویٰ دیتے وقت صریح جزئیہ نقل کرے اور جزئیہ کے نقل کرنے میں بھی معتبر کتابوں پر اکتفاء کرے۔ (معین الحکام ص۳۱)

(۱۵) مفتی فتویٰ دیتے وقت غیر مشہور اور غیر معروف کتابوں سے اجتناب کرے ہاں اگر معتبر کتابوں سے ان کی تائید ہوتی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

وعلیٰ هذا تحرم من الکتب الغریبة التی لم تشتهر حتیٰ تتظاهر علیها الخواطر ویعلم صحة ما فیها۔ (معین الحکام ص۳۲)

اسی بناء پر غیر مشہور کتابوں سے فتویٰ دینا حرام ہے یہاں تک کہ عقل اس کو قبول کرے اور اس کی صحت کا پتہ چل جائے۔

(۱۶) مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جواب استفتاء کے مطابق دے، استفتاء سے خارج جواب سے پرہیز کرے تاکہ مستفتی کو اصل مقصود حاصل ہو۔ (اصول الدعوۃ ص۱۶۷)

(۱۷) مفتی جب جواب لکھے تو دلیل سے جواب دے تاکہ مستفتی کو اطمینانِ قلبی حاصل ہو سکے۔

علامہ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں، ان یذکر دلیل الحکم و ماخذہ ما امکنه من ذٰلك۔ کہ مفتی حتی الامکان جواب کی دلیل اور اس کا ماخذ ذکر کرے۔

(۱۸) مفتی جب فتویٰ لکھنا شروع کرے تو سرورق پر تسمیہ لکھے یا الجواب و باللہ التوفیق لکھے اور آخر میں واللہ اعلم و ھو الموفق لکھے۔

علامہ طحطاویؒ نے لکھا ہے کہ:-

ینبغی ان یکتب عقب جوابه واللہ اعلم وقیل یکتب فی العقائد واللہ الموفق۔ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص۴۹)

مفتی کے لیے مناسب ہے کہ جواب کے آخر میں واللہ اعلم کے الفاظ تحریر کرے اور اگر مسئلے کا تعلق عقائد سے ہو تو آخر میں واللہ الموفق لکھے۔

(۱۹) مفتی کو چاہیئے کہ جواب لکھتے وقت اپنا دل اللہ کی طرف متوجہ کرے اور محتاج محض بن کر اپنے آپ کو خدا کے آگے پیش کرے اور کثرت سے دعا کرے۔ یلیق با لمفتی ان یکثر الدعاء۔ (اعلام ج ۲ ص۲۲۱)

(۲۰) مفتی کو چاہیئے کہ تغیرِ خلق اور اشتغالِ قلب کی حالت میں فتویٰ نہ دے، مثلاً غصّہ کی حالت، اسی طرح غمی و خوشی، تکلیف، غلبۂ نیند اور بھوک و پیاس کی حالت یعنی ہر اس حالت میں جس میں طبیعت اعتدال سے نکل جاتی ہے فتویٰ دینا جائز نہیں، البتہ اگر اعتدال سے نہ نکلے تو پھر بعض ایسے حالات میں فتویٰ دینا جائز ہے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص۴۶)

(۲۱) جس فتویٰ کا تعلق ایمان واقرار یا اس جیسے دیگر امور سے ہو تو جب تک لافظ کے احوال اورعرف یا کسی معتبر و معتمد عالم سے جو ان الفاظ وعرف کا ماہر ہو، پوچھ کر معلوم نہ کرے تب تک جواب نہ دے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص۴۶)

(۲۲) فتاویٰ میں تساہل کرنا حرام ہے، جو شخص تساہل میں معروف ہو تو اس سے استفتاء کرنا بھی درست نہیں۔ تساہل میں یہ داخل ہے کہ کما حقہٗ استفتاء دیکھنے سے قبل جواب لکھنے میں جلد بازی کرے، اسی طرح سائل نے سوال نہ کیا ہو اور مفتی جواب دینے لگے، البتہ اگر سوال کا پہلے سے علم ہو تب تو جواب دینے میں جلد بازی کرنا درست ہے۔ اسی طرح تساہل میں یہ بھی شامل ہے کہ حرام اور مکروہ حیلوں کو تلاش کرنے لگے اور درمیان میں کوئی غرضِ فاسد ہو۔ (شرح المہذب ج ۱ ص۴۶)

(۲۳) مفتی جب فتویٰ مکمل کرلے تو اپنے ہم نشین علماء و فضلاء کو (چاہے وہ اس کے شاگرد ہی کیوں نہ ہوں) بطور مشورہ کے سنائے اگر اشکال ہو تو نرمی اور انصاف کے ساتھ اُن سے بحث ومباحثہ کرے اور جو حق بات سامنے آئے اُسے بلا تامل قبول کرے۔ (مقدمہ شرح مہذب، فصل آداب المستفتی والمفتی)

(۲۴) اگر فتویٰ میں کسی کتاب کی عبارت نقل کی ہو تو اس کتاب کی جلد نمبر، صفحہ نمبر اور اگر ہو سکے باب اور فصل بھی تحریر کرے، اور اگر اس کتاب کے مختلف الطبع نسخے ہوں تو مطبع (پریس)

کا نام بھی تحریر کرے۔

(۲۵) اگر کسی کتاب کی عبارت دوسری کتاب میں دیکھی ہو تو اولاً تو خود اس کتاب میں دیکھ کر نقل کرے ورنہ بصورتِ دیگر اس کتاب کی عبارت بحوالہ کتابِ ثانی لکھے۔ مثلاً ایک مسئلہ مفتی نے امداد الفتاویٰ میں بحوالہ شامی دیکھا ہے اور شامی مفتی کے پاس ہے نہیں تو وہ مسئلہ کے جواب میں یوں تحریر کرے: ھٰکذا فی ردّ المحتار بحوالہ امداد الفتاویٰ۔

(۲۶) مفتی جواب دینے میں میانہ روی سے کام لے، نہ بہت باریک لکھے اور نہ بہت جلی، اور نہ ہی ایک جواب میں مختلف قسم کی روشنائی استعمال کرے تاکہ جعل سازی کا احتمال نہ رہے بلکہ ایک ہی قسم کے قلم اور روشنائی سے جواب لکھے۔ (مقدمہ شرح مہذب ج۱ ص۱۲ آداب الفتویٰ)

(۲۷) جواب لکھنے میں استفسارات کی ترتیب کا خیال رکھے یعنی جو پہلے ہے اس کا جواب پہلے دے علیٰ ھٰذا الترتیب، البتہ مسافر اور خواتین کا لحاظ رکھ سکتا ہے جبکہ تاخیر کرنے سے ان کا نقصان ہو رہا ہو۔ (البحر الرائق جلد ۶ ص۲۶۸)

(۲۸) اگر استفسار یعنی سوال کے درمیان یا آخر میں جگہ خالی ہو جس میں جعلسازی ہو سکتی ہو تو مفتی از خود وہاں نکتے (.....) یا کراس (× × ×) کا نشان لگا دے تاکہ جواب دینے کے بعد کوئی شخص اس میں جعلسازی نہ کر سکے جو آئندہ کسی فتنہ اور فساد کا باعث نہ بنے۔ اگر سوال کے مختلف اجزاء ہوں تو مفتی اجزاء کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے نمبروار جواب لکھے تاکہ مستفتی پر التباس نہ آئے۔ اور اگر بالفرض تحریری جواب میں فتنہ اور فساد کا اندیشہ ہو مثلاً مسئلہ کا تعلق قضاء کے ساتھ ہو یا تحریری فتویٰ فتنہ انگیزی کا باعث بنتا ہو تو زبانی جواب دینے پر اکتفاء کرے تحریری جواب نہ دے، اس لیے کہ کسی مسئلہ کا تحریری جواب دینا لازمی نہیں۔ اگر کسی واقعہ کا بذاتِ خود مفتی کو علم ہو اور استفسار واقعہ کے خلاف ہو تو اس صورت میں جواب دینے سے گریز کرے اور از سرِ نو صحیح صورتحال کے مواقف جب سوال ہو جائے تو پھر جواب تحریر کرے، اس لیے کہ بعض اوقات لوگ محض دنیاوی اغراض کی تکمیل کے لیے فتویٰ کی آڑ لیتے ہیں جس سے فتنے کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ (فتویٰ نویسی کے رہنما اصول ص۳۸)

(۲۹) اگر مفتی کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جو دو فریقوں کے مابین متنازع ہو اور وہ تنازع بھی مشہور ہو تو اسے چاہیئے کہ کسی حیلہ سے کام لے کر اس سے اپنا دامن چھڑا لے، اور اس طرح کے مسائل میں الجھنے سے پرہیز کرے۔

(۳۰) اگر مستفتی کی نیت استفسار کی نہ ہو بلکہ اعتراض کی ہو تو اس کو بالکل جواب نہ دے۔
(۳۱) اگر مفتی کے پاس وراثت کا مسئلہ آجائے تو اس میں بہت احتیاط سے کام لے، اس لیے کہ میراث کا مسئلہ بسا اوقات نزاع اور جھگڑے کا باعث بن جاتا ہے لہٰذا اچھی طرح تحقیق کر کے مستفتی سے ورثاء کی تعداد معلوم کر کے جواب لکھے اور آخر میں یہ چند الفاظ لکھے:۔

"بناء بر صحتِ واقعہ مذکورہ اگر ورثاء کی تعداد صورتِ مسئولہ کے موافق ہے تو جواب یہ ہوگا" تاکہ مفتی عنداللہ اور عندالناس ماخوذ نہ ہو۔ اور جملہ ورثاء کے حصص کو الگ الگ کر کے لکھے۔

(۳۲) اپنے دیئے ہوئے فتوے کی ایک نقل اپنے پاس رکھے تاکہ بوقتِ ضرورت فتنہ سے بچنے کا ذریعہ بنے اور ایک علمی سرمایہ بھی تیار ہو جائے۔
(۳۳) مفتی کو چاہیئے کہ مسئلہ کا جواب لکھنے کے بعد اس پر نظرِ ثانی کرے تاکہ خلط و التباس جواب سے نکل جائے اور اگر تصحیح کی ضرورت ہو تو جواب کو درست کیا جا سکے۔ (شرح مہذب جلد ۱ ص ۱۲)

تو فتویٰ دینے میں ان جملہ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، بغیر اس کے فتویٰ صادر کرنا اکثر فتنہ اور فساد کا باعث ہوتا ہے جبکہ اسلام نے فتنہ اور فساد سے منع کیا ہے۔

آدابُ المُستفتی

مُستفتی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی عالمِ دین سے کسی دینی مسئلہ کے بارے میں حل دریافت کرے۔

چونکہ دین سارے کا تعلق ادب اور احترام کے ساتھ ہے اور دین نام ہی ادب کا ہے اسی لئے فقہاء نے مستفتی کے لیے چند آداب مقرر فرمائے ہیں جن کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے مفتی سے مسئلہ کا حل دریافت کرنا ضروری ہے۔ اور وہ آداب درج ذیل ہیں:۔

۱۔ مستفتی کو جب کوئی حادثہ پیش آئے تو اُسے چاہیئے کہ وہ کسی معتمد مفتی سے مسئلہ کا حل طلب کرے۔ اگر اپنے شہر میں قابلِ اعتماد مفتی نہ ملے تو مسئلہ کا جواب معلوم کرنے کیلئے کسی دوسرے شہر کا سفر کرے۔
۲۔ مسئلے کا حل کسی ایسے شخص سے دریافت کرے جو فتویٰ دینے کا اہل ہو، اس کی اہلیت کے لیے یہ کافی ہے کہ لوگوں میں اس کی شہرت عام ہو، یا بقولِ متاخرین علماء کہ وہ خود

دعویٰ کرے کہ انا اھل للفتویٰ۔

۳۔ مفتی کے سامنے ادب واحترام سے بیٹھے، گفتگو میں سبقت سے کام نہ لے اور نہ ہاتھ سے مفتی کے چہرے کی طرف اشارہ کرے۔

۴۔ استفتاء کے وقت مفتی سے یہ نہ کہے کہ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے یا اس کے بارے میں آپ کے امام یا امام شافعیؒ کا کیا مذہب ہے۔ بلکہ مفتی کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرے اور اس کا حل پوچھے، ہاں اگر مسئلہ کسی امام معین کے مذہب کے بارے میں دریافت کرنا ہو تو تب یہ کہنا بجا ہے کہ اس بارے میں فلاں امام صاحب کا کیا مذہب ہے؟

۵۔ مفتی کے جواب دینے کے بعد یہ نہ کہے کہ میرا بھی یہی خیال تھا یا میری بھی یہی رائے ہے اور یہ بھی نہ کہے کہ فلاں شخص نے بھی یہ کہا تھا، اور نہ یہ کہے کہ اگر آپ کا فتویٰ فلاں شخص کے موافق ہو تو لکھیں ورنہ نہ لکھیں۔

۶۔ مفتی سے اس کی حالتِ قیام، اونگھ یا ایسی کسی دوسری حالت میں مسئلہ کا حل نہ پوچھے اسی طرح جس وقت مفتی کا دل کسی اور کام میں مشغول ہو تو اس وقت بھی مسئلہ کا حل دریافت کرنے سے اجتناب کرے۔

۷۔ اگر سوال تحریری طور پر کرنا مقصود ہو تو اگر خود نہ لکھ سکتا ہو تو پھر کسی ایسے کاتب سے لکھوائے جو سوال کی غرض و غایت کو پوری طرح واضح کر سکتا ہو اور وہ صاف ستھرا اور خوش خط لکھ سکتا ہو

۸۔ مستفتی کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ مفتی سے دلیلِ فتویٰ کا مطالبہ نہ کرے، البتہ اگر اسی مجلس میں دلیل کا مطالبہ ضروری ہو تو چاہیئے کہ پہلے مفتی کے فتویٰ کو قبول کرے پھر بعد میں دلیل طلب کرے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس قسم کا مطالبہ مفتی سے کسی دوسری مجلس میں کرے۔

۹۔ مستفتی کو چاہیئے کہ اپنے مسئلہ کو سوال کی شکل میں بڑے سائز کے کاغذ پر واضح کر کے لکھے۔ بڑے کاغذ پر لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات جواب تفصیل طلب ہوتا جس کا مفصّل جواب لکھنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ چھوٹے کاغذ پر جواب بھی مختصر لکھا جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ جواب مستفتی کے ضرر اور نقصان کا باعث بن جائے، اسلئے استفتاء (سوال)

بڑے کاغذ پر لکھنا ضروری ہے۔

۱۰۔ استفتاء میں دعائیہ کلمات لکھنے چاہئیں۔ اگر کسی معین شخص سے سوال کرنا مقصود ہو تو خاص اس کے لیے دعائیہ کلمات لکھے ورنہ دعائیہ کلمات عمومی الفاظ میں تحریر کرے۔

۱۱۔ اگر فوراً جواب مطلوب ہو تو مستفتی کو چاہیئے کہ کاغذ کھول کر بڑے ادب کے ساتھ مفتی کے سامنے رکھے، اس کو کاغذ کھولنے کی تکلیف نہ دے اور نہ ہی اس کو بند کرنے کی زحمت دے۔

فتویٰ کی اہمیت
—اور—
جامعہ حقانیہ میں دارالافتاء کا قیام

حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب۔ استاذ الحدیث و نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على رسوله الكريم، اما بعد!

کائنات عالم میں اللہ تعالیٰ کا ہر تصرف اور حکم بیشمار حکمتوں، اسرار و رموز اور لطائف کا خزانہ ہے۔ جب بھی کسی عاقل، بالغ اور ذی شعور شخص نے اس میں غور و فکر کیا تو اس کی عقل حیران رہ گئی اور آخر کار اسے یہ کہنا پڑا کہ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۔

اور پھر خالق کائنات نے اشرف المخلوقات حضرت انسان کے لیے ایک ایسا عجیب و غریب اور فطرت کے مطابق قانون اور نظام نازل فرمایا کہ جس پر عمل کرنے سے بنی نوع انسان کے تمام مسائل حل ہو جاتے ہیں، اس میں امیر و غریب، سید اور غیر سید، آقا و غلام، خوبصورت اور بدصورت کا کوئی امتیاز نہیں اور نہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا فلاں مسئلہ اسلامی قانون کے تحت حل نہیں ہوا۔ اس لیے امارت اسلامی میں جہاں محکمہ قضاء کے قیام کا حکم ہے وہاں محکمہ افتاء کا قیام بھی انتہائی ضروری ہے۔

قضاء و افتاء میں فرق

قضاء اور افتاء قریب قریب دونوں ایک ہی ہیں، بیشتر شرائط اور اصول میں دونوں برابر ہیں۔ اس لیے فقہاء کرام نے جہاں قاضی یا قضاء کے شرائط و آداب بیان کیے ہیں تو وہاں آخر میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی ہے کہ یہ جملہ شرائط مفتی کے لیے بھی ہیں، اور جہاں مفتی کی شرائط کا ذکر ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ قاضی ان شرائط میں مفتی کی مانند ہے، البتہ قاضی اور مفتی میں فرق صرف اتنا ہے کہ قاضی اکثر اوقات میں معاملات کے مسائل حل کرتا ہے تو مفتی عبادات کے مسائل، دوسرا فرق یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ لوگوں پر جبراً نافذ کیا جاتا ہے کیونکہ قاضی قوت نافذہ کا مالک ہوتا ہے اس کے برعکس مفتی کا

فتویٰ لوگوں پر جبراً نافذ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مفتی صرف مُبَیِّن ہوتا ہے۔

یہاں میں پہلے قضاء اور افتاء کے معانی واضح کر کے بعد میں افتاء کی عظمت و اہمیت پر مختصراً عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔ قضاء کا لغوی معنیٰ ہے کسی چیز کو مضبوط بنانا، اور شرعی معنیٰ یہ ہے کہ اسلامی معاملات اور مسائل میں فیصلہ دینا۔ اور فتویٰ کا لغوی معنیٰ قوی کرنا، واضح کرنا اور بیان کرنا ہے، اور یہی معنیٰ قرآنِ کریم کی سورۃ یوسف میں استعمال ہوا ہے، ارشادِ ربانی ہے: يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِىْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ الخ یعنی جواب دیجئے۔۔ اور فتویٰ کا اصطلاحی اور شرعی معنیٰ ہے کسی شرعی مسئلے کا جواب دینا، اور یہی معنیٰ اس ارشادِ ربانی کا ہے، يَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ "یعنی حکم پوچھتے ہیں آپ سے، سو آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ حکم بیان فرماتے ہیں تم کو کلالہ کا۔"

جب فتویٰ کا معنیٰ معلوم ہو جائے یعنی شرعی مسئلے کا جواب دینا، تو اس کے بعد فتویٰ کی اہمیت سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

منصبِ افتاء کی عظمت

فتویٰ یا افتاء ایک عظیم اور مہتم بالشان امر ہے اور اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ جل جلالہٗ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف کی ہے، ارشادِ ربانی ہے: يَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ۔ (سورۃ النساء ع ۱۷۶) "یعنی حکم پوچھتے ہیں آپ سے، سو آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے یعنی حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔"

فتویٰ کی عظمتِ شان کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ اور اسلامی مسئلہ کے جواب کی نسبت اپنی ذاتِ اقدس کی طرف فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اس عظیم اور پُر وقار عہدہ کو سنبھالے رکھا اور بیشمار فتوے جاری کیے۔ اگرچہ اُس وقت فتویٰ یا مفتی کی اصطلاح رائج نہ تھی، لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فتویٰ کا اصل معنیٰ کسی شرعی مسئلے کا جواب دینا ہے۔ اس اعتبار سے پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں مسائل کے جوابات فتاویٰ ہی تھے اور آپؐ اپنے زمانے کے مجیب اور مفتی اعظم بھی تھے۔ چونکہ لفظِ رسول مفتی سے بدرجہا بہتر و افضل ہے اسی وجہ سے آپؐ رسول کے مقدس نام سے یاد کیے جاتے ہیں، اگرچہ حضور علیہ السلام اپنے زمانے کے قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم بھی تھے اور آپؐ کے فتاویٰ حدیثِ نبویؐ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ

یہ منصب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد ہوا مگر زیادہ نازک اور پرخطر ہونے کی وجہ سے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ یہ کام کسی اور صاحب کے سپرد کیا جائے اور خود اس ذمہ داری سے بچ جائیں۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فتوٰی دینے والوں کی تعداد بہت کم رہی۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق "اعلام الموقعین" میں صحابہ کرامؓ میں سے مفتی حضرات کی تعداد ایک سو بیس سے کچھ اوپر بتائی ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں زیادہ فتوٰی دینے والے کل سات حضرات تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

منصب افتاء اور خطرات

منصب افتاء اگرچہ ایک عظیم مقام ہے لیکن اس عظمت کے ساتھ ساتھ اس میں عظیم خطرات بھی موجود ہیں۔ کیونکہ بلند مقام پر چڑھنے والا جب گرتا ہے تو بلند مقام ہی سے گرتا ہے۔ تو منصب افتاء کی عظمت کے پیش نظر اس میں لاپرواہی سے فتوٰی دینا یا غفلت کرنا باعث عذاب ہوتا ہے، مثلاً:۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس نے بغیر علم کے فتوٰی دیا تو اس کا گناہ اسی (فتوٰی دینے والے) پر ہوگا۔ (ابوداؤد ص کتاب العلم)

(۲) یہ بھی آپؐ ہی کا ارشاد ہے کہ تم میں سے فتوٰی دینے پر زیادہ جرأت مند وہ ہوگا جو تم میں سے جہنم کی آگ پر جرأتمند ہو۔ (مقدمہ دارمی باب ص۱۷۵)

(۳) علامہ ابن قیمؒ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو شخص بغیر علم کے لوگوں کو فتوٰی دیتا ہے تو اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔

(اعلام الموقعین جلد۲ ص۲۰۲)

(۴) یہاں تک کہ اگر کوئی شخص فتوٰی دیتا ہو اور حقیقت میں وہ فتوٰی دینے کا اہل نہ ہو تو حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ اسے فتوٰی دینے سے روک دے بصورت دیگر حاکم بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ "من افتی الناس ولیس باھل للفتوٰی فھو اثم عاص ومن اقرہ من ولاۃ الامور علی ذلک فھو اثم ایضاً۔ (اعلام الموقعین ج۲ ص۲۵۶)

(ترجمہ) "یعنی جو شخص لوگوں کو فتویٰ دینے لگے اور وہ فتویٰ دینے کا اہل نہ ہو تو وہ گنہگار و نافرمان ہے اور جو صاحبِ اختیار شخص اس کو اس منصب پر برقرار رکھے گا وہ بھی گنہگار ہوگا۔"

اس سخت وعید کی وجہ سے اس پُرخطر منصب میں اکابرینِ اُمت بہت احتیاط کرتے تھے۔

(۵) چنانچہ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے انصار صحابہ میں سے ایک سو بیس صحابہ کرامؓ کو ایسا پایا کہ جب ان میں سے کسی سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ اس مسئلے کو ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کی طرف بھیجتے، یہاں تک کہ سائل اوّل مسئول ہی کی طرف واپس آجاتا۔ (مباحث فی احکام الفتویٰ ص۱۹۶)

(۶) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو مفتی ہر مسئلے کا جواب دے تو وہ مجنون ہی ہوتا ہے۔

(۷) اسی طرح حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ کے پاس ایک آدمی فتویٰ پوچھنے کے لیے آیا تو آپ نے اس کو جواب دیا کہ میں اچھی طرح نہیں جانتا، اس پر سائل نے کہا کہ میں آپ کے علاوہ کسی اور کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتا۔ تو آپؒ نے جواب میں فرمایا کہ لا تنظر الیٰ طول لحیتی وکثرۃ الناس حولی۔ (اعلام الموقعین ج۲ ص۲۵۷) یعنی تم میری لمبی داڑھی اور میرے گرد لوگوں کے ہجوم کو مت دیکھو۔

(۸) امام شعبیؒ اور حسنؒ (دونوں حضرات تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ تم میں سے ایک شخص کسی مسئلہ میں فتویٰ دیتا ہے، اگر یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو آپ خود اُسے حل نہ فرماتے بلکہ اس مسئلے کے حل کے لیے بدریین صحابہؓ کو جمع کرتے۔ (امام نوویؒ شرح المہذب ص)

(۹) امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ علم ضائع ہو جائے گا تو میں کبھی بھی فتویٰ نہ دیتا، مستفتی حضرات کو بغیر مشقت کے مسئلہ مل جاتا ہے اور گناہ میرے سر پہ عائد ہو جاتا ہے۔

(۱۰) امام مالکؒ فتویٰ دینے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ بعض اوقات پچاس مسائل میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہ دیتے۔ (شرح عقود رسم المفتی ص)

(۱۱) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے آپ کو افتاء کے لیے پیش کیا تو اس نے ایک عظیم کام سر پر اٹھا لیا، اسے چاہیئے کہ جب تک شدید ضرورت نہ ہو فتویٰ دینے کی جرأت نہ کرے۔

(۱۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں فتوٰی دینے سے احتراز کرتا رہا حتیٰ کہ میرے بارے میں ستر اکابر علماء نے یہ شہادت دی کہ میں فتوٰی دینے کا اہل ہوں تب میں نے استفتاء کا جواب دینا شروع کیا۔

اسلامی مملکت میں دارالافتاء کا قیام

لہٰذا ان خطرات کے پیش نظر دارالافتاء کا قیام اور اس میں منجھے ہوئے اور ماہر مفتیان کی تقرری حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے اور حکومت کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان دارالافتاء کی پوری نگرانی کرے، اہل اشخاص کو مقرر کرے اور کم علم، عدم صلاحیت رکھنے والے، غیر عادل، فسق و فجور میں مبتلا اور حیلہ باز مفتیان پر پابندی لگا کر ان کو فتوٰی دینے سے روکے، جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔

"اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام افتاء تھا اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا، اس لیے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلہ سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغازِ اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پہ عمل رہا زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔ اس طریقے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص قابل لوگ افتاء کے لیے نامزد کر دیئے جائیں تا کہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے، حضرت عمرؓ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی تھی مثلاً حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ، معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ اور ابوالدرداءؓ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتوٰی دینے کے مجاز نہ تھے ۔ شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں : سابق وعظ و فتوٰی موقوف بود بر رائے خلیفہ وعظ می گفتند و فتوٰی می دادند۔" (الفاروق ص ۲۲۱)

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ اس معاملہ میں اتنے سخت تھے کہ کوئی غیر مقرر شدہ شخص فتوٰی دینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ مقرر شدہ مفتیان کے فتاوٰی کی بھی جانچ پڑتال ہوتی تھی

علامہ نعمانیؒ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں :-

"بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلہ میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتویٰ (دینے) کے مجاز نہ ہوتے۔" (الفاروق ص۲۲۱)

مسلکِ احناف اور فتویٰ کی عظمت

امتِ مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دینِ اسلام میں اکثر فروعی مسائل میں مجتہدین کا اختلاف رہا ہے، لیکن یہ اختلاف مجتہدین کے کسی ذاتی مفاد و اغراض پر مبنی نہ تھا بلکہ یہ اختلاف مسائل کی بنیاد اور اصل نوعیت کی وضاحت پر مبنی تھا، اور خصوصاً مسلک احناف میں مسئلہ کی بنیاد واضح کرنے کے ساتھ یہ بات بھی مد نظر ہے کہ کسی مسئلہ میں قوی دلیل کے باوجود ضعیف دلیل پر عمل نہ کیا جائے، یہاں تک کہ علمائے احناف نے ضعیف کے مقابلے میں قوی دلیل پر عمل واجب قرار دیا ہے اور قوی کے مقابلے میں ضعیف دلیل پر عمل کو ناجائز قرار دیا ہے، دلیل کی قوت بعض اوقات ماخذ اور مصدر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور بعض اوقات جمہور علمائے کرام کے اتفاق رائے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اتنی احتیاط کی کہ صرف اپنے ہی فتویٰ اور تحقیق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنے دارالتحقیق والافتاء میں مسائل کی تحقیق و جستجو کے لیے اس وقت کے مجتہدین اور جید علماء کرام کی شوریٰ بنائی، یہ شوریٰ حالات کے اعتبار سے کم و بیش ہوتی رہتی تھی، لیکن مؤرخین علماء کرام نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دارالتحقیق والافتاء کے محققین اور مشاورین کی تعداد چالیس تھی۔

حضرت العلامہ امام الکردریؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی علمی مجلسِ شوریٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب "مناقب الامام اعظمؒ" میں فرماتے ہیں کہ : امام الانام نے اپنے مذہب کی بنیاد کے لیے ایک شوریٰ بنا کر مسائل کے اجتہاد و تحقیق میں فقط اپنے آپ پر اعتماد نہیں کیا تاکہ دینِ مقدس میں صحیح اجتہاد ہو جائے اور دین کی صحیح خیر خواہی کی جائے، ایک ایک مسئلہ پر شوریٰ میں بحث ہوتی تھی اور امام الانام اپنی شوریٰ کے ارکان سے باقاعدہ مسئلے کے بارے میں دلائل کا پوچھتے، بعض اوقات ایک مسئلہ میں ایک مہینہ تک بلکہ مہینہ سے بھی زیادہ بحث جاری رہتی اور کمال

تحقیق و تنقیح کے بعد مسئلہ جب مدلل ہو جاتا تو امام ابو یوسفؒ کو حکم فرماتے کہ اب اس مسئلے کو قلمبند کریں۔ گویا امام اعظم نے نہ کبھی تخمین سے فتویٰ دیا اور نہ فقط اپنی رائے سے۔

علامہ اسد بن الفرات اپنی کتاب "حسن التقاضی" میں لکھتے ہیں کہ: امام صاحب کی شوریٰ کے وہ ارکان جو کتابیں مدون کرتے تھے چالیس افراد تھے ان میں سے دس حضرات متقدمین کے نام سے مشہور ہیں جن میں امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، داؤد الطائیؒ، اسد بن عمروؒ، یوسف بن خالدؒ، یحییٰ بن زکریا قابل ذکر ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور تحقیق میں کمال احتیاط کا یہ نتیجہ نکلا کہ علمائے امت نے درجہ اجتہاد میں ان کو مجتہد مطلق اور امام اعظم کے لقب سے ملقب کیا، اعظم کا لقب کسی اور مجتہد کو نہیں دیا گیا۔

علامہ ابن نجیم المصریؒ اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں لکھتے ہیں: ھو کالصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ای ان الصدیق رضی اللہ عنہ اول من اٰمن من الرجال وابا حنیفۃؒ اول من دوّن الفقہ۔ "یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مانند ہیں، یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں میں وہی شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ایمان لائے، اور امام اعظمؒ بھی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی"۔ یہی حال امام ابو یوسفؒ کا تھا جو اپنے وقت کے مجتہد تھے، آپؒ نے بھی اجتہاد میں امام ابو حنیفہؒ ہی کی اتباع کی اور بالانفراد اپنے اجتہاد پر اعتماد نہیں کیا، یہ ان کے احتیاط کی دلیل ہے، اور اس احتیاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی دنیا میں قاضی القضاۃ کا لقب سب سے پہلے آپؒ ہی کو ملا۔

امام سمعانیؒ اپنی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں: فاولھم واجلھم ای من اعضاء الشوریٰ قاضی القضاۃ فقیہ العراقین حافظ الحدیث ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم وھو اول من دعی بقاضی القضاۃ فی الاسلام واول من وضع الکتب فی اصول الفقہ واملی المسائل ونشرھا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ منصب افتاء کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "منصب افتاء علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ مشکل، دقیق اور اہم ترین سمجھا گیا ہے، فقہ کی لاکھوں متماثل جزئیات اور ان کے متعلقہ احکام میں تھوڑے تھوڑے فرق سے حکم کا

تفاوت محسوس کرنا عمیق علم کو چاہتا ہے جو ہر عالم کے بس کی بات نہیں، جب تک فقہ سے کامل مناسبت، ذہن و ذکاوت، خاص قسم کی صلاحیت اور قلب میں مادۂ تفقہ نہ ہو۔ اس وجہ سے مدارسِ دینیہ میں افتاء کے لیے شخصیت کا انتخاب نہایت پیچیدہ مسئلہ سمجھا گیا ہے جو کافی غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد ہی حل ہوتا ہے اور پھر بھی تجربات کا محتاج رہتا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ص ۲۶)

الغرض فتویٰ نویسی کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر شخص کو اس کا اہل سمجھا جائے اور اُسے فتویٰ دینے کی اجازت دی جائے۔ آجکل حکومتی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے مصنوعی اور نا اہل مفتیوں کی بھرمار ہے جس کی وجہ سے ابوالفضل اور فیضی مزاج کے لوگ پیدا ہو رہے ہیں۔ چونکہ ملک عزیز پاکستان ابھی تک اسلامی دارالقضاء والافتاء سے محروم ہے اور نہ برسرِ اقتدار طبقہ کی نظر میں اس کام کی کوئی اہمیت ہے، اس لیے مدارس عربیہ نے حقیقی و اہل مفتی اور غیر اہل مفتی کے مابین امتیاز پیدا کرتے اور امتِ مسلمہ کی صحیح راہنمائی کے لیے اپنے ہاں دارالافتاءُ قائم کرکے قابلِ قدر اور مستند مفتیان کو سائلین کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے مقرر کیا ہوا ہے۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں دارالافتاء کا قیام

الحمدللہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ علوم دینیہ کے میدان میں کسی تعارف کا محتاج نہیں، پورے عالم میں جامعہ حقانیہ کی عظمت و شرافت اتنی پھیل چکی ہے کہ شاید جامعہ حقانیہ کی طرح بے سروسامان، دور افتادہ کسی اور ادارہ کو یہ عظمت حاصل نہ ہو۔ یہاں بطور تحدیثِ نعمت عرض ہے کہ حقانیہ کی یہ آفاقی شہرت وسائل و اسباب کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اللہ کا کرم اور عصر حاضر کے ولئ کامل، بانی حقانیہ والدی و سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے اخلاص، مجاہدہ اور دعاؤں کی برکت ہے، حقانیہ کی تاسیس کا نہ کوئی باقاعدہ منصوبہ تھا اور نہ کوئی پروگرام، بلکہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ عالمِ اسلام کے عظیم دینی مرکز دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور پھر وہاں تدریسی مشاغل میں مصروف رہنے کے دوران رمضان کی چھٹیوں میں اکوڑہ خٹک تشریف لائے، اسی دوران برصغیر پاک و ہند تقسیم ہو گیا اور ملکی حالات نے دوبارہ دارالعلوم دیوبند جانے کی اجازت نہ دی، ادھر دیوبند سے ساتھ آئے ہوئے طلباء اور قرب و جوار کے تشنگانِ علوم نبویہ نے حضرتِ شیخ

کو اپنے گھر سے ملحق ایک چھوٹی سی مسجد میں اشاعت گاہِ علم و معارف جامعہ حقانیہ کی تاسیس پر مجبور کر دیا، رفتہ رفتہ طلباء کا ہجوم بڑھتا گیا اور تنگیٔ مسجد کی وجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ مزید وہاں جاری رکھنا ناممکن ہوگیا، شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے دل میں اللہ کی طرف سے گویا یہ الہام ہوگیا تھا کہ مسجد سے باہر کھلی جگہ میں حقانیہ کی بنیاد رکھی جائے۔

اس مختصر سی تمہید کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دارالعلوم کو مجبوری کی حالت میں الہامی انداز میں وجود ملا، اللہ کے فضل و کرم سے دارالعلوم اور حضرت شیخ الحدیثؒ پر لوگوں کا اعتماد بڑھتا گیا جس کی وجہ سے اطراف و اکناف سے محبینِ اسلام کثرت سے آنے لگے، لوگ مسائلِ دینیہ سے واقفیت حاصل کرنے اور اس سلسلہ کے شکوک و شبہات کے ازالہ کے لیے دن رات دارالعلوم آتے اور حضرت شیخ الحدیث ان کے مسائل شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں حل فرماتے رہے، اُدھر علاقائی و تدریسی ذمہ داریاں اتنی زیادہ ہوگئیں کہ حضرتؒ کو عوامی مسائل حل کرنے اور فتویٰ دینے کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوگیا اور مستفتی حضرات کو فتویٰ کے حصول کے لیے انتظار کرنا پڑتا۔ چنانچہ اس ضرورتِ شدیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے دارالعلوم میں باضابطہ طور پر دارالافتاء کا شعبہ قائم کیا گیا اور بحمداللہ دارالعلوم کے قیام سے لے کر آج تک لاتعداد فتاویٰ کا اجراء ہو چکا ہے جبکہ بعض سائل زبانی سوال کرکے جواب حاصل کر لیتے ہیں، اس کے علاوہ ہزاروں مسائل اور ان کے جوابات رجسٹروں میں درج کیے جا چکے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ اپنی حیاتِ طیبہ میں شعبۂ افتاء کے علاوہ دیگر شعبہ جات کے نگران و انچارج خود ہی تھے، ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ کے خصوصی احسان اور حضرتؒ کے اخلاص، خصوصی دعوات کی برکت سے دارالعلوم ہر شعبہ میں ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

دارالعلوم حقانیہ کے اوائل میں صرف ایک دارالافتاء تھا بعد میں کام کی زیادتی کی وجہ سے دوسرا دارالافتاء قائم کیا گیا جس میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی صوابدید کے مطابق جید علماء کرام اور مفتی حضرات افتاء کی ذمہ داریاں نبھانے پر مامور ہیں۔ دارالافتاء میں ریکارڈ شدہ فتاویٰ کی ترتیب کا کام حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب نائب مفتی جامعہ حقانیہ کی نگرانی میں درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے طلباء تحقیق و تخریج اور حذفِ مکررات کی صورت میں شروع ہو کر کافی حد تک ہو چکا تھا کہ حضرت مفتی صاحب موصوف اپنی مجبوریوں کی وجہ سے دارالعلوم

سے تشریف لے گئے اور یہ کام کچھ عرصہ کے لیے رُک گیا۔

اب پھر مخدومی و محترمی برادر مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ حقانیہ کے حکم پر اور ان کی سرپرستی میں نوجوان عالمِ دین اور جامعہ کے شعبۂ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے استاذ مولانا مفتی مختار اللہ صاحب حقانی اور شعبۂ تخصص کے بعض طلبائے دن رات ایک کر کے اب تک کے جاری شدہ فتاوٰی کی دوبارہ چھان بین کی اور سارا وہ ذخیرہ جو دورِ اول سے رہ چکا تھا مرتب کیا۔

اظہارِ تشکر اس عظیم کام کے جملہ مراحل کی تکمیل پر ہم اللہ جل شانہ' کے حضور سجدہ ریز ہو کر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ رب کریم نے اس گرانقدر اور عظیم علمی خزانے کو مکمل کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اُن حضرات مفتیان اور شعبۂ تخصص کے طلباء کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے شبانہ روز محنت اور لگن سے کام کر کے اس بارِ گراں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

ہماری دعا ہے کہ ربِّ ذوالمنن ان حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کو اپنی بارگاہِ ایزدی میں ثمرات سے نوازکر اس فتاوٰی حقانیہ کو شرفِ قبولیت سے نوازیں اور یہ سلسلہ مزید در مزید تاقیامت قائم و دائم رہ کر ہم سب خُدام جامعہ حقانیہ کی مغفرت کا ذریعہ بنے۔ آمین

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

(مولانا) حافظ انوار الحق عفی عنہ
نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ
۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۲۲ھ / ۵ جون ۲۰۰۱ء

مُفتیان حضرات کا مختصر سوانحی خاکہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۲ء کو اکوڑہ خٹک میں حضرت مولانا حاجی معروف گل ولد الحاج میر آفتاب ولد عبدالحمید کے گھر پیدا ہوئے۔ ایک تحقیق کے مطابق آپ کے آباؤ اجداد کا وطنِ اصلی غزنی (افغانستان) ہے۔ ممکن ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ جہاد کی غرض سے ہندوستان آنے والے مجاہدین کے ساتھ آئے ہوں اور پھر یہیں مقیم ہو گئے۔

آپ کے والد ماجد اپنے قصبہ کے خوشحال اور صاحبِ ثروت افراد میں شمار ہوتے تھے، دینی خدمت کے ساتھ تجارت اور کاروبار ان کا ذریعۂ معاش تھا، اس زمانے میں آپ نے دینی غیرت وحمیت کی خاطر منکرات، بدعات اور غیر شرعی امور کے خاتمے کے لیے علماء کا بھرپور ساتھ دیا، یہاں تک کہ اپنے دور کے عظیم مجاہد حاجی صاحب ترنگزئی کے ساتھ تحریکِ جہاد میں ممد و معاون رہے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت گھر کے پاکیزہ ماحول اور والدین کے زہد و تقویٰ کی برکت تھی کہ بچپن ہی سے آپ کے دل میں دینی تعلیم کی تحصیل کا داعیہ پیدا ہو گیا، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین اور گاؤں کے مشہور بزرگ حاجی صاحب تصابان اور ممتاز بزرگ مولانا عبدالقادر صاحب وغیرہ سے حاصل کی۔

آپ نے آٹھ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لیے سفر کا آغاز کیا اور مختلف مقامات پر

جیّد اور ممتاز علماء کرام سے تعلیم حاصل کی، یہاں تک کہ آپ ۱۳۴۷؁ھ کو ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، وہاں درسِ نظامی کی باقیماندہ کتابوں کی تکمیل کی اور ۱۳۵۲؁ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

دیوبند میں اساتذۂ کرام

دارالعلوم دیوبند میں جن اساتذۂ کرام سے آپ نے استفادہ کیا ان میں سرِفہرست شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ہیں، ان کے علاوہ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا مرتضیٰ حسنؒ، مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ وغیرہ سے بھی آپ نے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

تدریس کا آغاز

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ اپنے آبائی گاؤں اکوڑہ خٹک تشریف لے آئے اور یہاں اپنی ایک چھوٹی سی مسجد (جو اب مسجد قدیم مولانا عبدالحق کے نام سے مشہور ہے) میں مختلف علوم وفنون کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تدریس شروع کی اور صبح وشام درس وتدریس میں مشغول رہے، جلد ہی دُور دراز اور قرب وجوار سے شائقینِ علومِ دینیہ اپنی علمی پیاس بجھاتے کے لیے آنے لگے اور آپ کا حلقۂ درس وسیع ہونے لگا، طلباء کی کثرت کی وجہ سے آپ کے والد محترم نے اپنے خرچ پر ایک اور جیّد عالمِ دین کو بطور معاون مدرس مقرر کیا۔

ان ہی دنوں آپ نے انجمن تعلیم القرآن کے نام سے ایک اسلامی سکول کی بنیاد رکھی اس کی ایک ابتدائی تقریب میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ بھی شریک ہوئے اور افتتاح کیا، حضرت مدنیؒ اس کام پر بہت خوش ہوئے اور کامیابی کے لیے دعائیں کیں۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرری

یہاں آپ کا حلقۂ درس دن بدن وسیع ہوتا رہا کہ ۱۳۶۲؁ھ میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ نے آپ کو مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس کی پیشکش کی جسے آپ نے بخوشی قبول فرمالیا۔

چونکہ اللہ تعالٰے نے آپ کو قوی علمی استعداد سے نوازا تھا اس لیے بہت جلد اعلیٰ درجہ کی کتابیں پڑھانے لگے اور آپ کا شمار اکابر اساتذہ میں ہونے لگا۔

دارالعلوم حقانیہ کا قیام

دارالعلوم دیوبند سے آپ ۱۳۶۶؁ھ کو رمضان المبارک کی تعطیلات میں

اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو اسی دوران (۱۹۴۷ء میں) ہندوستان تقسیم ہوگیا اور مسلمان پاکستان کو اور ہندو ہندوستان کو جانے لگے تو راستے میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا جسکی وجہ سے آپ کا دارالعلوم دیوبند واپس جانا مشکل تھا، اس پر حضرت مدنیؒ نے حکومتی سطح پر آپ کو بحفاظت دیوبند پہنچانے کا خصوصی انتظام بھی کیا مگر آپؒ کے والد صاحب اس پر آمادہ نہ ہوئے اور آپ کو دیوبند جانے سے روک دیا۔

اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ جلد ہی اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم دیوبند کی نہج پر ایک چشمۂ فیض جاری ہوگیا، آپ نے نہایت بے سروسامانی کے عالم میں توکلاً علی اللہ ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ کو دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی ابتداء ایک چھوٹی سی مسجد سے ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ یہ ادارہ علوم و معارف کا گنجینہ بنے گا، پھر وہ وقت بھی آیا کہ دارالعلوم حقانیہ کی تبلیغی، تعلیمی اور دینی خدمات کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "دیوبند ثانی" کا خطاب دیا۔

بیعت و سلوک آپ نے عارف باللہ، عظیم مجاہد حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمہ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر چکے تھے، ان کے انتقال کے بعد آپ نے اپنے مشفق استاد حضرتِ مدنیؒ سے بیعت کی اور سلوک کے جملہ مراحل ان سے طے کیے۔

دیگر خدمات آپ نے اپنی پوری زندگی دین اور علومِ دین کی ترویج و اشاعت میں گذاری لیکن درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے ملّی، سیاسی اور سماجی خدمات میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ آپؒ نے بدعات و رسومات کے خلاف حکیمانہ انداز میں کامیاب جہاد کیا جس کے نتیجہ میں اکوڑہ خٹک اور اس کے گرد و نواح سے بدعات و غیر شرعی رسومات کا خاتمہ ہوگیا۔ فتنۂ خاکسار اور فتنۂ قادیانیت کے تعاقب اور تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے دیگر علماءِ حق کے دوش بدوش کام کیا۔

اس کے علاوہ آپ نے ملکی سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا اور ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۵ء کے عام انتخابات میں بھاری اکثریت سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ایوان میں شریعت کے نفاذ کے لیے انتھک کوشش کی۔

۱۹۷۷ء میں جب نظامِ مصطفیٰ کی تحریک شروع ہوئی تو باوجود علالت، ضعف اور پیرانہ سالی کے آپ نے اس میں دیگر علماء کے شانہ بشانہ کام کیا ـــــ اور خصوصیت کے ساتھ جہادِ افغانستان

میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔

طرزِ فتویٰ اور احتیاط

حضرت الشیخ رحمہ اللہ جس طرح ایک عظیم محدث، مدبر سیاست دان اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے جانے جاتے تھے اسی طرح عوام وخواص میں ایک عظیم فقیہ اور محتاط مفتی کی حیثیت سے بھی جانے جاتے تھے، لوگ آپ سے بالمشافہ ہزاروں مسائل کا حل طلب کرتے تھے، اپنے ذاتی تنازعات اور گھریلو جھگڑے بھی آپ ہی سے حل کرواتے تھے۔ یہاں مختصراً آپ کے اندازِ فتویٰ اور اس میں احتیاط کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:-

۱- آپ کی عموماً یہ کوشش ہوتی کہ سائل کو اس کا جواب پورا سمجھایا جائے، اس لیے جواب لکھتے وقت بات کھل کر بیان فرماتے اگرچہ بیان طویل ہو جاتا۔

۲- فتویٰ لکھتے وقت آپ فقہ حنفی کی مشہور کتب بدائع الصنائع، ہدایہ اور رد المحتار سے استفادہ فرماتے تھے۔

۳- فتویٰ میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ خود تو کیا دارالعلوم حقانیہ کے دیگر مفتیان بھی جب فتویٰ لکھتے تو انہیں اپنے سامنے سنانے کا حکم فرماتے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ۱۹۷۸ء میں سالانہ چھٹیوں کے دوران ناظم دارالعلوم حضرت مولانا سلطان محمود صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا یہ پیغام مجھے پہنچایا کہ چھٹیوں میں یہاں رہ کر دارالافتاء کی خدمت سرانجام دو گے، تو مجھ پر یہ بوجھ بہت بھاری لگا، خود یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی فتویٰ تصویب کے بغیر دے دوں۔ اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں اس سے قبل مسائل وجزئیات پیش کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا، جب میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو مسئلہ بھی تم لکھو گے تو پہلے مجھے سناؤ گے، یہ اس لیے کہ اگر کوئی جدید مسئلہ ہو تو ذہن میں آجائے۔ اس سے آپ کا مقصد استحضارِ مسائل نہیں بلکہ احتیاط ملحوظ تھی۔ چونکہ کسی بھی مسئلہ جواب آپؒ کو سنائے بغیر بھیجنے کی مجھے اجازت نہیں تھی اس لیے میں مسائل کے جواب لکھ کر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتا، اگر آپ تائید فرماتے تو سائل کو وہ جواب بھیجدیا جاتا۔ لیکن دس دن نگرانی کرنے کے بعد جب اعتماد

پیدا ہوگیا تو فرمایا کہ مجھے سننے کا وقت کم ملتا ہے اس لیے سنائے بغیر ہی بھیج دیا کرو۔

۴۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ مسائل کے بیان کرنے یا لکھنے میں ماحول، حالات اور اس کے نتائج و عواقب کا بھی لحاظ رکھتے تھے اور مصلحت کو سامنے رکھ جواب دیا کرتے تھے تاکہ معاشرہ میں بدمزگی پیدا نہ ہو اور لوگ شریعت کے کسی حکم کا مذاق نہ اڑائیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں :۔

۵۔ ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم کی سالانہ تعطیلات کے دوران میں نے قضاء عمری کے بارے میں ایک فتویٰ دیا جس میں میں نے قضاء عمری کی روایت کو موضوع ثابت کرنے کے بعد لکھا کہ مروجہ قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور بدعتِ قبیحہ ہے ــــ جب آپؒ کو یہ جواب سنایا تو فرمایا کہ جواب تو ٹھیک ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن ہمارے پٹھانوں کے علاقہ میں لوگ نہایت تدین کی وجہ سے قضاء عمری کے ایسے عاشق ہیں کہ ایسے سخت الفاظ کے نتیجہ میں کہیں طیش میں آکر فتنہ و فساد اور سب و شتم پر نہ اتر آئیں، اس لیے ان الفاظ میں یوں ترمیم کرو: "قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہمارے اسلاف نے اس کو بدعت میں شمار کیا ہے"۔

۶۔ اسی طرح ایک موقع پر کسی سڑک کی تعمیر میں ایک پرانی قبر سڑک کی زد میں آتی تھی حکومت اس قبر کو مسمار کر کے سڑک کو سیدھا کرنا چاہتی تھی لیکن مقامی لوگ اس پر خوش نہیں تھے۔ جب سرکاری اہلکاروں نے دارالعلوم سے فتویٰ لینا چاہا تو میں نے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے مشورہ کیا تو آپؒ نے فرمایا اگرچہ پرانی قبر کو مسمار کرنا از روئے شرع جائز ہے لیکن ہمارے اس فتویٰ سے لوگ مطمئن نہیں ہوں گے بلکہ مذہبی جنون کی وجہ سے شاید یہ لوگ دارالعلوم کو بھی فریق شمار کریں گے، اس لیے اس انداز سے فتویٰ دیا جائے کہ قبر کے اوپر

پُل بناکر اس پر سے سڑک گزار لی جائے۔ چنانچہ آپ کی اس حسنِ تدبیر اور حزم و احتیاط کی بدولت سڑک بھی تعمیر ہوگئی اور لوگ بھی شرکیہ اعتقاد سے بچ گئے۔

۷۔ ایک دفعہ کسی صاحب نے تصوف کے سلاسل کے بارے میں سوال کیا تو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے جواب میں فرمایا "سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ ایک ہی تالاب کی دو مختلف نہریں ہیں، دونوں کا مخزن اور مرکز ایک ہے، پانی ایک ہے صرف راستے جُدا جُدا ہیں، دوسرے سلاسلِ تصوف اور مختلف فقہی مذاہب کا بھی یہی حال ہے۔ حنفیت، حنبلیت اور مالکیت سب کو ایک ہی تالاب سے پانی پہنچتا ہے، سب اسی ایک تالاب کے پانی سے دنیا کی سیرابی کرتے ہیں، صرف راستے جُدا ہیں، منزل اور مقصد سب کا ایک ہے، بعض لوگ دانستہ طور پر تصوف کے ان سلسلوں اور فقہی مذاہب کو فرقہ واریت پر حمل کر کے دُنیا کو گمراہ کرتے اور دھوکہ دیتے ہیں، مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔" (ماہنامہ "الحق" شیخ الحدیث نمبر)

۸۔ اس کے علاوہ آپ مسائل کے جوابات نہایت سادہ اور آسان الفاظ میں دیا کرتے تھے اور اس میں حوالہ جات کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے تاکہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں، دارالعلوم میں فوقانی درجات کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔ موصوف علمِ معانی، علمِ اصول اور فقہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اس لیے ہدایہ آخرین، مختصر المعانی، مطول، حسامی اور تلویح و توضیح جیسی کتابیں آپ کے زیرِ درس رہیں، دورۂ حدیث کی بعض کتابیں بھی آپ کے پاس ہوا کرتی تھیں لیکن مذکورہ کتب میں آپ طلباء کو بلادِ بعیدہ سے بھی کھینچ لاتے تھے۔

پیدائش آپ ضلع بونیر سوات کے ایک پسماندہ گاؤں باچکڈہ میں پیدا ہوئے، چونکہ قدیم زمانہ میں دیہات میں تاریخ پیدائش لکھنے کا رواج نہیں تھا اس لیے آپ کی تاریخ پیدائش دستیاب نہیں ہو سکی، تاہم جناب ہدایت الرحمٰن صاحب، شاکر بونیری اور آپ کے ایک ہمعصر عالم دین مولانا عبدالکریم صاحب ساکن کلیانی کے بیان کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۰ سال تھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ۱۹۰۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔

خاندانی پس منظر پسماندگان کے بیان کے مطابق آپ نسلاً "پختون" تھے اور پختونوں کے ایک ذیلی قبیلے "اخون خیل" سے تعلق رکھتے ہیں، یہ قوم جومیاں قوم سے بھی زیادہ شہرت رکھتی ہے سوات میں آباد ہے۔

اخون خیل قبیلہ حقیقت میں ایک بزرگ کے نام کی طرف منسوب ہے جو اخون بابا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان کا مزار بونیر کے مشہور قصبہ کابگرام میں واقع ہے، یہی اخون بابا "اخون خیل" قوم کے جدامجد ہیں، یہ قوم برسوں سے بونیر سوات آباد ہے۔

ابتدائی تعلیم ابتدائی تعلیم آپ نے مختلف مراحل سے گذر کر حاصل کی، آپ اپنے خاندان کے پہلے فرد ہیں جن کو اللہ رب العزت نے علم دین کا وافر حصہ عنایت فرمایا۔

آپ کو علم دین حاصل کرنے کا شوق ابتداء ہی سے تھا، قرآن مجید ناظرہ آپ نے اپنے علاقہ کے مقامی عالم سے پڑھا، اس کے بعد شوقِ علم کی بدولت آپ نے اپنے علاقے میں (کلیانی، پیلئے، آمنور وغیرہ) میں مختلف علماء سے مختلف ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ۱۳۵۰ھ میں تکمیل درس نظامی اور علوم نبوت کے حصول نے آپ کو آبائی وطن چھوڑنے اور سفر کی سختیاں اور صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور کیا اور آپ نے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ہندوستان کی مشہور علمی و دینی درسگاہ دارالعلوم امینیہ دہلی میں داخلہ لیا جس کے اس وقت مہتمم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۵ سال کے لگ بھگ تھی، دارالعلوم امینیہ میں آپ نے پورے سات سال دین الٰہی سے وابستگی پیدا کرنے میں صرف کیے اور دورہ حدیث تک آپ نے یہیں استفادہ کیا اور وقت کے عظیم عالم بن کر واپس اپنے گاؤں لوٹے۔

ابتدائی اساتذۂ کرام

آپ کے ہمعصر مولانا عبدالکریم صاحب کے بیان کے مطابق جن علماء سے آپ نے استفادہ کیا ان میں مولانا عبدالمالک صاحب سکنہ آمنور، مولانا سید جبّار صاحب باچکٹہ، مولوی محمد فاضل صاحب بیلئے اور مولوی محمد انبیاء کاکا کلیانی، کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جبکہ ہندوستان جانے کے بعد وہاں جن علماء کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں حضرت العلامہ مولانا عبدالغفور صاحب آف سوات مدرس دارالعلوم امینیہ دہلی اور بعدہٗ اوّلین صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا سکندرالدین صاحب آف ہزارہ' مولانا خدا بخش مرحوم آف مشرقی پنجاب (ہندوستان) کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

دورۂ حدیث کی سعادت

ہندوستان کی مایۂ ناز دینی درسگاہ دارالعلوم امینیہ دہلی سے سندِ فراغت حاصل کی، حدیث کی کتابوں میں سے آپ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے پڑھیں، جبکہ مسلم شریف اور ابوداؤد شریف حضرت مولانا ضیاء الحقؒ سے پڑھیں۔

فراغت کے بعد علاقائی قاضی کے عہدہ پر تقرری

دارالعلوم امینیہ دہلی سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب آپ اپنے گاؤں واپس آئے تو گاؤں ہی میں آپ نے تدریس کا آغاز کیا، طلباء علومِ دینیہ کی آمد شروع ہوگئی، اسی اثناء میں آپ کو ریاست سوات کے عہدۂ قضاء کی پیشکش کی گئی جو آپ نے قبول کرلی جس پر آپ کو ریاست سوات کا قاضی مقرر کر دیا گیا اور آپ لوگوں کے فیصلے شریعت کے مطابق کرنے لگے، تین سال تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے، بعد میں سیاسی اختلاف کی بناء پر قضاء کے عہدہ سے آپ کو معزول کر دیا گیا۔

دارالعلوم حقانیہ سے وابستگی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ نے آپ کو دارالعلوم حقانیہ آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول کرلی اور ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ کو دارالعلوم حقانیہ میں آپ کی تقرری ہوئی۔ بعد میں آپ کی اعلیٰ علمی اور تحریری صلاحیتوں کے پیشِ نظر دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کر دی گئی جو آپ نے نہایت احسن طریقے سے نبھائی، ان کے فتاویٰ کا بہت بڑا ذخیرہ پیشِ نظر

کتاب میں محفوظ ہے، موصوف ہر مسئلہ پر نہایت جامع اور وسیع روشنی ڈالتے اور نہایت سلیس انداز میں فتوٰی کو براہن کرتے، تحریر نہایت شستہ ہوتی تھی۔

۱۱ شوال ۱۳۷۸ھ کو آپ نے بعض وجوہات کی بناء پر استعفا دے دیا اور جامعہ اسلامیہ (اکوڑہ خٹک) چلے گئے وہاں تقریباً تین سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھ سکے۔ اور ۱ شوال ۱۳۸۱ھ کو حقانیہ میں آپ کی دوبارہ تقرری ہوئی اور رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ کو سبکدوش کر دیئے گئے، مجموعی طور پر تقریباً چودہ سال آپ نے دارالعلوم حقانیہ میں افتاء و تدریس کی خدمات انجام دیں۔

دارالعلوم حقانیہ سے سبکدوشی کی وجوہات

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ مولانا مودودی کے نظریات اور ان کی تحریرات و آراء سے بہت زیادہ متاثر تھے جس کا اظہار آپ نجی محافل کے علاوہ عموماً دوران درس بھی کرتے تھے، دارالعلوم حقانیہ کا ماحول اکابر علماء دیوبند کے افکار و نظریات کے زیر اثر تھا اس لیے انکی تدریسی صلاحیتوں کی بناء پر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ حتی الوسع آپ سے صرفِ نظر کرتے رہے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ مولانا سید گل بادشاہ طورؒو وغیرہ سب اکابر کا دارالعلوم حقانیہ سے نہایت عمیق تعلق تھا۔ اور مودودی نظریات رکھنے کی بناء پر انہیں دارالعلوم حقانیہ سے الگ کرنے پر مُصر تھے۔ ادھر آپ اپنے خیالات کی ترویج و اشاعت کرتے ہوئے بعض طلباء کو ہم خیال بناتے کی کوشش میں رہے لیکن مجموعی طور پر آپ کو اس میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی، صرف اسی پر بس نہیں بلکہ جماعت اسلامی کے مجلات اور رسائل میں مضامین اور مستقل تصانیف کے ذریعہ بھی اکابر علماء امت کے مودودی صاحب پر اعتراضات کے جوابات اور ان کا دفاع کرنے لگے، اور دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد تو آپ کی تحریرات میں جذباتی ردِ عمل کا ثبوت بھی ملتا ہے اور اسلاف کے مسلّمہ مؤقف سے متصادم مؤقف کی شدت سے ترجمانی کرنے لگے۔

آخر کار حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ العزیز نے اکابرین کی خواہش اور ان حالات کے پیشِ نظر رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ کو انہیں دارالعلوم حقانیہ سے الگ کر دیا۔

اس کے بعد راولپنڈی وغیرہ کے مختلف مدارس میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر پشاور کے مدرسہ حدیقۃ العلوم میں منتقل ہو گئے اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی مدرسہ سے وابستہ رہے ۔

تلامذہ آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے ، دارالعلوم حقانیہ میں قیام کے زمانہ میں ہزاروں طلباء اور فضلاء آپ سے مستفید ہوئے ۔ دارالعلوم حقانیہ کے موجودہ نامور اساتذہ میں سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ حضرت العلامہ مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب المدنی اور مولانا عبدالحلیم دیروی استاذ تفسیر دارالعلوم حقانیہ وغیرہ بھی آپ کے شاگرد ہیں ۔

حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

ولادت آپ یکم شوال المکرم ۱۳۴۴ھ بمطابق اپریل ۱۹۲۶ء بروز جمعہ بوقت طلوع فجر مولانا حبیب اللہ صاحب کے گھر زروبی ضلع صوابی میں پیدا ہوئے ، آپ کے والد محترم مولانا حبیب اللہ صاحب ایک جید اور متبحر عالم دین تھے ، بعض فنون اور کتابوں میں آپ کی علمی شہرت اتنی زیادہ تھی کہ صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں کے علاوہ بلوچستان اور افغانستان کے طلباء بھی آپ کے حلقۂ درس میں پہنچتے اور کسبِ فیض کرتے ، اور آج بھی ان علاقوں کے بڑے بڑے علماء بلاواسطہ یا بالواسطہ ان کے شاگرد ہیں ۔

چونکہ گھر میں علمی ماحول تھا اس لیے آپ کو حصولِ علم کے لیے ابتداء میں سفر اختیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑی ۔ فنون کی تمام کتابیں از ابتداء تا انتہاء اپنے والدِ محترم ہی سے پڑھیں ۔ ۱۳۶۸ھ میں جب آپ کے والدِ محترم وفات پا گئے تو آپ نے منطق و فلسفہ اور ریاضی کی منتہی کتابیں حضرت العلامہ مولانا خان بہادر صاحب عرف مارتونگ مولانا صاحب ، حضرت مولانا محمد نذیر صاحب چکیسر اور حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب شاہ منصور اور بعض دیگر اساتذہ سے پڑھیں ، حدیث میں کتب صحاح ستہ آپ نے محدث کبیر حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی قدس سرہ سے پڑھیں اور

۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۹۵۲ء کو اکابر اساتذہ نے آپ کو دستارِ فضیلت سے نوازا۔ مولانا غور غشتوی کے علاوہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی و مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے بھی آپ کو کتب حدیث پڑھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تدریس اور افتاء تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے گاؤں زروبی میں آبائی درس گاہ میں پڑھانا شروع کیا، ایک سال کے بعد اکوڑہ خٹک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ کے منتظمین کی دعوت اور اصرار پر بحیثیت مدرس جامعہ اسلامیہ تشریف لائے، یہاں آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کا کام بھی شروع کیا اور سات سال تک بحیثیت مدرس و مفتی خدمات انجام دینے کے بعد بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر مستعفی ہو کر دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ چلے گئے۔ یہاں آپ صدر المدرسین اور استاذ الحدیث کی حیثیت سے لائے گئے تھے، چنانچہ تین سال تک مختلف علوم و فنون کی کتب کے علاوہ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد آپ کے زیرِ درس رہیں اور ساتھ ساتھ افتاء کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

۱۹۶۶ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمالی۔ ۱۳۸۶ھ میں دارالعلوم حقانیہ میں آپ کی تقرری ہوئی اور آپ دارالعلوم حقانیہ تشریف لے آئے ـــــ اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب نے ایک دفعہ مولانا سمیع الحق صاحب سے فرمایا کہ جب حضرت مولانا مرحوم نے مجھے دارالعلوم حقانیہ آنے کی دعوت دی تو میں استخارہ کا سوچ ہی رہا تھا کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ دارالعلوم حقانیہ کے بیرونی گیٹ پر ایک بڑا بورڈ یا بینر لگا ہے جس پر نہایت نمایاں الفاظ میں آیتِ کریمہ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا لکھی ہوئی ہے، اس کے بعد فوراً شرح صدر ہوا اور دارالعلوم آنے کی دعوت قبول کرلی۔

دارالعلوم حقانیہ میں تقریباً تیس سال (۱۹۶۶ء سے ۱۹۹۵ء) تک درس و تدریس اور افتاء کی خدمت انجام دی، اس طویل عرصہ میں آپ نے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں، عموماً نماز جامع مسجد دارالعلوم میں آپ خود پڑھاتے، ایک دن ( ) نمازِ فجر کے دوران آپ پر فالج کا حملہ ہوا جس سے زبان اور جسم کا کچھ حصہ متاثر ہوا، ہر ممکن علاج معالجہ کے باوجود آپ تدریس و افتاء کے فرائض انجام دینے کے قابل نہ ہوسکے اور دارالعلوم حقانیہ آپ کی

اعلیٰ خدمات سے محروم ہو گیا۔

بیعت آپ ۱۳۶۹ھ میں قطب الارشاد حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ سے قادری، چشتی، نقشبندی تینوں سلسلہ میں بیعت ہوئے، جلد ہی شیخؒ کی طرف سے بیعت کرنے کی اجازت مل گئی، چنانچہ اصلاحِ باطن کے لیے علماء، طلباء اور عوام کی کثیر تعداد آپ سے بیعت ہونے لگی۔

تصانیف ایک مقبول مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ آپ بلند پایہ مصنف بھی ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف و تالیفات طبع ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں جو کہ علمی و دینی حلقوں میں بے حد مقبول ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں: (۱) ھدایۃ القاری شرح صحیح البخاری، پہلا حصہ (۲) منہاج السنن شرح جامع الترمذی، ۵ جلد (۳) العقائد الاسلامیہ (۴) البُشریٰ (۵) المقالات (۶) مسائلِ حج (۷) رسالۃ التوسل —— ان کے علاوہ آپ کے سینکڑوں فتاویٰ، مقالات اور وقیع علمی مضامین بھی دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ "الحق" میں چھپتے رہے ہیں جو اس مجموعہ (فتاویٰ حقانیہ) میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

قضاء و افتاء جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ آپ ایک جید مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مفتی بھی ہیں، دارالعلوم حقانیہ میں عرصہ دراز تک صدر مفتی کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ کی علمی عظمت و مرتبہ کی وجہ سے ملک اور بیرونِ ملک میں آپ کے فتاویٰ کسی بھی مسئلے میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نہایت مختصر مگر جامع فتویٰ لکھتے ہیں جو کہ فقہ پر آپ کے عبور کا بیّن ثبوت ہے۔ اتنے بڑے دینی ادارے کے صدر مفتی ہوتے اور ہزاروں فتاویٰ لکھنے کی بناء پر اگر آپ کو مفتی اعظم سرحد کہا جائے تو یقیناً اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہ ہو گی۔

چونکہ آپ دارالعلوم حقانیہ میں عرصہ دراز تک دارالافتاء کی خدمت پر فائز رہے ہیں اس لیے آپ کے فتاویٰ کی تعداد دارالعلوم کے دوسرے تمام مفتیانِ کرام سے زیادہ ہے۔ ہر ایک مفتی کا فتویٰ دینے کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے جو اس کے ہر فتویٰ میں جھلکتا ہے حضرت مفتی محمد فرید صاحب دام ظلہٗ کے ہزاروں فتاویٰ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کے فتاویٰ کا انداز

اور خصوصیت محسوس کی گئی وہ مختصر الفاظ میں درج ذیل ہے:۔

(۱) آپ کے تمام فتاوٰی میں نہایت ہی ایجاز و اختصار ہوتا ہے اور آپ اطناب سے بھی پہلوتہی فرماتے ہیں۔ تاہم فتوٰی کی نوعیت کے اعتبار سے اگر ضرورت محسوس فرماتے ہیں تو بقدرِ ضرورت تفصیل بھی فرما دیتے ہیں، لیکن آپ کے جن فتاوٰی میں ایجاز و اختصار ہوتا ہے اہلِ علم حضرات کو ان کے سمجھنے میں کوئی دقت یا دشواری پیش نہیں آتی بلکہ ایجاز و اختصار اہلِ علم حضرات کے لیے ایک عجیب علمی رونق اور کشش کا باعث ہوتا ہے۔

(۲) کمال فقاہت سے باریک قیود ذکر فرما کر مسئلے کو جامع بنا دیتے ہیں تاکہ اس بنیاد پر کوئی اپنے لیے غلط استدلال نہ کر سکے اور مسئلہ بھی پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اس احتیاط کو دیکھ کر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا فتوٰی ایک قانونی دستاویز اور آئینی دفعہ کی طرح جامع اور مختصر ہوتا ہے۔

(۳) آپ کے فتوؤں میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ آپ کو فقہی جزئیات پر مکمل عبور حاصل ہے، آپ فتوٰی لکھتے وقت پہلے معتبر فقہی جزئیات سے استدلال کرتے ہیں، گویا فتوٰی نویسی میں آپ انہی جزئیات کو بنیاد و اساس بناتے ہیں۔ ہاں اگر کسی مسئلے میں قرآنِ پاک کی کوئی واضح نص یا احادیثِ مبارکہ میں سے کوئی صحیح حدیث موجود ہو جو حکم کو ذکر کرتی ہو تو اس کو بھی بطور دلیل کے ذکر فرماتے ہیں۔ اور اگر کسی مسئلے میں قرآن و حدیث سے کوئی واضح حکم موجود نہ ہو یا کوئی فقہی جزئیہ موجود نہ ہو تو آپ قواعد کلیہ و اصول کا سہارا لیتے ہیں اور ان کے مطابق حکم فرماتے ہیں۔

(۴) مسندِ افتاء پر فائز ہوتے ہوئے یہ ضروری نہیں کہ آپ کا فتوٰی جزئیات کے نقل کرنے تک محدود ہے بلکہ کبھی کبھار آپ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش رو فقہاء و مفتیانِ دین سے اختلاف کا اظہار فرما دیتے ہیں، تاہم بغیر کسی سند اور حوالے کے فتوٰی نہیں دیتے بلکہ اس میں مضبوط دلائل کا سہارا لیتے ہیں۔

(۵) آپ کے فتوٰی میں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے کہ جہاں کہیں حوالہ دینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو زیادہ تر شامی، عالمگیری، بدائع الصنائع، البحرالرائق اور دوسرے قدیم فقہی ذخائر

کا سہارا لیتے ہیں، تاہم جدید مسائل میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تحقیقات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ چونکہ آج کا دور جدید دور ہے اور نت نئے مسئلے سامنے آتے رہتے ہیں، ایسے مسائل میں بھی دیگر اہل علم کی طرح آپ کے فتاویٰ بھی موجود ہیں، مثلاً بیمۂ زندگی، انعامی پرائز بانڈ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت العلّامہ مولانا عبد الحلیم زروبوی صاحب رحمہ اللہ

ولادت اور ابتدائی تعلیم

آپ ۱۹۰۸ء کو مولانا خلیل الرحمٰن کے ہاں موضع زروبی (صوابی) میں پیدا ہوئے۔ انتہائی کمسنی ہی میں آپ تعلیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پرائمری تک سکول پڑھنے کے بعد خاندانی روایت کے مطابق فارسی نظم اور صرف و نحو کے ابتدائی رسائل اپنے والد بزرگوار سے شروع کیے، والد بزرگوار نے جب اپنی فراستِ ایمانی سے آپ کے چہرے پر ذہانت و فطانت کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ "میرا یہ بچہ انشاء اللہ بہت بڑا عالم و فاضل بنے گا کیونکہ اس کی جبین سے علم و فضل کا نور جھلکتا دکھائی دے رہا ہے"۔ آپ فطرتاً انتہائی کم گو اور عزلت پسند طبیعت کے مالک تھے، اسی وجہ سے ہمہ تن اور ہمہ وقت مطالعہ کتب میں مصروف رہتے۔

مختلف ابتدائی رسائل، فارسی نظم اور کافیہ تک کتابیں اپنے علاقہ میں پڑھنے کے بعد علاقہ چھچھ تشریف لے گئے اور وہاں پر بمقام ویسہ اور جلالیہ میں شرح جامی اور الفیہ و سعدیہ کی تکمیل۔ ان ہر دو مقامات پر علم نحو و صرف کا مشہور درس ہوا کرتا تھا اور مختلف مقامات کے طلباء یہاں پر صرف و نحو کی کتابیں پڑھنے کے لیے آتے تھے۔

بعدازاں آپ علاقہ دوابہ ضلع پشاور کے موضع صریخ آئے اور یہاں پر مشہور عالم دین مولانا صاحب حق صاحبؒ صریخ سے منطق کے چند رسائل اور بعض بڑی کتابوں میں درس لیا۔ یہاں کا درس علم منطق میں مشہور تھا اور دور دراز سے یہاں پر شائقین علم منطق اپنی علمی تشنگی بجھاتے۔

چونکہ اس زمانے میں اس علاقہ میں باقاعدہ مدارس دینیہ کا رواج نہ تھا صرف مسجدوں

میں علمی درس ہوا کرتے تھے، اس لیے طالبانِ علمِ دین ان درسوں میں شرکت کے لیے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں مختلف کتابیں پڑھنے کے لیے جاتے۔ اس لیے حضرت صدر صاحب رحمۃ اللہ نے کچھ عرصہ موضع شاہ منصور میں مولانا عبدالرزاق صاحبؒ عرف لالہ مولوی صاحبؒ سے استفادہ کیا، علاوہ ازیں مردان میں مولانا سمندر خان صاحبؒ سے بھی بعض روایات کے مطابق مستفید ہوئے۔

موضع کڈی جو کہ صوابی کے قریب ایک گاؤں ہے یہاں پر استاذ الکل حضرت مولانا عبدالرؤف صاحبؒ سے علمِ نحو اور کئی دوسری کتابوں میں درس لیا۔

مختلف مواضعات اور درسوں میں شرکت کرنے کے بعد آپ علاقہ چھچھ کے مشہور موضع غورغشتی تشریف لائے اور یہاں پر علامہ دوراں حضرت مولانا قطب الدین صاحب غورغشتویؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے، مولانا قطب الدین صاحبؒ کی نگاہِ شفقت ہمیشہ آپ پر مرکوز رہی، اس لیے کہ آپ نہ صرف ایک ذی استعداد اور ذہین وفطین طالب علم تھے بلکہ علامہ صاحبؒ حضرت صدر صاحبؒ کے نانا مولانا شاہ صاحبؒ کے شاگرد بھی تھے۔ یہاں پر ان سے آپ نے سلم العلوم، ملا حسن، نورالانوار، غلام یحییٰ، قاضی مبارک، امورِ عامہ اور خیالی جیسی اہم کتابوں میں درس لیا، حضرت علامہ صاحبؒ کو اپنے اس ہونہار شاگرد اور تلمیذِ رشید کی ذہانت وفطانت پر ازحد ناز تھا اور بعض کتابیں باوجودیکہ آپ کے پاس وقت نہیں تھا، آپ کو پڑھائیں اور سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

بعد ازاں آپ موضع گیدڑپور ضلع ہزارہ تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت مولانا قاضی غلام نبی صاحب رحمۃ اللہ محشی حمد اللہ سے منطق اور دوسری فنون کی کتابوں میں درس لیا۔ حضرت صدر صاحبؒ ان کے ہاں جتنی مدت رہے اُن کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ان سے استفادہ کا کافی موقعہ ملا۔ آپ نے ان سے شرح عقائد، سبع المعلقات، مفتاح العروض، میبذی، صدرا اور حمد اللہ وغیرہ کتابیں پڑھیں اور ان کی زندگی کے آخری لمحات تک ان سے

وابستہ رہے۔

گیدڑپور سے واپسی پر آپ اپنے ماموں مولانا محمد صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ چکوال چلے گئے اور وہاں پر مختصر المعانی، مطول، مشکوٰۃ شریف، جلالین اور بست باب (ریاضی) پڑھیں۔

ان تمام ادوار میں ضعف ونقاہت اور بیماری آپ کے بدن کا جز و لاینفک رہی لیکن اس کے باوجود یہ تمام عوارض آپ کے شوقِ علم کے سامنے زنجیرِ پا ہونے کی بجائے ریت کی دیوار ثابت ہوئے اور جس غرض اور لیلائے مقصود کی تلاش میں نکلے تھے اس کے حصول میں مگن رہے ؎

دست از طلب نہ آرم تا کامِ من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جانِ ز تن برآید

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

فنون کی تکمیل کے بعد آپ نے جامعہ انسانیت، برصغیر کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۵۱ھ میں داخلہ لیا۔ وہاں پر آپ نے صحاح ستہ و دیگر کتب فقہ، تفسیر و حدیث مجاہد حریت اسیر مالٹا شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرہم حضرات سے پڑھیں۔ موقوف علیہ اور دورۂ حدیث پڑھ کر آپ نے ۱۳۵۳ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔

تدریسی سفر کا آغاز

۱۳۵۴ھ میں آپ نے مدرسہ رحیمیہ دہلی سے اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا، جہاں ابتداء ہی سے اہم کتابوں کی تدریس آپ کو تفویض کی گئی اور بہت جلد آپ کا شمار کامیاب مدرسین میں ہونے لگا۔

۱۹۴۷ء میں جب تقسیمِ ہند عمل میں آئی تو آپ دوبارہ دہلی نہ جا سکے اور اپنے ہی گاؤں میں محلہ کی مسجد بھائی خیل میں حسبۃً للہ درس شروع کیا، دور دراز سے طلباء آپ کے درس میں شرکت کے لیے آتے۔ بیضاوی شریف اور خیالی و شرح عقائد جیسی مغلق اور مہتم بالشان کتابوں کی تدریس میں آپ کا بہت شہرہ تھا۔ اس کے بعد آپ کچھ عرصہ کے لیے مکھڈ (ضلع اٹک) تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں خدمتِ تدریس پر مامور ہوئے۔

دارالعلوم حقانیہ آمد خرابیٔ صحت کی بناء پر آپ جامعہ اسلامیہ سے اپنے گاؤں آگئے اور وہاں پر بشرطِ صحتیابی پڑھاتے رہے اور ذریعہ معاش کے طور پر مطب کھولا۔ جب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کو معلوم ہوا تو آپ کو مؤرخہ ۱۵ ارشوال ۱۳۶۸ھ کو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک لے آئے مگر یہاں بھی خرابیٔ صحت درس و تدریس میں حائل رہی اور چار ماہ بعد مؤرخہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ دوبارہ اپنے گاؤں تشریف لے آئے، اس دوران آپ اپنے علاج میں مصروف رہے۔

دارالعلوم مظہر العلوم کھڈہ کراچی علاج معالجہ اور تبدیلیٔ آب وہوا کی خاطر آپ کراچی تشریف لے گئے۔ محدّثِ عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ آپ کے خصوصی مراسم تھے اس لیے انہی کے مشورہ اور تعاون سے آپ دارالعلوم مظہر العلوم کھڈہ میں مدرس مقرر ہوگئے۔

دارالعلوم حقانیہ دوبارہ تشریف آوری کراچی سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ گاؤں میں رہے، اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ کی خواہش پر ۲۷ شوال المکرم ۱۳۷۷ھ کو دوبارہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور تادمِ واپسیں دارالعلوم حقانیہ میں ہی خدمتِ دینِ متین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں رہے۔ اس دوران دوسرے اداروں اور مدارس سے بڑی بڑی پیشکشیں ہوئیں جنہیں آپ نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میرا مقصد حصولِ دین ہے نہ کہ حصولِ معاش، اور خدمتِ دین یہاں پر بطریقہ احسن ہورہی ہے۔ یہاں دورۂ حدیث میں مسلم شریف، بخاری شریف جلد ۲، تفسیر میں بیضاوی اصولِ فقہ میں تلویح توضیح اور سلّم الثبوت زیرِ درس رہیں، اس کے علاوہ شرح عقائد خیالی اور جلالین شریف بھی پڑھائیں۔

بیعت وارادت دورانِ قیام دیوبند آپ کا تعلق بیعت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے ساتھ تھا۔ بعدازاں آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتویؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، قریب تھا کہ شیخؒ آپ کو خلافت سے نوازتے کیونکہ آپ نے تمام اسباق مکمل کر لیے تھے، لیکن شیخؒ کا وقتِ موعود

آن پہنچا اور یوں اپنے شیخؒ سے خلافت کی تمنا دل میں ہی رہ گئی ۔

قطب الارشاد حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صاحب صدیقیؒ آف خانیوال جن کے حلقۂ ارادت میں علماء و صلحاء شامل تھے اور خود شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ بھی آپ کے خلفاء میں سے تھے اس لیے جب کبھی آپ صوبہ سرحد کے دورہ پر تشریف لاتے تو ایک رات قیام کے لیے ضرور دارالعلوم حقانیہ ورود فرماتے، اس دوران علماء، صلحاء اور مریدین و مسترشدین کا ایک جم غفیر خانقاہ اشرفی کا عجیب و غریب منظر پیش کرتا۔ چنانچہ اپنے دونوں شیوخ (شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ) کی وفات کے بعد آپ نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے بیعت کا عندیہ ظاہر کیا تو پہلے ہی مراقبہ میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ بعدازاں سفرِ افغانستان کے دوران مجددی خاندان کے مشہور بزرگ اور پیر طریقت حضرت ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم جان المجددیؒ نے بھی آپ کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت دی تھی اور خرقہ بھی عطا فرمایا تھا ۔

سفرِ سعادت | ہر مسلمان کی طرح آپ کی بھی یہ دیرینہ تمنا تھی کہ مہبطِ وحی دیارِ رسولؐ اور گذرگاہ جبریلِ امینؑ کی زیارت نصیب ہو، ایک سچے عاشقِ رسولؐ کی طرح آپ کے دل میں بھی یہ تڑپ تھی کہ ایک بار اس حیاتِ مستعار میں حج بیت اللہ سے شرف یاب ہو جاؤں، چنانچہ دس سال تک آپ مسلسل درخواست دیتے رہے تا آنکہ آپ کی منظوری آئی اور شاداں و خراماں اس سعادتِ عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے ۔

تلامذہ | آپ اپنے مضبوط حافظہ اور قوی استعداد کے باعث دورانِ طالب علمی ہی سے فارغ اوقات میں طلبہ کو کتابیں پڑھاتے رہے اور فراغت کے بعد تو ہمہ تن اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ ہو گئے، سوائے ان اوقات کے جن میں آپ صاحب فراش رہے تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا، تو اس حساب سے محتاط اندازے کے مطابق آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ مجاہدِ کبیر اور جہادِ افغانستان کے مدارالمہام مولانا جلال الدین حقانی، مولانا محمد یونس خالص، مولانا سید شبیر علی شاہ صاحب شیخ الحدیث والتفسیر و فاضل مدینہ یونیورسٹی، مولانا فضل الرحمٰن بن مولانا مفتی محمود صاحبؒ، مولانا عبدالغنی صاحب ایم این اے، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب،

مولانا عبدالخالق رحمانی کراچی ، مولانا احمد گل حقانی شہید قابلِ ذکر ہیں ۔

اندازِ فتویٰ جیسا کہ تفسیر وحدیث، فقہ اور عقائد و معقولات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ و ارفع مقام سے نوازا تھا اسی طرح فتاویٰ کی اکثر کتابیں بھی آپ کے زیرِ مطالعہ رہیں فتاویٰ قاضی خان، شامی، عالمگیری، ہدایہ، البحرالرائق اور فتح القدیر کی بعض عبارتیں آپ کو ازبر تھیں مگر چونکہ افتاء وغیرہ آپ کا شعبہ نہ تھا اس لیے آپ کے فتاویٰ کی تعداد بہت قلیل ہے۔ آپ کے فتاویٰ زیادہ تر عقائد و کلامیات کے متعلق ہوتے اور انھی استفسارات کے بارے میں آپ جواب تحریر فرماتے، اور خاص کر وہ معرکۃ الآراء مسائل جن میں علماء و مدرسین حضرات کو الجھنیں پیش آتیں آپ ان کو چٹکیوں میں حل فرما دیتے، اس لیے ظاہر ہے کہ وہ فتاویٰ عام اذہان کے فہم سے بالاتر ہوتے، البتہ عام استفسارات کے متعلق آپ کا جواب انتہائی واضح، دوٹوک اور مدلّل و مفصّل ہوتا ۔

تصانیف گوکہ آپ علمی دنیا میں ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے اور ایسے لطیف و باریک نکات دورانِ درس بیان فرماتے کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی، لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی کسی تصنیف یا تالیف کا ارادہ ظاہر نہ فرمایا۔ چنانچہ راقم نے ارادہ کیا کہ آپ کی حیات ہی میں آپ کے معتمد اور ثقہ تلامذہ سے آپ کی تقریریں اور درسی افادات منگوا کر ان پر کام شروع کیا جائے اور خود بھی حضرت صدر صاحبؒ کی توجہ اس اہم ضرورت کی طرف مبذول کرائی۔ لیکن حضرتؒ کی خاکساری ملاحظہ ہو کہ باوجود اس علمی تفوّق و تعمّق کے ارشاد فرماتے کہ "حضرات اکابر کی بیسیوں تصانیف کی موجودگی میں میری کسی تصنیف یا تالیف کی کیا وقعت ہوگی اور ان حضرات کی تصنیفات یا تالیفات میں کون سی تشنگی باقی ہے کہ میں اس کو پُر کر دوں"۔ لیکن بالآخر بندہ کے شدید اصرار پر آپ نے حامی بھر لی۔ مسلم شریف کتاب الایمان کا کافی حصہ بندہ نے دورانِ درس قلمبند کیا تھا وہ مسوّدہ آں محترم کے حوالہ کیا، آپ نے اس پر نظرِ ثانی اور اس کی تبییض کرنے کا آغاز کیا، لیکن بقول شاعر ؎

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ
تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

ابھی آپ نے لکھنے کا ارادہ فرمایا ہی تھا کہ نامعلوم وجوہ کی بناء پر دائیں ہاتھ میں درد شروع

ہوگیا، تقریباً چار ماہ اسی دردو کرب میں گذارے، بہرحال وہ کام تشنۂ تکمیل رہا۔

(۱) **آمالی ترمذی** دورانِ تعلیم دارالعلوم دیوبند آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے ترمذی شریف کے افادات اور آمالی قلمبند کیے تھے بندہ نے اس کی تخریج وغیرہ کا کام شروع کیا ہے، انشاء اللہ بہت جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہوں گے۔

(۲) **تقریر مسلم شریف** آپ کے تلامذہ دورانِ درس آپ سے مسلم شریف کی تقریر قلمبند کرتے رہے، بندہ نے بھی "کتاب الایمان کا کافی حصہ قلمبند کیا ہے، اس کے علاوہ کتاب الایمان اور مقدمہ مسلم شریف بشمول کتاب البیوع بندہ کے پاس محفوظ ہے۔

(۳) **تقریر بیضاوی شریف** تفسیر بیضاوی شریف پر آپ کے درسی افادات اور آمالی آپ کے مختلف تلامذہ کے پاس موجود ہیں۔

(۴) **حل مُغلقات مسلم الثبوت** تلویح وتوضیح اور مسلم الثبوت کے مشکل مقامات کی توضیح وتشریح پر مشتمل افادات۔

(۵) **مباحث کلامیہ بخاری ج ۲** بخاری شریف میں جہاں پر علم کلام سے متعلق بحث ہے حضرت صدر صاحبؒ نے اپنی شانِ تکلم سے بہت خوبصورت اور دلنشیں انداز میں اس کی تشریح کی ہے۔

(۶) **آمالی شرح عقائد وخیالی** آپ جس وقت اپنے گاؤں میں درس دیتے تھے اُس وقت کے تلامذہ نے شرح عقائد وخیالی کے افادات آپ سے قلمبند کیے۔

(۷) **افاداتِ حلیم** راقم نے یہ مختصر رسالہ جوکہ بخاری شریف کی آخری حدیث کی تشریح اور مسلم شریف کے باب الکبائر واکبرہا پر مشتمل ہے، اور ساتھ ساتھ حضرت صدر صاحبؒ کی مختصر سوانح[۱] بھی اس میں شامل ہے، شائع کیا ہے۔

اولاد آپ کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں، بڑے صاحبزادہ مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی دارالعلوم حقانیہ میں مدرس ہیں اور دوسرے دو صاحبزادے محمد اسمٰعیل اور عبدالحفیظ تجارت وغیرہ سے وابستہ ہیں۔

---

[۱] آپ کے مفصل حالاتِ زندگی اور مکمل سوانح جاننے کے لیے "حیات صدر المدرسین" مؤلفہ مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی ملاحظہ ہو۔

سفرِ آخرت ۶ جنوری ۱۹۸۳ء کو آپ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں ہزاروں کی تعداد میں علماء، صلحاء، طلباء اور عوام الناس نے شرکت کی۔ رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی محمد علی سواتی رحمہ اللہ

نام و نسب و جائے پیدائش مولانا محمد علیؒ ۱۹۱۹ء کو جناب عنایت اللہ صاحب کے گھر موضع تواز ہ خیلہ ضلع سوات مالاکنڈ ڈویژن میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اور اساتذہ آپ نے ابتدائی تعلیم سوات میں حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرشید صاحب، مولانا محمد صدیق صاحب، مولانا مفتاح الدین صاحب کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ ان حضرات سے آپ نے مطول، مختصر المعانی، شرح عقائد، کافیہ اور شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم اور اساتذہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۴۳ء میں آپ مظاہر العلوم سہارنپور (ہند) تشریف لے گئے، وہاں آپ نے تین سال تک مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد دورۂ حدیث سے فراغت کی سند حاصل کی۔

دورۂ حدیث میں آپ کے اساتذۂ کرام میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ صدر المدرسین مظاہر العلوم اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، مہتمم مظاہر العلوم جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں شامل ہیں۔

تدریسی خدمات فراغت کے بعد ایک سال آپ نے دارالعلوم سہارنپور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے، تقسیمِ ہند کے بعد آپ اپنے وطن (پاکستان) آگئے اور حکمت آباد چارسدہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو کہ آٹھ سال تک جاری رہا۔ ۱۹۵۵ء میں بحیثیتِ مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں آپ کی تقرری ہوئی اور آخری دم تک یہاں سلسلۂ تدریس جاری رہا۔

اولاد آپ کی اولاد میں مولانا عبد الصمد، مولانا عبدالاحد اور مولانا صدیق احمد جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل ہیں۔

فقہی مقام آپ اپنے وقت کے نامور فقیہ تھے۔ ہدایہ آخرین جیسی مشکل کتاب پڑھانے میں خاص مہارت رکھتے تھے جس کی وجہ سے دور دراز کے طلباء آپ سے ھدایہ پڑھنے کے لیے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آتے تھے۔ آپ اپنے وقت میں ایک خاص حلقے کے اندر فقہ کے امام سمجھے جاتے تھے۔

فقہ کے علاوہ آپ علمِ معانی اور علمِ نحو سے بھی خاص شغف رکھتے تھے۔

سفرِ آخرت ۱۱ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ کو آپ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ آخرین" کے درس سے فارغ ہو کر اٹھ ہی رہے تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور کتاب ہی پر سر رکھ کر بیٹھ گئے اور دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ یوں آپ ۷۱ برس کی عمر میں آپ اپنے رب کے پاس پہنچ گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت مولانا مفتی قاضی انوار الدین صاحب مدظلہ

نام ونسب مولانا قاضی انوار الدین صاحب قاضی زین العارفین کے گھر ۱۹۱۲ء کو اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے، قاضی زین العارفین صاحب قاضی نظیف الدین کے فرزند تھے نسب کے لحاظ سے آپ حسنی سادات میں سے ہیں۔

خاندانی پس منظر قاضی صاحب کی تحریرات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے آباؤ اجداد علمی لحاظ سے اچھی شہرت کے حامل رہے ہیں۔

قاضی صاحب کے آباؤ اجداد اشاعتِ دین کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے اور بلخ و بخارا میں علمِ دین کی روشنیاں بکھیرتے ہوئے فرغانہ کی طرف چلے گئے۔

آپ کے آباؤ اجداد نے اپنی علمی بصیرت کی وجہ سے ظہیر الدین بابر کے دربار میں نمایاں مقام پایا، جب بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو قاضی صاحب کے اسلاف منصبِ قضاءً

پر فائز تھے۔

پہلے افغانستان اور پھر ظہیرالدین بابر کے ساتھ ہندوستان آنے کے بعد آپ کے اسلاف مختلف ادوار میں منصبِ قضاء پر فائز رہے اور حق کی اشاعت کرتے رہے، بابر کے لیے مختلف خدمات اور وفاداریوں کی وجہ سے بابر کے دربار میں صاحبِ مقام لوگ تھے۔ قاضی انوارالدین صاحب خود بھی منصبِ قضاء پر فائز ہیں اور اکوڑہ خٹک میں اپنے فرائض بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز اکوڑہ خٹک ہی سے کیا اور دارالعلوم حقانیہ کے شعبہ "تعلیم القرآن سکول" سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ تعلیم القرآن سکول میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے مدرسہ تعلیم القرآن میں جاری کردہ "درجہ عربیہ" مولانا قاضی حبیب الرحمٰن صاحب فاضل دیوبند سے پڑھا۔ اس درجہ میں صرف، نحو، منطق، فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، بعض ابتدائی کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ کافیہ، شرح جامی اور ھدایۃ الحکمۃ وغیرہ اکوڑہ خٹک ہی میں حضرت مولانا سید محمد کرم علی شاہ المعروف باچا کل صاحب سے پڑھیں۔

اساتذۂ کرام آپ کے ابتدائی اساتذۂ کرام مندرجہ ذیل ہیں:۔
(۱) شیخ غلام حیدر صاحب (۲) شیخ محمد عمر صاحب (۳) شیخ غلام جیلانی صاحب، (۴) شیخ عبداللطیف صاحب۔

یہ حضرات تعلیم القرآن سکول میں آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں آپ کے والد ماجد مولانا قاضی زین العارفین صاحب، قاضی حبیب الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا سید مبارک شاہ صاحب اور شیخ عبدالرحیم صاحب قابلِ ذکر ہیں۔

قاضی صاحب نے فارسی نظم کی کتابیں مثلاً گلستان، بوستان، تحفۂ نصائح، سکندر نامہ، یوسفؑ زلیخا اور مثنوی مولانا روم وغیرہ شیخ عبدالرحیم صاحب سے پڑھیں۔

آپ نے دورۂ حدیث شریف دارالعلوم حقانیہ سے مکمل کر کے سندِ فراغت حاصل کی، علمِ حدیث میں آپ جن حضرات سے فیضیاب ہوئے ان میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق

صاحبؒ، صدر المدرسین مولانا عبدالحلیم زروبویؒ اور مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات فراغت کے بعد ۱۳۷۸ھ میں آپ کا دارالعلوم حقانیہ ہی میں بحیثیت مدرس و نائب مفتی تقرر ہوا جبکہ بعد میں مفتی مقرر ہوئے۔

قاضی صاحب نے افتاء میں مولانا مفتی محمد یوسفؒ صاحب، مولانا عبدالحق قندھاریؒ اور مولانا عبدالحلیم زروبوی صاحبؒ سے استفادہ کیا ہے۔ عرصۂ تدریس میں آپ نے صرف، نحو، فقہ، اصولِ فقہ، علم معانی اور علم بیان کی کتابیں پڑھائیں۔ بحیثیت مدرس و مفتی تقریباً دس سال آپ نے مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ کی خدمت کی۔

افتاء و قضاء قاضی صاحب نے دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کے دوران ہی افتاء کا کام شروع کر دیا تھا، اُس وقت سے لے کر تادمِ تحریر بندگانِ خدا کے تنازعات کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل فرما رہے ہیں، آپ یہ سب خدمات بلامعاوضہ انجام دیتے ہیں، اور مقصود صرف رضائے الٰہی ہے۔

اندازِ فتویٰ آپ کے اکثر فتاویٰ مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کے فتوؤں سے ماخوذ ہیں۔ کچھ وقت تک تو آپ صرف مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کے تحریر کردہ فتوؤں کو رجسٹر میں درج کرتے تھے، بعدازاں ترقی دے کر آپ کو مفتی مقرر کیا گیا۔ اندازِ بیان میں آپ پر مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کا اثر زیادہ ہے لیکن آپ فقہی ذخائر پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ اب بھی علاقے میں آپ کے فتویٰ اور فیصلے کو اہمیت دی جاتی ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ فتاویٰ میں آپ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک بڑا ذخیرہ شامل ہے۔ ۱۳۸۸ھ میں بعض ذاتی مجبوریوں اور معاشی تقاضوں کی وجہ سے از خود جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے الگ ہو گئے۔

بیعت تصوف و سلوک میں آپ سلسلہ قادریہ و نقشبندیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مہاجر مدنیؒ مدینہ منورہ سے پہلی مرتبہ جب اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو آپ نے اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور مریدی کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم کوہستانی

نام ونسب ومولد مولانا عبدالحلیم کوہستانی ۱۹۱۴ء کو مولانا رستم خان کے گھر علاقہ کوہستان میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز پانچ سال کی عمر میں اپنے والد محترم سے کیا، ان سے ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد تکمیل علم کے لیے دارالعلوم حقانیہ سیدو شریف دسوات میں داخلہ لیا اور یہیں سے ۱۹۶۲ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔

اساتذۂ کرام آپ نے اپنے والد محترم کے علاوہ بہت سے دیگر اساتذۂ کرام سے علم کی پیاس بجھائی۔ صرف ونحو مولانا بنارس خان سے پڑھی، شرح مُلاجامی مولانا عبداللطیف صاحب سے، معقولات مولانا خان بہادر صاحب عرف مارتونگ مولانا صاحب اور مولانا محمد نذیر صاحب حق صاحب چکیسری سے اور علم بلاغت مولانا عبدالحلیم سواتی سے حاصل کیا۔

تدریس فراغت کے بعد آپ نے ایک سال جامع مسجد پشین میں اور دو سال مارتونگ میں گذارے، اس کے بعد ۱۳۷۷ھ کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بحیثیت مدرس آپ کی تقرری ہوئی اور سات سال تک علم وفضل کے موتی بکھیرتے رہے۔

افتاء مولانا مفتی محمد یوسف صاحب بونیری رحمہ اللہ کے جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے چلے جانے کے بعد افتاء کی اہم ذمہ داری بھی آپ کو سونپ دی گئی، فتویٰ دینے میں آپ بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے اور خوب غور وخوض کے بعد فتویٰ دیا کرتے تھے۔

بیعت تزکیۂ نفس کے لیے آپ نے پیرِ طریقت حضرت مولانا عبدالمالک صاحب نقشبندی رحمہ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

تصانیف مولانا موصوف نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف

کا سلسلہ بھی جاری رکھا، آپ کی ایک مایۂ ناز کتاب "ھدایۃ العلوم" منظر عام پر آچکی ہے، مزید چھ عدد تصانیف مکمل ہیں لیکن ابھی تک ان کی اشاعت نہیں ہوسکی۔ ان میں تفسیر میں "ھدایۃ آیات"، "رسالہ توحید" اور فقہ میں "الاستدلال فی القرآن" کے مسودات آپ کے ہاں محفوظ ہیں۔

تلامذہ ویسے تو آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا قاضی حمید اللہ صاحب، مولانا فضل الحق صاحب، مولانا عصمت اللہ صاحب اور مولانا عبد الباقی صاحب قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نام ونسب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم ۱۸ ستمبر ۱۹۳۷ء کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد سلطان محمود غزنوی رح کے ساتھ جہاد کے سلسلے میں ہندوستان تشریف لائے تھے اور پھر اکوڑہ خٹک میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

ابتدائی تعلیم آپ نے پرائمری تک عصری تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رح کے قائم کردہ انجمن تعلیم القرآن اسلامیہ پرائمری سکول میں حاصل کی اور دینی تعلیم ابتدائی درجات سے لے کر درجۂ علیاء تک جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں حاصل کی اور ۱۹۵۷ء کو دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد الامام الکبیر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ سے ۱۳۷۸ھ کو دورۂ تفسیر کیا۔

اعزازی اسناد جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے سندِ فراغت کے علاوہ بعض دوسرے اکابرین مثلاً قطب العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رح، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رح، حضرت مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

اور مکہ مکرمہ کے شیخ علوی مالکیؒ نے آپ کو اعزازی اسناد اور اجازتِ حدیث سے نوازا۔

اساتذہ آپ کے اساتذہ میں ولی کامل حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، اور محدث العصر حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ وغیرہ اکابرین شامل ہیں۔

تدریس تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۵۸ء کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ ہی میں درس و تدریس کا آغاز کیا اور جلد ہی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ابتدائی کتب سے کتبِ حدیث کی تدریس تک پہنچ گئے جو کہ آج تک جاری و ساری ہے ۔۔۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۵ء میں آپ نے ماہنامہ الحق کے نام سے ایک دینی و علمی جریدے کا آغاز کیا، جسے بہت جلد ہی ملک اور بیرونِ ملک مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی، اور تا دمِ تحریر نہایت آب و تاب سے جاری ہے۔

تحریکات اور ملّی خدمات درس و تدریس کے ساتھ آپ نے مختلف تحریکات میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ صدر ایوب خان کے دورِ حکومت میں جب ماڈرن ازم کے داعی ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے فتنہ نے سر اٹھایا تو آپ نے اس کا بھرپور تعاقب کیا، جس پر ماہنامہ الحق میں شائع شدہ آپ کے اداریئے دال ہیں۔

۱۹۷۴ء میں جب تحریک ختمِ نبوت شروع ہوئی تو آپ نے اس تحریک میں بھی اپنے والد محترم اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور دوسرے اکابر علماء کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے قومی اسمبلی میں امتِ مسلمہ کی ترجمانی کرتے ہوئے "قادیانیت کے بارہ میں ملّتِ اسلامیہ کا موقف" جو سنایا تھا اس کا اکثر حصہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

۱۹۷۷ء میں جب تحریک نظامِ مصطفےٰ شروع ہوئی تو اس میں بھی آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا جس کی پاداش میں آپ نے ہری پور جیل میں قید و بند کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

تصنیف و تالیف تدریسی، سیاسی اور دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں کے بوجھ کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے، آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص و عام میں بے حد مقبول ہیں۔

(۱) قادیانیت کے بارہ میں ملتِ اسلامیہ کا مؤقف (۲) شریعت بل کا معرکہ (۳) کاروانِ آخرت (۴) قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ (۵) اسلام اور عصرِ حاضر، (۶) دعواتِ حق ۲ جلد (۷) نظامِ اکل وشرب میں شریعت کی راہنمائی، (۸) شرح شمائل ترمذی۔

اندازِ فتویٰ درس وتدریس، ماہنامہ الحق کی ادارت اور دیگر مصروفیات کے باوجود آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات بھی دیا کرتے تھے، اسی طرح آپ کے اکثر فتاویٰ ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں ــــ جس طرح آپ کی طبیعت تحقیق پسند ہے تو وہی رنگ آپ کے فتاویٰ پر بھی غالب ہے، آپ کے اکثر فتاویٰ طویل اور اپنے موضوع کے جملہ پہلوؤں کو شامل ہوتے ہیں۔

اسی حوالہ سے آپ کے چند اہم مضامین القضایا، حوادث ونوازل، خاندانی منصوبہ بندی، فتن، حقوق انسانی اور خصوصاً خواتین کے حقوق وغیرہ پر ماہنامہ "الحق" میں شائع ہوتے رہے ہیں جو کہ افادۂ عام کے لئے" فتاویٰ حقانیہ" میں بھی شامل کیے گئے ہیں۔

سیاسی خدمات درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ماہنامہ الحق کی ادارت اور دارالعلوم کے انتظامی امور کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست میں بھی آپ نے اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں جب اکابرینِ جمعیۃ علماء اسلام حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ صاحبؒ کو عام انتخابات میں حصہ لینے پر مجبور کیا تو آپ (مولانا سمیع الحق صاحب) نے مجبوراً حصہ لیا اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی تمام انتخابی مہم کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے کامیابی سے ہمکنار کیا، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی کامیابی کے بعد قومی اسمبلی میں ساری کاروائی پسِ پردہ آپ ہی چلاتے رہے، تحاریکِ التواء کی قرار دادیں اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں ترامیم پیش کرنے میں بھی آپ پیش پیش رہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے دورِ مارشل لاء میں آپ کو وفاقی مجلسِ شوریٰ کا ممبر نامزد کیا گیا تو زکوٰۃ وعشر، حدود، قصاص و دیت اور امتناعِ قادیانیت آرڈیننس کا نفاذ اور آئین میں بیشمار اسلامی

شقوں اور دفعات کا شمول آپ ہی کی شبانہ روز جدو جہد کی بدولت ممکن ہو سکا۔ اور جب (۱۹۸۵ء میں) سینٹ آف پاکستان کے آپ ممبر بنے تو آٹھ سال کی طویل تاریخی جدو جہد کے بعد سینٹ سے شریعت بل منظور کروایا۔

اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام

مملکتِ خداداد پاکستان پر جب سیکولرزم کے منحوس سائے دوبارہ پھیلنے لگے تو اس کے تدارک کے لیے آپ ہی نے اس وقت اسلامی جمہوری اتحاد کی بنیاد رکھی جس میں نو سیاسی و مذہبی جماعتیں شامل ہوئیں اور متفقہ طور پر آپ کو اس اتحاد کا سینئر نائب صدر منتخب کیا گیا۔

متحدہ علماء کونسل کا قیام

۱۹۸۸ء میں جب بینظیر کی حکومت قائم ہوئی تو آپ نے اس کے خاتمہ کے لیے متحدہ علماء کونسل کے پلیٹ فارم پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء اور اکابرین کو جمع کیا جس کی بدولت نسوانی حکومت کا خاتمہ ممکن ہو سکا۔

متحدہ دینی محاذ کی تشکیل

بھارت میں جب بابری مسجد کے انہدام کا دلخراش حادثہ پیش آیا تو ملک میں دینی اقدار و آثار کو تباہی سے بچانے کے لیے ۱۵ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ایک بار پھر تمام دینی جماعتوں کے قائدین کو جمع کر کے "متحدہ دینی محاذ" کی تشکیل کی۔

تحریک تحفظ مدارسِ دینیہ

۱۹۹۴ء میں جب بینظیر حکومت نے مدارسِ دینیہ کے خلاف بے بنیاد الزامات لگانے، مدارس کی انکوائریاں اور تحقیقات کرانے کا سلسلہ شروع کیا تو مولانا صاحب نے یکم جنوری ۱۹۹۵ء کو تمام مکاتبِ فکر کے علماء اور اربابِ مدارس کو جمع کر کے "تحریک تحفظ مدارسِ دینیہ" قائم کی اور حکومت کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

اب جبکہ جنرل مشرف کی فوجی حکومت اور اس کے ناعاقبت اندیش وزراء نے امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مدارسِ دینیہ کے خلاف مہم شروع کی تو اسی مردِ مجاہد نے ۳۰ اپریل ۲۰۰۰ء کو دارالعلوم حقانیہ میں تمام مدارس کے مہتممین کو جمع کر کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔

ملی یکجہتی کونسل کا قیام ۱۹۹۶ء میں ملکِ عزیز میں فرقہ واریت کی آگ بھڑک اٹھی اور حکومتی سطح پر امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل کی سازشیں شروع ہوئیں تو اس نازک وقت میں آپ ہی نے تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے "ملی یکجہتی کونسل" قائم کی۔

سی ٹی بی ٹی ۱۹۹۸ء میں جب نواز حکومت سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے لیے ہوئی تو مولانا صاحب نے نہ صرف اپنے ادارہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے اس کی مخالفت میں مدلل شرعی فتویٰ شائع کر کے راتوں رات سینٹ اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ممبران میں تقسیم کروایا بلکہ ۵ مئی ۱۹۹۸ء کو تمام دینی جماعتوں کی آل پارٹیز کانفرنس طلب کر کے اس ناپاک سازش کو ناکام بنادیا۔

دفاعِ افغانستان و پاکستان کونسل کا قیام جہادِ افغانستان اور تحریکِ طالبان میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کا کلیدی کردار کسی سے مخفی نہیں کہ انہوں نے اس جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا اور کر رہے ہیں اس لیے کہ تحریکِ طالبان میں شامل طلباء اور ان کے قائدین کے نہ صرف مربی ہیں بلکہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم کی حیثیت سے ہزاروں کی تعداد میں علماء اور طالبان لیڈر آپ کے براہ راست شاگرد ہیں، آج سے تقریباً ایک سال قبل جب امریکہ نے افغانستان پر پابندیاں لگانے کا فیصلہ کیا تو مولانا صاحب نے ملک کی تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کے مرکزی قائدین کو دارالعلوم حقانیہ میں جمع کیا۔ اس کانفرنس میں امریکی استعمار اور سامراج کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہوئے "دفاعِ افغانستان و پاکستان کونسل" کے قیام کا باضابطہ اعلان کیا گیا اور اتفاق رائے سے مولانا صاحب کو اس کونسل کا چیئرمین نامزد کیا گیا۔

سود کے خلاف آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد پاکستان کے اعلیٰ عدالتی ادارے سپریم کورٹ نے حکومت کو ۳۰ جون ۲۰۰۱ء تک سودی نظام ختم کرنے کا حکم دیا تو حکومت نے حسب سابق اس سلسلہ میں لیت و لعل کی پالیسی اختیار کرنی شروع کی تو مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے

۱۹ مئی ۲۰۰۱ء کو کراچی میں تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کا مشترکہ سربراہی اجلاس طلب کیا اور حکومت کو سپریم کورٹ کے فیصلہ پر عمل کرنے کا نوٹس دیا اور بصورتِ دیگر حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔

حضرت مولانا محمد ہارون صاحب

مولانا محمد ہارون صاحب نے ضلع سوات کے ایک پسماندہ گاؤں میں آنکھیں کھولیں۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز ریاست سوات سے کیا، اس وقت سوات میں بلند پایہ علماء و فقہاء موجود تھے جس کی وجہ سے ریاست سوات کو علمی مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور تشنگانِ علوم نبوت دور دراز علاقوں سے یہاں آکر اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ آپ کے ابتدائی اساتذہ میں مولانا خان بہادر صاحب مار تونگؒ، مولانا عبدالحلیم صاحبؒ ، مولانا محمد نذیر صاحب حق صاحب، مولانا عبدالرشید صاحب اور مولانا عبدالحنان صاحب کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

۱۳۷۰ھ میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ اور دوسرے اکابر اساتذہ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی، آپ کا شمار دارالعلوم حقانیہ کے ممتاز فضلاء میں ہوتا ہے۔

درس و تدریس فراغت کے بعد آپ نے مردان اور شمس آباد (اٹک) میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ بعد ازاں ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۴ء کو دارالعلوم حقانیہ میں بحیثیتِ مدرس آپ کا تقرر ہوا اور آخری دم تک اسی مرکزِ علوم نبوت میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آخر کار اگست ۱۹۹۰ء میں اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔

افتاء اگرچہ افتاء میں آپ نے مستقل طور پر کسی سے استفادہ تو نہیں کیا لیکن فقہ و منطق میں کمال مہارت کی وجہ سے اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ چونکہ آپ تدریس اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے فتویٰ نویسی کے لیے مستقل طور پر فارغ نہیں تھے اس لیے دارالعلوم کی طرف سے آپ کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی گئی تھی تاہم سالانہ تعطیلات میں مفتیانِ کرام نہ ہوتے اور آپ کے دارالعلوم میں ہی مقیم ہونے کی وجہ سے دارالعلوم

کی انتظامیہ نے آپ کو یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ رجسٹروں میں درج شدہ فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اکثر میراث کے مسائل کے جوابات دیئے ہیں جبکہ فنِ میراث میں آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔

بیعت و سلوک تصوف و سلوک میں آپ نے حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، چنانچہ تھوڑے سے ہی عرصہ میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

تصانیف چونکہ آپ کا زیادہ تر وقت تدریس میں گذرتا تھا اس لیے آپ تصنیف و تالیف کی طرف بھرپور توجہ نہ دے سکے، لیکن اس کے باوجود آپ نے منطق کی ابتدائی کتاب "ایساغوجی" پر کچھ تعلیقات لکھی تھیں جو "افاداتِ ہاروتی" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ میراث میں "میزان الاعتدال" نامی کتاب لکھی جو آپ کی حیات میں تو شائع نہ ہو سکی البتہ بعد از وفات شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب ایک ممتاز علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں، آپ ۱۲ اگست ۱۹۵۴ء کو ضلع مانسہرہ تحصیل اوگی کے ملحقہ علاقے بیلیاں میں مولانا شمس الحق صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول بیلیاں میں حاصل کی، پرائمری کی تکمیل کے ساتھ ساتھ آپ نے قاری غلام حبیب صاحب سے ۱۹۶۹ء میں قرآنِ کریم بھی حفظ کر لیا، دینی علوم کی تحصیل کے لیے دو سال کا عرصہ جامعہ فرقانیہ راولپنڈی میں گذارا اور مزید تعلیم کے لیے ۱۹۷۱ء میں برصغیر کے دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور عرصہ چھ سال تک دارالعلوم میں رہ کر علومِ دینیہ کی تکمیل کی، دینی علوم کے ساتھ ساتھ آپ نے عصری تعلیم کی تحصیل بھی جاری رکھی اور ۱۹۷۳ء میں میٹرک پاس کر لیا۔ ۱۹۷۷ء میں آپ نے وفاق المدارس العربیہ کے تحت دورۂ حدیث کا امتحان پاس کیا اور ملک بھر کے مدارس میں سے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۸۶ء میں جامعہ ازہر (مصر) سے دورۂ تدریبیہ کیا۔ علومِ دینیہ کے

ساتھ ساتھ آپ علومِ عصریہ سے بھی فیضیاب ہوتے رہے، چنانچہ ۱۹۸۰ء میں پشاور یونیورسٹی سے بی اے، ۱۹۸۲ء میں ایم اے اسلامیات اور ۱۹۹۶ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔

اساتذۂ حدیث

آپ کے حدیث کے مشائخ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ، مولانا عبدالحلیم زروبویؒ صاحب، مولانا محمد علی سواتی صاحبؒ، مولانا مفتی محمد فرید صاحب زروبوی، مولانا محمد حسن جان صاحب مدنی، مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا انوارالحق صاحب جیسی نامور ہستیاں شامل ہیں۔

تدریسی خدمات

دارالعلوم حقانیہ سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد ۱۹۷۷ء/۱۳۹۷ھ آپ بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی ہدایت پر دارالعلوم میں ہی تدریس کا آغاز کیا، آٹھ سال درسِ نظامی کی تدریس کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی شفقت سے جامع ترمذی جلد۲، اور سنن نسائی کی تدریس آپ کے حوالہ کی گئی اور ۱۹۸۵ء میں مستقل طور پر سُنن ابی داؤد جلد ا کی تدریس آپ کے سپرد کر دی گئی۔ تدریس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم حقانیہ کے ناظمِ تعلیمات، نائب مفتی اور شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے نگران بھی رہے۔ اور سنہ میں آپ پشاور میں اپنے قائم کردہ دینی ادارے جامعہ عثمانیہ تشریف لے گئے۔

افتاء

۱۹۷۸ء میں دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالنے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا فریضہ بھی آپ کو سونپا گیا۔ ابتداء میں حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے فتاویٰ رجسٹر میں درج کرنے کی ذمہ داری تھی، بعدازاں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے حکم پر خود فتویٰ لکھنا شروع کیا۔

تصانیف

حضرت مفتی صاحب نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں (۱) دفاعِ ابوہریرہؓ، (۲) عقیقہ کی شرعی حیثیت (۳) حیاتِ بیلیانی (۴) دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک "سفرنامہ" (۵) ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت، وغیرہ اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد مقام کی حامل ہیں۔ آجکل آپ ماہنامہ "العصر" پشاور کے مدیرِ اعلیٰ ہیں۔

حضرت مولانا مفتی سیف اللہ ہاشم خان صاحب مدظلہ

نام ونسب | مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب ۲۶ دسمبر ۱۹۴۹ء کو جناب ہاشم خان صاحب کے گھر واقع سالار **خیل** تحصیل وضلع لکی مروت میں پیدا ہوئے ۔

ابتدائی تعلیم | آپ نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت میں حاصل کی اور دورۂ حدیث اور اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، یہاں سے آپ نے ۱۹۷۱ء میں دورۂ حدیث کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔

اساتذۂ کرام | آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب، مولانا عبدالحلیم زروبوی صاحب، مولانا محمد علی صاحب، مولانا مفتی محمد فرید صاحب، مولانا سید شیر علی شاہ صاحب، مولانا عبدالغنی دیروی صاحب، مولانا سمیع الحق صاحب، مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ و مولانا عبداللہ صاحب درخواستی شامل ہیں ۔

تدریس | فراغت علوم دینیہ کے بعد آپ نے دارالعلوم حسینیہ میرانشاہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور نورِ علم کو پھیلانے میں مصروف ہو گئے ۔

افتاء | کچھ عرصہ دارالعلوم حسینیہ میں گذارنے کے بعد مادرعلمی دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت تشریف لائے، یہاں تدریس کے ساتھ ساتھ ۱۹۷۳ء میں افتاء کا سلسلہ بھی شروع کیا جو آج تک جاری ہے ۔

دارالعلوم حقانیہ میں تقرری | ۱۹۸۶ء میں آپ نے مولانا سمیع الحق صاحب کی خواہش اور حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے حکم پر دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کا کام سنبھالا، کچھ عرصہ حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب اور دیگر مفتیان کے ساتھ معاون مفتی اور بعد میں مستقل مفتی کے طور پر ذمہ داریاں سنبھالیں، اب تک ہزاروں فتاویٰ آپ کے قلم سے نکل چکے ہیں ۔ اور تادمِ تحریر آپ حقانیہ میں ہی یہ فریضہ بطریقِ احسن انجام دے رہے ہیں ۔

بیعت | آپ نے رئیس المشائخ حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کے دستِ حق پرست پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ سے بیعت فرمائی ۔

☼ ☼

حضرت مولانا مفتی عبد الحلیم کلاچوی

سلسلۂ نسب آپ حضرت مولانا عبد الکریم صاحب کے ہاں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مشہور و معروف گاؤں کلاچی میں پیدا ہوئے۔

آپ کے سلسلۂ نسب سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نجیب الطرفین اور ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔

ابتدائی تعلیم آپ بچپن ہی سے تعلیم کے شوقین تھے اس لیے آپ نے بچپن ہی میں اپنے والد صاحب کے قائم کردہ دینی مدرسہ نجم المدارس کلاچی سے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا، زیادہ تر کتابیں اپنے والد صاحبؒ ہی سے پڑھیں، اس کے ساتھ ساتھ دوسرے اساتذۂ کرام سے بھی مستفید ہوتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیاء کی عظیم دینی یونیورسٹی، دیوبند ثانی جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور ۱۹۵۵ء میں یہاں سے دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ تکمیل کی کتابیں جامعہ قاسم العلوم ملتان میں حضرت مولانا موسیٰ خان صاحبؒ سے پڑھیں۔ اس کے بعد التخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے لیے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لے گئے اور وہاں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی سے استفادہ کیا۔

اساتذۂ کرام آپ کے اساتذۂ کرام میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ، شیخ الاسلام علامہ شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب زرولوی رحمہ اللہ اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا قاضی عبد الکریم صاحب کلاچوی کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

درس و تدریس فراغت کے بعد آپ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ہی سے درس و تدریس کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نائب مفتی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ خانیوال کی مشہور دینی درسگاہ   میں بحیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے، وہاں ایک سال گذارنے کے بعد آپ جامعہ انوریہ اسلام آباد تشریف لائے، یہاں بھی آپ صرف ایک سال رہے۔ اس کے بعد آپ اپنے والد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ "نجم المدارس کلاچی" چلے گئے اور تادم تحریر ھٰذا اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

بیعت و سلوک ۱۹۶۷ء میں آپ نے حضرت العلامہ شمس الحق افغانی صاحبؒ سے بیعت کی، ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سواتیؒ سے بیعت اور اصلاحِ نفس کا تعلق وابستہ کیا۔ ان کے انتقال کے بعد شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفۂ مجاز حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالحق قندہاروی

آپ کا شمار بھی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے جیّد مدرسین میں ہوتا ہے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے جامعہ کے دارالافتاء میں بھی بہت خدمت کی اور آپ کے قلم سے سینکڑوں فتوے جاری ہوئے، آپ کے فتاویٰ نہایت محققانہ ہیں۔ آپ کے لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افغانستان کے صوبہ قندہار کے رہنے والے ہیں۔ کوشش و تلاشِ بسیار کے باوجود آپ کے مزید حالات کا پتہ نہیں چل سکا اس لیے صرف نام پر ہی اکتفاد کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محبوب الرحمٰن صاحب

پیدائش آپ مؤرخہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو حکیم عبدالرحمٰن کے ہاں زنڈ وڈھیری ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔

تعلیم ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد آپ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۳ء میں یہاں سے سندِ فراغت حاصل کی۔

اساتذۂ حدیث اساتذۂ حدیث میں آپ نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ، مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہٗ جیسے عباقرہ سے کسب فیض کیا۔

درس وتدریس تعلیم سے فراغت کے بعد آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں مدرس مقرر ہوئے، اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے دارالافتاء میں نقل فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

اندازِ فتویٰ چونکہ آپ اکثر نقلِ فتاویٰ کا کام کرتے تھے اس لیے از خود فتویٰ لکھنے کا ان کو کم ہی موقع ملتا تھا۔ لیکن جو فتاویٰ آپ کے قلم سے صادر ہوئے ان میں آپ کی کوشش یہ رہی کہ جواب مکمل، مفصل، مدلل اور باحوالہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جواب میں سلیس انداز اختیار کیا ہے جو کہ انتہائی عام فہم ہے اور ہر خاص وعام اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب صدیقی مدظلہ

نام، نسب اور مولد مولانا رشید احمد صاحب صدیقی حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے گھر زروبی ضلع صوابی میں ۱۹۵۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد چھ پشتوں سے اسلام کی ترویج و اشاعت میں سرگرمِ عمل چلے آرہے ہیں اور دنیا کے کونے کونے میں علم و معرفت اور رشد و ہدایت کی روشنی بھیلاتے ہوئے ہیں۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز ایشیاء کی مشہور و معروف دینی درس گاہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے کیا اور یہیں سے فارغ ہوئے۔

یہاں پر آپ کو انتہائی قابل اور شفیق و مہربان اساتذۂ کرام ملے جن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبویؒ، اور خود آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، حضرت مولانا انوار الحق صاحب کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

افتاء درسِ نظامی سے فراغت کے بعد آپ نے فتویٰ نویسی اور افتاء میں اپنے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور دارالعلوم ہی میں منصبِ افتاء پر فائز ہوئے، اس کے ساتھ ساتھ آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا جو کہ بیس۲۰ سال تک جاری رہا، اس دوران ہزاروں کی تعداد میں طالبانِ علومِ نبویہ آپ سے مستفید ہوئے۔

بیعت و سلوک آپ نے اپنے والد محترم مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے دستِ حق پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی اور انہی کے خلیفہ مجاز بھی ہیں۔

تصانیف درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور کافی مفید کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں آپ کی گرانقدر تالیف "ضروری مسائل" کے نام سے شائع ہو چکی ہے جو کہ مقبولِ خاص و عام ہے۔ اس کے علاوہ "مفید الواعظین" اور "دُعا بعد السنۃ" وغیرہ بھی آپ کی مایہ ناز تصنیفات ہیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام قادر نعمانی صاحب مدظلہ

نام و نسب آپ ۱۹۶۴ء میں سید محمود بن غلام رسول کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب آگے چل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے، یعنی آپ نسباً ہاشمی ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد عرصہ ۱۵۰ سال سے علاقہ مہمند ایجنسی، قوم خویزئی، گاؤں خلوڈاگ میں آباد ہیں۔

تعلیم آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا فضل معبود صاحب عرف صاحب حق فاضل دارالعلوم حقانیہ سے حاصل کی اور درجۂ ثانیہ سے لے کر درجۂ تخصص فی الفقہ الاسلامی تک کی کتابیں مرکزِ علومِ نبوت جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں جید علماء کرام سے پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے درجۂ تخصص کے پہلے طالب علم اور اس شعبہ میں پہلی سند درجۂ ممتاز میں حاصل کرنے والے ہیں۔

آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور وفاق المدارس کے سند یافتہ ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کراچی سے تخصص فی الدعوۃ والارشاد اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء بھی کر چکے ہیں۔ اسی طرح ایم اے اسلامیات وعربی کی ڈگری پشاور یونیورسٹی سے حاصل کی۔

تصانیف اب تک آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں: (۱) وحدت رمضان وعیدین (۲) مسائلِ سفر (اردو و پشتو) (۳) زیارت الحرمین الشریفین۔

اساتذہ کرام حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحبؒ، شیخ الحدیث مولانا سید شیر علی شاہ صاحب، شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلویؒ جامعہ اشرفیہ لاہور، شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان صاحب، شیخ القرآن مولانا عبدالہادی صاحبؒ، شاہ منصور (صوابی)، شیخ التفسیر مولانا سرفراز خان صفدر صاحب، مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ (کراچی)، مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا انوارالحق صاحب نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور آپ کے مشہور اساتذہ ہیں۔

تدریس ۱۹۸۹ء/۱۴۰۹ھ سے جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور ۱۹۹۷ء سے اب تک جامعہ حقانیہ کے درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء میں بحیثیت استاد چلے آرہے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی مختار اللہ صاحب حقانی

(مرتب فتاوی حقانیہ)

نام، نسب و مولد آپ ۲۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو جناب حبیب اللہ صاحب کے ہاں جہانگیرہ ضلع صوابی میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندانی تعلق یوسف زئی خاخیل قبیلہ سے ہے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے مڈل تک عصری تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول جہانگیرہ سے حاصل کی، اس کے ساتھ ساتھ اپنے علاقہ کے جید عالم دین مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ فاضل دیوبند سے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مڈل کے بعد حضرت الاستاذ ہی کے مشورے سے مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جون ۱۹۸۵ء میں جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی چلے گئے اور فروری ۱۹۹۳ء میں وہاں سے درس نظامی کی تکمیل کی، اس کے بعد تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے لیے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ کے زیرنگرانی فتویٰ نویسی سیکھتے رہے۔ تخصص سے فراغت کے بعد پشاور یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں ایم اے (ماسٹر) کی ڈگری حاصل کی۔

تدریسی خدمات ۱۹۹۶ء میں جامعہ مظہر العلوم قادریہ تورڈھیر (صوابی) تشریف لے گئے اور وہاں دو سال تک درس وتدریس کے علاوہ افتاء کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے۔ بعدازاں جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ ہو گئے اور تادم تحریر جامعہ دارالعلوم حقانیہ ہی میں افتاء اور تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

اساتذۂ کرام آپ کے اساتذۂ کرام میں مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار (کراچی) مولانا سید مصباح اللہ شاہ، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا

مفتی عبدالسلام چاٹگامی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب جیسے اکابرین کے اسماءگرامی قابل ذکر ہیں۔

تصنیفی خدمات درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے بعض اہم موضوعات پر تحقیقی مضامین اور رسائل بھی لکھے ہیں، مثلاً (۱) اختلافِ مطالع اور رؤیتِ ہلال کی شرعی حیثیت (۲) جماعۃ النساء کی شرعی حیثیت (۳) تعزیر بالمال کی شرعی حیثیت (۴) اس کے علاوہ "فتاویٰ حقانیہ" کی ترتیب تو بھی آپ ہی کے سپرد ہے (۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے "درسِ ترمذی" کی ضبط و ترتیب بعنوان "اسلام کا نظام اکل و شرب اور مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی وغیرہ" قابلِ ذکر ہیں۔

اندازِ فتویٰ فتویٰ نویسی میں آپ کافی احتیاط سے کام لیتے ہیں، آپ کے جوابات اکثر متقدمین فقہاء کرام کی عبارات سے مزین ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ جواب لکھتے وقت حالات و واقعات کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب

آپ مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۵۴ء کو ضلع صوابی کے مشہور قصبہ زروبی میں متکلم اسلام حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن مجید اپنے گھر ہی میں پڑھا، مڈل تک عصری تعلیم اپنے گاؤں زروبی میں حاصل کی اور میٹرک ٹوپی ہائی سکول سے کیا، میٹرک کے بعد جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں داخل ہوئے اور قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد درس نظامی کی تکمیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد اپنی مادرِ علمی میں ہی مدرس مقرر ہوئے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کے زیرِ سایہ فتویٰ نویسی کی مشق اور تمرین بھی کرتے رہے، چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ کے مدونہ دفاتر اور رجسٹروں میں آپ کے کئی فتاویٰ موجود ہیں جن میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا رنگ جھلکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف میں بھی مصروف رہے اور کئی کتابیں نثر اور نظم میں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

پیش لفظ

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد ن المصطفیٰ و
علیٰ آلہ النجبا واصحابہ الشرفاء الیٰ یوم الجزاء۔

تقسیمِ ہند سے پہلے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے، رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی سالانہ تعطیلات میں جب اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو جلد ہی تقسیمِ ہند کا مسئلہ درپیش آیا، جس کی وجہ سے ہر جگہ وحشت و بربریت اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا، ان حالات کی وجہ سے دیوبند واپس جانا آپ کے لیے ممکن نہ رہا، چنانچہ ذی القعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۷ء کو آپ نے اپنے گھر کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں توکلاً علی اللہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو جلد ہی ایک عظیم اسلامی درسگاہ کی صورت اختیار کر گیا۔

تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ اسی مسجد میں شہتوت کے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر شروع ہوا تھا، اس لحاظ سے جامعہ حقانیہ کی تاسیس دارالعلوم دیوبند کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے کہ اس کی ابتداء بھی ایک مسجد میں انار کے درخت کے نیچے محمود معلم اور محمود متعلم سے ہوئی تھی مگر اخلاص نیت اور للّٰہیت کی برکت سے ترقی کرتے کرتے دارالعلوم دیوبند نے بے پناہ شہرت حاصل کر لی اسی طرح حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کا جامعہ حقانیہ کی خدمات اور مختصر عرصہ میں ہر دلعزیزی دیکھ کر اسے دیوبند ثانی کا خطاب دینا بھی اخلاص اور للّٰہیت ہی کا ثمرہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی افادیت کا چرچا بہت ہی کم مدت میں چار سو ہونے لگا اور ملک کے کونے کونے سے علوم دینیہ کے شائقین طلبہ تحصیل علم کے لیے جامعہ حقانیہ کا انتخاب کر کے یہاں آکر مستفید ہوتے رہے اور اسی طرح عوام الناس میں سے دین کا درد رکھنے والے حضرات بھی خط و کتابت، سوال و جواب، استفتاء و افتاء کے ذریعہ اپنے مسائل کے حل کے سلسلہ میں جامعہ حقانیہ سے رجوع کرنے لگے۔

شعبہ دارالافتاء

جس طرح ابتداء ہی میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں تبلیغ دین اور اشاعت علم کے شعبے قائم کیے گئے اسی طرح دارالافتاء جیسا اہم ترین شعبہ بھی قائم کیا گیا چنانچہ عوام ہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے علماء کرام، سکالرز اور وکلاء حضرات اپنے پیش آمدہ مسائل کا حل جامعہ ھٰذا سے طلب کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے ذاتی تنازعات اور جھگڑوں کو بھی جامعہ کے اسی شعبہ سے حل کراتے ہیں اور یہاں سے کیے گئے فیصلوں کو بھرپور اعتماد کے ساتھ بلا چون وچرا قبول کر لیتے ہیں اور بفضل اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ ابتداء سے آج تک قائم و دائم ہے اور دارالافتاء میں کسی دنیاوی عدالت کی طرح فیصلے کروانے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔

اس اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ دارالافتاء سے جن استفسارات کے جوابات جاری ہوتے ہیں ان میں سے اہم مسائل کے بارے میں جامعہ کے اکابر اساتذہ کرام سے بھی مشورہ لیا جاتا ہے اور ان پر ان سے تصدیقات لیے جاتے ہیں، خصوصاً رئیس دارالافتاء (جو بھی ہوں) کی نظروں سے تقریباً تمام فتاویٰ گذرتے ہیں جن پر وہ اپنے تصویبی کلمات اور دستخط ثبت کرتے ہیں جنہیں اصل ریکارڈ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ ملکی و بین الاقوامی اہم مسائل پر خود بھی اشارات کرتے تھے اور دیگر اساتذہ سے بھی مشورہ لیتے تھے اسی طرح جامعہ کے موجودہ مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ بھی فتاویٰ سے متعلق تمام خطوط اور ڈاک خود کھولتے ہیں اور فتاویٰ کو ان کی نوعیت واہمیت کے مطابق حضرات مفتیان میں تقسیم کرتے ہیں اور بعض پر اپنی رائے لکھ کر متعلقہ مفتی کو اپنے ساتھ مشاورت کرنے کی ہدایات دیتے ہیں۔

ان احتیاطی مراحل کی بناء پر ملک کی اکثر عدالتوں، خصوصاً صوبہ سرحد، شمالی علاقہ جات، قبائل اور ایجنسیوں میں زیر سماعت مقدمات کے بارے میں دارالعلوم حقانیہ ہی سے شرعی حل طلب کیا جاتا ہے، اور اس کی روشنی میں جج صاحبان قانونی تقاضوں کے تحت مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جامعہ ھٰذا کے شعبۂ دارالافتاء کے کام میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا، ابتداء میں دو ماہر مفتیان اس فریضہ کو سرانجام دیتے تھے، جب اس کام میں بہت زیادہ وسعت پیدا ہو گئی اور بیرونِ ملک سے بھی استفسارات کثرت سے موصول ہونے لگے تو اس کام کو نمٹانے کے لیے جلیل القدر مفتیان کرام اور معاونین کی تعداد بھی برابر بڑھتی رہی۔ اور جامعہ حقانیہ کے شعبۂ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے طلباء بھی دارالافتاء کے اس عظیم اور اہم

کام میں ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں ۔

فتاویٰ کا ریکارڈ

ابتداء ہی سے فتاویٰ کی نقول رکھنے کا اہتمام جامعہ ھٰذا میں موجود ہے اور اس کے لیے کئی محررین حضرات دارالافتاء سے جاری شدہ فتاویٰ کو رجسٹروں میں نقل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ بالمشافہ سوالات اور استفتاء کے جوابات کی فوٹو کاپیاں بھی ریکارڈ میں رکھی جاتی ہیں ۔

فتاویٰ کا یہ ریکارڈ درجنوں رجسٹروں اور ہزاروں صفحات کی فوٹو کاپیوں پر مشتمل ہے دارالعلوم حقانیہ سے تادمِ تحریر جاری شدہ فتاویٰ کی تعداد بلاشبہ ہزاروں سے متجاوز ہو چکی ہے ۔ یہ فتاویٰ فقہ، عقائد، حدیث، تفسیر، عصرِ حاضر کے جدید مسائل اور حوادث و نوازل کے احکامات پر مشتمل ہیں ۔

دارالافتاء کی اہمیت

دارالافتاء کا قیام تمام تر دینی مدارس میں اس خلوصِ نیت سے عمل میں لایا جاتا ہے کہ لوگ اپنے مسائل کا حل یہاں سے بلا فیس طلب کریں اور اپنے متنازعات بغیر کسی تاخیر اور ٹال مٹول کے ختم کراسکیں ۔

ہماری عدالتوں میں تنازعات اور مقدمات کے حل کا طریقہ کار کسی سے مخفی نہیں بلکہ ہزاروں، لاکھوں روپیہ وکلاء فیس، کورٹ فیس وغیرہ جیسے بارگراں کا کندھوں پر اٹھانے کا تحمل استطاعت سے باہر ہے، اور اس کے ساتھ طویل مدت تک تاریخوں اور پیشیوں سے گذر جانے کے بعد فیصلہ کا انتظار الگ کرنا پڑتا ہے اور نتیجہ پھر بھی دادرسی اور انصاف کی شکل میں بڑی رشوت اور مدعی و مدعیٰ علیہ کے مالی مقابلہ کے تابع ہوتا ہے ۔

اس کے برعکس دینی مدارس کے شعبۂ دارالافتاء میں تنازعات کے تصفیہ کے لیے نہ تو تاریخ پر تاریخ دی جاتی ہے، نہ کورٹ فیس وغیرہ کی لوٹ کھسوٹ ہوتی ہے، بلکہ اسلامی شریعت کے عادلانہ قانون کے مطابق انصاف مفت فراہم کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اسلام میں انصاف خریدنے اور بیچنے کی چیز نہیں ۔ اگر لوگ اس کو غنیمت جان کر اور شرعی حکم پر متفق ہو کر ان مراکزِ اسلامیہ کی طرف رجوع کریں تو لاکھوں پریشانیوں اور مصیبتوں سے بچ سکتے ہیں ۔ مگر افسوس کہ لوگ اپنی اَنا کی جنگ میں ہزاروں لاکھوں روپیہ برباد کر کے مختلف قسم کے سینکڑوں مسائل اور پریشانیاں سر پر اٹھا کر عدالتوں میں دھکے کھاتے رہتے ہیں، اس دوران ایک تنازعہ سے دیگر کئی تنازعات اور عداوتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں ۔

بحمداللہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا شعبۂ افتاء اس کام کو بخوبی سرانجام دے رہا ہے، روزانہ متعدد تنازعات کو فریقین کی باہمی رضامندی سے بہت ہی مختصر وقت میں حل کر دیا جاتا ہے اور فریقین بخوشی اس فیصلے کو قبول کر لیتے ہیں اور شریعت مطہرہ کی برکات سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔

فتوٰی میں احتیاط

فتوٰی نویسی اپنی نوعیت کا اہم منصب ہے اس میں احتیاط سے کام لینا نہایت ضروری ہے۔ اکابر علماء امت کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے تبحّر علمی کے باوجود کتاب دیکھ کر خوب تحقیق کرنے کے بعد سوال کا جواب بصورت فتوٰی دیتے تھے، کبھی کبھار بناء بر احتیاط جواب دینے سے گریز بھی کیا کرتے تھے۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ بھی اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے اس اہم ذمہ داری کی ادائیگی میں کافی احتیاط سے کام لیتا چلا آ رہا ہے۔

زیادہ اہمیت کے حامل فتاوٰی کے حل کے سلسلہ میں جامعہ ھٰذا کے علماء کا فل بینچ بیٹھتا ہے اور خوب غور وخوض کرنے کے بعد باہم متفق ہو کر مسئلہ حل کر دیتے ہیں۔

اختلافی مسائل، ملکی سیاسی مسائل اور متنازعہ مسائل میں بڑے استدلال سے فتوٰی جاری ہوتا چلا آ رہا ہے جن پر صدر دارالافتاء کی تصدیق ثبت ہوتی ہے۔ کسی شخص یا جماعت کی تکفیر یا تفسیق کے بارے میں حتی الامکان تمام تر تحقیقات کے بعد ایسا عمومی فتوٰی جاری کیا جاتا ہے کہ وہ حتی الوسع کسی مشخص فرد اور جماعت کے بارہ میں غلط استعمال نہ کیا جا سکے۔ اکثر استفتاء کے جواب میں کسی معتمد اور معتبر کتاب کا سہارا لیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایک سے زیادہ کتابوں سے حوالہ دینے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور بسا اوقات کثرتِ کار کی وجہ سے صرف ایک کتاب سے حوالہ دینے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جو سوالات ڈاک یا دوسرے ذرائع سے دارالافتاء کو موصول ہوتے ہیں، اگر سوال پوری طرح منقح نہ ہو، مبہم اور گول مول ہو جس سے صورتِ مسئولہ واضح طور پر سمجھ میں نہ آ سکے اور مستفتی اس سے غلط فائدہ اٹھانا چاہتے تو ایسے سوالات کو نظر انداز کر کے اس سے دوبارہ مسئلہ واضح طور پر لکھ کر بھیجنے کا کہا جاتا ہے۔

اہم اور متنازعہ استفسارات کی تنقیح کے لیے مبتلیٰ بہ یا فریقین کو سوال کی وضاحت کے لیے طلب کیا جاتا ہے، خصوصاً تنازعہ مسائل میں فریقین کی حاضری کے بغیر جواب

دینے سے گریز کیا جاتا ہے۔

فتاوٰی کی اشاعت

چونکہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اس محتاط شعبہ کے جاری شدہ فتاوٰی کی مقبولیت ہر خاص و عام کے دل میں جاگزیں ہو چکی تھی اور جامعہ حقانیہ کے فضلاء، دیگر علماء کرام اور عوام الناس کی خواہش اور تمنا تھی کہ ان فتاوٰی کا ایک مجموعہ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر افادۂ عام کا ذریعہ بنے اور ہر کوئی اس سے مستفید ہو۔ ان سب کے اس بے حد اصرار پر جامعہ کے ارباب اہتمام خصوصاً حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ) نے ان فتاوٰی کو جدید ترتیب اور تحقیق کے بعد باحوالہ کتابی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کام کے لیے آپ نے جامعہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کو منتخب کیا اور مفتی صاحب نے اپنی تدریسی اور افتاء کی مصروفیات کے باوجود اس بارِ گراں کو اپنے کندھوں پر اٹھانے کی ذمہ داری قبول فرمائی۔

فتاوٰی کی تحقیق و ترتیب

۱۴۰۹ھ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء قائم کیا تو اس وقت اس شعبہ کی تمام تر ذمہ داری حضرت جناب مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ کے سپرد ہوئی۔

شعبۂ تخصص کے آغاز سال سے جو طلباء درجۂ تخصص میں داخل ہوئے تو باہمی مشورہ سے ان طلباء کو اختتامی مقالہ کے طور پر جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے جاری شدہ فتاوٰی کی ترتیب و تحقیق اور تخریج کے لیے ایک خاص جُزء حوالہ کر دیا گیا، اور شعبۂ تخصص کے نگران استاذ کی نگرانی میں یہ طلباء کام کرتے رہے اور یہ سلسلہ تادم ایں تحریر جاری ہے۔ اس طویل اور انتہائی محنت طلب کام میں مندرجہ ذیل نشر کا شعبۂ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء نے حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کی زیر نگرانی اور اپنے وقت کے رئیس دارالافتاء و رئیس شعبۂ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں بھرپور حصہ لیا:۔

(۱) مولانا غلام قادر نعمانی صاحب، یکہ غنڈ، مہمند ایجنسی (۲) مولانا مسعود الرحمٰن صاحب، مانسہرہ (۳) مولانا فضل ہادی، بے سود۔ (۴) مولانا عمر شیر، گندھاب، مہمند ایجنسی۔ (۵) مولانا حسین احمد، جدون۔

(۶) مولانا جاوید اقبال کرک۔ (۷) مولانا محمد حنیف، معیار مردان (۸) مولانا عبدالولی، کنڑ افغانستان۔
(۹) مولانا حبیب حضرت ننگرہار افغانستان (۱۰) مولانا محمد عقیل سواتی (۱۱) راقم الحروف مختار اللہ، جہانگیرہ۔
(۱۲) مولانا محمد عارف۔ چارسدہ (۱۳) مولانا گوہر علی تنگی چارسدہ (۱۴) مولانا نجم الرحمن۔ تمبولک، مردان۔
(۱۵) مولانا ذاکر حسن مصری بانڈہ، نوشہرہ (۱۶) مولانا محمد اجمل۔ ڈومیل، بنوں (۱۷) مولانا نور الحق۔ بنوں
(۱۸) مولانا امام الدین مہدی۔ فرمان خیل، افغانستان (۱۹) مولانا عبدالحمید۔ نوشہرہ (۲۰) مولانا ارشاد احمد۔ مرغز، صوابی
(۲۱) مولانا محمد کمیل۔ تھموزئی، سوات۔ (۲۲) مولانا دلبر شاہ۔ ڈاگئی، صوابی (۲۳) مولانا محمد فرید۔ لیشوڑی، ہزارہ
(۲۴) مولانا گلزار احمد۔ سلیم خان، صوابی (۲۵) مولانا فدا محمد۔ لاہور، صوابی (۲۶) مولانا امداد اللہ۔ راولپنڈی،
(۲۷) مولانا حیات اللہ۔ شہروان، افغانستان۔

اس طرح ہر سال ایک خاص مجموعہ تیار ہوتا رہا، یہاں تک کہ حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ اپنے قائم کردہ مدرسہ جامعہ عثمانیہ پشاور تشریف لے گئے۔ ان کے بعد درجہ تخصص کے اساتذہ اور مشرفین کو تخصص کی نگرانی و تدریس کا موقع ملا، ان میں علامہ مولانا ڈاکٹر سید شبیر علی شاہ الحقانی المدنی (جو جامعہ حقانیہ کے فیضیافتہ، فاضل اور اب استاذ الحدیث ہیں) حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب، اور حضرت مولانا مفتی سیف اللہ صاحب حقانی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب کے جامعہ حقانیہ سے پشاور چلے جانے کے بعد فتاوی کی ترتیب کا کافی کام باقی رہ گیا تھا، مسائل کی تخریج تقریباً نصف باقی تھی، بعض مسائل میں حوالہ جات کی تخریج بھی نامکمل تھی، لہٰذا حضرت مفتی صاحب کے جامعہ ھٰذا سے جاتے وقت فتاویٰ کے حوالہ جات کی تصحیح اور اس پر نظرثانی کے لیے جامعہ کی انتظامیہ نے باہمی مشورہ سے راقم الحروف کا نام تجویز کیا، چنانچہ یہ اہم اور مشکل کام اس ناچیز کے حوالے کر دیا گیا۔

اگرچہ یہ بارگراں مجھ جیسے کمزور و ناتواں طالب علم کے لیے اٹھانا بہت مشکل تھا لیکن جامعہ کے مشفق اور اکابر اساتذہ کے زیر سایہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب الحج تک جب مقالہ جات پر نظرثانی کی گئی تو فی الجملہ ان میں کافی کمی پائی گئی، جسے محنتِ شاقہ کے بعد پورا کیا گیا۔ اس کے بعد بعض وجوہات کی بناء پر کچھ عرصہ کے لیے یہ کام معطل رہا۔

۱۹۹۷ء کو اس ناچیز کی دارالعلوم حقانیہ میں تقرری ہوئی تو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ کے حکم پر فتاویٰ کی ترتیب و تحقیق اور فتاویٰ حقانیہ کے مدوّنہ دفاتر سے مزید فتاویٰ کی

تخریج (جو مقالہ جات میں درج نہیں ہوئے تھے) کا کام اور اس کے ساتھ ساتھ کتابت کی نگرانی بھی سونپی گئی، کام اگرچہ مشکل اور ذمہ داری کا تھا مگر احقر نے اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کے باوجود حضرت مہتمم صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ جہاں جہاں مشکلات پیش آتی رہیں حضرت مہتمم صاحب اور جامعہ حقانیہ کے مشفق اساتذہ و مفتیان کرام سے مشورہ کرتا رہا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور ان حضرات کی راہنمائی سے کام آسان ہوتا گیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اپنی گوناگوں مصروفیات درس و تدریس، جامعہ حقانیہ کے اہتمام اور ملک بھر کی سیاسی تگ و دو کے ساتھ ساتھ اوّل سے آخر تک اس سارے کام کی ترتیب و تخریج و تبویب اور کتابت کی نگرانی کے لیے بھی وقت نکالتے رہے، اس سارے کام کی دیکھ بھال کے لیے احقر کی ان کے ساتھ کئی طویل نشستیں بھی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مساعی کو بار آور اور مقبول فرما کر ذخیرۂ آخرت بنادے۔ (آمین)

اس نئی ترتیب کا آغاز ۱۹۹۸ء میں ہوا تھا اور تین چار سال کے اس عرصے میں فتاوی کے مدونہ دفاتر کے نصف حصہ کی تخریج مع تحقیق و ترتیب (جو ترتیب کنندگان سے رہ گئی تھی) مرتب شدہ مقالہ جات کی نظر ثانی اور ان میں پائی گئی کمی کی تکمیل اور اس کے ساتھ جدید طرز پر حوالہ جات کی تحریراً تکمیل ہوئی۔ فتاوی کے مدونہ دفاتر سے مسائل کی تخریج و تحقیق کا کچھ حصہ ارباب جامعہ نے بعض شرکاء شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کو بطور مقالہ جات تفویض کیا جس کی نگرانی جامعہ نے راقم الحروف کے حوالہ کی، ان طلباء میں (۱) مولانا محمد وہاب منگلوری۔ سوات (۲) مولانا عبدالعزیز جہانگیروی (۳) مولانا سجاد احمد کتوزئی، چارسدہ کے اسماء شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان جملہ شرکاء شعبۂ تخصص کی مساعی کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے اور ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

طرزِ ترتیب اور خصوصیات

فتاوی دارالعلوم حقانیہ کی ترتیب کا انداز اور طریقۂ کار دیگر عصری فتاوی سے مختلف رکھا گیا ہے تاکہ عوام الناس کے ساتھ ساتھ علماء کرام اور مفتیان عظام کو مسئلے کا حل باحوالہ مل سکے۔ حوالہ جات کے سلسلہ میں صرف ایک کتاب پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ کئی کتابوں سے حوالہ جات نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ فتاویٰ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل طریقۂ کار پیش نظر رکھا گیا ہے:۔

(۱) فتاوی حقانیہ چونکہ سینکڑوں دفاتر اور ہزاروں فوٹو کاپیوں پر مشتمل تھا جن سے حتی الامکان تکرارات حذف کر کے فتاوی کو حتمی شکل دی گئی ہے۔

(۲) فتاویٰ کی اشاعت جدید اردو فتاویٰ کے طرز ترتیب پر کی گئی ہے جن میں کتاب العقائد، تفسیر، حدیث، بدعات و رسومات وغیرہ کا ذکر مقدم رکھا گیا ہے اور باقی فقہی ابواب کا ذکر قدیم طرز ترتیب کے مطابق رکھا گیا ہے، البتہ کتاب الکراہیۃ والاباحۃ کو بدعات و رسومات کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

(۳) جواب مختصر الفاظ میں مگر اس کے جامع و مانع ہونے کا لحاظ کر کے دیا گیا ہے۔

(۴) تمہیدی کلمات کو اکثر مقامات سے خارج کر دیا گیا ہے۔ ہر جلد کے ساتھ تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے جس کی وجہ سے مسائل کی تخریج میں سہولت رہے گی۔

(۵) ہر جواب کا حوالہ تلاش کیا گیا ہے اور ہر جواب کے دو تین حوالے تحریر کیے گئے ہیں، جواب کے ساتھ جواب دینے والے مفتی کا نام نہیں لکھا گیا کیونکہ بعض فتاویٰ میں مفتی کا نام نہیں مل رہا تھا مگر ہر مفتی کا تبحر علمی اور تفقاہت مسلم رہی، اس لیے تمام فتاویٰ کی نسبت مجموعی طور پر دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی طرف کی گئی۔

(۶) حوالہ جات کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ ایک حوالہ جواب کے ساتھ رکھا گیا ہے اور دو حوالے حاشیہ میں لکھ دیئے گئے ہیں مگر ان میں سے ایک حوالہ مع عبارت تحریر کیا گیا ہے جبکہ دوسرے حوالے کے لیے صرف کتاب کی جلد نمبر اور صفحہ نمبر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ حوالہ جات میں کتاب کا نام، جلد نمبر، صفحہ نمبر کے علاوہ باب و فصل ذکر کرنے کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قدیم و جدید نسخوں اور ایڈیشنوں کے اختلاف کی وجہ سے اصل مراجع کی طرف رجوع کرنے میں آسانی ہو۔

(۷) کوشش یہ کی گئی ہے کہ فتاویٰ کے جملہ مسائل اپنے متعلقہ ابواب میں اس کے ذیلی عنوانات کے تحت ذکر کیا جائے لیکن اگر کسی جگہ ایسا کرنا ممکن نہ رہا تو ہر کتاب کے آخر میں مسائل شتی کا عنوان دے کر اس کتاب سے متعلق مسائل اس میں درج کیے گئے ہیں۔

(۸) ہر کتاب میں جو ذیلی ابواب ہیں ان کو جلی حروف سے لکھ کر اس کے متعلقہ مسائل اسی میں لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ مسئلہ تلاش کرنے والے کے لیے آسانی ہو۔

(۹) دارالعلوم حقانیہ کے مؤقر جریدہ ماہنامہ "الحق" میں وقتاً فوقتاً حالاتِ حاضرہ سے متعلق جدید مسائل کے حل میں دارالعلوم کے مفتیان اور دارالافتاء کی جانب سے جو مضامین اور فتاویٰ شائع ہوتے رہے انہیں بھی مناسبت کی وجہ سے اپنے متعلقہ ابواب میں درج کر کے فتاویٰ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

بالخصوص موجودہ جدید مسائل، درپیش حادث و نوازل میں حضرت مہتمم صاحب کے تحریر کردہ یا اسمبلی میں پیش کردہ مباحث وغیرہ بھی شامل کئے گئے ہیں۔

اظہارِ تشکر راقم الحروف اول اس ذاتِ عالی کا شکر گذار ہے جس نے اس عظیم کام کی تکمیل کی ہمت عطا فرمائی اور پھر ان حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اس گراں قدر اور مشکل کام کی تصحیح اور پروف ریڈنگ میں حصہ لیا، ان میں مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب استاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ، مخدوم زادہ مولانا حافظ راشد الحق سمیع استاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور مدیر ماہنامہ الحق، جناب سراج الاسلام سراج صاحب، جناب پروفیسر محمد افضل رضا صاحب، جناب پروفیسر مفتی محمد الیاس صاحب خصوصی طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔

محترم جناب ابو عثمان محمد لطیف کیلانی صاحب (کاتب فتاویٰ حقانیہ) کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اردو محاورات کی تصحیح میں کافی معاونت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

ضروری گذارش اہلِ علم حضرات کی خدمت میں التجا ہے کہ اگر فتاویٰ حقانیہ کی تصحیح و درستی کے کام پر خاص توجہ دی گئی ہے مگر پھر بھی الانسان مرکب عن الخطاء والنسیان کے مطابق اغلاط کا کام رہ جانا ممکنات میں سے ہے، اس لیے اگر کسی قسم کی کوئی غلطی یا خامی کہیں نظر آجائے تو از راہِ کرم اس کی نشاندہی فرمائی جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے۔ تشکر

(مولانا مفتی) مختار اللہ حقانی
خادم شعبۂ تخصص و دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک (نوشہرہ)
۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

كتاب
العقائد
والفرق

کتاب العقائد والایمانیات

(ایمان اور عقائد کے مسائل واحکام)

اللہ تعالیٰ کی شان میں توہین آمیز کلمات کہنا

سوال:- ایک شخص نے کسی کے ساتھ ذاتی عناد کے باعث اللہ تعالےٰ کی شانِ عالیہ میں توہین آمیز کلمات بکے ہیں، اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یا اس کے اوامر ونواہی کے لیے گستاخانہ کلمات استعمال کرنا موجب کفر وارتداد ہے، تاہم اگر یہ شخص توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہے اور اگر شادی شدہ ہو تو توبہ کے بعد تجدیدِ نکاح کرنا بھی لازمی ہے۔

لما قال فی الهندیة : ویکفر اذا وصف الله تعالیٰ بما لا یلیق به او سخر باسم من اسماءه او بامر من اوامره او انکر وعده او وعیده -

(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۵۸ باب التاسع فی المرتدین) [۱]

قرآن مجید کی توہین موجب کفر ہے

سوال:- قرآن مجید کی اہانت کرنے والا انسان کافر ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- شعائرِ الٰہی میں قرآنِ مجید سب سے بڑا شعیرہ ہے اور اس کا احترام اور تعظیم مسلمانوں پر فرض ہے۔ قال الله تعالیٰ : وَمَنْ یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب۔ (سورۃ الحج آیت ۳۲) اور اس کی توہین واہانت سے کفر لازم ہوتا ہے۔

لما قال ملا علی القاری رحمه الله ، ومن استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوه مما یعظم فی الشرع کفر۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۶۸ فصل فی القرأة والصلوٰة)

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله ، فیکفر اذا وصف الله تعالیٰ بما لا یلیق به او سخر باسم من اسماءه او بامر من اوامره او انکر وعده او وعیده .... الخ

(البحر الرائق ج۵ ص۱۲۰ احکام المرتدین)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۸۳ کتاب الفاظ الکفر۔ الفصل الثانی۔

لہٰذا قرآن مجید کی توہین کرنے والے کو تجدید ایمان و نکاح ضروری ہے کیونکہ وہ اپنے فعلِ بد کی وجہ سے مرتد ہو جاتا ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ما یکون کفرًا اتفاقًا یبطل العمل والنکاح و اولادہ اولاد الزنا وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار و التوبۃ وتجدید النکاح۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۴۵ باب المرتد، مطلب جملۃ من لایقتل اذا ارتد) [۱]

کلمہ طیبہ کو گالی دینے والا کافر ہے

سوال: اگر کوئی شخص کلمہ طیبہ کو گالی دے تو ازروئے شرع اس شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جو شخص کلمہ طیبہ کو گالی دے تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ "کلمہ طیبہ" کو گالی دینا دینِ اسلام کے ساتھ استخفاف ہے اور استخفافِ دین موجبِ کفر و ارتداد ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ ویظھر من ھٰذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر بہ وان لم یقصد الاستخفاف لانہ لو توقف علیٰ قصدہ لما احتاج الیٰ زیادۃ عدم الاخلال بما مر لان قصد الاستخفاف مناف للتصدیق۔ (رد المحتار جلد۳ ص۲۲۲ باب المرتد قبل مطلب فی منکر الاجماع) [۲]

اسلامی نظام کو "فرسودہ نظام" کہنا کفر ہے

سوال:۔ اگر کوئی مسلمان ہوش و حواس کے قائم ہوتے ہوئے یہ اعلان کرے کہ "اسلامی نظام فرسودہ ہے" تو شریعت کی رُو سے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اللہ تعالےٰ نے اسلام کو قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات، امن و سلامتی کا نظام ٹھہرایا ہے، لہٰذا اس کو "فرسودہ نظام کہنا" شریعت کا

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: رجل یقرأ القرآن فقال رجل این چہ بانگ طوفان است فھٰذا کفر۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۵ ص۴۹۱ کتاب احکام المرتدین ... فیما یتعلق بالقرآن)

وقال الملا علی القاریؒ: من قال لا ادری صفۃ الاسلام فھو کافر۔ قال شمس الائمۃ الحلوانیؒ: فھٰذا رجل لا دین لہ ولا صلوٰۃ ولا صیام ولا طاعۃ ولا نکاح واولادہ اولاد الزنا۔

(شرح الفقہ الاکبر ص۲۶۷ فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱۲ ص۳۶۲ احکام المرتد۔

[۲] قال العلامۃ مُلّا علی القاریؒ:۔ من اھان الشریعۃ او المسائل التی لابد منھا کفر۔

(شرح الفقہ الاکبر ص۱۷۴ فصل فی العلم والعلماء)

استہزاء ہے اور بقائمی ہوش و حواس شریعتِ مقدسہ سے استہزاء کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ما کان دلیل الاستخفاف یکفر بہ وان لم یقصد الاستخفاف۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۱۱ باب المرتد) [۱]

شاتمِ رسول کی توبہ کا حکم

سوال:- اگر کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گالی دے اور بعد میں پشیمان ہوا اور توبہ بھی کرے تو ازروئے شریعت اس کی توبہ مقبول ہے کہ نہیں؟

الجواب:- جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر وحکمہ القتل۔
(رد المحتار ج۴ ص۲۳۲ باب المرتد۔ مطلب مہم فی حکم ساب الانبیاء)

تاہم اگر شاتمِ رسول اپنے اس فعل پر نادم ہو کر توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے اور تجدیدِ ایمان کے بعد دوبارہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

قال ابو الحسن علی بن الحسین اسعدیؒ: من سبّ رسول اللہ فانہ مُرتد ویفعل بہ مایفعل بالمرتد۔ (النتف فی الفتاویٰ ج۲ ص۶۹۴ باب المرتد)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ظاهر فی قبول توبتہ کما لا یخفیٰ۔
(منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج۵ ص۱۳۵ باب المرتد) [۲]

انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہنا

سوال:- ایک شخص کا یہ کہنا کہ انبیاء کرامؑ (نعوذ باللہ) گندے

---

[۱] قال العلامۃ مُلّا علی القاریؒ: ومن قال الشرع وامثالہ لا یفید فی ولا ینفذ عندی کفر۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۲۶۳ فصل فی العلم والعلماء)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۱۲ ص۳۵۳ احکام مُرتد۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: وان مذهب ابی حنیفۃؒ والشافعیؒ ان حکمہ حکم المرتد وقد علم ان المرتد تقبل توبتہ ویؤیدہٗ مانقلہ ھنا عن النتف۔ (رسائل ابن عابدین ج۱ ص۳۳۳ تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام)

نطفے سے پیدا ہوئے ہیں تو ایسا نازیبا کلمہ بولنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب: ہر مسلمان پر تمام انبیاء علیہم السلام کا احترام واجب ہے کیونکہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور معصوم بندے ہوتے ہیں اُن پر کوئی عیب لگانا یا ان کی شان میں بے ادبی کے کلمات بولنا موجب کفر ہے، مسلمان کو ایسے کلمات سے اجتناب کرنا لازمی ہے۔

لما قال العلامة ابن البزازؒ:۔ ولو عاب نبیاً کفر..... وقیل قال ان آدم علیہ السلام نسج الکرباس فقال نحن اذن اولاد الحائك یکفر۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۷ احکام المرتدین۔ الثالث فی الانبیاء) [۱]

صحبتِ صدیق اکبرؓ کا منکر کافر ہے

سوال: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر کافر ہے یا نہیں ؟

الجواب: حضرت ابوبکر صدیقؓ کا صحابیٔ رسول ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ : اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (سورة التوبة آیت ۴۰)

قال الامام الرازیؒ : ان الامة مجتمعة علیٰ ان المراد من [اذ یقول لصاحبه] هو ابوبکر۔ (تفسیر الکبیر ج ۱۶ ص۶۵ سورة التوبة)

اس لیے جو کوئی بھی آپؓ کی صحابیت کا انکار کرے فقہائے کرام نے اس کو کافر اور مُرتد قرار دیا ہے۔ [۲]

قال ابن عابدینؒ: نعم لاشك فی تکفیر من قذف السیدة عائشةؓ اوانکر صحبة الصدیقؓ الخ (ردالمحتار ج۴ ص۲۳۷ باب المرتد)

---

[۱] وفی الهندیة: ولو قال محمد درویشك بود او قال جامه پیغمبر ریمناك بود (ترجمہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان درویشاً او قال کانت ملابس الرسول قذرة او قال قد کان طویل الظفر فقد قیل یکفر مطلقاً وقد قیل یکفر اذا قال علیٰ وجه الاهانة۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۶۳، الباب التاسع فی احکام المرتدین)

ومثله فی التاتارخانیة ج۵ ص۴۸۱ احکام المرتدین فصل فیما یعود الی الانبیاء علیهم السلام۔

[۲] قال العلامة ملا علی القاریؒ:۔ فقد اجمعوا علیٰ ان من انکر صحبة ابی بکر الصدیقؓ کفر بخلاف انکار صحبة غیره لورود النص فی حقه حیث قال اللہ تعالیٰ: "اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" فاتفق المفسرون ان المراد بصاحبه هو ابوبکر الصدیق و فیه ایماء الی انه الفرد الاکمل من اصحابه حیث یحمل الاطلاق علیٰ بابه۔

(شرح الفقه الاکبر ص۱۰۱ تفضیل الخلفاء بعد الانبیاء)

سبِ شیخینؓ موجبِ فسق ہے

سوال : جناب مفتی صاحب! شیعہ حضرات شیخینؓ کو گالیاں دیتے ہیں تو کیا سبِ شیخینؓ سے کفر لازم آتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں گستاخی کرنا اور گالیاں دینا محققین علماء کے نزدیک کفر نہیں ہے البتہ فسق اور گمراہی ضرور ہے اور اس فعلِ بد سے توبہ لازم ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : اتفق الائمۃ علی تضلیل اھل البدع اجمع تخطئتھم وسب احدٍ من الصحابۃ وبغضہ لا یکون کفراً لکن یضلل۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۲۱ باب المرتد مطلب فی حکم سب الشیخین)[۱]

البتہ اگر کوئی شیخینؓ کی توہین کو حلال سمجھنے کا عقیدہ رکھے تو پھر کفر سے خالی نہیں۔

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ : لو استحل السب او القتل فھو کافر لا محالہ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۷۲)

امیرِ معاویہؓ کی شان میں گستاخی جائز نہیں ہے

سوال : بعض لوگ حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں زبان درازی کرتے ہیں اور ان کے مشاجرات کو اعلانیہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپؓ اہلِ بیتِ رسول کے دشمن تھے، تو ان باتوں کی شرعاً کیا حقیقت ہے؟ اور بحیثیتِ مسلمان آپؓ کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب: جتنی احادیث حضرت امیرِ معاویہؓ کے مناقب میں وارد ہیں وہ سب اس بات کی شاہد ہیں کہ آپؓ اجلہ صحابہؓ میں سے ہیں۔ عن عبد الرحمٰن بن ابی عُمیرۃ وکان من اصحاب النبی صلعم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لمعاویۃ اللّٰھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا واھد بہ۔

(ترمذی ج۲ ص۲۲۴ مناقب معاویہؓ بن ابی سفیانؓ)

اور ان کے درمیان جو مناقشات جاری ہوئے تھے تو وہ بظاہر اعتقادِ تصویب کے تھے۔

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ قال ابو منصور البغدادیؒ : واما معاویۃ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ الاخیار والحروب التی جرت بینھم کانت لکل طائفۃ شبھۃ اعتقدت تصویب انفسھا بسببھا وکلھم متأولون فی حروبھا ولم یخرج بذلک

---

[۱] قال العلامۃ مُلا علی القاری رحمہ اللہ : ان سب الشیخینؓ لیس بکفر کما صححہ ابو الشکور السالمی فی تمھیدہ وذلک لعدم ثبوت مبناہ وعدم تحقق معناہ فان سب المسلم فسق کما فی حدیث ثابت۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۷۱ الکبیرۃ لا تخرج المؤمن عن الایمان)

احدٌ منهم من العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا فی مسائل کما اختلفت المجتهدون فی مسائل ولا یلزم من ذٰلک نقص احد منهم۔ (مرقاۃ ج ۱۱ ص۲۷۲ باب مناقب الصحابۃ)[1]

صحابیتِ حسینؓ کا ثبوت

سوال:۔ بعض لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بوقتِ وفات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عمر پانچ سال تھی اور آپ نابالغ تھے، اسکے بارے میں وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب:۔ جمہور محدثین اور اربابِ فتویٰ کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جملہ فضائل و مناقب کے ساتھ صحابیت کا شرف بھی حاصل ہے، بلکہ تمام فضائل میں ام الفضائل صحابیت ہے اور ثبوتِ صحابیت میں کم سنی کو مانع سمجھنا کوئی قابلِ توجہ بات نہیں۔ عام محدثین کے نزدیک صحابی وہ کہلاتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو، خواہ کسی بھی عمر میں ہو۔ بعض علماء نے صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلوغ کی قید لگائی ہے لیکن جمہور محدثین کے نزدیک یہ قول ضعیف و مردود ہے، باقی بوقتِ وفاتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر کا پانچ سال ہونا قطعی اور یقینی نہیں بلکہ اس بارے میں سات سال تک کی روایات ملتی ہیں، اور سات سال کی عمر میں بچہ فہم و شعور کو پہنچ جاتا ہے بلکہ کتبِ حدیث میں آپ کی روایات اپنے نانا حضرتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے موجود ہیں اور محدثین نے ان کو معتبر قرار دیا ہے۔ لہٰذا کسی بھی صورت میں آپ کی عدمِ صحابیت کا قائل ہونا بے اصل و بے بنیاد ہے۔

لما قال الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اورآہ من المؤمنین فھو صحابی۔ (بخاری شریف ج ۱ ص۵۱۵ باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

وقال العلامۃ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ:۔ ومنهم من اشترط فی ذٰلک ان یکون حین اجتماعہ بالغًا وھو مردود لانہ یخرج مثل الحسین بن علیؓ ونحوہ من احداث الصحابۃ والذی جزم بہ البخاری ھو

---

[1] قال العلامۃ ابن تیمیۃ: ان ھٰذہ الآثار المرویۃ فی مساویھم..... والصحیح منہ ھم فیہ معذورون اما مجتھدون مصیبون واما مجتھدون مخطئون وھم مع ذٰلک لا یعتقدون ان کل واحد من الصحابۃ معصوم من کبائر الاثم وصغائرہ بل یجوز علیھم الذنوب فی الجملۃ ولھم من الفضائل والسوابق ما یوجب مغفرتہ ما یصدر منھم ان صدر۔ (شرح العقیدۃ الواسطیۃ ص۱۹۸ تفصیل مراتب القدم)

قول احمد والجمہور من المحدثین۔ (فتح الباری شرح البخاری ج ۳ ص ۷ فی باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلوٰۃ اللیل والنوافل) [1]

علماء دیوبند کو وہابی کہنے کا حکم

سوال: علماء دیوبند کے لیے وہابی کا لفظ استعمال کرنا کیسا ہے؟ نیز یہ لفظ کس فرقے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟

الجواب: علماء دیوبند کے متعلق لفظ "وہابی" کا استعمال بے بنیاد اور بے اصل ہے "وہابی" اصل میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے اور آپ حنبلی تھے جبکہ علماء دیوبند امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں، اس لیے ان کو غیر مقلد یا وہابی کہنا سراسر جہل اور تعصب ہے۔

عالم دین کی تحقیر کرنا موجب کفر ہے

سوال: علماء دین کو گالی دینا یا ان کو سکھ، ہندو، برہمن کی طرف منسوب کرنے سے انسان کافر ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ذاتی رنجش وعداوت یا دنیوی معاملات کی وجہ سے کسی کو گالی دینا موجب فسق ہے۔ لقولہ علیہ السلام: سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹ باب ماجاء فی الشتم) ہاں اگر کسی عالم دین کی اس کے علم کی وجہ سے تحقیر کرنا مقصود ہو تو فقہاء کرام نے ایسے شخص پر کفر وارتداد کا فتویٰ دیا ہے۔

لما قال العلامۃ طاہر بن عبدالرشید البخاریؒ: من ابغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۸۸ کتاب الفاظ الکفر)

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: قلت الظاہر انہ یکفر لانہ ابغض العالم من غیر سبب دنیوی او اخروی فیکون بغضہ لعلم الشریعۃ ولا شک فی کفر من انکر۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۷۳) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن کثیرؒ: فانہ من سادات المسلمین وعلماء الصحابۃ وابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی ھی افضل بناتہ وقد کان عابداً وشجاعاً وسخیاً۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۰۴ قبیل بحث واما قبر الحسین رضی اللہ عنہ)

وَمِثْلُہٗ فی المشکوٰۃ ص ۵۷۰ فی مناقب اھل بیت۔ وکذا فی المرقاۃ المفاتیح۔

[2] قال العلامۃ ابن البزاز الکردریؒ: وشتم العالم او العلوی لامر غیر صالح فی ذاتہ وعداوت لخلافہ الشرع لایکون کفراً ولا خطاءً۔ (فتاویٰ البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۳۷ الثامن فی الاہانۃ بالعلم)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۹۳ کتاب العقائد والکلام۔

اسی طرح کسی عام مسلمان کو سکھ، ہندو یا برہمن کی طرف منسوب کرنا بھی موجب کفر ہے۔

لما قال العلامة مُلّا علی القاریؒ: ومن قال یا کافر فسکت المخاطب کان الفقیہ ابوبکر البلخیؒ یقول یکفر ھٰذا القاذف ای الشاتم۔ الخ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۸۱ فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃ)

کسی مسلمان کو گدھا کہنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! کسی مسلمان کو گدھا کہنے سے آدمی کافر ہوتا ہے کہ نہیں؟

الجواب:۔ بلا کسی سبب کے کسی مسلمان کو قبیح چیز کی طرف منسوب کرنا جرم اور گناہ ہے، لیکن کسی مسلمان کو گدھا کہنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا ہے تاہم ایسا کہنے والا شخص قابلِ تعزیر ضرور ہے کہ حاکمِ وقت ایسے شخص پر تعزیر جاری کرسکتا ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ تعزیر نافذ کرنا صرف حکومت کے دائرۂ اختیار میں ہے، رعایا میں سے کسی کو قانون ہاتھ میں لے کر از خود تعزیر جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

قال العلامۃ قاضی خانؒ: رَجُلٌ قال لصالح یا فاسق یا حمار یا فاجر یا خبیث یا خنزیر ـــــ ذکر الناطفیؒ: ان علیہ التعزیر فی ھٰذہ الالفاظ۔

(فتاوٰی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج۳ ص۴۷۹ فصل فیما یوجب التعزیر)[1]

داڑھی رکھنے والوں کو گالی دینے والے کا حکم

سوال:۔ داڑھی رکھنے والے مسلمانوں کو کافر اور ان کو بُرا بھلا کہنے والے کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ داڑھی رکھنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبوب سنت نہیں بلکہ سنت الانبیاء ہے اور شعائر دینِ اسلام میں سے ہے، اس لیے داڑھی کی وجہ سے کسی مسلمان کی تحقیر کرنے اور اس کو بُرا بھلا کہنے سے ایمان زائل ہوجاتا ہے، لہٰذا اس قسم کے کلمات سے ایک مسلمان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔

لما فی الھندیۃ: ولو قال این چہ رسم است سبت بست کردن و دستار بزیر گلو آوردن

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: ان المسبوب من الاشراف کالفقہاء والعلویۃ یعزر لانہ یلحقھم الوحشۃ بذلک وان کان من العامۃ لا یعزر۔
(رد المحتار ج۴ ص۷۱ باب التعزیر۔ مطلب فی الجرح المجرد)

(ای ماھٰذہ العادۃ تقصیر الشارب وارخاء الطیلسان تحت الرقبۃ) فان قال ذٰلک علیٰ سبیل الطعن فی سُنّۃ رسول اللہ فقد کفر کذا فی المحیط۔

(فتاوٰی الھندیۃ ج۲ ص۲۶۵ الباب التاسع فی احکام المرتدین)

سنن اور نوافل کی توہین موجب کفر ہے

سوال: سُنن (رواتب) اور نوافل کو استخفافاً ادا نہ کرنا اور اس کو چوپڑ (پہاڑی زبان میں جانور کی دُم) کہنے والے کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب: سنن ہدٰی اور سنن مؤکدہ کا چھوڑنے والا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور استخفافاً چھوڑنا موجب کفر ہے لہٰذا اس قسم کے شخص کو اپنے اس قول سے توبہ اور ایمان کی تجدید کرنی چاہیئے۔[۱]

قال العلامۃ ابن عابدینؒ تحت (قولہ لو عامداً غیر مستخف) فلو غیر عامد فلا اساءۃ ایضاً بل تندب اعادۃ الصلوٰۃ کما قدمناہ فی اول بحث الواجبات ولو مستخفاً کفر لما فی النھر عن البزازیۃ: لولم یر السنۃ حقاً کفر لانہ استخفاف۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۷۴ مطلب سنن الصلوٰۃ)[۲]

بتوں کے تاجر اور ان کو تراشنے والے کو کافر کہنے کا حکم

سوال: فتاوٰی قاضیخان میں ہے (من رضی بکفر الغیر یعید کافر) تو اگر کوئی شخص بتوں کی خرید و فروخت یا ان کو تراشنے کا کام کرتا ہو تو کیا اس کو کافر کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: بتوں کو تراشنا یا ان کی خرید و فروخت کرنا نہ بت پرستی ہے اور نہ ہی اس سے بت پرستی پر رضامندی لازم آتی ہے، ایسے شخص کو کافر کہنا جہالت اور لاعلمی ہے فقہاء کی عبارات میں اسکے نظائر موجود ہیں۔

قال العلامۃ قاضیخانؒ: ولو استاجر رجلاً لینحت لہٗ اصناماً او لیزخرف لہٗ بیتاً بالتماثیل فلا اجر لہٗ۔ (فتاوٰی قاضیخان مع سراجیۃ ج۳ ص۱۸ کتاب الاجارات)[۳]

---

[۱] قال العلامۃ مُلّا علی القاریؒ: وقص رب من سنن الانبیاء فتقبیحہٗ کفر بلا اختلاف بین العلماء۔ (شرح فقہ اکبر ص۱۷۳)

[۲] وفی الھندیۃ: رجل ترک سنن الصلوٰۃ ان لم یر السنن حقاً فقد کفر لانہ ترکھا استخفافاً وان رآھا حقاً فالصحیح انہٗ یأثم لانہٗ جاز استحساناً کذا فی المحیط۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۱۱۳ الباب التاسع فی النوافل)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۲ لفظ القرآن اسم لنظم والمعنی۔

[۳] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو استاجر رجلاً لینحت لہٗ اصناماً او یجعل علی الثواب تماثیل والصبغ من رب الثوب لاشیٔ لہٗ۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۳ ص۱۵۱ کتاب الاجارات)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۴ ص۴۵۰ کتاب الاجارات۔

سنتِ نبوی کی توہین کرنا کفر ہے | **سوال**:۔ سنتِ نبوی کی توہین کرنے اور اس کے ساتھ استہزاء کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب کسی بھی عمل کا سنت ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے تو اس کی توہین اور تضحیک کرنا موجب کفر ہے۔

لما قال فی الهندیة : در روزِ عاشورا ریکے را گو یند کہ سرمہ دریں روز سنت است او گوید کار زنان و مخنثان بود کافر گردد ۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۶۵ الباب التاسع فی احکام المرتدین) [1]

نماز کی تحقیر کرنا | **سوال**:۔ ایک شخص کو کہا گیا کہ نماز پڑھ لے تو اس نے جواب میں کہا کہ نماز کوئی چیز نہیں اور نماز میں کیا رکھا ہے، تو نماز کے متعلق ایسے الفاظ کہنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز شعائر اللہ میں سے ہے اور واجب التعظیم عمل ہے، دینِ اسلام کا ایک اہم رکن ہے اس کے بارے میں ایسے تحقیر آمیز الفاظ کہنا موجب کفر ہے۔

لما قال فی الهندیة : او قال نماز میکنم چیزے بر سر نمی آید، او قال تو نماز کردی چہ بر سر آوردی ..... فهذا کله کفر کذا فی الخزانة المفتین ۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۶۸ احکام المرتدین) [2]

علماءِ کرام کے حق میں توہین آمیز کلمات بولنا | **سوال**:۔ ایک عالمِ دین کو بُرا بھلا کہنا اور اس کو بے دینی کی طرف منسوب کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ ایک عالمِ دین اور متبع شریعت شخص کی اہانت کرنا اور عدم تدین یعنی بے دینی

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : بل بالمواظبة علی ترك سنة استخفافاً بها بسبب انه فعلها النبی صلی الله علیه وسلم زیادة او استقباحها کمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه او احفار شاربه ۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد ۔

وَ مِثْلُهٗ فی شرح الفقه الاکبر ص۱۵۲ استحلال المعصیة صغیرة ..... کفر ۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ :۔ قلت ویظهر من هذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر به وان لم یقصد الاستخفاف ۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۳ ص۵۷۵ باب ما یکون کفراً من المسلم الخ ۔

کی طرف اس کی نسبت کرنا اگر دنیاوی یا کسی ذاتی عداوت کی بناء پر ہو تو اگرچہ یہ کفر و ارتداد تو نہیں ہے لیکن فسق اور عدم مروت ضرور ہے، البتہ اگر کسی عالم دین کے ساتھ کوئی ذاتی عداوت اور دشمنی نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ایک عالمِ دین، متبع شریعت ہے اور اس کی وضع قطع سنتِ نبوی کے عین مطابق ہے تو بناء بریں اس کی اہانت و تذلیل کرنا درحقیقت شریعتِ مطہرہ کی اہانت و تذلیل کے مترادف ہے اور شریعتِ مطہرہ کی اہانت اور اس کے ساتھ بغض و استہزاء موجب کفر ہے۔ لہٰذا کسی عالم دین کی اسکی دینداری کی وجہ سے توہین کرنا کفر کے مترادف عمل ہے ۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ وفی الخلاصة : من ابغض عالمًا من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر قلت الظاهر انه یکفر لانه اذا ابغض العالم من غیر سبب دنیوی او اُخروی فیکون بغضه لعلم الشریعة ولا شك فی کفر من انکر فضلاً عمن ابغضه ۔

(شرح الفقه الاکبر ص۲۶ فصل فی العلم والعلماء) [1]

مسجد کے متعلق نازیبا کلمات کہنا

سوال :۔ ایک شخص نے مسجد کے متعلق ایسے نازیبا کلمات کہے ہیں کہ انہیں الفاظ میں ادا نہیں کیا جاسکتا ایسے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ مسجد شعائر اللہ میں داخل ہے اور شعائر اللہ کی توہین بعض اوقات موجبِ کفر بنتی ہے اور گالی دینے سے زیادہ توہین اور کیا ہوگی! ایسے شخص پر کفر کا شدید خطرہ ہے، اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اپنے اس قول سے توبہ اور استغفار نہ کرے، تاہم کسی مسلمان کی طرف بلاتحقیق ایسے کلمات منسوب نہیں کرنے چاہئیں جو اس نے نہ کہے ہوں ۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمه الله : من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوه

---

[1] وقال فی الهندیة : فی النصاب من ابغض عالمًا من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر واذا قال لرجل مصلح دیدار وے ترین چنان است کہ دیدار خوک یخاف علیه الکفر کذا فی الخلاصة : اذا شتم عالمًا او فقیهًا من غیر سبب۔

(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۷۰ ومنها ما یتعلق بالعلم والعلماء)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۳۳۶،۳۳۷ الثامن فی الاستخفاف بالعلم ۔

مما يعظم فى الشرع كفر۔ (شرح الفقه الاكبر ص۲۵ فصل فى القرأة والصلوٰة) لـه[1]

ختمِ نبوت کا منکر کافر ہے

سوال:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے یا سنت یا مستحب؟ اور انکارِ ختمِ نبوت کفر ہے یا معمولی گناہ؟

الجواب:۔ عقیدۂ ختمِ نبوت بنصِ قرآن وحدیث فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء والمرسلین اور آپ کے لائے ہوئے دین کو خاتم الادیان سمجھنا فرض ہے، آپ کی ختمِ نبوت کا منکر اور آپ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا معتقد کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

قال الله تبارك وتعالىٰ: وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

عن ابى هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثلى ومثل الانبياء كمثل قصرٍ احسن بنيانه تُرِكَ منه موضع لبنةٍ فطاف به النظار يتعجبون من حسن بنيانه الا موضع تلك اللبنة فكنتُ اَنَا سددتُ موضع اللبنةِ ختم بى البنيان و ختم بى الرسل وفى رواية فانا اللبنةُ واَنا خاتم النبيين۔ متفقٌ عليه۔

(مشكوٰة ج۳ ص۱۶۰۱ حديث ۵۷۴۵) لـه[2]

حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے

سوال: عوام الناس میں حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی تھے یا ولی؟

---

[1] وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (من هزل بلفظ كفر) اى تكلم به باختياره غير قاصد معناه ..... لان التصديق وان كان موجوداً حقيقة لكنه زائل حكماً لان الشارع جعل بعض المعاصى امارة على عدم وجوده كالهزل المذكور ..... وبالجملة فقد ضم الى التصديق بالقلب او بالقلب واللسان فى تحقيق الايمان امور الاخلال بها اخلال بالايمان اتفاقاً كترك السجود بصنم وقتل نبى والاستخفاف به وبالمصحف والكعبة۔

(رد المحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد)

[2] قال العلامة مُلّا على القارىؒ: دعوى النبوة بعد نبينا صلى الله عليه وسلم كفر بالاجماع۔ (شرح الفقه الاكبر ص۲۰۳ فصل والكفر صريحاً وكناية)

شرعاً ان دونوں میں کون سے قول پر عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جمہور علماء اُمت حضرت خضر علیہ السلام کی نبوّت کے قائل ہیں اور آپ کی نبوّت پر قرآن مجید کی چند آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

قال العلامۃ القرطبیؒ: تحت قولہ تعالیٰ (وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا) والاٰیۃ تشھد بنبوتہٖ لان بواطن افعالہ لا تکون الّا بوحی وایضاً فان الانسان لا یتعلّم ولا یتّبع الّا من کان فوقہ ولیس یجوز ان یکون فوق النبی من لیس بنبی۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص۱۶)

قرآن مجید میں مذکور آپ کے افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی تھے۔ مثلاً بچے کا قتل کرنا وغیرہ، کیونکہ وحی الٰہی کے بغیر ایسا اقدام جائز نہیں۔

قال العلامۃ الآلوسیؒ: تحت قولہ (وَاٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا) والجمھور علی انھا الوحی وقد اطلقت علیٰ ذٰلک فی مواضع من القراٰن۔ (روح المعانی ج۱۵ ص۳۲۰)[1]

البتہ اگر کوئی ان کے نبی ہونے کا معتقد نہ ہو تو اس کو کافر نہیں سمجھا جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام قبل النبوۃ بھی معصوم تھے

سوال:۔ ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام سے نبوّت سے پہلے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہو چکا ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے جنّت میں قصداً گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور یہ شخص قرآن کریم کی آیت رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا... الخ پیش کرتا ہے بطور استدلال اور اس عقیدہ پر مُصر ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تمام اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی بھی قصداً جان بوجھ کر کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، نہ قبل از نبوّت اور نہ بعد از نبوت، البتہ بعض مواقع میں بشری تقاضے کی بناء پر بعض انبیاء سے بلا قصد سہوا و لغزش کا ارتکاب ہوا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے کوئی کام اللہ تعالےٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی و تقرب کے لیے کیا لیکن فی الواقع وہ کام اللہ تعالےٰ کی مرضی اور

---

[1] قال العلامۃ اسمٰعیل حقی البروسویؒ: وفی تفسیر ابن حیان والجمھور علی ان الخضر نبی وکان علمہ معرفۃ بواطن امور اوصیت الیہ۔ (روح البیان ج۵ ص۲۸۱ سورۃ الکھف پ۱۶)

وَمِثْلُهٗ فی عمدۃ القاری ج ۲ ص۶۰ باب ما ذکر فی ذھاب موسٰی فی البحر۔

منشاء کے خلاف نکلا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی حالت میں بھی اپنے برگزیدہ انبیاء کو اپنی منشاء کے خلاف کام پر برقرار نہیں رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً تنبیہ نازل فرماتے رہے، لہٰذا اس طرح کی لغزش وسہو انبیاء کی عصمت پر اثر انداز نہیں ہوتی اس لیے کہ حقیقت میں گناہ اس کو کہتے ہیں کہ بندہ جان بوجھ کر گناہ کو گناہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد پر کرے، اس قسم کی معصیت سے حضرات انبیاء علیہم السلام منزہ اور پاک ہیں۔ مخالفین نے جو قرآنِ پاک کی آیت عصیان وغوایت ظلم سے حضرت آدم علیہ السلام کا ارتکاب کبیرہ پر استدلال کیا ہے اور اس کو حقیقی عصیان و ظلم پر محمول کیا ہے، یہ قرآن پاک کی ایک دوسری آیت کے مخالف، ارشاد خداوندی ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۵) یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے قصداً و عمداً نافرمانی سے شجر ممنوعہ نہیں کھایا تھا بلکہ ہمارے وعدے کو بھول گئے تھے اور بھول کر بلا قصد ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔ دوسرا یہ کہ جو جتنا زیادہ مقرب و نزدیک ہوتا ہے اس کے خلاف اولیٰ کام کو بھی قابلِ عتاب سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں حسنات الابرار سیئات المقربین۔ اور لفظ ظلم سے دلیل پکڑنا بھی صحیح نہیں اس لیے کہ وضع الشیٔ فی غیر محلہ ظلم ہے اور یہ عام ہے، کبیرہ صغیرہ ترک اولیٰ وغیرہ۔ لہٰذا اس آخری معنیٰ پر محمول کرنا نصِ قرآن کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا جو شخص عصمتِ انبیاء کا قائل نہیں وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے البتہ احتیاط کی بناء پر اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ لوجود الاختلاف۔

لما قال ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاهری رحمه الله، و ذهبت جميع اهل الاسلام من اهل السنة والمعتزلة والنجارية والخوارج والشيعة الا انه لايجوز البتة ان يقع من نبی اصلاً معصية بعمد لا صغيرة ولا كبيرة وهو قول ابن مجاهد الاشعری شيخ ابن فورك والباقلانی المذكورين۔ قال ابو محمد وهذا قول الذی ندين الله تعالیٰ به ولا يحل لاحد ان يدين بسواه ونقول انه يقع من الانبياء السهو عن قصد و يقع فيهم ايضاً قصداً الشیٔ .يريدون به وجه الله تعالیٰ والتقرب به منه فيوافق خلاف مامراد الله تعالیٰ الا انه تعالیٰ لايقرهم علی شیٔ من هذين الوجهين اصلاً بل ينبههم علی ذلك ولا يدا ثرو وقوعه منهم ويظهر عز وجل

ذٰلک لعبادہ ولیبین لھم ۔ (الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج۳ ص۲ ھل تعصی الانبیاء)[۱]

لغزشاتِ انبیاء عصمت کے منافی نہیں

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انبیاء کرام سے بمقتضائے بشریت غلطی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر غلطی نہیں ہو سکتی تو بعض انبیاء کرام جیسے حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت زکریا علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو اس کو کس پر محمول کریں گے؟

الجواب:- انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ نہیں کرتے ہیں اور جو کچھ عمل ان سے سرزد ہو چکا ہے وہ از قسم لغزشات ہیں گناہ قصداً نہیں ہے، لغزشات و زلات کا صدور انبیاء کرام کی عصمت کے منافی نہیں، اس میں قصد اور ارادہ کا دخل نہیں رہتا۔

لما قال الامام الاعظم ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت رحمہ اللہ: والانبیاء علیہم السلام کلّہم منزھون عن الصغائر والکبائر وقد کانت منھم زلّات وخطیئات۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۵۷)[۲]

---

[۱] قال الامام ابوحنیفۃ رحمہ اللہ: والانبیاء علیہم السلام کلّہم منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح وقد کانت منہم زلات وخطیئات۔ وقال ملاعلی قاریؒ: تحت قولہ وقد کانت منھم زلات ای تقصیرات وخطیئات ای عثرات بالنسبۃ الیٰ مالھم من اعلی المقامات و سنی الحالات کما وقع لآدم علیہ السلام فی اکلہ من الشجرۃ علیٰ وجہ النسیان اوترک العزیمۃ واختیار الرخصۃ ظنا منہ ان المراد بالشجرۃ المنھیۃ المشار الیھا بقولہٖ تعالےٰ "ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ" ھی الشخصیۃ لا الجنسیۃ فاکل الجنس لامن الشخص بناء علی الحکمۃ الالٰھیہ لیظھر ضعف قدرۃ البشریۃ وقوۃ اقتضاء مغفرۃ الربوبیۃ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۵۷ الانبیاء منزھون عن الکبائر والصغائر)

وَمِثْلُہٗ فی شرح العقائد ص۱۳۹ (طبع خیرکثیر)

[۲] وقال ابومحمد علی بن احمد بن حزم الظاھریؒ: ونقول انہٗ یقع من الانبیاء السھو عن غیر قصد ویقع منھم ایضاً قصد الشیٔ یریدون بہ وجہ اللہ تعالیٰ والتقرب بہٖ منہ فیوافق خلاف مراد اللہ تعالیٰ الا انہٗ تعالیٰ لایقرھم علیٰ شیٔ من ھٰذین الوجھین اصلاً بل ینبھھم علیٰ ذٰلک۔ الخ (الفصل فی الملل والاھوا والنحل ج۳ ص۲ ھل تعصی الانبیاء)

وَمِثْلُہٗ فی شرح العقائد النسفی ص۱۳۹ طبع خیرکثیر۔

مسئلہ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے

سوال :۔ زید نے بکر کو قتل کیا، ایک دوست اس بات پر اڑا ہوا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ ازل سے دونوں کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا ۔ دوسرا دوست کہتا ہے ایسا نہیں! اگر تقدیر میں لکھا ہوتا تو انسان قاتل کیوں ٹھہرتا ہے ! یہ تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اس نے تو گناہ نہیں کیا اس کا حکم بجالایا ہے جو اللہ کو منظور تھا، اس لیے کہ یہ سب کچھ اس آدمی کے فعل کی وجہ سے ہے اور اس کی ساری ذمہ داری قاتل کے سر ہے اور یہ بات ازل سے ان دونوں کی تقدیر میں لکھی ہوئی نہیں ہوتی ہے ۔ ازراہِ کرم اس مسئلہ پر قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں ؟

الجواب :۔ تقدیر پر ایمان رکھنا فرض ہے کیونکہ عقیدۂ تقدیر ایمان کا ایک لازمی جزء ہے، اس کے بغیر مؤمن مومن نہیں رہ سکتا اور نہ اس کے بغیر کوئی عمل خدا کے ہاں مقبول ہو سکتا ہے قرآن وحدیث سے بلا کسی ابہام کے یہی ثابت ہے، اس کے خلاف کے لیے شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے خدا کے پاس جانے کے بعد اس پر کوئی سزا و جزا انہیں ملے گی اور بندے اس کے بارے میں مجبور محض ہیں۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بندوں کے اعمال و افعال اگرچہ بندوں سے تقدیرِ الٰہی کے تحت صادر ہوتے ہیں مگر ان پر بندے جزا و سزا کے مستحق ہیں اور ہونے چاہئیں، کیونکہ دنیا میں بندوں سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں تو وہ ان کے اپنے اختیار و ارادے سے صادر ہوتے ہیں۔ روزمرہ کے افعال پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ بندہ سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں ان میں وہ مجبور نہیں ہے جو بھی کام آپ لیں اس میں بندے کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ اسے کرے یا اسے چھوڑ دے، کرنے اور نہ کرنے پر کوئی مجبوری نہیں ہے، مثلاً کھانے پینے کی چیزیں روزمرہ ہم استعمال کرتے ہیں تو اس میں کوئی مجبوری نظر نہیں آتی، جب چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں، نہ کھانے پینے میں ایسی مجبوری ہے کہ چھوڑنے کا بالکل اختیار نہ ہو اور نہ چھوڑ دینے میں ایسی مجبوری پائی جاتی ہے کہ کھانے پینے کا اختیار بالکلیہ مفقود ہو۔ یہی حالت تمام ان افعال کی ہے جو بندوں سے صادر ہوتے ہیں، خواہ وہ دین کے اعمال ہوں یا دنیا کے معاملات، جائز کام ہو یا ناجائز، قتل ہو یا کوئی اور کام، ان میں سے کوئی بھی کام ایسا نہیں کہ جس میں انسان مجبور ہو کیونکہ مجبوری ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کام کا ایک پہلو (کرنا یا نہ کرنا) انسان کے بس میں ہو اور دوسرا

پہلو اس کے لبس ہی بس نہ ہو، مثلاً کرنے پر قدرت ہو اور نہ کرنے پر قدرت ہی نہ ہو، اسی کا نام مجبوری ہے اور اسی طرح کی مجبوری بندوں کے کسی فعل میں نہیں پائی جاتی ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بندوں کے تمام افعال اختیاری ہیں تو اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ اختیاری افعال کے ساتھ تعلق کا معنیٰ یہ نہیں کہ وہ افعال بہر حال لازمی طور پر صادر ہوں گے ورنہ پھر تو بندہ ان افعال میں مجبور ہو جائے گا بلکہ ان کے ساتھ تقدیر کے تعلق کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ ان افعال پر مصمم ارادہ کر کے باختیار خود اس کی طرف اقدام کر جائے تو وہ صادر ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کا ارادہ کر کے باختیار خود اس کی طرف اقدام نہ کرے گا تو وہ صادر نہ ہوں گے۔ تقدیر کے اس تعلق سے بندہ اپنے تمام افعال میں مجبور نہیں بن جاتا بلکہ مکمل خود مختار رہتا ہے، اور جب اس کو مکمل خود مختاری مل گئی تو جائز اور نیک اعمال پر اس کو اجر ملنا چاہیئے کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے اور حرام و ناجائز کاموں پر اس کو سزا ملنی چاہیئے کیونکہ پورے اختیار سے اس نے ارادتاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔

اب قتل کے معاملہ کو لیجیئے کہ زید نے بکر کو جب قتل کر دیا تو اس میں دو چیزیں ہیں۔ ایک بکر کی موت دوسری چیز زید کا مار ڈالنا، جسے ہم قتل کہتے ہیں۔ موت بھی تقدیر ہی ہے اور قتل بھی تقدیر ہی ہے۔ مگر موت کی تقدیر مُبرم (اٹل) ہے، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ بکر بہر حال اس ساعت میں مر ہی جائے گا یا کسی کے مار ڈالنے سے یا اپنی موت سے، اور قتل کی تقدیر مبرم نہیں بلکہ زید کے اختیار اور ارادے پر مُعلّق ہے، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ زید اگر اپنے اختیار سے بکر کے قتل کا ارادہ کر کے اقدام کرے گا تو قتل پایا جائے گا ورنہ نہیں، اب چونکہ زید قتل کے اختیار اور ارادے پر مجبور نہیں بلکہ خود مختار ہے، اس لیئے قتل اس ہی کا فعل شمار کر کے بکر کا وہ قاتل قرار دیا جائے گا۔ اور چونکہ زید کا یہ اختیاری فعل قانون کی رُو سے حرام بھی ہے، اس لیے اس سے وہ سزا کا بھی مستحق ہو گا تو قتل اس معنیٰ کے لحاظ سے تقدیر ہو کر ہی زید کا سنگین جرم قرار دیا جا سکتا ہے اور زید اس پر سزا کا مستحق گردانا جا سکتا ہے۔ جب یہ تحقیق آپ کو معلوم ہو گئی تو مذکورہ دو دوستوں میں سے ایک کا یہ کہنا کہ "یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور دونوں کی تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے"۔ بالکل درست ہے، لیکن اگر اس سے اس کا مطلب یہ ہو کہ قتل کی وجہ سے زید مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ قتل زید کا ایک اختیاری فعل ہے اور اختیاری افعال کے تقدیر ہونے سے ان کا جرم ہونا زائل نہیں ہوتا، جیسا کہ اس کی

تحقیق گذر گئی۔ اور دوسرے کا یہ کہنا کہ "یہ تقدیری نہیں ہے"، سراسر غلط ہے، اسے چاہیئے کہ اس سے توبہ کرے، تقدیر سے انکار کرنا اسلام کے ایک اجتماعی عقیدے سے انکار کرنا ہے جو قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: (۱) انا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (۲) خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (۳) وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ٥

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنة۔

(مشکوٰۃ ص باب الایمان بالقدر) [۱]

حیاتِ عیسیٰؑ کا عقیدہ نص قرآنی سے ثابت ہے

سوال:۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے یا دوسرے انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں؟ بحیثیت ایک مسلمان کے اس بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب:۔ تمام امتِ محمدیہ کا یہ منصوص اور بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ سلامت اٹھایا گیا ہے اور بعض فرائض کی انجام دہی تک زندہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۵۷) اور اسی طرح احادیثِ نبویہ بھی آپ کی زندگی پر ناطق ہیں۔

اخرج اسماعیل بن کثیرؒ: قال الحسنؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عیسیٰ لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۳۶۶ سورۃ النساء) [۲]

---

[۱] قال الامام الرازیؒ: قال القاضی: اما الاجل والرزق فهما مضافان الی اللہ اما الکفر والفسق والایمان والطاعة فکل ذٰلك مضافًا الی العبد فاذا کتب اللہ تعالیٰ ذٰلك فانما یکتب بعلمه من اختیار العبد وذٰلك لا یخرج العبد من ان یکون هو المذموم او الممدوح۔
(تفسیر الکبیر ج۹ ص۲۴ من یرد ثواب الدنیا)

[۲] قال الامام البخاریؒ: ان سعید بن المسیب سمع ابا هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم مقسطا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة۔
(صحیح بخاری ج۱ ص۲۹۶)۔ ومثله فی عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیه السلام۔

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق چند شبہات کا ازالہ

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم صبح و شام سنتے ہیں کہ اسلام یہ کہتا ہے اسلام وہ کہتا ہے، اور جب حوالہ پوچھا جائے تو کبھی کسی طبری، کسی ابن کثیر یا کسی غزالی کا نام بتا دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات مولانا رومؒ، بلھے شاہؒ تک کے حوالے پیش کیے جاتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ کسی بات کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے لیے کسی انسان کے منہ کی بات دلیل نہیں ہو سکتی ہے، خدا اور رسول کے علاوہ کسی کو حوالے کے طور پر پیش کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اسلاف کا خیال و مقال جزء اسلام نہیں ٹھہرایا جاسکتا، کیونکہ عہدِ رسالت میں دین کامل ہو چکا ہے، براہ کرم درج ذیل سوالات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل فرما کر عند اللہ ماجور ہوں:۔

(۱) مریم سلام اللہ علیہا صاحبِ حال ہیں، اچھا تو یہ تھا کہ وہ خود فرماتیں: وُلِدُتُ وَلم اتزوج۔

(۲) کیا کبھی عیسیٰ علیہ السلام نے خود اقرار کیا ہے: ولدتنی اُمی مریم الصدیقة ولم تتزوج۔

(۳) کیا قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر ہے کہ: ولدتہٗ مریم ولم تتزوج۔

(۴) کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ فرمایا ہے کہ مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر نکاح جنا ہے۔

(۵) یا کبھی یوں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت میں باپ کا کوئی تعلق نہیں۔

اگر ان سب صورتوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر بتایا جائے کہ مسلمانوں میں یہ نظریہ کب سے رائج ہے اور سب سے پہلے کس نے اس کا اظہار کیا ہے؟ نیز بغیر نکاح کے حمل کی کیا حقیقت ہے؟

کیا ہر نبی علیہ السلام کا حلال نکاح سے پیدا ہونا لازم تھا؟ جیسا کہ طبرانی میں ارشادِ نبوی ہے۔ کہ میرے سلسلۂ نسب میں کوئی بھی بغیر نکاح کے پیدا نہیں ہوا ہے، جس قدر بھی انبیاء نبوت سے سرفراز ہوئے سب شریف النسب اور نجیب الطرفین تھے۔

اگر عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اعتقادیات اور ایمانیات سے ہے تو پھر اس کا ثبوت اہلِ فن کے نزدیک متواتراتِ صریحہ سے لازم ہے اور استدلالات پر اس کا ثبوت درست نہیں۔ ہاں عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا ثبوت میرے ذمہ نہیں بلکہ نظامِ الٰہی میں یہ طے شدہ ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے اور کلامِ الٰہی میں بھی اصل ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی۔ (سورۃ الحجرات ۱۳) وَبَثَّ مِنْهُمَا

رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً۔ (سورۃ النساء آیت ۱) بچہ میاں بیوی دونوں سے ہوتا ہے صرف احدالزوجین سے نہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے: وکانت النفخة التی نفخها فی درعها فنزلت حتی ولجت فرجها بمنزلة نکاح الاب الام۔ (تفسیر ابن کثیر)
جبریلؑ نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں جو پھونک ماری تھی وہ اس طرح ان کی فرج میں داخل ہوئی جس طرح کسی کا باپ حمل ٹھہرانے کے لیے اس کی ماں سے میل ملاپ کرتا ہے۔

آپ لوگ تو اس عبارتِ محولہ کو مانتے ہیں جبکہ میں اس سے انکار کرتا ہوں کیونکہ یہ فعل ملائکہ کا نہیں بلکہ شوہر کا ہے، مجھے ہم جنس شریف انسان کو باضابطہ شرعی نکاح سے باپ ٹھہرانا پسند ہے جبکہ آپ لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کے متعلق لوگوں نے من گھڑت عقیدے بنا رکھے ہیں، کسی نے بلا نکاح کے باپ ٹھہرایا، کسی نے غیر جنس فرشتے کو باپ ٹھہرایا۔ **خلاصہ** یہ ہے کہ باپ کا کوئی منکر نہیں ہم جنس اور نکاح کا انکار ہے' اور یہ سارے عقیدے شریعت کے خلاف ہیں، میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہم جنس مسلمان پاکباز سے نکاح مان کر باپ ٹھہراتا ہوں چاہے عیسٰیؑ ہوں یا کوئی دیگر بنی آدم میں سے ہو۔ جو کوئی بھی نبوت سے سرفراز ہوا ہے وہ شریف النسب اور نجیب الطرفین ہے، کسی نبی کا نسب اس کے معاصروں کے نزدیک اندھیرے میں نہیں ہوتا؟

الجواب:۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے باپ کے ثبوت کے لیے جتنے مقدمات آپ نے بیان کئے ہیں وہ تمام باطل اور استدلالات غلط اور ناقص ہیں۔ عیسٰی علیہ السلام کے بن باپ ہونے کے لیے قرآن مجید کی یہ ایک آیت ہی کافی ہے: وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا ہ (سورۃ مریم آیت ۲۰) اس میں حرام و حلال دونوں قسم کے جماع کی نفی ہے، نیز اس آیت کے سیاق و سباق سے خارق العادت طور سے پیدا ہونا بھی ظاہر ہے۔

مہاتما بدھ کے متعلق عقیدۂ نبوت درست نہیں ہے

سوال:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:
(۱) لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ (سورۃ الرعد آیت ۷)۔ (۲) وَمَا مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ہ (پ ۲۲)
ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کے لیے کوئی نہ کوئی پیغمبر آیا ہے تو ہندوستان میں بھی کوئی پیغمبر آیا ہوگا، جبکہ مہاتما بدھ کی تعلیمات بھی انبیاء کرام کی تعلیمات کے مطابق ہیں، تو کیا اس کو بھی نبی ماننا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مذکورہ بالا آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی قوم یا امت ایسی نہیں گذری ہے جس میں ہادی (راہ بتلانے والا) نذیر (ڈرانے والا) نہ آیا ہو، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلطی ہے کہ جو بھی مذہبی راہنما دنیا میں گذرے ہیں وہ پیغمبر ہی ہوں۔ گتے ا کہ "مہاتما بدھ" بھی نبی بن سکے۔

گذشتہ اقوام کے نبیوں کے بارے میں اسلامی شریعت کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ جن انبیاء کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی تصریح نہ ہو تو ان کے متعلق ہم اجمالی طور پر یہ عقیدہ رکھیں گے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے وہ نبی ہوگا اور جس کو یہ منصب نہیں ملا وہ نبی نہیں اگرچہ اس کی تعلیمات شرائع آسمانی کے مطابق ہی کیوں نہ ہوں، زیادہ سے زیادہ اگر اس کے بارے میں کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہ یہ کہ اس کی تعلیمات اگر شرک سے پاک اور توحید پر مشتمل ہوں تو وہ ایک نیک آدمی ہوگا۔ **الحاصل:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بجز ان حضرات کے جن کی نبوت پر قرآن وحدیث میں تصریح کی گئی ہو کسی دوسرے شخص کے بارے میں خصوصی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نبی ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نبی نہیں، احتمال ہے کہ نبی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی نہ ہو۔

باقی رہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا معاملہ تو اس کے متعلق اسلام کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تا قیامت کسی شخص کو کسی قسم کی نئی نبوت نہیں مل سکتی، خواہ وہ تشریعی ہے یا غیر تشریعی! اور جس کسی نے بھی نئی قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ کافر ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا اور جو بھی اس کو نبی مانے گا وہ بھی کافر ہوگا۔

قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ قال الموفق فی "المغنی": ومن ادعی النبوۃ او صدق من ادعاها فقد ارتد لان مسیلمۃ لما ادعی النبوۃ فصدقه قومه صاروا بذلك مرتدین۔ الخ
(اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۵۹۸ من ادعی النبوۃ او صدق من ادعاها) [1]

---

[1] وقال الشیخ المفتی محمد شفیع رحمه الله: اس لیے اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی ورسول پیدا ہوا ہو البتہ دعوتِ رسول کے پہنچانے اور پھیلانے والے علماء کا کثرت سے یہاں آنا بھی ثابت ہے۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۱۶۴ تحت الآیۃ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ٥)

عقیدۂ حیاتِ انبیاء علیہم السلام کا ثبوت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن و حدیث اور اجماعِ اُمت کا متفقہ فیصلہ کیا ہے، دلائل و براہین سے وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تمام اہلِ سنت والجماعت اور جملہ اکابرین علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفاتِ موعود کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدانِ مقدسہ بعینہٖ محفوظ و مامون ہیں اور جسدِ عنصری کے ساتھ عالمِ برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے جو حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے، فرق صرف یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن فطرتی تقاضے کی بناء پر مشغول بالعبادت ہیں، اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے قریب جو درود و سلام پڑھا جائے اس کو آپؐ بلا واسطہ سُنتے ہیں اور یہی تمام محدثین و متکلمین اہلِ سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے، اکابر علماء دیوبند کے مختلف رسائل میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مستقل تصنیف حیاتِ انبیاء پر "آبِ حیات" کے نام سے موجود ہے، حضرت مولانا خلیل احمد جو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ راشد ہیں اُن کی تالیف "المہند علی المفند" بھی قابلِ دید ہے۔ اس کے علاوہ "حیاتِ انبیاء کرام" مرتبہ مفتی سید عبدالشکور صاحبؒ مطالعہ کے لیے مفید ہے۔ مسئلہ ھٰذا پر چند دلائل ملاحظہ ہوں:۔

وعن انس بن مالك رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔ مسند ابی یعلی (جامع الصغیر ص ۱۰۳ وصححه ابن حجر فی فتح الباری ص ۱۳، والقاری فی مرقاة ج ۲ ص ۲۱۲ وفیض الباری ج ۲ ص ۶۴ باب رفع الصوت، کتاب الصلوٰة۔

قال الله تعالیٰ: ولا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ رکوع ۲)

جب شہید کے لیے وقوعِ قتل کے باوجود یہ حیاتِ طیبہ حاصل ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لیے اس سے بھی ارفع اور اعلیٰ حیات بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگی۔ یہ آیت دلالۃ النص کے اعتبار سے انبیاء کرام کی حیات بعد الوفات پر ایک واضح دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ قاضی شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔ ورد النص فی کتاب الله فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون وان الحیاة فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالانبیاء

والمرسلین ۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۲) لہ

سوال:۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ "ابلیس کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے" | **حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوقات سے زیادہ ہے**

زیادہ ہے۔" درست ہے کہ نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو پھر "البراہین القاطعہ" میں جو اس کا دعویٰ کیا گیا ہے تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟

الجواب:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم کا اتنا حصہ دیا ہے کہ پوری کائنات میں کوئی بھی آپ کے علم کی برابری تک کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ بطورِ مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ اوّلین و آخرین کے تمام علوم جو شانِ نبوت کے مناسب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا مجموعی حصہ آپ کو عطا فرمایا ہے۔ رہی "البراہین القاطعہ" کی بات تو وہ اپنی جگہ بجا اور درست ہے کہ "شیطان کا علم حضورؐ سے زیادہ ہے" سے مراد علمِ غیر نافع ہے، اور علمِ غیر نافع شیطان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے، کیونکہ آپؐ نے خود اس قسم کے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم انی اعوذ بك من علمٍ لا ینفع وقلب لا یخشع ۔ (ابی مع الترمذی ج ۲ ص ۱۸۶ کتاب الدعوات - باب ماجاء فی جامع الدعوات)

اور یہی علم اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور شرف و اکرام کا باعث نہیں ہے۔

اور جو کوئی علمِ نافع شیطان کے لیے زیادہ ثابت کرنے کی کوشش کرے تو اس کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

وان سیدنا وشفیعنا محمد اعلم الخلق وافضلھم جمیعًا فمن سوّی بین علمہ صلی اللہ علیہ وسلم والصبی والمجنون او علم احد من الخلائق اوتفوہ بان ابلیس اللعین اعلم منہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو کافر ملعون لعنۃ اللہ علیہ ۔ (امداد الفتاوی ج ۶ ص ۳۲۷ کتاب العقائد والکلام)

لہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من صلّی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیًا ابلغتہ ۔ (المشکوۃ المصابیح ص ۸۷ فی باب الدعاء فی التشھد فی الفصل الثالث)۔

ومثلہٗ فی سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۷ باب تفریع ابواب الجمعۃ ۔

جمیع مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے

سوال:- اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن کا علم دیا گیا ہے اور آپؐ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے کا شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:- علمِ غیب کلی اور علمِ محیط اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے ساتھ علمِ غیب ہے اور نہ ہی علمِ محیط ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علمِ غیب کلی نہیں تھا بلکہ بعض مغیبات کا علم آپ کو بذریعہ وحی عطا کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے تو بعض مغیبات کی اس کو اطلاع کر دیتے ہیں، اس بات کا اعلان آپؐ کی زبان مبارک سے یوں کرایا :-

(۱) قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللہ ۔ (سورۃ النمل آیت ۶۵)

(۲) وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۸۸)

لہٰذا ہمارے نزدیک حق بات بھی یہی ہے کہ یہی علم اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے علم کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ نصِ قطعی کا مخالف ہے اس لیے ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے، اس کو تجدیدِ ایمان اور اگر شادی شدہ ہو تو تجدیدِ نکاح بھی لازم ہے۔

لما صرح بہ ملا علی القاری رحمہ اللہ : فا لعلم بالغیب[۱] امر تفرد بہ سبحانہ وتعالیٰ ولا سبیل للعباد الیہ الا با علام منہ والہام بطریق المعجزۃ او الکرامۃ او الارشاد الی الاستدلال با لامارات فیما یمکن فیہ ذٰلک ولہٰذا ذکر فی الفتاوٰی ان قول القائل عند رویۃ ھالۃ القمر ای دائرتہ یکون مطر مدعیًا علم الغیب لا بعلامۃ کفر ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۱ تصدیق الکاھن بما یخبر)

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : واما ما وقع بعض الخواص کا لانبیاءِ والاولیاءِ بالوحی اوالالہام فھو باعلام من اللہ فلیس مما نحن فیہ قلت وحاصلہ ان دعوٰی علم الغیب معارضۃ لنص القرآن فیکفر بہا ۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۴۳ باب المرتد، مطلب فی دعوی علم الغیب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نور نہیں

سوال:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں یا نور ؟ اور قرآن مجید میں جو جا بجا آپ کیلئے نور کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اُن کا معنیٰ کیا ہے، وضاحت سے بیان کریں ؟

الجواب :۔ اہل سُنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں لیکن یہ نور دو معنوں میں آتا ہے ، ایک یہ کہ کیفیۃ ظاهرةٌ بنفسها مظهرٌ لغيره ۔ اور دوسری یہ کہ عالم عناصر کی کیفیات و آثار مخصوصہ سے علیحدہ ہو کر ہوا کی طرح غیر مرئی ہو۔ اہل سُنت والجماعت کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بمعنی اوّل ہیں بمعنی ثانی نہیں۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمعنی ثانی نور ہیں اور بالکل ہی بشر نہیں ہیں اور دلیل میں سورۃ المائدہ کی یہ آیت پیش کرتے ہیں : لَقَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ اور یہ حدیث بھی دلیل میں لاتے ہیں : اوّل ما خلق الله نوری ۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں بھی فرمایا ہے ، واجعلنی نورًا ۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلقت کے اعتبار سے بشر ہیں اور قرآن حکیم آپ کی بشریت پر گواہ ہے :۔

(۱) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۝ (سورۃ کہف آیت ١١٠)
(ترجمہ) تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم، حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے یعنی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں خدا نہیں ۔

(۲) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹۴)۔ (ترجمہ) "اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے ، جب پہنچی ان کو ہدایت مگر کہنے لگے کہ اللہ نے بھیجا آدمی پیغام دے کر۔"

اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت سب کی نظروں میں مسلّم تھی تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا : قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (سورۃ الاسراء آیت ۹۵) اگر زمین پر رہنے والے فرشتے ہوتے تو ہم ان کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے، مگر چونکہ زمین پر رہنے والے لوگ بنی آدم ہیں اسلئے ہم نے ان کی راہنمائی کے لیے بنی آدم کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ افادہ و استفادہ آسان ہو۔

(۳) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (سورۃ آل عمران آیت ١٦٤)

مِنْ اَنْفُسِهِمْ میں اس کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرح بشر ہیں فرشتوں کی طرح نور نہیں۔
سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے : كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ (آیت ۱۵۱) مِنْكُمْ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نور نہیں ہیں۔
بعض مقامات پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں لفظ نُوْر استعمال ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق مجازاً ہے، اس معنیٰ پر کہ النور کیفیۃ ظاهرۃ بنفسها مظهر لغیرها ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظاہر بنفسہا اور بالصفت جو کہ نبوّت ہے اور مظہر ملحق ہے۔ اور حدیث اوّل ما خلق اللہ نوری کا جواب یہ ہے کہ بشرطِ صحتِ حدیث اس میں بھی نور کا اطلاق مجازاً ہے۔
قال اسماعیل بن کثیر رحمه الله : تحت قوله "مِنْ اَنْفُسِهِمْ" ای من جنسهم لیتمکنوا من مخاطبته وسواله ومجالسته والانتفاع به ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۴) [1]

یا محمد اور یا رسول اللہ کہنا

سوال: یا محمد اور یا رسول اللہ کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: یا محمد اور یا رسول اللہ درود و سلام کے ساتھ پڑھنے والا اگر یہ سمجھ کر نداء کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری آواز بذاتِ خود ہر وقت اور ہر جگہ سنتے ہیں یا یہ کہ بنفسِ نفیس خود مجلسِ درود میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو یہ ندا ناجائز بلکہ موجب کفر ہے اس لیے کہ یہ صورتیں غیر اللہ کے لیے علمِ غیب کو ثابت کرنے کی متضمن ہیں، اور علمِ غیب اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی صفتِ خاصہ ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفاتِ مختصہ بذاتہٖ یا عبادت میں کسی غیر خدا کو شریک کرنے کا نام شرک ہے۔ کما هو مصرح فی کتب الکلام۔
ومنها ما قال العلامة مُلا علی القاری رح : وبالجملة العلم بالغیب امر تفرد به سبحانه وتعالیٰ ولا سبیل للعباد الیه الا باعلام منه والهام بطریق المعجزة والکرامة والارشاد

---

[1] قال العلامة الزرکشی رحمه الله : بانه صلی الله علیه وسلم سراج ونور کالشمس فی هذا العالم مثال نوره فی العوالم کلّها مثل نور الشمس فکما ان الشمس یردّها من المشرق الی المغرب فی ساعة واحدة وبصفات مختلفة کذٰلك هو صلی الله علیه وسلم ۔ (قطب الارشاد ص ۳۹۱ المقصد السادس فی الصلوٰة علی النبیؐ ۔ الفصل الثالث)

الی الاستدلال بالامارات فیما یمکن فیہ ذٰلک ..... وذکر الحنفیۃ تصریحًا بالتکفیر باعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہٖ تعالیٰ: "قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ" (شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۱ حکم تصدیق الکاهن الخ)

قال العلامۃ ابن البزاز رحمہ اللہ: وعلیٰ ھٰذا قال علماءنا من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۲۶ الثانی فیما یتعلق باللہ)

اور اگر مذکورہ بالا عقیدہ نہیں ہے بلکہ محض تخیل کے طور پر شاعرانہ اور عاشقانہ انداز میں خطاب کرتا ہے تو یہ صورت فی ذاتہ جائز ہے جیسا کہ اہلِ معانی و بلاغت نے بیان کیا ہے کہ بعض اوقات معدوم کو موجود فرض کر کے یا غیر حاضر کو حاضر فرض کر کے خطاب کیا جاتا ہے اور یہ ایک نوع بلاغت ہے جو قرآن پاک میں بھی بکثرت موجود ہیں، اشعار اور نظم میں یہ نوع بلاغت بلاکسی نکیر کے تمام علماءؒ کے نزدیک جائز ہے، بلکہ خود بڑے بڑے علماء کا معمول رہا ہے اور اس میں درحقیقت کسی باطل عقیدہ کا دخل نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنا محبت کے آثار میں سے ہے، لہٰذا فرطِ محبت میں اور ذوق میں اگر بلا عقیدہ حاضر ناظر کے کلماتِ خطابیہ بولے تو کوئی مضائقہ نہیں البتہ موہم معنیٰ شرک ہونے کی وجہ سے مجالس و مجامع میں پڑھنا ناجائز ہے اس لیے کہ اس سے عوام الناس کا عقیدہ خراب ہوتا ہے اور شرعًا ایسا لفظ یا فعل جو مفضی الی القبح ہو منع ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کو جو کہ پکے اور سچے مسلمان تھے لفظ "راعنا" بولنے سے منع فرمایا حالانکہ صحابۂ کرامؓ معنیٰ قبیحہ مراد نہیں لیتے تھے۔ قال اللہ تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۴)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فینبغی او یجب التباعد عن ھٰذہ العبارۃ (ای موھم المعنیٰ الشرک)۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۴۹ باب المرتد)

البتہ بلا درود وسلام یا محمد، یا رسول اللہ کہنا کسی صورت میں جائز نہیں، اس لیے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی باطل عقیدہ علمِ غیب، حاضر ناظر استمداد وغیرہ کا نہ بھی ہو تب بھی ناجائز ہے، اور اگر کوئی کفر و شرک کا اعتقاد بھی ہو تو پھر ہلاکت در ہلاکت ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ قرآنِ کریم کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۔ (الحجرات ۵) کے شانِ نزول میں اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ آدابِ نبوت سے ناواقف دیہاتی لوگ آکر حجرۂ نبوی کے پیچھے کھڑے ہو کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا محمد و فی روایۃ یا رسول اللہ کے ساتھ آوازیں دینے لگے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناگواری ظاہر فرما کر جواب نہ دیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ آیت اقرع بن حابس التیمی کے متعلق نازل ہوئی جو حجرہ مبارکہ کے باہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں الفاظ یا محمد یا محمد وفی روایۃ یارسول اللہ زور زور سے آوازیں دے رہا تھا، لہٰذا جن الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حینِ حیات میں پکارنا منع کیا گیا تو بعد الوفات ان الفاظ سے پکارنا کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

لما قال العلامۃ ابن کثیرؒ: وقد ذکر انھا نزلت فی الاقرع بن حابس التمیمی فیما اوردہ غیر واحد۔ قال الامام احمد فی سندہ حدثنا عفان تذکر السند عن الاقرع بن حابس انہ نادیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمد یا محمد وفی روایۃ یارسول اللہ فلم یجبہ الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۷ سورۃ الحجرات)

وقال فی تفسیر القرآن العظیم: تحت قولہ تعالیٰ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ الخ" وقد ذکر انھا نزلت فی الاقرع بن حابس التمیمی فیما اوردہ غیر واحد قال الامام احمد حدثنا عفان تذکر السند عن اقرع بن حابس التمیمی انہ نادیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمد یا محمد وفی روایۃ یارسول اللہ فلم یجبہ الخ۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۴ ص ۲۱۹) [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا محمد، یارسول اللہ کے لفظ سے پکارنا بیوقوفوں کا کام ہے اور ان الفاظ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں ناگواری ہوتی تھی لامحالہ بعد الوفات بھی ناگواری ہوگی، لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد اور یارسول اللہ کے الفاظ سے پکارنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے نہ زندگی میں اور نہ بعد الوفات، البتہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود ہوں تو لفظ یارسول اللہ سے ہلکی آواز میں مخاطب کرنا عین ادب ہے اور جب پس پردہ تشریف فرما ہوں تب بھی لفظ یارسول اللہ کے ساتھ زور زور سے آوازیں دینا بے ادبی ہے، لہٰذا اتنی دور مسافت پر زور زور سے آوازیں دینا ضرور بے ادبی ہوگی جیسا کہ آیت کے شانِ نزول سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔

حیاتِ حضرت خضر علیہ السلام کا عقیدہ

سوال:۔ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟ ان دونوں میں کونسا عقیدہ

---

[1] وَمِثْلُہٗ فی تفسیر روح المعانی للعلامۃ آلوسیؒ ج ۲۶ ص ۱۳۹ تا ۱۴۳

شریعت سے موافق ہے ؟

الجواب :۔ حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ یا انتقال کے ساتھ کوئی شرعی عقیدہ وابستہ نہیں ہے، اگر کوئی دلائل کی رُو سے ان کی حیات کا قائل ہوجائے تو اس کے عقیدۂ اسلام پر کوئی آنچ نہیں آتی اور جو کوئی ان کی وفات کا قائل ہو تب بھی وہ مسلمان ہے۔ **خلاصہ** یہ ہے کہ اس مسئلہ کے ساتھ کوئی شرعی عقیدہ متعلق نہیں ہے اس لیے کسی پر نکیر نہیں کرنی چاہیئے۔ تاہم ان دونوں میں احوط یہ ہے کہ لما فی بحر المحیط: والجمهور علی انہٗ مات (ج ۶ ص ۱۴۷) اور جن بزرگوں کے ساتھ ان کی ملاقات ثابت ہے تو اس کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں :۔

عن المجدد الف ثانیؒ: فانہٗ حین سُئِل عن حیٰوۃ الخضر علیہ السلام ووفاتہ توجہ الی اللہ سبحانہ مستعلماً من جنابہ عن ھٰذا الامر فرأی الخضر علیہ السلام حاضراً عندہ فسئالہ عن حالہ فقال اَنا والیاس لسنا من الاحیاء لکن اللہ سبحانہ اعطی رواحنا قوۃ نتجسد بہا ونفعل بہا افعال الاحیاء من ارشاد الضال واغاثۃ الملہوف اذا شاء اللہ وتعلم العلم اللدُنی۔ (تفسیر المظہری ج ۶ ص ۶۲ سورۃ الکہف)[۱]

امام مہدیؑ کے آنے کے مُنکر کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص مہدی آخرالزمان کے بارے میں واردشدہ احادیث کو موضوع اور من گھڑت کہے اور نزولِ مہدی سے صاف انکار کرے تو از روئے شریعت اس شخص کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ قیامت کے قریب امام مہدی کا آنا صحیح احادیث اور اجماعِ اُمت سے ثابت شدہ مسئلہ ہے اس سے انکار کرنا صحیح احادیث اور اجماع سے انکار کرنے کے مترادف ہے جبکہ احادیث سے انکار کفر ہے۔

عن ابی سعیدؓ قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاءً یصیب ھٰذہ الاُمّۃ

---

[۱] قال العلامۃ البغوی رحمہ اللہ : اختلف الناس فی ان الخضرؑ حیٌّ ام میّتٌ قیل ان الخضر والیاس حیان یلتقیان کل سنۃ بالموسم کان سبب حیاتہ فیما یحکی بہ ان شرك من عین الحیٰوۃ۔ الخ

(تفسیر المظہری ج ۶ ص ۶۱ سورۃ الکہف)

حتی لایجد الرجل ملجاء یلجاءُ الیه من الظلم فیبعث اللّٰہ رجلاً من عترتی اھل بیتی فیملا ء بہ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً یرضی عنہ ساکن الارض۔ رواہ الحاکم وقال صحیح وھوابوعبداللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ النیسابوری امام الحدیث فی وقتہٖ۔ (مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ ص۴۷۱ الفصل الثانی)

اس روایت سے امام مہدی کی پوری تفصیل واضح ہوتی ہے جبکہ اس کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی متعدد صحیح روایات موجود ہیں، تواتنی صحیح روایات کے انکار کا کیا جواز ہے اور زبان کی ایک جنبش سے صحیح احادیث کے ایک مکمل باب سے انکار کیا معنی رکھتا ہے؟ تاہم جو شخص مہدی آخرالزمان کا انکار کرتا ہے تو دراصل وہ احادیثِ نبوی کا انکار کرتا ہے اور اس پر وہی حکم لگایا جائے گا جو ایک منکرِ حدیث پر لگایا جاتا ہے۔

قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللّٰہ: وفی المحیط من قال لفقیہ یذکر شیئاً من العلم اویروی حدیثاً صحیحاً ای ثابتاً لاموضوعاً ھٰذالیس بشیٔ کفر۔
(شرح الفقہ الاکبر ص۱۷۵ فصل فی العلم والعلماء)

کرامت کی حقیقت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کرامت کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:۔ کسی متبع شریعت نیک شخص سے ایسے خارق عادت کام کا صادر ہونا جس سے عام لوگ عاجز ہوں شریعت کی روشنی میں "کرامت" کہلاتا ہے، تاہم منصبِ ولایت کے لیے کرامت کا ظہور لازم نہیں اور نہ یہ کوئی کمال کی نشانی ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ: فالحاصل ان الامر الخارق للعادۃ بالنسبۃ الی النبی معجزۃ.......۔ وبالنسبۃ الی الولی کرامۃ لخلوہ عن

---

[1] قال العلامۃ التفتازانیؒ: قد وردت الاحادیث الصحیحۃ فی ظھور امام من وُلد فاطمۃ الزھراءؓ۔ (شرح المقاصد ج۲ ص۳۰۷)

قال العلامۃ ملاعلی القاریؒ: واما ظھورالمھدی فی آخرالزمان وانہ یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً وانہ من عترتہ من وُلد فاطمۃ رضی اللّٰہ عنہا فثابتٌ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۴۷ مسئلہ نصب الامام)

دعوی النبوۃ ۔ (رد المحتار ج ۳ ص۵۵۱ فصل فی ثبوت النسب۔ مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء)[1]

کراماتِ اولیاء کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ کراماتِ اولیاء شرعاً ثابت ہیں یا نہیں؟ اور اس کے منکر کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ اللہ تعالیٰ کے نیک اور متبع الشریعت بندوں سے مختلف زمانوں میں بے شمار کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ وغیرہم کی حیاتِ طیبہ اور بعد مماتہم میں کثرت سے ایسے مستند واقعات پائے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی جو لوگ کراماتِ اولیاء کو نہیں مانتے اور ان کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں اور معتزلہ کے گروہ میں داخل ہیں ۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ : وعبارۃ النسفی فی عقائدہ وکرامات الاولیاء حق منتظر الکرامۃ علیٰ طریق نقض العادۃ للولی من قطع المسافۃ البعیدۃ فی المدۃ القلیلۃ......... ولا بس بالمعجزۃ جواب عن قول المعتزلۃ المنکرین لکرامات الاولیاء ۔ (رد المحتار ج۳ ص۵۵۱ فصل فی ثبوت النسب مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء)[2]

قرآنِ کریم کو مخلوق کہنا کفر ہے

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص قرآنِ کریم کو حادث اور مخلوق کہتا ہے جبکہ دوسرا شخص قرآنِ کریم کو قدیم کہتا ہے اور مخلوق ہونے کا انکار کرتا ہے۔ ان دونوں میں

---

[1] قال الشیخ ابن ابی العز الحنفیؒ : فالمعجزۃ فی اللغۃ تعم کل خارق للعادۃ وکذلک الکرامۃ فی عرف ائمۃ المتقدمین ولکن کثیر من المتأخرین یفرقون فی اللفظ بینہما فیجعلوا المعجزۃ للنبی والکرامۃ للولی ۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص۵۵۸ فی قولہ : ونؤمن بما جاء من کراماتہم وصح عن الثقات من رؤیاتہم)

وَمِثْلُہٗ فی النبراس ص۲۷۲ فی بحث علی المعجزات واقسام الخوارق سبعۃ ۔

[2] قال العلامۃ ملا علی القاریؒ : والکرامات للاولیاء حق ای ثابتٌ بالکتاب والسنۃ ولا عبرۃ بمخالفۃ المعتزلۃ واھل البدعۃ فی انکار الکرامۃ ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۱۳ بحث فی ان الخوارق العادات للانبیاء والکرامات للاولیاء حقٌ)

وَمِثْلُہٗ فی النبراس ص۲۹۵ کرامات الاولیاء ۔

کس کا قول درست ہے ؟

الجواب :۔ قائل ثانی کا قول اسلامی عقیدہ کے موافق ہے اور قائل اوّل کا قول شریعت اسلامی اور عقیدہ اہل سنت والجماعت کے مخالف ہے ، معتزلہ خلق و حدوث کلام کے قائل ہیں ، اہلسنت والجماعت حدوث اور خلق قرآن کے قائل کو کافر اور معتقد کو مرتد سمجھتے ہیں ۔ ان دونوں فرقوں کے مابہ النزاع کلام نفسی اور کلام لفظی ہے ، اور یہ ایک طویل الذیل مسئلہ ہے جو علم کلام کے معرکۃ الآراء مسائل میں سے ہے اور نزاع لفظی کے مترادف ہے ۔

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ : ان لا نزاع فی ھٰذہ القضیۃ اذ لا خلاف لاھل السنۃ فی حدوث الکلام اللفظی ولا نزاع للمعتزلۃ فی قدم الکلام النفسی ۔

(شرح الفقہ الاکبر ص۲۹ القرآن کلام اللہ)

اہلسنت کلام لفظی کے حدوث کے قائل ہیں مگر بدرجہ قرأۃ نہ بدرجہ مقروہ ، مقروہ قدیم ، قرأۃ باحداث کلمات وحروف حادث ہیں ، مگر یہ نزاع علمی بحث ہے جس کے ساتھ عوامی عقیدہ کا تعلق نہیں بلکہ عوام کے لیے فقہاء نے جو راستہ بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ عوام مخلوق اور حادث کا اطلاق نہ کریں کیونکہ موجودہ کلام لفظی اس مدلول نفسی کا اطلاق ہے اور احکام شرعیہ کا مظہر اور مدار یہی الفاظ ہیں ، اگر اس پر مخلوق اور حادث کا اطلاق کیا جائے تو اس کے مدلول کی طرف افضاء کا احتمال ہے اس لیے منع کیا گیا ہے اور مخلوق کے اطلاق کو کفر کہا گیا ہے ۔

کما ذکر ملا علی القاریؒ فی عدۃ مواضع : والقرآن کلام اللہ تعالیٰ فی المصاحف مکتوب وفی القلوب محفوظ وعلی الالسن مقروء ای بحروفہ الملفوظۃ المسموعۃ وھٰذا من قولھم المقروء قدیم والقرأۃ حادثۃ ۔ وعلی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منزل — غیر مخلوق ۔ وقال فخر الاسلام قد صح عن ابی یوسفؒ انہ قال ناظرت اباحنیفۃؒ فی مسئلۃ خلق القرآن فاتفق رائی ورایہ وعلیٰ ان من قال بخلق القرآن فھو کافر وصح ھٰذا القول ایضًا عن محمد رحمہ اللہ (ص۲۶) وما ذکرہ اللہ تعالیٰ فی القرآن عن موسٰی وغیرہ من الانبیاء علیھم السلام ای اخبارًا منھم او حکایۃً عنھم وعن فرعون وابلیس ونحوھما فان ذٰلک کلہ کلام اللہ اخبارًا عنھم قد کتب الکلمات الدالۃ علیہ فی اللوح المحفوظ قبل خلق السماء والارض والروح لا بکلام حادث حصل بعد علم حادث عند سمعہ من موسٰی وعیسٰی وغیرھما

من الانبیاء علیہم السلام ومن فرعون وابلیس وھامان وقارون وسائر الاعداء فاذن لا فرق بین اخبار اللّٰہ تعالیٰ عن اخبارھم واحوالھم واسرارھم کسورۃ تبت واٰیۃ القتال الخ (ص۲۸) ومع ھذا لایجوز لاحد ان یقول القراٰن اللفظی مخلوق لما فیہ الایہام المؤدی الی الکفر ــــ فاذا ذکر مطلقاً یحمل علی الصفۃ الازلیۃ (ص۲۹) فلا یجوز ان یقال القراٰن مخلوق علی الاطلاق ــــ وبالجملۃ اھل السنۃ کلھم من اھل المذاھب الاربعۃ وغیرھم من السلف والخلف متفقون علی ان القراٰن غیر مخلوق۔ (ص۳۵) ــ (شرح الفقہ الاکبر ص۲۸ تا ۳۰ القراٰن کلام اللّٰہ)

انبیاء کرامؑ کو فواحش کی طرف منسوب کرنے سے ایمان زائل ہوجاتا ہے

سوال: ایک شخص جو ذیل کے واقعہ کے سچ ہونے کا عقیدہ رکھے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت پر فریفتہ ہو گئے تھے اور ایک بار اس سے اس کے نفس کا مطالبہ بھی کیا تھا جس پر وہ عورت بہت برہم ہوئی"، تو اس واقعہ کے سچ ہونے کا عقیدہ رکھنے والے کا ایمان سلامت رہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عصمتِ انبیاء ایمان کا بنیادی اور انتہائی اہم مسئلہ ہے، بحیثیتِ مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت تمام ناشائستہ امور سے محفوظ و مامون ہیں۔

لما قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: الانبیاء معصومون قبل النبوۃ وبعدھا عن کبائر الذنوب وصغائرھا ولو سھواً علی ما ھو الحق عند المحققین۔ (مرقاۃ ج۱ ص۱۲۷ باب الکبائر الفصل الاول)[1]

یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسی فواحش کی نسبت کرنے سے اور خصوصاً امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسے واقعات کی نسبت کرنے سے ایمان کب سلامت رہ سکتا ہے۔

پشتو زبان میں حضور انورؐ پر "کمینہ" کا اطلاق موجب کفر نہیں

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کو سراہتے ہوئے

---

[1] وفی الھندیۃ: سئل عمن ینسب الی الانبیاء الفواحش کعزمھم علی الزنا ونحوہ قال یکفر لانہ شتم لھم استخفاف بھم۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۲ ص۲۶۳ الباب التاسع فی احکام المرتد)

اگر کوئی پشتو زبان میں آپ کو "کمینہ" کی طرف نسبت کرے تو از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: پشتو زبان کے محاورے کے مطابق "کمینہ" کا لفظ متواضع اور منکسر المزاج شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے (لہٰذا اس کا قائل گنہگار نہیں ہے) اور قائل نے خود بھی اس کو مقام مدح میں استعمال کیا ہے تو دوسرے احتمالات خود بخود ختم ہو کر اس کی مراد متعین ہوئی ہے لہٰذا اس کے کہنے پر وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوا ہے چونکہ اس لفظ کا استعمال دوسری زبانوں میں باعث توہین ہے اس لئے اس لفظ کے استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام کے افعال واقوال کو مجنونانہ کہنے والا کافر ہے

سوال: انبیاء علیہم السلام کے افعال واقوال کو مجنونانہ کہنے والا از روئے شریعت دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآن مجید سے صراحتاً ثابت ہے کہ کفار ہی انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسی نسبتیں کیا کرتے تھے، درج ذیل قرآنی آیات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ٥ (سورۃ القلم آیت ۵۱)

(۲) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ٥ (سورۃ القمر آیت ۹)

(۳) افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ۔ (سورۃ السباء آیت ۸)

فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرامؑ پر جنون کا اثر نہیں ہو سکتا اسلئے اس کے قائل کو انہوں نے کافر قرار دیا ہے۔

قال العلامة ابن البزاز الكردري الحنفيؒ: ولو قال جن النبيؐ ذكر في نوادر الاصول انه كفر[1]۔ (فتاوىٰ البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۲۷ الثاني ما يتعلق الانبياء)

جب کسی کے افعال واقوال کو "مجنونانہ" کہنا اس کی ذات کو مجنون کہنے کے مترادف ہے تو انبیاء علیہم السلام کے افعال واقوال کو یہ نسبت کرنا مذکورہ حکم کے ضمن میں داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے زوجیت اور ولدیت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے

سوال: اگر کوئی عورت زبان سے یہ الفاظ نکالے کہ

---

[1] قال العلامة ابن نجيمؒ: ويكفر بقوله جن النبيؐ ساعة۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۱ باب المرتد)

شاید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، تو اس عورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ کی ذات زوجیت اور ولدیت سے پاک اور منزہ ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے نہ تو زوجہ ہے نہ بیٹا، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے زوجیت اور ولدیت ثابت کرنا یا اس میں شک کرنا موجب کفر ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ: قل هو الله احد. الله الصمد. لم يلد ولم يولد. (سورة الاخلاص ۱تا۳)

وقال ایضاً: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا۔
(سورة مريم آيت ۹۰، ۹۱)

تاہم اگر کسی کی زبان سے نادانستہ طور پر ایسا کلمہ نکل جائے تو موجب کفر نہیں اسلئے جہالت وجہ سے ایسا کلمہ زبان سے نکالنا اکثر علماء کے ہاں عذر نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: من اتى بلفظة الكفر مع علمه انها لفظة الكفر عن اعتقاده فقد كفر ولو لم يعتقد او لم يعلم انها لفظة الكفر ولكن اتى بها على اختيار فقد كفر عند عامة العلماء لا يعذر بالجهل وقال بعضهم الجاهل اذا تكلم بكفر ولم يدر انه كفر لا يكون كفرًا ويعذر بالجهل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وقال ایضًا، وفي الاجناس عن محمد: ان من اراد ان يقول اكلت فقال كفرت انه لا يكفر۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۴۵۸، ۴۵۹ كتاب احكام المرتدين)[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمیع و بصیر ہونے کے عقیدہ کی وضاحت

سوال: جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمیع و بصیر ہونے کا عقیدہ رکھے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سمیع اور بصیر دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اگر سمیع و بصیر حضور انور[۲] کی

---

[۱] وقال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: فيكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به او سخر باسم من اسمائه ۔۔۔۔۔۔ او جعل له ولدًا او زوجةً ۔۔۔ الخ
(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۰ كتاب احكام المرتدين)
ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۸۳ كتاب الفاظ الكفر۔ الفصل الثاني ۔

ذاتِ اقدس ہیں اس معنیٰ پر لیے جائیں کہ آدمی خواہ کتنا ہی دُور ہو جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہے تو حضورؐ اس کی پکار کو سُنتے اور اس کو دیکھتے ہیں اور اس کی امداد کو پہنچ جاتے ہیں، تو ایسے عقیدہ کے شرک ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ بایں معنیٰ سمیع وبصیر صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر جگہ دیکھتا ہے اور ہر کسی کی آواز ہر جگہ سنتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب کوئی دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے تو خدا کے حکم سے فرشتے اس درود کو مجھ تک پہنچا دیتے ہیں اور جب کوئی قریب سے (روضۂ اطہر پر آکر) مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود سنتا ہوں۔

لما ورد فی الحدیث : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلّی علیّ عند قبری سمعته ومن صلّی علیّ نائیًا ابلغته ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۸۷ باب الدعا فی التشہد)

معراج النبیؐ سے متعلق ایک بے بنیاد واقعہ کی حقیقت

سوال:۔ بعض تواریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی تفصیل بیان فرما رہے تھے کہ وہاں بیٹھے ایک یہودی نے اس واقعہ کی تکذیب کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر بازار میں آیا اور ایک بڑی سی مچھلی خرید کر اپنی بیوی کو دی اور کہا کہ جلدی سے اس کے کباب بناؤ میں غسل کرکے آتا ہوں، جب وہ غسل سے فارغ ہوا تو اپنے آپ کو جوان عورت کی شکل میں پایا، اسی طرح اس نے سات سال گذارے اور اس سے بچے بھی پیدا ہوئے، سات سال کے بعد اس کی جنس پھر بدلی تو اپنے گھر آیا، کیا دیکھتا ہے کہ بیوی ابھی تک مچھلی صاف کر رہی ہے، تب اس نے ایمان لایا۔ کیا اس واقعہ کے بیان کرنے سے معراج النبیؐ پر روشنی پڑسکتی ہے؟ اور اس ضمن میں یہ واقعہ بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بسلسلہ معراج مذکورہ واقعہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، واقعۂ معراج کے اثبات کے لیے قرآن اور صحیح احادیث ہمارے لیے کافی ہیں، اس کا ثبوت غلط اور بے بنیاد حکایات سے درست نہیں اور اس کی صحت کا عقیدہ عقلاً ونقلاً قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

لہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ ملٰئکة سیاحین یبلغونی من امتی السلام ۔ (مشکوٰۃ ص۸۶ کتاب الصلوٰۃ)

وقال العلامة ملا علی القاریؒ : ھو مخصوص بمن بعد عن حضرة مرقدہ المنور ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۲ ص۱۰)

واقعہ مذکورہ کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گذرا، البتہ جہانگیر بکڈپو لاہور والوں نے "قصص الانبیاء" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس کے نامعلوم مؤلف نے اس واقعہ کے علاوہ اور بھی بہت سے رطب ویابس اکٹھے کئے ہیں، ایسی کتابوں کے مطالعہ سے عوام کا عقیدہ ٹھیک نہیں رہ سکتا اس لیے ان کے مطالعہ سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صیغۂ خطاب سے درود بھیجنے کا حکم

سوال: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر خطاب کے صیغہ سے الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول درود بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حالتِ غیبت میں دُور سے صیغۂ خطاب کے ساتھ درود شریف اگر اس نیت سے پڑھا جاتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور "صلوٰۃ وسلام" کو خود سنتے ہیں تو یہ ناجائز و حرام ہے اور اگر نیت یہ ہو کہ صلوٰۃ وسلام فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تو پھر جائز ہے، البتہ ایسے مشتبہ الفاظ میں درود پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما قال الشیخ رشید احمد گنگوهیؒ: جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو یارسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا، اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دُور سے سنتے ہیں بسبب علمِ غیب کے تو یہ کفر ہے اور جو یہ عقیدہ نہ رکھے تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ کفر ہے، البتہ اگر اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیشِ عرض کرتے ہیں تو درست ہے۔ (تالیفاتِ رشیدیہ ص۴۲ کتاب الایمان والکفر) ؎۱

اگر میں نے فیصلہ کی خلاف ورزی کی تو قرآن کو جھوٹا سمجھوں گا۔

سوال: زید نے ایک فیصلہ کے بارے میں کہا "اگر میں اس فیصلہ کی خلاف ورزی کروں گا تو قرآن کو جھوٹا سمجھوں گا" بعد میں زید اس فیصلہ سے منحرف ہوگیا، تو کیا

؎۱ قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: بارادۂ استعانت واستغاثہ یا باعتقاد حاضر و ناظر ہونے کے منہی عنہ ہے اور بدون اس اعتقاد کے محض شوقاً و استلذاذاً ماذون فیہ ہے، چونکہ اشعار پڑھنے کی غرض محض اظہارِ شوق و استلذاذ ہوتا ہے اس لیے نقل میں توسع کیا گیا لیکن اگر کسی جگہ اس کے خلاف دیکھا جائے گا منع کر دیا جائے گا۔ (امداد الفتاوٰی ج ۵ ص۳۸۵ کتاب العقائد والکلام)

ومثلہ فی معارف القرآن ج ۷ ص۲۲۴ سورۃ الاحزاب۔

زید اپنے قول کی وجہ سے کافر ٹھہرایا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ مذکورہ الفاظ موجب کفر نہیں ہیں، عام طور پر ان کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ قرآن کو جھوٹا نہیں سمجھ سکتا اس لیے یہ فیصلہ ضرور تسلیم کروں گا، اور کفر کا فتویٰ تب دیا جاتا ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو، البتہ ان الفاظ سے یمین لازم ہو جاتی ہے اور یمین کا کفارہ ادا کرکے گناہ سے بچ سکتا ہے۔

لما فی الهندیة : ولو قال ان فعلت کذا فأنا بری من القرآن او القبلة او الصلوٰة او صوم رمضان فالکل یمین هو المختار۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۲ ص۵۳ الباب الثانی فی الفاظ الیمین)[۱]

سوال : ایک شخص نے بھری مجلس میں کہا | لا الٰه الّا اللّٰه ایوب خان رسول اللّٰه کا قائل کافر ہے

کہ اگر صدر صاحب غلہ روک دیں اور لوگوں کو غلہ نہ ملے تو ہم لا الٰه الّا اللّٰه ایوب خان رسول اللّٰه کہیں گے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ کلمہ طیبہ میں ایوب خان رسول اللہ کے الفاظ اگر اعتقاد اور اس معنیٰ سے کہے گئے ہوں کہ کسی وقت "ایوب خان" بھی "رسول اللہ" ہو سکتا ہے تو یہ کفریہ عقیدہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کیلئے بھی نبوّت و رسالت کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔

اور اگر یہ اعتقاد کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی پر بطور تعریض کہے گئے ہوں، مثلاً قوم کی خوشامدی اور ذہنی غلامی پر طنز کے طور پر یہ کلمات کہے گئے ہوں کہ یہ قوم اب اس قدر ذہنی غلامی میں گرفتار ہے کہ اپنے حکمرانوں کو کسی وقت بھی خدا کا پیغمبر کہنے کو تیار ہو سکتی ہے، تو یہ کفر نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ ایوب خان رسول اللہ کہنے والے کے اعتقاد کا ہمیں پورا علم نہیں ہے اس لیے یقینی حکم اس پر نہیں لگایا جا سکتا۔[۲]

---

[۱] قال العلامة الحصکفی رحمه الله : وقال العینیؒ وعندی ان المصحف یمین لاسیما فی زماننا وعند الثلاثة المصحف والقرآن وکلام الله یمین زاد احمد والنبی ایضاً ولو تبرأ من احدها فیمین اجماعاً۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۵۲ کتاب الایمان مطلب فی القرآن)

[۲] قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ : قال الموفق فی المغنی ومن ادعی النبوّة او صدق من ادعاها فقد ارتد لأن مسیلمة لما ادعی النبوّة فصدقه قومه صاروا بذلك مرتدین۔

(اعلاء السنن ج۱۲ ص۶۳۶ من ادعی النبوة او صدق من ادعاها۔

امام غزالیؒ کے کسی قول سے انکار کفر نہیں ہے

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! آجکل دین اور دینی تعلیمات سے دُوری کی وجہ سے بعض لوگ علماءِ حق کی بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں اور جب کسی شرعی مسئلہ میں کسی ثقہ عالمِ دین کا حوالہ دیا جائے تو بلا خوف و خطر انکار کر دیا جاتا ہے، اسی طرح ہمارے گاؤں میں ایک صاحب نے امام غزالیؒ کے حوالہ سے ایک مسئلہ بیان کیا تو دوسرے شخص نے اس سے انکار کر دیا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص امام غزالیؒ کے کسی قول سے انکار کر دے تو از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ اگر کسی عالم یا فقیہ کا قول قرآن وسُنت سے متصادم نہ ہو تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ لہٰذا اگر استخفافِ دین کی وجہ سے انکار کیا جائے تو پھر باعثِ زوال ہے، البتہ اگر یہ انکار استخفافِ شریعت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس عالم کے ساتھ ذاتی عناد اور بغض کی وجہ سے ہو تو پھر موجبِ فسق ہے کفر نہیں ـــــ واضح رہے کہ دوسرے مذاہب کے فقہ میں ان کی تقلید نہ کرنا اس حکم میں داخل نہیں ہے۔

قال فخرالدین الاوزجندی رحمہ اللہ :۔ ولو قال انا لا اعمل بفتوی الفقہاء اولیس کما قال العلماء فانہ لا یعذر ولا یکفر۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ ج۳ ص۴۶۹ کتاب الکراہیۃ)

اہلِ فترت کے بارے میں شرعی عقیدہ

سوال :۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال تک فترت کا زمانہ تھا جس میں کوئی نبی نہیں آیا، تو کیا زمانۂ فترت میں جو لوگ گذرے ہیں ان کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟ کیا وہ جنتی ہوں گے یا جہنمی ؟

الجواب :۔ زمانہ فترت میں جو لوگ کسی رسول کی تعلیمات سے روشناس نہ ہوں بلکہ صرف توحیدِ باری تعالیٰ کے قائل گذرے ہوں تو جمہور علماء ان کے جنتی ہونے کے قائل ہیں، ہاں اگر کوئی بعثتِ نبویؐ سے پہلے کفر اور شرک کے عقیدے پر مر گئے ہوں تو ان کے مشرک اور جہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں، البتہ اگر ان میں سے کسی کے عقیدے کا حال معلوم نہ ہو تو ان کے بارے میں توقف کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : فقد صرح النوویؒ والفخرالدین الرازیؒ بان من مات قبل البعثۃ مشرکاً فھو فی النار ـــــ وبخلاف من اھتدی منھم

بعقلہ کقیس بن ساعدہ و زید بن عمرو بن نفیل فلا خلاف فی نجاتھم۔
(رد المختار ج ۵ ص۴۱۹ کتاب الحظر والاباحۃ)[1]

عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے جنتی ہونے کا عقیدہ رکھنا

سوال:۔ کیا یہ درست ہے کہ عبداللہ بن اُبی ابن سلول حالتِ ایمان پر مرا تھا؟ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیض اس کے کفن کے لیے دی تھی اور اس کی مغفرت کی دعا بھی مانگی تھی جس سے اس کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے، قرآن وحدیث سے اس بارے میں وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب:۔ قرآن وحدیث کی تصریحات سے منافقین کا جہنم میں جانا ثابت ہے۔ لما قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔ (سورۃ النساء ۱۴۵)
اور عبداللہ بن اُبی کا کفر پر مرنا اور جہنمی ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ مفسرین قرآن فرماتے ہیں کہ: اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔ (سورۃ التوبہ ۸۴)
یہ آیت عبداللہ ابن اُبی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔
رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ ابن اُبی کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا اور جنازہ پڑھنا، تو اس واقعہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے لیے دعائے مغفرت سے صراحتاً منع نہیں کیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جنازہ پڑھتے وقت جب حضرت عمرؓ نے مزاحمت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: لتدعنی یا عمرؓ ان اللہ خیرنی فاخترت فقال اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (التوبہ ۸۰) فواللہ لو اعلم یا عمرؓ انی لو زدت علی سبعین مرۃ ان یغفر لہ لزدت۔ ثم مشی رسول اللہ صلعم معہ وقام علی قبرہ حتی دفن ثم لم یلبث الا قلیلاً حتی انزل اللہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (التوبہ ۸۴) فواللہ ما صلی اللہ رسول اللہ صلعم علی احدٍ من المنافقین۔ الخ (احکام القرآن للجصاص ج۴ ص۳۵۱ سورۃ التوبۃ)

---

[1] قال الشیخ عبدالوہاب الشعرانیؒ: ایاک ان تحکم علی اہل الفترات (ای بین نوح وادریس وبین عیسیٰ ومحمد) کلھم بحکم واحدٍ۔ (الیواقیت ج۲ ص۵۲)
ومثلہٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۵ ص۳۸۸ کتاب العقائد والکلام۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو کفن کے لیے اپنی قمیض عطا فرمانے کی چند وجوہات ہیں:۔

قال الشیخ الرازی رحمہ اللہ: اما دفع القمیص الیہ فذکروا فیہ وجوھا الاول ان العباس عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم لما اخذ اسیرا ببدر لم یجد والہ قمیصا وکان رجلا طویلا فکساہ عبد اللہ قمیصہ ــــ ان اللہ تعالیٰ امرہ ان لا یرد سائلا بقولہ واما السائل فلا تنھر فلما طلب القمیص منہ دفعہ الیہ لھذا المعنیٰ ــــ وان ابنہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی کان من الصالحین وان رسول اللہ اکرمہ لمکان ابنہ ۔

(التفسیر الکبیر ج ۱۶ ص ۱۵۳ سورۃ یوسف) [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے انکار کفر نہیں

سوال:۔ کسی معاملہ پر زید اور عمر کے درمیان تلخ کلامی پیدا ہو گئی تو زید نے کہا کہ اگر اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بھی مجھ سے سفارش کریں تو میں ان کی بھی سفارش نہیں مانوں گا۔ شریعت مطہرہ کی رو سے زید اپنے اس قول کی وجہ سے کافر ہوا یا نہیں ؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیئے تاہم زید پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کا کہا ہوا جملہ تفصیل طلب ہے۔ زید نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ ان کی سفارش ماننے سے انکار کیا ہے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے ساتھ جب حتمی حکم نہ ہو تو محض سفارش خود حتمی حکم نہیں ہے [2] اس لیے بعض اوقات صحابہ کرام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش و مشورہ پر عمل نہیں کرتے تھے ۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان زوج بریرۃ عبدا اسود یقال لہ مغیث

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ: قال الخطابی ھو منافق ظاھر النفاق وانزل فی کفرہ ونفاقہ ومن القرآن ۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۴۰ باب غسل المیت وتکفینہ۔ الفصل الثالث)

[2] قال العلامۃ الکردری رحمہ اللہ: وقعت بین الرجلین منازعۃ فقال لوامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اتمر بامرہ لا یکفر۔ (فتاویٰ البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۶ ص ۳۲۴)

كانى انظر اليه يطوف خلفها فى سكك المدينة يبكى ودموعه تسيل على لحيته فقال النبىؐ للعباس: "يا عباس! الا تعجب من حب مغيث بريرة ومن بغض بريرة مغيثا فقال النبىؐ لو راجعتيه فقالت يا رسول الله أتامرنى قال انما اشفع قالت لاحاجة لى فيه، رواه البخارى۔ (مشكوٰة ج۲ ص۹۵۵ باب المباشرة)

قال بدرالدين العينىؒ: علمت ان امره واجب الامتثال فلما عرض عليها ما عرض استفصلت هل هو امر فيجب عليها امتثاله اومشورة۔

(عمدة القارى ج۹ ص۳۴۲) [۱]

بعض لوگوں پر عذابِ قبر منکشف ہوسکتا ہے

سوال:- اکثر سننے میں آتا رہتا ہے کہ فلاں جگہ عذابِ قبر کا مشاہدہ کیا گیا، تو کیا از روئے شریعت دنیا میں عام لوگوں کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ عذابِ قبر کا مشاہدہ کرسکیں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "یسمع صوته کل شئ الا الثقلین"۔ تو اس کے باوجود اس قسم کی روایات کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- دنیا میں عذابِ قبر کا مشاہدہ لوگوں کے لیے ممکن اور واقع ہوچکا ہے، خاص کر اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ بعض اوقات اہلِ قبور کے حالات سے آگاہ فرما دیتے ہیں۔

قال الشیخ عبدالوھاب الشعرانیؒ: قال الشیخ فی الباب الثامن والسبعین وثلثمائة ان کل رزقه الله تعالیٰ الامانة من الاولیاء سمع عذاب القبر۔ (الیواقیت ج۲ ص۱۲۶) [۲]

لیکن عذابِ قبر منکشف ہونے کے لیے ولایت شرط نہیں ہے بلکہ بعض اوقات فاسق اور فاجر بھی اس کا مشاہدہ کرسکتا ہے، اور حدیثِ مبارک میں غیر الثقلین کی قید عادیہ ہے جبکہ خلافِ عادت ثقلین کا مشاہدہ کرنا بھی بعید نہیں۔

---

[۱] قال العلامة ملا علی القاری رحمه الله: وفیه ایماء الی عذرها فی عدم قبول الشفاعة، حیث قال الله تعالیٰ: وَبعولتهن احق بردهن فی ذٰلك ان ارادوا اصلاحًا۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج۳ ص۴۴۴ باب المباشرة)

[۲] قال ابن قیمؒ: فرؤیة هٰذه النار فی القبر کرؤیة الملائکة والجن تقع احیانًا لمن شاء الله ان یریه ذٰلك۔ (کتاب الروح ص۸۹ المسألة السابعة - فصل الامر الخامس)

جمعہ کے دن مرنے والے پر عذابِ قبر نہ ہونے کا عقیدہ

سوال: کئی لوگوں سے سننے میں آیا ہے کہ جو کوئی جمعہ کے دن فوت ہو جائے تو اُسے عذابِ قبر نہ ہو گا، تو کیا اگر جمعہ کے دن کوئی فاسق یا فاجر بھی فوت ہو جائے تو اُسے بھی عذابِ قبر نہ ہو گا؟ ایسا عقیدہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حدیثِ مبارک میں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما من مسلم یموت یوم الجمعۃ اولیلۃ الجمعۃ الا وقاہ اللہ فتنۃ القبر۔
(ترمذی ج۱ ص۲۰۵ باب ما جاء فی من یموت یوم الجمعۃ)

جمعہ کی عزت وتکریم کی وجہ سے جو کوئی بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہو جائے خواہ کتنا ہی عاصی ہو یا کوئی صالح مسلمان اور نیک ہو تو اس کو عذابِ قبر کی ایک جھلک اور فقط ضغطہ قبر ہونے کے علاوہ باقی عذابِ قبر سے مامون ومحفوظ ہو جاتا ہے۔

لما قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ: وفیہ تجمع الارواح وتزار القبور ویامن المیت من عذاب القبر ومن مات فیہ او فی لیلتہ امن من عذاب القبر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۵۴ باب الجمعۃ۔ مطلب ما اختص بہ یوم الجمعۃ)[1]

جمعہ کی رات تک قبر کی حفاظت کرنے سے عذابِ قبر نہیں ہوتا

سوال: کنز کے حاشیہ "باب الجمعۃ" پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: "وان مات فی ھذا الیوم او فی لیلۃ الجمعۃ لا یکون عذاب القبر ساعۃ واحدۃ وان حفظہ القبر الٰی لیلۃ الجمعۃ یقع العذاب ولا یعود الٰی یوم القیٰمۃ" (غرائب) جمعہ کے دن فوت ہو جانے والے پر عذابِ قبر اٹھ جاتا ہے، اگر جمعہ سے پہلے دفن ہو کر جمعہ کی رات تک اس کی قبر کی حفاظت جائے تب بھی عذابِ قبر سے

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: والمؤمن المطیع لا یعذب بل لہ ضغطۃ یجد ھول ذٰلک وخوفہ والعاصی یعذب ویضغط لکن ینقطع عنہ العذاب یوم الجمعۃ ولیلتھا ثم لا یعود وان مات یومھا لیلھا قد یکون العذاب ساعۃ واحدۃ وضغطۃ القبر ثم یقطع۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۱۶۵ باب الجمعۃ مطلب ما اختص بہ یوم الجمعۃ)
ومثلہٗ فی شرح الفقہ الاکبر ص۱۰۲ ضغطۃ القبر وعذابہ حق۔

محفوظ رہے گا۔" ازروئے شریعت "غرائب" کی عبارت پر عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو مومن جمعہ کی رات یا دن کی کسی ساعت میں فوت ہو جائے تو اس کے بارے میں احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اس پہ عذابِ قبر نہیں ہوگا۔

لما ورد فی الحدیث: عن عبد اللہ ابن عمرؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مامن مسلم یموت یوم الجمعة اولیلة الجمعة الا وقاہ اللہ فتنة القبر رواہ احمد۔ (مشکوٰۃ باب الجمعة ص۱۲۱ ضغطة القبر وعذابه حق)

فقہاء اسلام نے بھی اپنی تصنیفات میں اسی طرح لکھا ہے: قال العلامة ملا علی القاری رحمه الله: نعم ثبت فی الجملة ان من مات یوم الجمعة اولیلة الجمعة یرفع العذاب عنه۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۰۲ عذاب القبر حق)

رہا یہ کہ "جو کوئی دوسرے دن یا رات میں انتقال کر جائے اور پھر جمعہ کی رات تک اس کی قبر کی حفاظت کی جائے تو یہ بھی عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔" اس کے بارے میں نہ تو کوئی صحیح روایت اور نہ ہی کسی فقیہ کا قول ثابت ہے کہ حفاظتِ قبور کی وجہ سے قبر کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

باقی رہا کنز کے محشی ابو المکارم یا غرائب کا مسئلہ تو یہ قابلِ اعتماد اس لیے نہیں ہو سکتا کہ ابو المکارم کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ ایک رجل مجہول ہے اور اس کی کتاب بھی غیر معتبر ہے۔

لما قال الشیخ عبد الحیؒ: من الکتب الغیر المعتبرة شارحو مختصر الوقایة للقهستانی المشهور بجامع الرموز وشرح الوقایة لابی المکارم۔ (مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص۱۰)

اسی طرح "غرائب" بھی غیر مشہور کتاب ہے جس کے مصنف کا حال بالکل نامعلوم ہے اس لیے اس کے مسائل بھی قابلِ اعتماد نہیں سمجھے جاتے ہیں۔

قال ابن عابدینؒ: فی تنقیح الفتاوی الحامدیة فی بحث کراهة لبس الثوب الاحمر فی اثناء الرد علی الشرنبلالی القائل بجوازہ المستند الی کلام ابی المکارم والقهستانی علی ان الذی یجب علی المقلد اتباع مذهب امامه۔ والظاهر ان ما نقله هؤلاء الائمة هو مذهب الامام لاما نقله ابو المکارم فانه رجل مجهول وکتابه کذلک والقهستانی کجارف سیل وحاطب لیل خصوصا واستناده الی کتب الزاهدی المعتزلی۔ انتهی (مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ ص۱۱)[1]

---

[1] قال السید الحمویؒ: نقلا عن بعض رسائل مؤلف الاشباه لا تجوز الفتوی من التصانیف الغیر المشهورة۔ انتهی (مقدمة عمدة الرعایة ص۱۱ فائدہ الکتب التی لا تجوز بها الفتوی)

عالم برزخ میں جسم و روح کو عذاب و ثواب ہوتا ہے

سوال:۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر (برزخ) میں عذاب و ثواب روح کو ہوگا اور بعض روح مع الجسم کا قول کرتے ہیں۔ تو جناب مفتی صاحب! عذاب قبر کے بارے میں جمہور علماء کی رائے کیا ہے؟ کیا یہ عذاب جسمانی ہے یا روحانی؟ نیز قرآن و حدیث سے اس کے کیا دلائل ہیں؟

الجواب:۔ جمہور علماء اہلسنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ برزخ میں جسم اور روح دونوں کی تعذیب یا تنعیم ہوگی۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ: واعلم ان اهل الحق اتفقوا علیٰ ان الله تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر ما یتألم او یتلذذ۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۰۱ ضغطة القبر)

اسی طرح قرآن و حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قال الله تعالیٰ: اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا۔ (ای فی البرزخ)۔ (سورة المؤمن آیت ۴۶)

زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تعوذوا بالله من عذاب القبر۔ (مشکوٰة ج ۱ ص۲۵ باب اثبات عذاب القبر)[۱]

قبر میں نابالغ بچوں سے سوال و جواب کی وضاحت

سوال: جناب مفتی صاحب! نابالغ فوت شدہ بچوں سے قبر میں سوال و جواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ قبر میں نابالغ بچوں سے منکر نکیر کے سوال و جواب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبر میں منکر نکیر کے سوال ہر ایک سے ہوں گے لیکن نابالغ بچوں کو ان کے سوالوں کے جواب کا منجانب اللہ الہام ہوگا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ کوئی سوال وغیرہ نہیں ہوں گے، اس لیے کہ نابالغ بچے غیر مکلف ہیں اور راجح یہی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: والاصح ان الانبیاء لا یسئلون

---

[۱] قال الشیخ ابوالمعینؒ: فیعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسد یتألم الروح مع الجسد وان کان خارجاً عنه ۔اھ (ابوالمعین علیٰ هامش شرح العقائد ص۲۷ عذاب القبر)
ومثله فی شرح الفقه الاکبر ص۱۴۹ الیأس من رحمة الله کفر۔

ولا اطفال المؤمنین ۔ (رد المحتار ج ۲ صـ۱۹۲ فی مطلب فی التلقین بعد الموت) [1]

قبر یا برزخ عذاب وثواب میں دونوں برابر ہیں

سوال :۔ اگر کسی فوت شدہ شخص کو دفن نہ کیا جائے بلکہ اس کو جلا کر راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے یا دریا بُرد کر دیا جائے تو کیا اس کو بھی قبر کا عذاب وثواب ہو گا یا نہیں؟ نیز عذابِ قبر اور عذاب برزخ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب :۔ میت کو قبر میں عذاب وثواب کا ہونا قرآنِ مجید اور احادیث سے صراحتاً ثابت ہے۔ اور قبر اس جگہ کا نام ہے جہاں میت کے اجزاء پڑے ہوں خواہ حسی یعنی معروف قبر میں ہوں یا نہ۔ جملہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ میت کے اجزاء کو خواہ ہوا میں اڑا دیا گیا ہو یا دریا بُرد کر دیا گیا ہو یا کوئی درندہ اس کو ہڑپ کر جائے تو بھی اس کو عذاب وثوابِ قبر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ برزخ اور قبر دونوں ایک ہی نام ہیں اور مرنے کے بعد تا قیامت زندگی کو برزخی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قال الحافظ ابن القیمؒ : ومما ینبغی ان یعلم ان عذاب القبر هو عذاب البرزخ فکل من مات وهو مستحق العذاب ناله نصیبه منه قبر او لم یقبر فلو اکلته السباع او احرق حتی صار رماداً ونسف فی الهواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحه وبدنه من العذاب ما یصل الی القبور۔ (الروح صـ۵۸ المسألة السادسة) [2]

قبر کو سجدہ کرنے کی اقسام کی تفصیل

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! قبر کو سجدہ کرنے سے آدمی صرف گنہگار ہوتا ہے یا کافر؟ برائے کرم اس

---

[1] قال العلامة مُلا علی قاریؒ : واستثنیٰ من عموم سوال القبر الانبیاء والاطفال والشهداء۔ (شرح الفقه الاکبر صـ۱۰۱ سوال منکر ونکیر فی القبر حق)

ومثلهٗ فی شرح العقیدة الطحاویة صـ۴۵۳ فی تشریح وسؤال منکر ونکیر فی قبره۔

[2] قال العلامة فخر الدین الرازیؒ : اِن عرض النار علیهم غدوًّا وعشیًّا ما کان حاصلاً فی الدنیا فثبت ان هٰذا العرض انما حصل بعد الموت وقبل یوم القیامة ذٰلك یدل علی اثبات عذاب القبر فی حق هٰؤلاء واذا ثبت فی حقهم ثبت فی حق غیرهم لانه لا قائل بالفراق ۔ (التفسیر الکبیر ج ۲۷ صـ۷۳ سورة المومن)

اس کی وضاحت فرمائیں ؟

الجواب :۔ قبر کے قریب سجدہ کرنا جبکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور قبر کو سجدۂ تعظیمی کرنا حرام ہے اور سجدۂ عبادت کرنا شرک ہے اور بعض نے سجدۂ تعظیمی کو بھی شرک قرار دیا ہے، لہٰذا کسی بھی قبر کو سجدہ کرنے سے پرہیز کیا جائے اور جو کرتے ہوں ان کو اس سے منع کیا جائے اور توبہ و استغفار کی تلقین کی جائے۔

لما قال فی الهندية :من سجد للسلطان علیٰ وجه التحية او قبل الارض بين يديه لا يكفر ولكن يأثم لارتكابه الكبيرة وهو المختار و قال ابوجعفر رحمه الله وان سجد للسلطان بنية العبادة او لم يحضره النية فقد كفر كذا فی الجواهر الاخلاطی۔
(الفتاویٰ الهندية ج ۵ ص ۳۶۸ الباب الثامن والعشرون فی ملاقاة الملوک)[1]

غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ جو جانور کسی ولی یا بادشاہ کی تعظیم یا خوشنودی کے لیے ذبح کیا جائے یا باین نیت کہ بادشاہ کی نظروں میں مقبول ہو جاؤں اور وہ مجھے کوئی عہدہ دے دے یا موجودہ عہدہ پر برقرار رکھے تو اس مذبوحہ جانور اور ذبح کرنے والے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ جو جانور کسی ولی کی تعظیم و تکریم یا بادشاہ کی خوشنودی کے لیے ذبح کیا جائے یا اس نیت سے ذبح کرے کہ بادشاہ کے ہاں مقبول ہو جاؤں یا یہ کہ مجھے کوئی عہدہ دے دے یا اپنے عہدہ پر برقرار رکھے تو ان سب صورتوں میں مذبوحہ جانور حرام اور مُردار ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کرتے وقت ہزار مرتبہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور اکثر فقہاء کرام اس فعل کو موجبِ کفر بتاتے ہیں، البتہ بعض نے کفر قرار دینے میں احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے۔ بہرحال ایسا مذبوحہ مَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللہِ، مَا ذبح علی النصب

---

[1] قال العلامة ملا علی القاری رحمه الله : وفی الخلاصة ومن سجد لهم اراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه كفر وان اراد به التحية اختار بعض العلماء انه لا يكفر اقول هذا هو الاظهر۔ (شرح الفقه الاكبر ص ۱۹۳ فصل فی الكفر صريحاً وكناية)
وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۶ ص ۳۸۳ كتاب الكراهية۔

اور لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ میں فقہاء، محدثین اور مفسرین کے نزدیک داخل ہے، تاہم اگر اللہ تعالیٰ کی رضاء اور اس کی نعمتوں کے شکریہ میں ذبح کر دیا یعنی اس نیت سے کہ نیک اور خیر خواہ بادشاہ کا ہم پر مقرر ہونا بہت بڑی نعمت ہے، محض اس نعمت کے شکریہ میں کوئی جانور ذبح کر دیا بادشاہ کی خوشنودی مقصود نہ تھی تو یہ صورت جائز ہے اور مذبوحہ کا کھانا جائز اور حلال ہے، اور اگر بادشاہ وغیرہ کی دعوت پر ذبح کیا جائے تو بھی جائز اور حلال ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: ذبح لقدوم الامير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به لغير الله ولو وصلية ذكر اسم الله تعالىٰ ولو ذبح للضيف لا يحرم لانهٗ سُنّة الخليل واكرام الضيف اكرام الله تعالىٰ والفارق ان قدم ليأكل منه كان الذبح لله والمنفعة للضيف او للوليمة او للربح وان لم يقدمها ليأكل منها بل يدفعها لغيره كان لتعظيم غير الله فتحرم وهل هو يكفر؟ قولان بزازية شرح وهبانية قلت وفی صيد المنية انه يكره ولا يكفر لانه انظن بالمسلم انه يتقرب الى الآدمی بهذا النحر ونحوه فی شرح الوهبانية عن الذخيرة ونظمه فقال، وفاعله جمهورهم قال كافر۔ وفضلی واسماعيلی ليس يكفر۔[1]

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۰۹ کتاب الذبائح)

جانور قبروں پر لے جا کر ذبح کرنا

سوال: بعض لوگ قبروں پر بکرے وغیرہ لے جا کر وہاں ذبح کرتے ہیں، شرعاً ایسے جانوروں کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کسی بزرگ یا ولی کے ایصالِ ثواب کے لیے کسی جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت غرباء و مساکین میں تقسیم کرنا ایک جائز صورت ہے لیکن بکرا وغیرہ ان کے

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصری رحمه الله: وفی التتمة رجل ذبح للضيف شاة فذكر اسم الله تعالىٰ عليها فقال يحل اكله ولو ذبح لاجل قدوم الامير او قدوم واحد من العظماء وذكر اسم الله تعالىٰ يحرم اكله لانه ذبح لاجله تعظيمًا له۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۸ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهٗ فی البزازية علىٰ هامش الهندية ج ۶ ص ۳۰۲ نوع من كتاب الصيد۔

ان کے مزارات پر لے جاکر ان کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے اور اس سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے خواہ ذبح کرتے وقت کئی مرتبہ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا گیا ہو۔

لِمَا قال العلامة ابن نجيم رح: ذبح لقدوم الامير او لواحد من العظماء يحرم ولو ذكر الله تعالىٰ ۔ (الاشباه والنظائر ج ۳ ص ۲۳ كتاب الصيد والذبائح) [1]

قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا اور چراغ روشن کرنا

سوال:۔ اولیاء اللہ کی قبروں کو چومنا، گچ کرنا، ان پر پھولوں کی چادریں چڑھانا اور غلاف ڈالنا، ان کے مزاروں کو چومنا اور ان پر چراغاں کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ تمام افعال قبیحہ اور مفضی الی الشرک ہیں اس لیے کہ یہ امور بطور تعظیم کے کئے جاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کی ایسی تعظیم کرنا ناجائز ہے، اور اس میں مال کا ضیاع بھی ہے اور بے فائدہ کاموں میں مال کو صرف کرنا شرعاً منع ہے، لہٰذا ایسے امور شنیعہ سے بچنا ضروری ہے اور جو کام طریقہ محمدیہ (قرآن وحدیث) سے ثابت ہو اُسے اختیار کرنا چاہیئے۔

لما ورد في الحديث: وعن جابرؓ قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبر وان يبنى عليه وان يقعد عليه۔ رواه مسلم ـ وقال ايضاً: عن ابي الهياج قال لي علي الا ابعثك على ما بعثني عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لا تدع تمثالاً الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سويته رواه مسلم۔ (مشكوٰة ص ۱۴۸ باب في دفن الميت)

قال العلامة عينيؒ: قال الفقهاء الخراسانيون لا يمسح القبر ولا يقبله ولا يمسه فان كل ذٰلك من عادة النصارىٰ۔ (البناية في شرح الهداية ج ۳ ص ۵۰ م باب الجنائز) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: وفي التتمة رجل ذبح للضيف شاة فذكر اسم الله تعالىٰ عليها فقال يحل اكله ولو ذبح لاجل قدوم واحد من العظماء وذكر اسم الله تعالىٰ يحرم اكله لانه ذبح لاجله تعظيماً له۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۸ كتاب الذبائح) ــــ ومثله في البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۰۲)

[2] قال العلامة الحصكفيؒ: واعلم ان النذر الذي يقع للاموات من اكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقرباً اليهم فهو بالاجماع باطل حرام ما لم يقصد واصرفها لفقراء الانام وقد ابتلى الناس بذٰلك (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۹ الصوم مطلب في النذر الخ) ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۵۱ الباب السادس عشر في زيارة القبور)

پیر دمُرشد کو سجدہ کرنے کا حکم

سوال : جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں ایک پیر آتا ہے لوگ اس کی قدمبوسی کرتے ہیں اور اسے سجدہ بھی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- تمام امتِ مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا جائز نہیں بلکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا موجبِ کفر و شرک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں"۔ لہٰذا کسی صورت میں بھی غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے البتہ قدم بوسی کو بعض علماء نے جائز لکھا ہے بشرطیکہ اس میں کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہو۔

قال العلامة الحصكفيؒ : وكذا ما يفعلون من تقبيل الارض بين العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضى به آثمان لانه يشبه عبادة الوثن وهل يكفران على الوجه العبادة والتعظيم كفر وان على وجه التحية لا وصار آثماً مرتكباً للكبيرة۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۸۳ الكراهية - باب الاستبراء) [1]

قبر بوسی کا حکم

سوال :- بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اولیاء کرام کی قبروں کو بوسہ دیتے ہیں، تو کیا قبروں کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے ؟

الجواب :- قبر کو بطورِ تعظیم و تکریم بوسہ دینا کفر و ضلالت ہے اور بلا نیتِ تعظیم گناہ کبیرہ اور حرام ہے، اس لئے کہ یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے۔

قال العلامة الحصكفيؒ : وكذا ما يفعلون من تقبيل الارض بين يدى العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضى به آثمان لانه يشبه عبادة الوثن وهل يكفران كان على وجه العبادة والتعظيم كفر وان على وجه التحية لا۔ وصار آثماً مرتكباً للكبيرة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۸۳ الكراهية - باب الاستبراء) [2]

---

[1] قال العلامة ملا على القاريؒ : وفى الخلاصة ومن سجد لهم ان اراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه كفر وان اراد به التحية اختار بعض العلماء انه لا يكفر اقول هذا هو الاظهر۔ (شرح الفقه الاكبر ص ۲۹۴ فصل فى الكفر صريحاً وكنايةً) ـــــ ومثله فى الهندية ج ۵ ص ۳۶۸ الباب الثامن والعشرون فى ملاقاة الملوك۔

[2] قال العلامة ملا على القاريؒ : وفى الخلاصة ومن سجد لهم ان اراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه كفر وان اراد به التحية اختار بعض العلماء انه لا يكفر اقول وهذا هو الاظهر۔۔ واما تقبيل الارض فهو قريب من السجود۔ (شرح الفقه الاكبر ص ۲۹۴ فصل فى الكفر صريحاً وكنايةً) ـــ ومثله فى الهندية ج ۵ ص ۳۶۸ الباب الثامن والعشرون فى ملاقاة الملوك۔

قبر کا طواف کرنا اور اسکی مٹی بدن پر ملنا

سوال :۔ کسی بزرگ کی قبر کی مٹی یا پتھر وغیرہ بدن پر ملنے یا اس کے ارد گرد طواف کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ کسی بزرگ کی قبر کا مسح کرنا، چھونا، بوسہ لینا یا اس کی مٹی اور پتھر وغیرہ کو بدن پر ملنا یہ سب امور ناجائز اور بدعاتِ قبیحہ ہیں، اسی طرح قبر کا طواف کرنا بھی حرام ہے اسلئے کہ طواف عبادت جو بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے، ان سب امور سے تمام مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے، ایک مسلمان کو ایسے افعال بجالانا زیب نہیں دیتا۔

قال العلامة بدر الدین العینیؒ : قال الفقهاء الخراسانیون لا یمسح القبر ولا یقبله ولا یمسه فان کل ذٰلك من عادة النصارٰی قال وما ذکروہ صحیح ۔ وقال الزعفرانیؒ: لا یستلم القبر بیده ولا یقبله قال وعلیٰ هٰذا امضت السنة ومایفعله العوام الآن فهو من البدع المنکرة شرعاً ۔ (البنایة شرح الهدایة ج۳ ص۵۲ فی آخر باب الجنائز)[1]

مدد کن شاہِ جیلانیؒ، مدد کن شاہِ بغدادؒ کے الفاظ سے شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو پکارنا

سوال: اگر کوئی شخص شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اگر آپ کو مصیبت کے وقت مندرجہ ذیل الفاظ سے پکارا جائے تو آپ پکارنے والے کی مدد کرتے اور اس کی مصیبت کو دور کرتے ہیں :۔

اغثنی وامددنی فی قضاء حاجتی یا قاضی الحاجات ۔ یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ۔

مددکن شاہ شہانی ۔ مدد کن شاہِ جیلانیؒ ۔ مددکن شاہِ بغدادؒ ۔

اور یہ الفاظ خود بھی بطور وظیفہ پڑھتا ہو اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہو تو از روئے شرع ایسا عقیدہ رکھنے والے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ اگر کوئی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو اس نیت اور عقیدہ کے ساتھ پکارتا ہے کہ آپ ہماری پکار کو سنتے ہیں اور پکارنے پر پہنچکر امداد بھی کرتے ہیں، تو یہ ایک

---

[1] وفی الهندیة : ولا یمسح القبر ولا یقبله فان ذٰلك من عادة النصارٰی ۔
(الفتاوٰی الهندیة ج۵ ص۳۵۱ الباب السادس عشر فی زیارة القبور ۔ الخ)

مشرکانہ عقیدہ ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اس میں اس کا کوئی ہمسر و شریک نہیں ہے۔

لما قال العلامة الکردری رحمہ اللہ: من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر۔ (فتاویٰ بزازیة علی ہامش الہندیة ج۶ ص۳۲۶ الفصل الثانی فیما یتعلق باللہ تعالیٰ)[1]

فوت شدہ بزرگوں کو حاضر و ناظر سمجھنا

سوال:۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اولیاء اللہ وفات کے بعد بھی حاضر و ناظر ہیں اور مشکلات میں ان کو مدد کے لیے پکارنا صحیح ہے، اس کے خلاف ایک دوسرا شخص ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنے کا قائل ہے، شرعاً کس کی بات درست ہے؟

الجواب: مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے، اس کو ہر چیز پر قدرتِ کاملہ حاصل ہے، قرآنِ پاک اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے کہ ان صفات میں کوئی نبی کوئی ولی اللہ تعالیٰ کا ساجھی اور شریک نہیں ہے، البتہ انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے، قرآن پاک میں ہے کہ: "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۔ (سورة المائدہ آیت ۳۵)" باقی غیر اللہ کو بایں معنیٰ پکارنا کہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے شرکِ جلی ہے جو دائمی جہنم کا ذریعہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (سورة المائدہ آیت ۴۸) وقال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ (سورة الاحقاف آیت ۵)[2]

---

[1] قال العلامة عبد الحی اللکھنوی رحمہ اللہ: جواب او کافراست فی البزازیة من قال ارواح المشائخ حاضرون یعلمون یکفر۔

(مجموعة الفتاویٰ فارسی ج۳ ص۵ باب العقائد)

[2] وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ومنہا ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ اعتقادہ ذلک کفر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۹۸ فصل عقد لبیان مایوجب العبد علی نفسہ بعد ماذکر ما اوجبہ اللہ تعالیٰ علیہ)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی ہامش الہندیة ج۶ ص۳۲۶ الفصل الثانی فیما یتعلق باللہ۔

اولیاء کرام کو متصرّف فی الامور سمجھنا موجب کفر و شرک ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اولیاء اللہ ہم پر بارشیں برساتے ہیں اور بارشوں کا بند ہو جانا ان کی ناراضگی کی دلیل ہے، وہ مصائب و مشکلات میں ہماری مدد کرتے ہیں، یعنی تمام امور میں ان کو متصرّف سمجھتا ہو تو ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اولیاء کرام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مقربین اور محبوب ترین بندے ہوتے ہیں مگر ان کو خدائی کا درجہ دینا اور متصرّف فی الامور سمجھنا موجب کفر و شرک ہے۔ بارشیں برسانا، لوگوں کو نفع و نقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے غیر اللہ کو اس میں شریک کرنا شرکِ جلی ہے، اسلئے اس قسم کے عقیدہ سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ومنها ان ظن ان المیت یتصرّف فی الامور دُوْنَ اللّٰہِ اعتقادہ ذٰلک کفر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۹۸ فصل عقد لبیان مایوجب العبد علی نفسہ بعد ماذکر ما اوجبہ اللہ تعالیٰ علیہ)[۱]

غیر اللہ کے متعلق یَعْلَمُ مَا فِی الصُّدُوْر کا عقیدہ رکھنا

سوال:۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نبی یا ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دلوں کے راز جانتے ہیں، اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: دلوں کے راز اور بھید جاننے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ کسی انسان کے مافی الضمیر پر بغیر کسی اخبار کے باخبر ہو سکے، غیر اللہ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (سورۃ النمل آیت ۶۵)

قال اللہ تعالیٰ: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۴)

بلکہ فقہاء کرام نے غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے اور متصرّف فی الامور سمجھنے والے کو

---

[۱] قال اللہ تعالیٰ: قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ (سورۃ الاعراف)

وقال اللہ تعالیٰ: قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۔ (سورۃ الجن)

کافر تک کہا ہے۔

لما فی الهندیة : رجل تزوج امرأة و لم یحضرہ الشهود قال خدائے را ورسول را گواہ کردم، قال خدائے را و فرشتگان را گواہ کردم کفر۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۲ ص۲۶۶ الباب التاسع فی احکام المرتدین)[1]

مصائب ومشکلات میں غیراللہ کو پکارنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ کسی مشکل یا مصیبت میں غیراللہ کو پکارنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- مصائب ومشکلات میں غیراللہ سے استمداد اور اعانت ناجائز اور حرام ہے، اور ایسا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فوت شدہ نبی یا ولی دنیا میں بندوں کے امور میں مداخلت اور تصرّف کرسکتے ہیں اور لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں، یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے یعنی مافوق الاسباب بغیر کسی سبب کے سہارا لینے کے شریعت نے اللہ تعالیٰ سے استعانت و استمداد کا حکم دیا ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ : وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ہ (سورۃ یونس آیت ۱۰۶)[2]

یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا للہ کا وظیفہ پڑھنا شرک ہے

سوال:- یاشیخ عبدالقادر جیلانیؒ

---

[1] قال العلامة قاضیخانؒ : رجل تزوج امرأة بغیر شهود فقال الرجل والمرأة خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفرًا لانه اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔
(فتاوی قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج۳ ص۵۷۶ باب مایکون اسلامًا من الکافر وما لا یکون)
وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۶ الثانی فیما یتعلق باللہ۔

[2] وقال اللہ تعالیٰ ایضًا : وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ (سورۃ الاحقاف آیت ۵)
لما ورد فی الحدیث : قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا سألت فاسأل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ ۔ (مشکوٰۃ ص۴۳۵ باب الصبر والتوکل)

شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ اس عقیدے کے ساتھ پڑھنا کہ آپ حاضر و ناظر ہیں اور ہماری اس ندا اور وظیفے کو سنتے ہیں صریح شرک ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

قال العلامۃ الکردریؒ : تزوج بلا شھود وقال رسول خدا ای دراو فرشتگان را گواہ کردم، یکفر لانہ اعتقد ان الرسول والملک یعلمان الغیب۔
(الفتاویٰ البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۶ ص ۳۲۵ الثانی فیما یتعلق باللہ) [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا سمجھنا کفر ہے

سوال :- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشکل کشا ہونے کا عقیدہ رکھنا شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے کہ نہیں ؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق سے ما فوق الاسباب افعال سرزد ہونے کا عقیدہ رکھنا شرک ہے کیونکہ اس صفت کے ساتھ مخلوق کے مصائب اور مشکلات دور کرنا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، البتہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجازاً مشکل کشا کہا جائے تو اس سے شرک لازم نہیں آتا، تاہم عوام جو اس امتیاز کو پہچان نہیں سکتے اُن کو اس قسم کے عقائد رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ : منھا ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ اعتقادہ ذٰلک کفر۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۸ فصل عقد لبیان ما یوجب العبد علیٰ الخ)

داڑھی منڈانے کو جائز اور گناہ نہ سمجھنا

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام ایسے شخص کے بارے میں جس کا یہ عقیدہ ہے کہ داڑھی منڈانا جائز ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور وہ زبان سے بھی اپنے اس عقیدہ کا اظہار

---

[1] قال العلامۃ قاضیخانؒ : رجل تزوج امرأۃ بغیر شھود فقال الرجل والمرأۃ خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفراً لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔
(فتاویٰ قاضیخان علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۳ ص ۵۷۶ باب ما یکون اسلاماً من الکافر ما لا یکون)

کرتا ہے، از روئے شرع اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ داڑھی رکھنا شعائرِ اسلام میں داخل ہے اور روایات سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابۂ کرامؓ کی سنتِ متواترہ میں سے ہے، فقہاء کے نزدیک اس کی حد مقرر ہے جس کو مدنظر رکھتے ہوئے داڑھی منڈوانا حرام اور ناجائز ہے، اگر ایک شخص ایسے گناہ کو گناہ نہ سمجھے اور دیدہ دانستہ اس کی جرأت کرے اور داڑھی رکھنے کو اپنی طرف سے خود ساختہ طریقہ سمجھے تو ایسے شخص کا عقیدہ موجبِ کفر ہے۔ تاہم اگر داڑھی منڈوانے کی حلت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو صرف زبانی طور پر اس پر اصرار کرتا ہو تو پھر بھی یہ اندیشۂ کفر سے خالی نہیں، ایسا عقیدہ رکھنے یا اس کا اظہار کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ : ومنها ان استحلال المعصية صغيرة كانت او كبيرة كفر اذا ثبت كونها معصية بدلالة قطعية وكذا الاستهانة بها كفر بان يعدها هينة سهلة ويرتكبها من غير مبالات بها ويجريها مجرى المباحات فى ارتكابها۔ (شرح الفقه الاكبر ص۲۲۵ مسئلة فى استحلال المعصية) [۱]

ضروریاتِ دین سے استہزاء کرنا کفر ہے

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس شخص کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ: توحیدِ باری تعالیٰ (نعوذ باللہ) ایک مذاق ہے، اور شریعت سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی حامی ہے، نماز روزہ کوئی چیز نہیں ہے، میرا ایک مستقل دین ہے جس کے قبول کرنے میں لوگوں کی کامیابی ہے، شرعاً ایسے شخص کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مرتد اور کافر ہے کیونکہ ضروریاتِ دین کا منکر اور گستاخ ہے، با اثر اہلِ اسلام (حاکمِ وقت) کے لیے ضروری ہے کہ تائب نہ ہونے کی صورت میں اس کو مرتد کی سزا دیں اور تمام اہلِ اسلام اس سے قطع تعلق اختیار کریں۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ : ومن وصف الله بما لا يليق به او سخر باسم من

---

[۱] قال العلامة ابن عابدينؒ : لكن فى شرح العقائد النسفية استحلال المعصية كفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعى۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۲۹۲ مطلب استحلال المعصية القطعية كفر)

وَمِثْلُهٗ فى شرح العقيدة الطحاوية ص۳۶۳ لا نكفر احدًا من اهل القبلة الخ

اسمائه او بامر من آوامره اوانکر وعده اووعیده یکفر وکذا مخالفة ما اجمع علیه وانکاره بعد العلم به یعنی من امور الدین کفر۔ (شرح الفقه الاکبر ص۲۲۷ مسئلة استحلال المعصیة ولو صغیرة کفر) لہ

قرآن پاک کے اوراق کو پھاڑنا اور بےحرمتی کرنا موجب کفر ہے

سوال: قرآن حکیم کے اوراق کو توڑ پھوڑ کر بے ادبی اور بےحرمتی سے زمین پر گراتے والے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قرآن پاک کی توہین اور استخفاف کفر ہے اگرچہ توہین کرنے والا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل اور معتقد ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا شخص جس کے دل میں قرآن پاک کی عظمت نہ ہو یہاں تک کہ قرآن مجید کے اوراق کو پھاڑ کر زمین پر پھینکے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اووضع مصحفاً فی قاذورة فانه یکفر وان کان مصدقاً لانه ذٰلك فی حکم التکذیب۔ (ردالمحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد) ۲ہ

حرام پر حلال کا عقیدہ رکھنا موجب کفر ہے

سوال: اگر کوئی شخص حرام چیز پر حلال ہونے کا عقیدہ رکھے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ باوجود علم کے حرام پر حلال اور حلال پر حرام کا اعتقاد رکھنا موجب کفر ہے البتہ بعض استثنائی صورتوں کا حکم فقہاء نے علیحدہ ذکر کیا ہے کہ مذکورۃ الصدر حکم تب لازم ہوتا ہے کہ جب حرام لعینہ کو حلال سمجھے حرام لغیرہ کی حلت

لہ قال العلامة ابن عابدینؒ: وکذا فی مخالفته اوانکار ما اجمع علیه بعد العلم به لان ذٰلك علی ان التصدیق مفقود۔ (ردالمحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۳ کتاب الفاظ الکفر سلاً۔ الثانی فیما یتعلق الخ

۲ہ قال العلامة ملاعلی القاریؒ: من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوه مما یعظم فی الشرع کفر ومن وضع رجله علی المصحف حالفاً استخفافاً کفر۔ انتهٰی۔
(شرح الفقه الاکبر ص۲۳۹ فصل فی القراءة والصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۲ ص۲۶۶ الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

کا عقیدہ موجب کفر نہیں ہے، حرام لعینہٖ کا عقیدہ بھی اس وقت موجب کفر ہے جبکہ اس کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت ہو اگر اس کی حرمت خبرِ واحد سے ثابت ہو تو پھر یہ موجب کفر نہیں ہے۔

لما فی الھندیة: ومن اعتقد الحرام حلالاً او علی القلب یکفر اما لو قال لحرام هٰذا حلال لترویج السلعة او بحکم الجهل لا یکون کفراً وفی الاعتقاد هٰذا اذا کان حراماً لعینه وهو یعتقده حلالاً حتی یکون کفراً واما اذا کان حراماً لعینه انما یکفر اذا کان حراماً لعینه انما یکفر اذا کانت الحرمة ثابتةً بدلیل مقطوع به اما اذا کانت باخبار الاحاد فلا یکفر کذا فی الخلاصة۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۷۳ الباب التاسع فی احکام المرتدین)[۱]

رقص و سرود کو حلال اور جائز سمجھنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص رقص و سرود اور گانے بجانے کو حلال اور جائز سمجھتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ گانا بجانا اور رقص و سرود از روئے شرع ناجائز اور حرام ہے مگر اس کے ارتکاب سے ایک مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، البتہ جو شخص کسی حرام فعل کو حلال سمجھ کر کرے اور اس کو حرام نہ سمجھے تو یہ موجب کفر ہے لہٰذا جو شخص رقص و سرود اور گانے بجانے کو حلال اور جائز سمجھتا ہو تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

لما قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: قال القرطبیؒ علی ان هٰذا الغناء وضرب القضیب والرقص حرام بالاجماع عند مالک وابی حنیفة والشافعی واحمد فی مواضع کتابه وسید الطائفة شیخ احمد صرح بحرمته ورأیت فتوی شیخ الاسلام سید جلال الملة والدین (الکیلانی) ان استحل هٰذا الرقص کافراً ولما علم ان حرمته بالاجماع لزم

---

[۱] قال العلامة ابن نجیمؒ: والاصل ان من اعتقد الحرام حلالاً فان کان حراماً لغیره کمال الغیر لا یکفر وان کان لعینه فان کان دلیله قطعیاً کفر والا لا۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۳۲ باب المرتد) ومثلهٗ فی خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۸۳ الفصل الثانی فی الفاظ الکفر الخ۔

ان یکفر استحله ۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص۳۴۹ کتاب الفاظ القرآن تکون اسلامًا اوکفرًا اوخطاء۔ المتفرقات فی آخرالکتاب) [1]

یزید پر لعنت بھیجنا جائز نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میدانِ کربلا میں اہلبیت یعنی حضرت حسینؓ اور آپ کے رفقاء پر یزید اور شمر نے ظلم کئے تھے اور ان کو بیدردی سے شہید کیا تھا تو ایسے سخت دل ظالم آدمی کو کافر اور لعنتی کہنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ یزید اور اس کے متبعین کے فسق وفجور اور ظلم وزیادتی میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن اس ظلم اور فسق کی وجہ سے ان پر کفر اور ارتداد کا حکم لگانا مشکل ہے اس لیے کہ ان سے کوئی ایسا امر متحقق نہیں ہوا ہے جو انکے ارتداد پر دلالت کرے اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حلال سمجھ کر قتل کیا ہو، اسی طرح ان (یزید وشمر) پر لعنت کرنے سے بھی احتراز اولیٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں اور اہلِ قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء محققین نے اس مسئلہ میں توقف کے پہلو کو اختیار فرمایا ہے، اس لیے کہ ایمان کا دارو مدار خاتمہ پر ہے اور اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں۔

لماقال العلامة ملاعلی القاریؒ : وانما اختلفوا فی یزید بن معاویة حتی ذکر فی الخلاصة وغیرہ انه لاینبغی اللعن علیه ای ولاعلی الحجاج لان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن لعن المصلین ومن کان من اهل القبلة ...... وعلی الجملة ففی لعن الاشخاص خطر فیجتنب ولاخطر فی السکوت عن لعن ابلیس فضلًا عن غیرہ۔ انتهی۔ ولان الامر بقتل الحسینؓ لایوجب الکفرفان قتل غیرالانبیاء علیهم السلام کبیرة

---

[1] وقال العلامة علاؤالدین الحصکفیؒ : وفی السراج ودلت المسئلة ان الملاهی کلها حرام ویدخل علیهم بلااذنهم لانکارالمنکر۔ قال ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه صوت اللهو والغناء ینبت النفاق فی القلب کماینبت الماء النبات ۔ (الدرالمختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۳۴۸، کتاب الحظر والاباحة) وفی ج ۴ ص۲۵۹ ومن یستحل الرفض قالوا بکفرہ (باب المرتد) ومثله فی رد المحتار ج ۴ ص۲۵۹ باب المرتد۔

عند اهل السنة والجماعة الا ان یکون مستحلاً وهو غیر مختص بالحسین ونحوه مع ان لا استحلال امر لا یطلع علیه الا ذو الجلال۔ (شرح الفقه الاکبر ص۲ الکبیرۃ لاتخرج المؤمن عن الایمان)[1]

شریعتِ مطہرہ پر فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے

سوال:۔ دو آدمیوں کا آپس میں کسی بات پر تنازع پیدا ہو گیا، ایک نے کہا کہ ہم شریعتِ محمدی پر فیصلہ کریں گے، دوسرے نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا اور کہا کہ میں انگریزی قانون کے مطابق فیصلہ کراؤں گا شریعت پر فیصلہ کرانے کے لیے تیار نہیں ہوں، اور وہ برابر اس بات پر مصر ہے بلکہ حاکم کے سامنے انکارِ شریعت پر دستخط بھی کر دیئے ہیں، شرعاً اس آدمی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ مومن اپنے تمام معاملاتِ زندگی میں فیصلہ کن قانون صرف اور صرف خدائی قانون اور اسلامی شریعت کو تسلیم کرے، اور جو شخص دل سے اسلامی شریعت کو معاملاتِ زندگی میں فیصلہ کن قانون تسلیم نہیں کرتا وہ ہرگز مومن نہیں بلکہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن اگر وہ دل سے اسلامی شریعت کو فیصلہ کن قانون تو مانتا ہے مگر اس پر فیصلہ کرنے سے گریز کرتا ہے تو ایسا کرنا منافقوں کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء ع۶۵) اور منافقین کے بارے میں یوں فرمایا ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا۔ (سورة سورة النساء آیت ۱۰۲) اس لیے کسی بھی مسلمان کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: رجل قال لآخر اذهب معی الی الشرع فقال الآخر تا پیاده نیاوری نروم لا یکفر..... ولو قال

---

[1] وقال العلامة تفتازانیؒ: انما اختلفوا فی یزید بن معاویة حتی ذکر فی الخلاصة وغیرها انه لا ینبغی اللعن علیه ولا علی الحجاج لان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن لعن المصلّین ومن کان اهل القبله۔ (شرح العقائد ص۱۱۶ کف عن ذکر الصحابة الا بخیر)

وَمِثْلُهٗ فی مجموعة الفتاوی (اردو) ج۱ ص۵۹ کتاب العقائد۔

من شریعت چه دانم اَوْ قَالَ دبوس هست مرا بشریعت چه کنم یکفر۔
(خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۸۸ کتاب الفاظ الکفر۔ الجنس الثامن) لـه

"مجھے شریعت کی ضرورت نہیں" کہنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ سسر اور داماد کے مابین خانگی تنازعہ تھا، سسر نے داماد سے کہا کہ میرے ساتھ شریعتِ مطہرہ کے مطابق فیصلہ کرلو، داماد نے جواب میں کہا کہ "مجھے شریعت کی ضرورت نہیں"۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب: "مجھے شریعت کی ضرورت نہیں" کے الفاظ میں کچھ ابہام پایا جاتا ہے، اور اگر اس سے کہنے والے کا مقصد یہ ہو کہ میں اس مسئلہ میں شریعت پر فیصلہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں، ظاہر بات ہے کہ یہ الفاظ موجبِ کفر نہیں ہیں۔ لیکن اگر ان الفاظ سے مقصد شریعت سے انکار ہو تو شریعت چونکہ عالمِ انسانیت کے لیے پورے ضابطۂ حیات کا نام ہے اس لیے اس سے انکار کرنا موجبِ کفر ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید بخاری: من به رسم کنم نه بحکم قال الحاکم عبد الرحمن ان کان مراده فساد الخلق و ترك الشرع واتباع الرسم لا رد الحکم لا یکفر وان کان مراده فساد الخلق و ترك الشرع والحکم یکفر۔ (خلاصة الفتاوی جلد ۴ ص ۳۸۴ الفصل الثانی فی الفاظ الکفر الخ)

لما قال فی الهندیة: رجل قال لخصمه اذهب معی الی الشرع او قال بالفارسیة با من بشرع رو و قال خصمه بپاده بیار تا بروم بے چیز نروم یکفر لانه عاند الشرع۔
(الفتاوی الهندیة ج ۲ ص ۲۷۱ الباب التاسع فی احکام المرتدین ومنها ما یتعلق بالعلم والعلماء) ۲ـه

لـه قال العلامة قاضیخان: رجل بینه وبین غیره خصومة فقال رجل حکم خدای چنین است فقال آخر من حکم خدا را چه دانم قال ابو قاسم رحمه الله هو کفر لانه استخفاف بامر الله۔
(الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۳ ص ۵۷۵ باب ما یکون کفرا وما لا یکون)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۲ ص ۲۷۲ کتاب احکام المرتدین، ومنها ما یتعلق بالعلم والعلماء۔
۲ـه قال العلامة ابن بزاز الکردری: قال من شریعت چه دانم او قال دبوس هست من شریعت را چه کنم یکفر۔
(فتاوی بزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۳۸ کتاب الفاظ تکون اسلاما او کفرا او خطاءً، الباب الثامن فی الاستخفاف بالعلم)
وَمِثْلُهٗ فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۳ ص ۵۷۵ باب ما یکون کفرا من المسلم وما لا یکون۔

خدا اور رسول سے برأت کا اعلان موجب کفر ہے

سوال :- ایک شخص نے غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میرا خدا اور رسول سے کچھ واسطہ نہیں میں ان سے بری ہوں، اس قسم کا کلمہ بولنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- "میرا خدا اور رسول سے کچھ واسطہ نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ مجھے خدا اور رسول کی ضرورت نہیں، لہٰذا اگر سمجھ بوجھ سے اس کلمہ کو کلمۂ کفر جان کر بولا گیا ہو تو اس بول سے خدا اور رسول ؐ کا استخفاف لازم آتا ہے جو کہ موجب کفر ہے، لہٰذا ایسا شخص مرتد اور واجب القتل ہے۔

لما قال العلامۃ عالم بن العلاء انصاریؒ : ولو قال لرجل حکم خدا تعالیٰ چنیں است فقال من چہ کنم حکم خدا چہ دانم فہٰذا استخفاف باللہ فیکفر۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۵ ص۴۶۸ کتاب احکام المرتدین۔ المتفرقات) [1]

نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور دل میں لانا

سوال :- حالتِ نماز میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور دل میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ تشہد میں "صلوٰۃ وسلام" کے وقت آپ کا خیال مبارک دل میں لانا ناگزیر ہے، تو ایسی حالت میں آپ کے شمائل کا تصور کرتے ہوئے "صلوٰۃ وسلام" کہنے کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب :- نماز ایک ایسی عبادت ہے جو اول تا آخر خالصتہً عبادت خداوندی ہے اس لیے بطور عبادت وبندگی اس کا ہر ہر جزء یادِ خداوندی اور اس کے خشوع وخضوع میں ڈوبا ہوا ہونا چاہیئے، تو بطور عبادت وبندگی نماز میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی ذہن میں لانا فرویہی ہے۔

قال شرف الدین اسماعیل بن المقریؒ فی قصیدۃ تائیۃ : تخاطبہ ایاک نعبد۔ علیٰ غیرہ فیہا بغیر ضرورۃ - الیٰ ان قال وبالجملۃ فالتفکر فی الصلوٰۃ بغیر ما یتعلق بہا الحال ان کان دنیویاً فہو مکروہ اشد الکراھۃ بل مفسد عند اھل الحقیقۃ

---

[1] قال العلامۃ ابن البزاز الکردری رحمہ اللہ : ولو قال اللہ یعلم انی افعل اولا افعل او بریٔ من الانبیاء والملٰئکۃ یکفر اذ علم انہ کاذب۔
(فتاوی بزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۲۶ الثانی فیما یتعلق باللہ)
وَمِثلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۳۸۵ کتاب الفاظ الکفر۔

لقوات الركن الاصلی المقصود بالذات ۔ (

ہاں اگر بطور عقیدت و احترام تشہد کے ضمن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور ذہن میں آجائے اور ذہن ان کی طرف منتقل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔

لما قال الامام الغزالیؒ : واحضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل "سلام علیك ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لیصدق املك فی انہ یبلغہ ویرد علیك ما ہو اوفی عنہ ۔ (احیاء علوم الدین ج ۱ ص۱۶۹ ماینبغی ان یحضر فی القلب)

اسی طرح "صلوٰۃ وسلام" کہتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حاضر و ناظر اور براہ راست درود نہ سننے کا عقیدہ رکھا جائے بلکہ اس عقیدہ سے پڑھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ ملائکہ یا دیگر ذرائع سے میرا صلوٰۃ وسلام آپؐ تک پہنچاتے ہیں ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے عقیدہ کی وضاحت

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی : اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا ۔ اور قرآن مجید میں بھی جا بجا آپؐ پر نور کا اطلاق ہوا ہے جب آپ نور تھے تو پھر نور کا سایہ بھی نہیں ہونا چاہیئے؟ جبکہ آپؐ کا سایہ نہ ہونے کا بعض کتب میں تذکرہ بھی ملتا ہے ، تو کیا یہ ٹھیک ہے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا؟ مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے ؟

الجواب :- اگر نقل صحیح سے ثابت ہو جائے کہ بطور معجزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا تو کوئی مسلمان اس کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں کر سکتا ہے ، لیکن اس باب میں کوئی صحیح نقل موجود نہیں ، حدیث کی کتب متداولہ صحاح ستہ میں اس مضمون کی کوئی حدیث وارد نہیں ہے ، البتہ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "خصائص کبریٰ" میں اس مضمون کی ایک حدیث مرسلاً روایت کی ہے :-

عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یُریٰ لہٗ ظل فی شمس ولا قمر ولا اثر قضاء حاجۃ ۔ قال السیوطیؒ قال ابن سبع من خصائصہ ان ظلہٗ کان لا یقع علی الارض وانہٗ کان نورا فکان اذا مرّ فی الشمس او القمر لا ینظر لہٗ ۔
(خصائص الکبریٰ ج ۱ ص۶۸ باب الآیۃ فی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یریٰ لہٗ ظل)

لیکن یہ روایت چند وجوہات کی بناء پر ثابت و معتبر نہیں ہے :-

(۱) اس لیے کہ دھوپ اور چاندنی میں چلنے پھرتے اور اٹھنے بیٹھنے کے واقعات جو سفر و حضر، مجامع صحابہ کے سامنے تمام عمرِ نبوی میں پیش آئے ہیں اور یہ غیر محصور اور نہایت کثیر التعداد ہیں، پھر دیکھنے والے صحابہ ہزاروں میں ہیں، پھر صحابۂ کرام کی عادت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور انورؐ کی ذرا ذرا سی بات، نقل و حرکت اور آثار و حالات کے بیان کرنے کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے۔ ان امور کا مقتضیٰ یقینی طور پر یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ معجزتاً ثابت ہوتا تو اس کی روایات صحابۂ کرام کی ایک عظیم جماعت سے منقول ہوتی اور یقیناً حد تواتر کو پہنچتیں، لیکن جب ذخیرۂ حدیث پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس بارہ میں صرف ایک مرسل حدیث اور وہ بھی سنداً ضعیف ملتی ہے جو قرینہ قویہ اس امر کا ہے کہ یہ بات خلافِ واقع ہے۔

(۲) یہ حدیث مرسل ہے اور محدثین کی ایک عظیم جماعت مرسل حدیث کو حجت نہیں مانتی۔

(۳) یہ کہ اس حدیث کا پہلا راوی عبدالرحمٰن ابن قیس زعفرانی ضعیف و مجروح اور ناقابلِ اعتبار ہے

قال الشیخ العلامۃ الذہبی رحمہ اللہ: کذب بہ ابن مہدی وابوزرعۃ وقال البخاری ذہب حدیثہ وقال احمد لم یکن بشیء وصرح لہ الحاکم حدیثاً منکراً وصححہ۔ (میزان الاعتدال ص۵۸۳ ج۲ ومثلہ فی التقریب ص۔۔۔) وقال العلامۃ ابن حجرؒ: کان ابن مھدی یکذبہ۔ وقال احمد حدیثہ ضعیف ولم یکن بشیء متروک الحدیث۔ وقال النسائی متروک الحدیث۔ وقال زکریا الساجی ضعیف کتبت عن حوثرۃ المنقری عنہ۔ وقال صالح بن محمد کان یضع الحدیث۔ وقال ابن عدی عامۃ مایرویہ لا یتابعہ علیہ الثقات قلتُ۔ وقال الحاکم روی عن محمد بن عمرو وحماد ابن سلمۃ احادیث منکرۃ منہا حدیث من کرامۃ المؤمن علی اللہ ان یغفر لمشیعیہ قال وھذا اعندی موضوع ولیس الحمل فیہ الا علیہ۔ وقال الحاکم ابواحمد ذاھب الحدیث۔ وقال ابونعیم الاصبھانی لا شیء۔ (تہذیب التہذیب ص۲۳۱ ج۶ رقم ۱۳۰م)

اور دوسرا راوی عبدالملک بن عبداللہ بن الولید بھی مجہول الحال ہے، کتب متداولہ میں اس کا حال مذکور نہیں۔

الحاصل: اوّل تو ایک ایسے عامۃ الورود واقعہ میں تمام صحابۂ کرامؓ کا سکوت اور صرف مرسل حدیث کا اس میں مذکور ہونا ہی علامتِ قویہ روایت کے غیر ثابت و غیر معتبر ہونے کی

ہے۔ ثانیاً روایت مرسل ہے۔ ثالثاً اس کا راوی بالکل کاذب اور واضع حدیث ہے۔

اور بعض حضرات نے جو سایہ نہ ہونے پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں نور فرمایا ہے، یا آپؐ اپنی دعاؤں میں اجعلنی نوراً فرمایا کرتے تھے، سو یہ استدلال بالکل ناقابلِ التفات ہے۔ ظاہر ہے کہ آیت میں نیز "حدیثِ دعائیں نور ہونے سے یہ کسی کے نزدیک مراد نہیں کہ عالم عناصر کے کیفیات و آثار آپؐ میں نہ تھے یا آپؐ کی دعا و خواہش یہ تھی کہ عالم عناصر کے آثارِ مخصوصہ سے علیحدہ ہوکر (معاذ اللہ) ہوا کی طرح غیر مرئی ہو جائیں، بلکہ باتفاقِ عقلاء و علماء مراد یہ ہے کہ جس طرح نور ذریعۂ ہدایت و بصیرت ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذریعۂ ہدایت ہیں، اور چونکہ نبی کا انتہائی کمال اسی میں ہے کہ شانِ نبوّت و ہدایت درجہ کمال میں ہو، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنی دعاؤں میں اس کا کمال طلب فرماتے تھے۔ اور اسی معنیٰ کی بناء پر قرآن کو اور توریت کو بنصِ قرآن نور کہا گیا ہے، اسی معنیٰ میں صحابۂ کرامؓ کو بھی نجوم ہدایت فرمایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ دعا (اللّٰھم اجعلنی نوراً) تو تمام امت کو تلقین فرمائی گئی ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی نہیں ہے۔

بعض حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی یہ توجیہہ کی ہے کہ آپؐ جس طرف چلتے تھے سر مبارک پر فرشتے یا ابرِ رحمت سایہ فگن رہتا تھا۔ یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو دوسرے صحیح و صریح روایات اس کے معارض موجود ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی حدیث میں در بارۂ ہجرت بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے: ان ابا بکرٍ قام للناس وجلس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صامتاً فطفق من جاء من الانصار ممن لم یریٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یحیی ابا بکر حتی اصابت الشمس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاقبل ابو بکر حتی ظلّ علیہ بردائہ فعرف النّاس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عند ذٰلک، کذا فی المواھب، وقال الزرقانی فی شرح المواھب: وعن ابی عقبۃ عن الزھری فطفق من جاء من الانصار یحسبہ ایاہ حتی اصابتہ الشمس اقبل ابوبکر بشیٍٔ اظلہ بہ۔

(شرح المواھب للزرقانی ج ۱ ص ۳۵۰)

وبمثلہ یروی تظلیلہ علیہ السلام فی حجۃ الوداع وھو مشھور ومذکورٌ فی عامۃ الکتب۔ (

اس لیے یا تو سایہ نہ ہونے کی حدیث کو بمقابلہ ان روایات کے غیر ثابت قرار دیا جائے

اور یا یہ کہا جائے کہ پہلے ایسا ہوگا بعد میں یہ صورت نہ رہی، علامہ ابن حجر قسطلانیؒ نے مواہب میں اسی صورت کو اختیار کیا ہے، چنانچہ حدیث ہجرت مذکور الصدر کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے[1]

کسی غوث یا قطب کو مافوق الاسباب متصرّف سمجھنا شرک ہے

سوال: کسی غوث یا قطب کو مافوق الاسباب متصرف کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان القاب کا استعمال ان کے لیے از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث میں نیک اور صالح لوگوں پر ابدال، اولیاء اور مجددین کا اطلاق ثابت ہے۔

عن امّ سلمةؓ عن النبیؐ قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربًا الی مکة فیاتیه ناسٌ من اهل مکة فیخرجونه فیبایعونه بین الرکن والمقام ویبعث الیه البعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مکة والمدینة فاذا رای الناس ذٰلك اتاه ابدال الشام۔ (الحدیث)

(مشکوٰة ص۴۷۱ باب اشراط الساعة۔ الفصل الثانی)

جبکہ قطب اور غوث کا اطلاق احادیث رسول اللہ میں کہیں بھی نہیں پایا جاتا ہے، تاہم علماء کرام اور صوفیاء عظام ان الفاظ کو بھی اولیاء اللہ کے لیے استعمال کرتے ہیں

قال العلامة ملا علی القاریؒ: قلت فهم الاقطاب فی الاقطار یاخذون الفیض من قطب الاقطاب المسمّٰی بالغوث الاعظم فهم بمنزلة الوزراء تحت حکم الوزیر الاعظم الخ (مرقاة المصابیح ج۱ ص۱۲۸)[2]

---

[1] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: سایہ نہ ہونے کی ایک بھی صریح روایت نہیں گذری، صرف بعض نے واجعلنی نورًا سے استدلال کیا ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ سایہ ظلمت ہوتا ہے مگر ضعف اس کا ظاہر ہے۔۔۔۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر پر بعض اوقات سفر میں کپڑے کا سایہ کئے ہوتے تھے۔ (امداد الفتاوٰی ج۵ ص۴۰۶ کتاب العقائد والکفر)

[2] قال الشیخ عبدالوهاب الشعرانیؒ: المبحث الخامس والاربعون فی بیان ان اکبر الاولیاء بعد الصحابة القطب ثم الافراد علی خلاف فی ذٰلك ثم الامامان ثم الاوتاد ثم الابدال۔ (الیواقیت والجواهر ج۲ ص۷۹)

ہاں اگر کوئی آدمی کسی غوث، قطب یا کسی دوسرے ولی اللہ کو مافوق الاسباب متصرف سمجھتا ہو یا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کا انتظام و انصرام ان کے حوالے کیا ہے اور جزوی امور کو خود ہی حل کرتے ہیں، از روئے شریعت جائز نہیں بلکہ اس کا معتقد مشرک قرار دیا جائے گا۔

کسی مخلوق کے بارے میں اللہ کے نور سے جدا ہونے کا عقیدہ رکھنا خلافِ اسلام ہے

سوال:۔ انبیاء کرام یا پنج تن پاک (حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ) کو اللہ تعالیٰ کے نور کا جزء ماننا اور اس سے جدا ہونے کا عقیدہ رکھنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ انبیاء کرامؑ، پنجتن پاک یا کسی بھی دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے نور سے جدا ہونا اور اس کا جزء ماننا باطل اور غلط عقیدہ ہے۔ باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمارا عقیدہ بحیثیت مسلمان یہ ہے کہ آپؐ نور ہیں مگر اس معنیٰ سے کہ "کیفیۃٌ ظاهرۃٌ بنفسها مظهرۃٌ لغیرها"۔ انبیاء کرامؑ پر اس معنیٰ سے نور کا اطلاق صحیح ہے۔ اور یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے علیحدہ ہوئے ہیں اور اسی عقیدہ کے پس منظر میں ان کی بشریت سے انکار کرنا قرآن و حدیث کی رو سے باطل ہے۔ اور آپؐ کی بشریت سے تو انکار ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپؐ ہی کے ذریعے یہ اعلان کروایا: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (سورۃ الکہف ع۱۱)

البتہ اگر نور بمعنیٰ نورِ ہدایت ہو تو پھر اس کا اطلاق انبیاء کرام اور دیگر مقتدایانِ دین پر درست ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے متعلق شرکیہ اور بے بنیاد حکایات

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ معراج کے موقع پر جب جبریل امینؑ نے سدرۃ المنتہیٰ پر آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیا تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کندھا دے کر آپؐ کو وہاں سے اوپر لے گئے؟ اور جنت کی سیر کرتے وقت جب آپؐ کا پاؤں کیلے کے چھلکے سے پھسلا تو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے آپؐ کو گرنے سے بچا لیا، یاد رہے کہ یہ چھلکا ایک حور نے کیلا کھانے کے بعد پھینکا تھا۔ تو کیا یہ واقعات شریعت سے متصادم ہیں کہ نہیں؟ اور ان پر عقیدہ رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپؒ ایک عالم باعمل اور

متبع شریعت ولی اللہ تھے، آپ کی ولایت اور مقام ومرتبہ خود ان کی کتب سے معلوم ہوتا ہے اس قسم کی کہانیاں بے اصل اور من گھڑت ہیں، اور اس قسم کی کہانیوں کی صداقت پر اعتقاد رکھنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا، تاہم اس قسم کی من گھڑت اور بے اصل کہانیوں کو ماننے والوں پر توبہ لازم ہے اگر توبہ نہ کریں تو اعتقاد صریحًا کفر اور شرک ہے۔

جنت کی پیمائش، دنیا میں ممکن نہیں

سوال:۔ کیا جنت کا طول وعرض معلوم کرنا دنیاوی پیمائشوں سے ممکن ہے؟

الجواب:۔ جنت کا طول وعرض دنیاوی پیمانوں سے کس طرح معلوم کیا جا سکے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَجَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (سورۃ آل عمران آیت ۱۳۳) اور اسی طرح متعدد احادیث میں بھی جنت کی وسعت کے متعلق مختلف قسم کے تشبیہات ذکر ہوئے ہیں۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مائة درجة ما بین کلّ درجتین کما بین السماء والارض والفردوس اعلاها درجة منها تفجر انهار الجنة الاربعة ومن فوقها یکون العرش فاذا سألتم الله فاسئلوا الفردوس۔

(مشکوٰۃ ص ۴۹۶ باب صفة الجنة۔ الفصل الاوّل)[1]

تقویۃ الایمان کی بعض عبارات کی وضاحت

سوال:۔ "تقویۃ الایمان" مؤلفہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مندرجہ ذیل عبارات ازروئے شریعت درست ہیں یا نہیں؟

(۱) وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ اور یہ یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۲-۱۴ فصل دوم۔ شرک فی العلم کی برائی کا بیان)

---

[1] قال الشیخ فخر الدین الرازی رحمه الله: المقصود المبالغة فی وصف سعة الجنة وذٰلك لانهٗ لا شیء عندنا اعرض منهما ونظیره۔ قوله تعالیٰ "خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" فان اطول الاشیاء بقاءً عندنا هو السمٰوٰت والارض فخوطبنا علی وفق ما عرفناه فکذا ههنا۔ (تفسیر الکبیر ج ۳ ص ۴۲ آل عمران ۱۳۳)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: اَوْ فِسْقًا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ۔ یعنی جیسے سور، لہو اور مردار ناپاک و حرام ہے، ایسا ہی وہ جانور بھی ناپاک و حرام ہے جو کہ خود گناہ کی صورت بن رہا ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کا ٹھہرایا۔ (تقویۃ الایمان ص۳۳ کتاب العقائد)

(۳) حدیث مشکوٰۃ "باب عشرۃ النساء" اونٹ کے سجدہ کرنے کے تحت آپ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء، امام و امام زادہ، پیر و پیرزادہ و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر اُن کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔ (تقویۃ الایمان ص۵۰ کتاب العقائد)

ان عبارات کی شرعی حیثیت واضح کریں کہ ان عبارات کی رو سے حضرت شہیدؒ پر کفر کی نسبت درست ہے کہ نہیں؟ اگر درست نہ ہو تو پھر حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو کافر کہنے والے کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ "تقویۃ الایمان" کی مذکورہ عبارات کا مطلب یہ ہے کہ:۔

(۱) اس عبارت سے مراد حق تعالیٰ کی نہایت بڑائی ظاہر کرنا ہے کہ اس کی سب مخلوقات اگرچہ کسی درجہ کی ہو اس سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی، مثلاً کمہار مٹی کا خوبصورت اور پسندیدہ لوٹا بنا کر اسے نہایت احتیاط سے رکھتا ہے مگر وہ اسے توڑنے کا بھی اختیار رکھتا ہے لیکن لوٹے کو کسی بھی درجہ میں مساوات کمہار سے نہیں ہوتی، پس حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک جو کہ خالق محض قدرت سے ہے اس کے ساتھ کسی مخلوق کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ چمار کو شہنشاہِ دُنیا سے اولادِ آدم ہونے میں مناسبت اور مساوات ہے اور شہنشاہ چمار کا نہ خالق ہے نہ رازق ہے، تو چمار کو تو شہنشاہ سے مساوات بعض وجوہ سے ہے مگر حق تعالیٰ کے ساتھ اس قدر بھی کسی کو مناسبت نہیں ہو سکتی۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ تمام مخلوق سے برتر و معزز اور افضل و اعلیٰ ہیں کہ کوئی ان کی مثل نہ ہوا ہے نہ ہوگا مگر حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے مقابلہ میں وہ بھی بندۂ مخلوق ہیں تو یہ سب حق ہے لیکن کچھ کم فہم اپنی کم فہمی سے اعتراضِ بیہودہ کر کے شانِ حق تعالیٰ کو گھٹاتے ہیں اور اس کا نام حُبِّ رسول صلعم رکھتے ہیں۔ (فتاوٰی رشیدیہ ص۴۳ کتاب العقائد)

(۲) تقویۃ الایمان کی عبارت یعنی جیسے سُور، لہو اور مُردار.....الخ

یہ عبارت بالکل صحیح ہے کیونکہ مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کے اصلی مطلب اور نیچو رکو ملّوا نا شہید

نے نکالا ہے اور بہت بڑے مشرکانہ عقیدے اور طریقے سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا ہے کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ (الآیۃ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: " ان جانوروں پر اللہ کے سوا بُت وغیرہ کا نام پکارا جائے یعنی اللہ کے سوا کسی بت، جن یا کسی خبیث روح یا پیر یا پیغمبر کے نامزد کر کے اور اس جانور کی جان اُن کی نذر کر کے ان کے تقرب یا رضا جوئی کی نیت سے ذبح کیا جائے اور محض ان کی خوشنودی کی غرض سے اس کی جان نکالنی مقصود ہو تو ان سب جانوروں کا کھانا حرام ہے گو بوقتِ ذبح تکبیر پڑھی ہو اور اللہ کا نام لیا گیا ہو کیونکہ جان کو جانِ آفریں کے سوا کسی دوسرے کے لیے نذر و نیاز کرنا ہرگز درست نہیں۔" اس لیے کہ جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر کی نذر کی جائے تو اس کی خباثت مردار کی خباثت سے بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ مردار میں تو یہی خرابی تھی کہ اس کی جان اللہ کے نام پر نہیں نکلی اور اس جانور کی جان تو غیر اللہ کے نامزد کر دی گئی جو کہ عین شرک ہے۔ سو جیسے خنزیر اور کتے کو تکبیر کہہ کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہیں ہو سکتے اور مُردار پر اللہ کا نام لینے سے کوئی نفع نہیں ہو سکتا، ایسے ہی جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر اور ان کے نامزد کر دی گئی ہو اُس پر ذبح کے وقت نام الٰہی لینا ہرگز ہرگز کوئی نفع اور حلت اس میں نہیں آسکتی، پس شاہ صاحبؒ نے کیسے اچھے الفاظ میں یہ حقیقت ظاہر کی۔

اسی طرح امام فخر الدین رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے:-

قال الرازیؒ قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحها التقرب الی غیر اللّٰہ صار مرتدًا و ذبیحته المرتد۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۲ سورۃ البقرۃ)

(۳) مشکوٰۃ شریف باب عشرۃ النساء میں اونٹ کے سجدہ کرنے کی حدیث یہ ہے:

وعن عائشۃؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان فی نفر من المهاجرین والانصار فجاء بعیر فسجد له فقال اصحابه یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تسجد لك البهائم والشجر فنحن احق ان نسجد لك فقال اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم ولو امرت احدًا ان یسجد لاحد لأمرت المرأۃ ان تسجد لزوجها ولو امرها ان تنقل من جبل اصفر الی جبل اسود ومن جبل اسود الی جبل ابیض کان ینبغی لها ان تفعله۔ رواہ احمد۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۲)

لما قال محمد الطیبیؒ: یعنی اکرموا من هو بشرٌ مثلکم ومفرع من صلب ابیکم آدم۔ (شرح طیبی ج ص باب عشرۃ النساء وما لکل واحدٍ من الحقوق۔ الفصل الثالث)

اس سے معلوم ہوا کہ اخ کا اطلاق شریک فی الوصف پر جائز ہے۔ تو اگر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے "اکرموا اخاکم" سے استنباط کرکے یہ فرمایا کہ انبیاء و اولیاء وغیرہم اللہ کے مقرب بندے اور ہمارے بھائی ہیں، تو انہوں نے کچھ بُرا نہیں کیا کیونکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو ہمارے بھائی کہتے ہیں، تو جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بھائی کا اطلاق درست ہے تو دیگر انبیاء و اولیاء، ائمہ و پیر پر تو بطریق اولیٰ بھائی ہونے کا اطلاق درست ہے کیونکہ وصفِ بشریت میں تو تمام شریک ہیں، اس لیے سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت بالکل صحیح ہے اور شرعاً اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے۔

صراطِ مستقیم کی ایک عبارت کی وضاحت

سوال:۔ "اور شیخ یا اس جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ رسالتمآبؐ ہی ہوں، اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بہتر ہے"۔
(صراطِ مستقیم ص۹۷)

اِس عبارت کی وضاحت فرمائیں، نیز کیا یہ شریعتِ مطہر کے مطابق ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ مسئلہ تصورِ شیخ کے نام سے مشہور ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک ذاکر ذکرِ خداوندی میں لگ جاتا ہے اور مراقبہ کر لیتا ہے تو شیطان اس سالک کے دل میں وسوسے ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے ذاکر کا خیال و فکر دوسری طرف مائل ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ سالک دفعِ وساوسِ شیطانی کی غرض سے اپنے شیخ کا تصور کر لیتا ہے اور جب وسوسہ دور ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کے ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتا ہے، یہ تصور دفعِ وساوسِ شیطانی کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ محمد معصومؒ کے سلسلے میں ایک طریقہ تھا، اور اس قسم کے تصوّر کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

اسی طرح دیگر اُن احادیث میں جو صحابۂ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی حالت بیان کرتے ہیں تو وقتِ بیان میں اس زمانے کا تصوّر کرتے ہیں۔

الحاصل:۔ یہ تصوّرِ شیخ کافی عرصہ تک سلسلۂ تصوّف میں دفعِ وساوسِ شیطانی کے لیے جاری رہا لیکن بعد میں بعض جہال نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا کہ تصورِ شیخ کو ذریعہ نجات بنا کر اس اسی پر بھروسہ کر کے ذکر و فکرِ الٰہی کو بالائے طاق رکھ دیا اور بس تصورِ شیخ ہی کو اصلی مقصد جان کر اس میں مستغرق ہو گئے، پس علماءِ دین نے اس طریقہ سے تصوّرِ شیخ کو منع فرمایا اور ایسا کرنے والے کو

مشرک قرار دیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس مسئلہ کی طرف لوگوں کے خیالات مبذول کر کے فرمایا: "شیخ یا اس اس جیسے اور بزرگ کی طرف خواہ جناب رسالتمآب ؐ ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا یعنی اس کے خیالی تصور پر بھروسہ کر کے اسے کارساز و حاضر ناظر جان کر تقرب کے لیے کافی سمجھنا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے۔" جیسا کہ گدھے اور بیل کی صورت میں مستغرق ہونے سے کچھ منفعت نہیں اسی طرح بزرگوں کے صرف تصور میں مستغرق ہو کر ذکر و فکر الٰہی کو چھوڑنا اس سے برا ہے اور کوئی نفع اس میں نہیں ہے، یہ تشبیہ عدم منفعت میں ہے۔[1]

ارواح کی دنیا میں واپسی کا عقیدہ غلط ہے

سوال: عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو ایک سال تک مسلسل اس کی روح ہر جمعہ کو گھر آتی رہتی ہے، شریعت میں اس کی کوئی گنجائش ہے؟

الجواب: موت کے بعد روح کا گھر یا دنیا میں واپس آنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں اور نہ ہی عقل اس کی تائید کرتی ہے بلکہ موت کے بعد روح کا جنت یا دوزخ میں ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے، اس لیے ایسا عقیدہ رکھنا خلافِ شرع ہے، عوام الناس کو اس غلط عقیدے سے منع کرنا چاہیئے۔

لما ورد فی الحدیث: وعن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ارواح الشھداء فی اجواف طیر خضر تعلق من ثمر الجنۃ او شجر الجنۃ۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن۔ (الترغیب والترھیب للمنذری ج۲ ص۳۱۶۔ ماجاء فی فضل الشہید۔ کتاب الجہاد)

بعض صالحین کو بوقتِ وفات منجانب اللہ نجات کی خوشخبری ملنا

سوال: احتساب کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کو مقرر فرمایا ہے لیکن بعض اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے خواب میں اپنے حساب و کتاب میں کامیابی کی خوشخبری سنی ہے کہ میرے اعمال اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوئے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ قیامت سے پہلے کسی کو اپنے حساب و کتاب سے آگاہی ہوتی ہے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کو "یوم الحساب" فرمایا ہے لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ

---

[1] شاہ صاحبؒ کی بات نماز کی حالت میں غیر اللہ کے تصور کے ساتھ متعلق ہے۔ اسلئے کہ نماز اللہ تعالیٰ کیلئے پڑھی جاتی ہے۔ اگر آدمی کسی اور کی تعظیم کی طرف اپنی ہمت لگا دے تو یہ عبادت کے اندر شرک ہو گا۔ کما قالہ اور غیر کی تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ الخ (صراط مستقیم ص۱۶۹، ۱۷۰ [illegible])

مؤمن صالح کو مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے بذریعہ فرشتگان یہ بشارت دی جاتی ہے کہ آپ کی نجات ہوگئی اور آپ کے اعمال قبول ہوئے۔

قال اللہ تعالیٰ : اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (سورۃ فصلت آیت ۳۰)

برزخ میں بھی بشارت کا ثبوت حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہوتا ہے۔

قال - فینادی منادٍ ان قد صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ والبسوہ من الجنۃ وافتحوا بابًا لہ الی الجنۃ ۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵ باب اثبات عذاب القبر - الفصل الثانی) [۱]

جب یہ معلوم ہوا کہ مومن صالح کو مرتے وقت اور عالم برزخ میں جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو مؤمن صالح کا بذریعہ خواب کسی کو اپنے حساب و کتاب کی اطلاع دینا بھی یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ مجھے جنت میں جانے کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حکومت کا کوئی وفادار ملازم کسی بڑے عہدے کا امیدوار ہوا اور حکومت اس کو اطلاع دے دے کہ فلاں تاریخ سے فلاں عہدے پر تمہاری ترقی ہوگی اور وہ شخص خوشی کے مارے اپنے عزیز و اقارب سے کہہ دے کہ فلاں عہدے پر میری ترقی ہوگئی ہے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور آپ کی تصنیف تقویۃ الایمان کا تذکرہ

سوال:- کیا شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ واقعی ایک عالمِ باعمل اور ولی اللہ تھے؟ نیز ان کی تصنیف "تقویۃ الایمان" کیسی کتاب ہے؟ بعض لوگ آپ کو کافر کہتے ہیں، آیا درست ہے یا غلط؟

الجواب:- حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا ایک عالمِ باعمل، ولی کامل اور مجاھد فی سبیل اللہ ہونا ناقابلِ انکار ہے، اہل اسلام آج تک آپ کے کردار کو سراہتے ہیں، آپ ہی کی تعلیمِ جہاد نے مسلمانانِ ہند میں جذبۂ جہاد پیدا کیا جو آزادئ ہند پر منتج ہوا۔ اور آپ کی تصنیف "تقویۃ الایمان" کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا

---

[۱] عن البراء بن عازب قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الانصار ... فینادی منادٍ من السماء ان صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ والبسوہ من الجنۃ وافتحوا لہ بابًا الی الجنۃ ۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۸ کتاب السنۃ - باب فی المسألۃ فی القبر وعذاب القبر)

فتویٰ یہ ہے کہ "اسماعیل شہیدؒ کی تالیف "تقویۃ الایمان" نہایت عمدہ اور سچی کتاب ہے اور موجب قوت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن وحدیث کا پورا مطلب اس میں ہے، اس کا مؤلف شاہ اسماعیل شہیدؒ ایک مقبول بندہ تھا اُن کو جو کافر جانتا ہے وہ خود شیطان ملعون حق تعالیٰ کا ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب الایمان والکفر)

دنیا میں جنت جیسی زمین تیار کرنا ناممکن ہے

سوال:- کیا جنت جیسی زمین دنیا میں تیار کرنا کسی انسان کے لیے ممکن ہے یا نہیں ؟

الجواب:- جنت کی ایک بالشت زمین جیسی دنیا میں تیار کرنا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں، کیونکہ جنت کی زمین کے اوصاف، لوازمات دنیا کی زمین سے بالکل مختلف ہیں مثلاً یہاں کی زمین کی حقیقت مٹی ہے اور جنت کی زمین کی حقیقت مُشک وزعفران ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبنة من فضة ولبنة من ذهب وملاطها المسك الاذفر وحصباء ها اللؤلؤ والياقوت وتربتها الزعفران۔ (ترمذی ج۲ ص۷۹ باب ماجاء فی صفة الجنة ونعیمہا)

اسی طرح وہاں بھوک، پیاس اور برہنگی نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: اَنْ لَا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی ۔ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۷)

اور یہی اوصاف زمینِ دنیا میں پیدا نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ اسی بنا پر جنت جیسی معمولی زمین دنیا میں تیار کرنا کسی کے بس کا کام نہیں ہے، لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا سراسر اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے[1]

ماہِ صفر میں نزولِ بلیات وآفات کا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے

سوال:- ماہِ صفر کو منحوس اور نزولِ بلیات وآفات کا مہینہ کہنا کیسا ہے؟ یہ عقیدہ رکھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:- ماہِ صفر کے متعلق لوگ مختلف قسم کے نظریات وخیالات رکھتے ہیں، جو سارے کے سارے لغو اور بے بنیاد ہیں، اور اس کو آفات وبلیات کا مہینہ کہنا محض توہم پرستی

---

[1] لما ورد فی الحدیث: عن ابی ھریرۃؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موضع سوط فی الجنة خیر من الدنیا وما فیھا۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص۴۹۶ باب صفة الجنة واھلھا)

ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس قسم کی توہم پرستی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔

لما ورد فی الحدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوٰی ولا ھامۃ ولا ولا صفر۔ (مشکوٰۃ ص۳۹۱ باب الفال والطیرۃ۔ الفصل الاوّل)

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: قال القاضی ویحتمل ان یکون نفیا لما یتوھم ان شھر صفر تکثر فیہ الدواھی والفتن۔ (مرقاۃ المصابیح ج۹ ص۲ الفصل الاوّل)

قیمتوں میں کمی یا زیادتی منجانب اللہ ہوتی ہے

سوال:۔ اشیاء صرف کی قیمتوں میں ارزانی اور گرانی منجانب اللہ ہوتی ہے، اور یہ عقیدہ رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ اشیاء صرف کی قیمتوں میں کمی اور زیادتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی جاتی ہے کیونکہ بسا اوقات لوگوں کی مرضی کے خلاف اس میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن انس بن مالکؓ قال غلا السعر علیٰ عھد رسول اللہ فقالوا یارسول اللہ قد غلا السعر فیسعر لنا فقال ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرّازق انی لأرجو ان القیٰ ربی ولیس احدٌ یطلبنی بمظلمۃ فی دم ولا مالٍ۔ (ابن ماجۃ ص۱۵۹)

ہاں اگر لوگ قیمتوں میں بے اعتدالیاں کرنا شروع کردیں تو حکام اہل الرائے کے مشورہ سے کسی چیز کی قیمت متعین کرنے کے مجاز ہیں۔

لما صرح ابن عابدینؒ: الا اذا تعدّی الارباب عن القیمۃ تعدیًا فاحشًا فیسعر بمشورۃ اھل الرائی۔ (تنویر الابصار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۵ ص۲۸۳ کتاب الحظر والاباحۃ)[1]

نماز باجماعت کا تارک منافق ہے

سوال:۔ جو شخص اپنے رتبہ اور متموّل ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کو حاضر نہیں ہوتا اور عام لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں عار محسوس کرتا ہو اور کہتا ہو کہ اس سے میرا مقام و مرتبہ گھٹتا ہے

---

[1] قال الشیخ سعد الدین التفتازانیؒ: السعر تقدیر ما یباع بہ الشیٔ ویکون غلاءً ورخصًا باسباب من اللہ تعالیٰ ولو کان البعض فی اکتساب العباد فالمسعر ھو اللہ تعالیٰ وحدہٗ۔

(المقاصد فی علم الکلام علیٰ ھامش شرح المقاصد ج۲ ص۱۶۳)

وَمِثْلُہٗ فی مجموعۃ الفتاوٰی (اردو) ج۲ ص۲۸۴ کتاب الحظر والاباحۃ۔

از روئے شریعت اس شخص کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- یہ شخص اگر نماز باجماعت میں اس لیے حاضر نہیں ہوتا کہ اس کے نزدیک نماز باجماعت دلائلِ شرعیہ سے ثابت نہیں، تو اس عقیدہ کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

قال فی الھندیۃ : رجل ترك سنن الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ ان لم یر السنن حقاً فقد کفر لانہ ترکھا استخفافاً وان رآھا حقاً فالصحیح انہ یأثم لانہ جاء استحساناً کذا فی المحیط۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۱۲ الباب التاسع فی النوافل)

اور اگر وہ نماز باجماعت کے وجوب کا تو معتقد ہو لیکن دوسری وجوہات سے بغیر شرعی عذر کے حاضر نہ ہوتا ہو تو حدیث کی رُو سے عملی منافق ہے، لہٰذا اس کو توبہ کرنی چاہیئے۔

لما فی الحدیث : وعن معاذ ابن انس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال الجفاء کل الجفاء والکفر والنفاق من سمع منادی اللہ الی الصلوٰۃ فلا یجیبہ۔ رواہ احمد والطبرانی۔ (الترغیب والترھیب للمنذری ج ۱ ص ۲۷۲)[ا]

بے وضو نماز پڑھنے والے کا حکم

سوال :- بے وضو نماز پڑھنے اور دوسروں کو نماز کی امامت کرانے والے شخص کا از روئے شریعت کیا حکم ہے ؟

الجواب :- غفلت اور بلا قصدِ استخفاف بغیر وضو کے نماز پڑھنا موجبِ فسق ضرور ہے مگر موجبِ کفر نہیں، البتہ اگر اس فعل کو حلال سمجھتے ہوئے یا عمداً بقصدِ استہزاء ایسے کرنے والا شخص کافر ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ : من صلّی الی غیر القبلۃ متعمداً ھو کافر کالمستخف وکذا اذا صلّی بغیر طہارۃٍ۔
(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۷۲، ۱۷۳ فصل فی القراءۃ والصلوٰۃ)

[ا] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ : وسننھا ترك السنۃ لایوجب فساداً ولا سھواً بل اساءۃ لو عامداً غیر مستخف۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ .... ولو مستخفا کفر لما فی النھر عن البزازیۃ لو لم یر السنۃ حقاً کفر لأنہ استخفاف۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۷۴ مطلب سنن الصلوٰۃ)

کوئی شخص عمل کی وجہ سے صحابہؓ سے سبقت نہیں لے جا سکتا

سوال:- ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ اگر موجودہ امت میں کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جس کا کردار و اخلاق صحابہ کرامؓ جیسا ہو تو وہ فضیلت میں صحابہؓ سے افضل ہوگا، اس پر دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ صحابہ چونکہ حضورؐ کی صحبت میں رہے، حضورؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، وحی ان کے سامنے نازل ہوئی، لہٰذا اُن کا آپؐ پر ایمان لانا ضروری تھا، اور ہم نے چونکہ حضورؐ کو نہیں دیکھا اور نہ نزول وحی کو دیکھا پھر بھی آپؐ پر ایمان لے آئے ہیں، بناء بریں اگر کوئی شخص صحیح مسلمانی اختیار کرے تو درجہ میں صحابہ کرام سے بڑھ سکتا ہے، اس کی وضاحت فرماویں؟

الجواب: -صحابہ کرامؓ کی شان و مرتبہ بوجہ صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کوئی غیر صحابی، بڑے سے بڑا ولی اللہ جس کو آپؐ کی بابرکت صحبت میسر نہ ہوئی ہو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام کے بعد صحابہؓ تمام انسانوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ نے "ارشاد الطالبین" میں تحریر فرمایا ہے کہ "عبداللہ بن مبارک تابعین است میگوید الغبار الذی دخل انف فرس معاویۃؓ خیر من اویس قرنیؒ وعمر بن عبد العزیز المروانیؒ"۔ لہٰذا سب مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ صحابہ کرامؓ امت کے تمام اولیاء اللہ سے افضل اور بہتر ہیں، کسی بھی عمل کی بناء پر ان سے درجے میں بڑھ نہیں سکتے۔

لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکرموا اصحابی فانھم خیارکم۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۴ باب مناقب الصحابۃ) [1]

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ: ومنھا تفضیل سائر الصحابۃ بعد الاربعۃ رضی اللہ عنھم۔ فقال ابو منصور البغدادیؒ من اکابر الشافعیۃ اجمع اھل السنۃ والجماعۃ علی ان افضل الصحابۃ ابوبکر، فعمر، فعثمان، فعلیؓ فبقیۃ العشرۃ المبشرۃ بالجنۃ فاھل بدر، فباقی اھل الاُحد فباقی اھل بیعۃ الرضوان بالحدیبیۃ فباقی الصحابۃ رضی اللہ عنھم۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۱۹ تفضیل سائر الصحابۃ بعد الاربعۃ) وَمِثْلُہٗ فی العقیدۃ الطحاویۃ ص۵۳۱ فضیلت الصحابۃ۔

"یہ چیز مجھ سے خدا بھی نہیں لے سکتا" کہنا موجب کفر ہے

سوال:۔ دو آدمیوں کا کسی چیز کے متعلق آپس میں تنازع تھا، ان میں سے ایک نے بصورتِ جرگہ چند آدمی لے کر حق کا مطالبہ کیا، اس پر دوسرے نے کہا کہ یہ چیز مجھ سے کوئی بھی نہیں لے سکتا حتیٰ کہ خدا بھی نہیں لے سکتا، نیز اُس نے یہ بھی کہا کہ نہ تو میں جرگہ کو مانتا ہوں اور نہ خدا کو، اس قسم کے کلمات کہنے والے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرتِ کاملہ رکھتا ہے، کوئی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں وہ واجب الوجود ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ یا وجود کی نفی ہوتی ہو فقہاء کے نزدیک موجب کفر ہے صورتِ مسئولہ میں بظاہر اس شخص کے یہ کلمات موجبِ کفر معلوم ہوتے ہیں لہٰذا توبہ و استغفار کر کے تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا وصف الله تعالیٰ بما لا یلیق به سخر باسم من اسماءہ او بامر من اوامرہ او انکر وعدہ او وعیدہ یکفرہ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۵ ص۴۶۱) وقال ایضاً: رجل قال لاخر از خدا بترس فقال خدا کجا است یکفرہ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۵ ص۴۷۳ احکام المرتدین)[1]

ختنہ کو موجبِ امراض سمجھنا کفر کا باعث ہے

سوال:۔ ایک شخص شرعی ختنہ کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ ڈاکٹری اصولوں کے مطابق نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ پیشاب کے لگنے سے جراثیم پیدا ہو کر بیماری

---

[1] قال العلامة قاضی خان رحمه الله: ولو ان رجلاً طالب رجلاً بحق وقال بالفارسیة اگر وے خدائے جہاں است از وے بستانم۔ قال الشیخ ابو القاسم یصیر مرتداً لانه ادعی انه یغلب الله تعالیٰ۔ وقال بعضهم لا یکون کفراً لان المراد من هذا الکلام فی العرف التهویل دون التحقیق۔ (الفتاوی قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج۳ ص۵۷۵ باب ما یکون اسلاماً من الکافر وما لا یکون)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۳ الثانی فیما یتعلق بالله۔

پھیلتی ہے اور مسلمان ختنہ کرنے کی وجہ سے بیمار ہوتے ہیں، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر تو اس سے متکلم کا مقصد توہین اور استخفاف ختنہ شرعیہ ہے جو اکثر فقہائے کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور اسلام اور اہلِ اسلام کی ایک شناخت ہے تو اس پر کفر کا شدید خطرہ ہے، اس لیے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب کسی عمل کا سنتِ نبوی ہونا ثابت ہو جائے کہ یہ کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا کرنے کو فرمایا ہے تو اس کا استخفاف اور توہین کرنا موجبِ کفر ہے، تاہم اگر یہ قول طبی نقطہ نظر سے کہا گیا ہو تو اگرچہ خلافِ واقعہ ہے مگر موجبِ کفر نہیں لیکن ایسے کلمات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لما قال فی الهندیة: ولو قال این چه رسم است سبلت بست کردن و دستار بزیر کلو آوردن۔ (ترجمہ) ما هذه العادة تقصیر الشارب وارخاء الطیسان تحت الرقبة فان قال ذلك علی سبیل الطعن فی سنة رسول الله فقد کفر کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۶۵ الباب التاسع فی احکام المرتدین)[1]

تکفیرِ مسلم میں احتیاط ضروری ہے

سوال: بقائمی ہوش و حواس اللہ تعالیٰ کی شان میں یوں کہنا کہ "اللہ تعالیٰ بھی غریبوں کی ــــــ" تو ایسے کلمات کہنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: واضح رہے کہ مذکورہ الفاظ انتہائی خطرناک ہیں جن سے ایمان زائل ہونے کا اندیشہ ہے تاہم بعید احتمالات کے امکان کی وجہ سے اس پر بصورتِ یقین کفر کا فتویٰ نہیں دیا سکتا ہے اس لیے کہ تکفیرِ مسلم میں احتیاط نہایت ضروری ہے۔

لما قال العلامة علاؤالدین الحصکفی رحمه الله: اذا کان فی المسئلة وجوهٌ توجب الکفر وواحدٌ یمنعه فعلی المفتی المیل لما یمنعه ثم لو نیّتهٗ ذلك فمسلم

---

[1] قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: والحاصل انهٗ اذا استخف بِسُنَّةٍ اوحدیث من احادیث النبی صلی الله علیه وسلم کفر۔ (الفتاوی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۸ کتاب الفاظ تکون اسلامًا اوکفرًا اوخطأً۔ الفصل الثالث فی الانبیاء)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الفقه الاکبر ص۱۰۲ بحث فی ان الکبیرة لاتخرج المؤمن عن الایمان۔

والا لم ينفعه حمل المفتي على خلافه۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۳ ص۳۱۶ باب المرتد)[۱]

فقہ حنفی کو معتزلہ کی تصنیف کہنے والے پر توبہ لازم ہے

سوال:۔ ایک بار زید نے "علم فقہ" کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ "علم فقہ دریائے دجلہ میں غرقاب ہو گیا ہے اور موجودہ فقہ حنفی معتزلہ کی لکھی ہوئی ہے"۔ زید پر از روئے شریعت عقیدہ مذکورہ کی بناء پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

الجواب:۔ زید کے مذکورہ جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک غالی قسم کا غیر مقلد ہے اور اس کی یہ بات غلط اور سراسر جہالت پر مبنی ہے، کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ ھدایہ، فتح القدیر، بحر الرائق، قاضی خان، بزازیہ اور مبسوط کیا یہ سب معتزلہ کی تصنیف کردہ کتابیں ہیں؟ زید کو اگر اتنا علم نہیں کہ موجودہ فقہ کی اصلیت معلوم کر سکے تو آخر یہ ذمہ داری اُس پر کہاں سے عائد ہو گئی ہے کہ تمام فقہاء اسلام کی تصانیفِ فقہ کو یک جنبشِ زبان سے معتزلہ کی تصانیف قرار دیدے، زید کو اس عقیدہ سے توبہ کرنا ضروری ہے ورنہ خدانخواستہ اسکی یہ بیباکی اس کے خسران کا باعث نہ بن جائے۔

حدیثِ نبوی کے منکر کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا

سوال:۔ اگر کوئی شخص صحیح حدیث کے ماننے سے انکار کرے اور یوں کہے کہ میں فلاں فلاں حدیث کو نہیں مانتا، تو از روئے شریعت اس پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دراصل وحیِ الٰہی ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (سورۃ النجم ع۱) اس لیے حدیثِ نبوی سے انکار موجبِ ضلالت ہے، اگر عقیدتاً حقارت کی بنیاد پر احادیث کو ٹھکرا دیا جائے تو اس فعل کی وجہ سے معتقد کافر ہو جاتا ہے۔

---

[۱] قال العلامة ابن البزاز الكردري رحمه الله: اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنعه يميل العالم الى ما يمنع الكفر ولا يرجح الوجوه على الوجه.... الخ (فتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص۳۲۱ الثاني فيما يكون كفرًا من المسلم الخ)
ومثله في مرقاة المصابيح ج ۵ ص۱۸ الفصل الاول۔

لما فی الہندیۃ: من انکر المتواتر فقد کفر ومن انکر المشہور یکفر عند البعض وقال عیسیٰ بن ابانؒ: یُضل ولا یکفر وھو الصحیح۔ ومن انکر خبر الواحد غیر انہ یأثم بترك القبول ھٰکذا فی الظہیریۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۵ الباب التاسع احکام المرتدین)[1]

توسّل بالصالحین جائز ہے

سوال:۔کسی نبی یا ولی کے توسل سے دُعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسئلہ توسّل خواہ بالاحیاء ہو یا بالاموات، اسی طرح ذوات سے ہو یا اعمال سے، بہرحال جائز ہے بلکہ ارجیٰ للقبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس لیے کہ اس کی حقیقت اور مرجع توسّل برحمۃ اللہ تعالیٰ ہے، بایں طور کہ فلاں مقبول بندہ پر جو تیری خصوصی رحمت ہے اس کے توسط اور وساطت سے دُعا کرتا ہوں، یا اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں، اس کی مشروعیّت قرآنی آیات، احادیثِ نبوی اور سلف صالحین کے اقوال وافعال سے ثابت ہے۔حضرتِ زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے توسل سے دُعا مانگنا اور اس کا قبول ہونا قرآنِ پاک میں مذکور ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضعفاء مہاجرین کے وسیلہ سے فتحیابی کی دُعا کیا کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قحط سالی میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارانِ رحمت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا صحیح احادیث وآثار سے ثابت ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کے توسل سے مانگی ہوئی دعا کا اللہ تعالیٰ پر قبول کرنے کو واجب قرار دینا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے اس لیے اس قسم کے اعتقاد سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔(المائدۃ ع ۳۵)

قال محی الدین الخطیبؒ: عن اُمیّۃ بن خالد بن عبداللہ بن اُسید رضی اللہ عنہ

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ:۔وفی المحیط من قال لفقیہ یذکر شیئاً من العلم اویروی حدیثاً صحیحاً ای ثابتاً لا موضوعاً ھٰذا لیس بشیءٍ ۔۔۔۔ کفر۔
(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۷۵ الفصل فی العلم والعلماء)

ومثلہٗ فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۴۳ احکام المرتد۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ کان یستفتح بصعالیك المهاجرین۔ رواہ فی شرح السنۃ۔ (مشکوٰۃ ص۴۴۷ باب فضل الفقراء۔ فصل الثانی) [1]

معتوہ کے ارتداد کا حکم

سوال:۔ میرا ایک دوست گوناں گوں مسائل کی وجہ سے پاگل ہو چکا ہے۔ اس حالت میں کبھی کبھار اس کے منہ سے کفر یہ کلمات بھی نکل جاتے ہیں، ایک بار انتہائی مفلوک الحالی کے عالم میں اُس نے کہا کہ "مجھے ایسے خدا سے نفرت ہے جس نے مجھے اس مصیبت اور تکلیف میں ڈالا ہے"۔ چند دنوں بعد پھر اسی حالت میں اس نے کہا" میں خدا کی اس مہربانی پر پشیماں کرتا ہوں جو وہ میرے ساتھ کر رہا ہے"۔ شریعت کی رُو سے اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کلمات کی وجہ سے وہ مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس شخص کی حالت کے پیشِ نظر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص معتوہ ہے جس کی بعض باتیں دیوانوں (مجانین) کی سی ہیں اور بعض باتیں صحیح العقل آدمی کی باتوں سے مشابہ ہیں، ایسے شخص کو فقہاء اور علمِ اصول کی اصطلاح میں معتوہ کہا جاتا ہے اور معتوہ شخص صبی عاقل کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے

قال العلامۃ الحسامیؒ: واما العتہ وهو اختلال العقل بحیث یختلط کلامه فیشبه کلام العقلاء مرۃ وکلام المجانین مرۃ اخری قال الاخسیکتی واما العتہ بعد البلوغ فمثل الصباء مع العقل یمنع العهدۃ۔ (الحسامی ص۱۶۷ القیاس مجتبائی)

اب ارتداد کے بارے میں جو حکم صبی عاقل کا ہے وہ اس کا بھی ہوگا، اور صبی عاقل کا ارتداد امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معتبر نہیں اور نہ ہی اس پر ارتداد کے احکام جاری ہو سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا ارتداد معتبر ہے اور اس پر ارتداد کے

---

[1] لما ورد فی الحدیث: وعن انس رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فقال اللّٰهم انا کنا نتوسل الیك بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیك بعم نبینا فاسقنا فیسقوا۔ (مشکوٰۃ ص۱۳۲ باب الاستسقاء۔ الفصل الثالث)

ومثلہٗ فی فتح الباری شرح البخاری ج۲ ص۳۹۹ فی باب تحویل الرداء فی الاستسقاء۔

احکام جاری ہوں گے ۔

قال العلامۃ البابرتیؒ : وارتداد الصبی الذی یعقل ارتداد عند ابی حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ یعنی یجری علیہ احکامہ فیبطل نکاحہ ویحرم عن المیراث وقال ابویوسفؒ ارتدادہ لیس بارتداد ۔ الخ (العنایۃ علی ھامش فتح القدیر ج ۵ ص ۳۲۸ احکام المرتدین)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : واذا ارتد العاقل صح خلافاً للثانی ۔ (رد المحتار جلد ۳ ص ۳۳۵)

لیکن فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے امام ابویوسفؒ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے ۔ قال ابن عابدینؒ : وفی التتارخانیۃ عن الملتقیٰ ان الامام رجع الیہ ۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۵ باب المرتدین)

اب صبی عاقل کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ قرار پائے گا کہ اس کا ارتداد معتبر نہیں ہے ۔ اور جب یہ بات پہلے واضح ہو چکی ہے کہ معتوہ صبی عاقل کے حکم میں ہے[1] تو جس طرح صبی عاقل کا ارتداد امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بنا بر قول مرجوع الیہ معتبر نہیں تو معتوہ کا ارتداد بھی آپؒ کے نزدیک معتبر نہ ہو گا۔[1]

لہٰذا اگر مذکورہ شخص واقعی معتوہ ہو تو مذکورہ کفریہ کلمات کی وجہ سے وہ مرتد نہیں گردانا جائے گا ، البتہ چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ضرور ہے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے اسلام کی تجدید کرے اور دوبارہ گواہوں کی موجودگی میں بغیر کسی حلالہ کے نکاح پڑھوائے ۔

فاسق و فاجر کی تعریف

سوال :۔ فاسق وفاجر کا کیا معنیٰ ہے اور اس کی کیا تعریف ہے ؟

الجواب :۔ شریعتِ مطہرہ کی اصطلاح میں فاسق اُس شخص کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں ملوث رہے اور شریعت کے بعض یا تمام احکامات کو پسِ پشت ڈال کر عملی بے راہروی اختیار کرے اور اپنے گناہوں سے غفلت

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ : فی المغرب المعتوہ الناقص العقل وقیل المدھوش من غیر جنون ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۱ کتاب الطلاق)

وقال العلامۃ قاضی خانؒ : واما ردۃ المعتوہ والمجنون لم تذکر فی الکتب المعروفۃ قال مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ ھو فی حکم الردۃ بمنزلۃ الصبی ۔

(الفتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۳ ص ۵۷۶ باب مایکون کفراً من المسلم)

برتتے رہے۔

لما قال ابوالقاسم الراغب الاصفہانیؒ:۔ تحت لفظ "فسق": فسق فلان خرج عن حجر الشرع وذٰلك من قولهم فسق الرطب اذا خرج من قشره وهو اعم من الكفر والفسق يقع بالقليل من الذنوب و بالكثير لكن تعورف فيما كان كثيرًا واكثر ما يقال لمن التزم حكم الشرع واقر به ثم اخل بجميع احكامه او ببعضه۔ (مفردات القرآن للراغب ص۳۹۴)

اور فاجر وہ ہے جو خلافِ شرع کاموں میں مبتلا ہو کر توبہ کا ارادہ کرتے ہوئے بھی توبہ نہ کرے۔

قال ابوالقاسم الراغب الاصفہانیؒ: قيل معناه يذنب ويقول غدا اتوب ثم لا يفعل فيكون ذٰلك فجورًا لبذله عهدًا لا يفي به۔ (مفردات القرآن للراغب ص۳۷۳)[1]

فسق وفجور موجبِ کفر نہیں

سوال:۔ کیا فسق وفجور کی وجہ سے ایک مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نفسِ فسق وفجور کی وجہ سے کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ ان کے استحلال کا عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اور نہ اس پر مُصر ہو۔

لما قال ابوحنیفۃؒ: لَا نُكَفِّرُ مسلمًا بذنبٍ من الذنوب وان كانت كبيرةً اذا لم يستحلها (شرح الفقه الاكبر ص۷۱ الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الايمان)

قتلِ عمد سے توبہ مقبول ہے

سوال:۔ قتلِ عمد سے اگر قاتل توبہ کرنا چاہے تو کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

الجواب:۔ قاتل اگر خلوصِ دل سے توبہ کرے تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائینگے۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (سورۃ النساء آیت ۴۸)

قرآن وسنت کی روشنی میں اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی عقیدہ ہے کہ گناہِ کبیرہ سے جب سچے دل سے توبہ کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے، البتہ ورثاء سے خون معاف

---

[1] قال العلامۃ محمود الآلوسیؒ: الفاسقين جمع فاسق من الفسق وهو شرعًا خروج العقلاء عن الطاعة فيشمل الكفر ودونه من الكبيرة والصغيرة واختص في العرف والاستعمال بارتكاب الكبائر۔ (روح المعانی ج ۱ ص۲۱۰ سورۃ البقرۃ آیت ۲۶)

کروانا یا ان کو قصاص ادا کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة ملا علی القاریؒ: وفی عمدة النسفیؒ ومن تاب عن کبیرة صحة توبة مع الاصرار علی کبیرة اخریٰ ولا یعاقب بہا علی الکبیرة التی تاب۔

(شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۶ مطلب یجب معرفة المکفرات)

قال العلامة فخر الدین الرازیؒ: دلت الایة علی ان التوبة من کل ذنب مقبولة وقول من قال التوبة غیر مقبولة خطاء لان الشرک اشد من القتل فاذا قبل اللہ توبة الکافر مقبولة توبة القاتل۔ (تفسیر کبیر ج۵ ص۱۳۲ سورة البقرہ۔ المسألة الثالثة)[1]

کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا گویا تمام لوگوں کو قتل کرنا ہے

سوال:۔ کسی مسلمان کو بلاوجہ قتل کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بے گناہ کو قتل کرنا ایک عظیم گناہ اور بدترین جرم ہے، قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (سورة المائدہ آیت ۳۲) (ترجمہ) "کہ جس نے کسی شخص کو ناحق بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا" لیکن بایں ہمہ تمام اہل السنة والجماعة کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی کو حلال جان کر قتل نہ کیا گیا ہو تو قاتل کافر نہیں ہوتا ہے البتہ بہت بڑا گنہگار اور مجرم ضرور ٹھہرے گا اور اگر مسلمان کے قتل کو حلال سمجھ کر کیا گیا ہو تو یقیناً اس سے قاتل کافر ہو جاتا ہے کیونکہ

---

[1] قال العلامة التفتازانی رحؒ فی المبحث الثانی عشر اتفقت الامة ونطق الکتاب والسنة بان اللہ تعالیٰ عفوٌ غفورٌ یعفو عن الصغائر مطلقاً وعن الکبائر بعد التوبة۔ (شرح المقاصد ج۲ ص۲۳۵)

قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: اتفق الائمة کما فی رحمة الامة علی ان لا یخلد فی النار وتصح توبته من القتل۔

(اعلاء السنن ج۱۸ ص۲۳ کتاب الجنایات، باب وجوب القصاص الخ

ومثلہ فی مرقاة المصابیح ج۷ ص۶۱ کتاب القصاص، الفصل الثانی)

حرام قطعی کو حلال سمجھنا موجب کفر ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: والاصل ان من اعتقد الحرام حلالاً فان کان حراماً لغیرہٖ کمال الغیر لایکفر وان کان لعینہٖ فان کان قطعیۃ کفر والا لا۔

(ردالمحتار ج۳ ص۲۲۳ باب المرتد)[1]

والدین اور استاد کا نافرمان کافر نہیں

سوال:۔ جو شخص والدین یا استاد کا نافرمان ہو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے کافر ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ والدین اور استاد کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے لیکن ان کا نافرمان کافر نہیں ہوگا البتہ فاسق، فاجر اور ظالم ضرور شمار ہوگا۔

لما ورد فی الحدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدثکم باکبر الکبائر قالوا بلیٰ یارسول اللہ قال الاشراك باللہ وعقوق الوالدین۔ (ترمذی ج۲ ص۱۲ ابواب البر)

قال امام ابوحنیفةؒ: ولا تکفر مسلماً بذنب من الذنوب وان کانت کبیرة اذا لم یستحلها۔ (فقه اکبر ملك الکبیرة لاتخرج المؤمن عن الایمان)[2]

توبہ سے حقوق اللہ معاف ہوسکتے ہیں حقوق العباد نہیں

سوال:۔ کیا توبہ سے سب صغائر وکبائر معاف

---

[1] وقال فی الهندیة: من اعتقد الحرام حلالاً او علی القلب یکفر امّا لو قال لحرام هذا حلال لترویج السلعة او بحکم الجهل لایکون کفر وفی الاعتقاد هذا اذا کان حراماً لعینه وهو یعتقده حلالاً حتی یکون کفراً اما اذا کان حراماً لغیره فلا وفیما اذا کان حراماً لعینه انما یکفر اذا کانت الحرمة ثابتة بدلیل مقطوع به اما اذا کان باخبار الاحاد فلا یکفر کذا فی الخلاصة۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۲ ص۲۷۲ الباب التاسع فی احکام المرتدین)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الفقه الاکبر ص۱۵۲ استحلال المعصیة ولو صغیرة کفر۔

[2] قال العلامة التفتازانیؒ: ان الکبیرة التی هی غیر الکفر لاتخرج العبد المؤمن من الایمان۔ (النبراس علی شرح العقائد ص۲۲۶ الکبیرة لاتخرج عن الایمان)

ہو سکتے ہیں یا کہ صرف حقوق اللہ معاف ہی معاف ہوں گے اور حقوق العباد ذمے پر باقی رہیں گے ؟

الجواب : توبہ اگر اپنی پوری شرائط سے ہو تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے قبول فرما کر اپنے سارے حقوق معاف فرما دیں۔

لما قال العلامة مُلا علی القاری رحمہ اللہ: فاما وقوع قبولها شرعًا هو مرجوٌّ غیر مقطوعٍ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۵ التوبة وشرائطها)

البتہ حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے بلکہ حقوق العباد حقوق کی ادائیگی ہی سے معاف ہوتے ہیں یا خود صاحبِ حق بطیبِ خاطر معاف کر دے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ : وان کانت عما یتعلق بالعباد فان کانت من مظالم الاموال فتتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمناه فی حقوق اللہ تعالیٰ علی الخروج عن عهدة الاموال وارضاء الخصم فی الحال والاستقبال بان یتحلل منهم او یردها الیهم او الی من یقوم مقامهم من وکیل او وارث هذا۔
(شرح الفقہ الاکبر ص۵۸ مطلب یجب معرفة المکفرات)

والدین کے نافرمان کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی

سوال :- والدین کو زدوکوب کرنے اور گالیاں دیتے والے کے بارے میں شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ جب تک والدین اس سے ناراض ہوں تو بیٹے کی کوئی عبادت قبول ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، اس فعلِ بد سے توبہ کرنا اور والدین کو راضی کرنا نہایت ضروری ہے، اور جب تک وہ اپنے اس فعلِ بد سے توبہ نہ کرے تو والدین سے عاق رہے گا اور عاقِ والدین کی کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں

---

[1] عن عائشة رضی اللہ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدواوین ثلاثة دیوان لا یغفر اللہ الاشراك یقول اللہ عزوجل ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ودیوان لا یترکه اللہ ظلم العباد فیما بینهم حتی یقتص بعضهم من بعض الخ ـــــ قال الملا علی قاریؒ تحت حدیث اٰخر وفیه اشعار بانه اشعار لا عفو وشفاعة فی حقوق العباد الا ان شاء اللہ یرضی بما اراد۔

(مرقاة المصابیح ج۸ ص۸۵ کتاب الاداب الفصل الثانی والثالث)

ہوتی اور نہ وہ جنت میں جا سکتا ہے، احادیثِ نبوی میں والدین کے نافرمان کی سزائیں بیان ہوچکی ہیں۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی امامۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا یقبل اللہ عز وجل منہم صرفاً ولا عدلاً: عاق ومنان ومکذب بقدر رواہ ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ باسناد حسن۔ (الترغیب والترهیب ج ۳ ص ۳۲۸) [۱]

شبِ معراج رؤیتِ باری تعالیٰ کے عقیدہ کی وضاحت

سوال: کیا لیلۃ الاسریٰ (شبِ معراج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی "ظاہری آنکھوں" سے دیکھا ہے یا کہ "دل کی آنکھوں" سے؟ شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان فرماویں؟

الجواب: ۔ لیلۃ الاسریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیتِ باری تعالیٰ کی نوعیت کے بارے میں عہدِ صحابہؓ ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ عدمِ رؤیتِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں جبکہ ابن عباسؓ، کعبؓ وحسنؒ رؤیتِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں، قائلینِ رؤیتِ باری تعالیٰ کا آپس میں پھر اختلاف ہے، ان میں سے بعض رؤیتِ بصری کے قائل ہیں اور بعض رؤیتِ قلبی کے قائل ہیں۔ فذهب جماعۃ الی انہ رأی ربہ بفوادہ دون عینہ وذهب جماعۃ الی انہ رآہ بعینہ۔ (مرقاۃ ج ۱۰ ص ۳۴۹) اول الذکر قول کو علماء کرام ترجیح دیتے ہیں۔

لما قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: وعلیٰ هٰذا رأی بقلبہ ربہ رؤیۃ صحیحۃ وهو ان اللہ تعالیٰ جعل بصرہ فی فوادہ او خلق لفوادہ بصراً حتی رأی ربہ رؤیۃ صحیحۃ کما یریٰ بالعین قلت وهٰذا قول حسن ووجہ مستحسن یمکن بہ الجمع بین متفرقات الاقوال۔ (مرقاۃ علی المشکوٰۃ ج ۱۰ ص ۳۴۹) [۲]

---

[۱] قال المفتی عزیز الرحمنؒ: ایسا شخص فاسق وظالم وعاقِ والدین ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی شانِ مقدس میں کوئی کلمہ گستاخی کا کہنا کفر وارتداد ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۳۶۶ احکام المرتد)

[۲] قال العلامۃ النوویؒ: والحجج فی هٰذہ المسئلۃ وان کانت کثیرۃ ولکنا نتمسک الا بالاقویٰ وهو حدیث ابن عباسؓ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۷)۔ (کذا فی الیواقیت للشعرانی ج ۱ ص ۱۰۷)

[۲] قال العلامۃ التفتازانیؒ: وما قال بعض السلف من وقوع الرؤیۃ بالبصر لیلۃ المعراج فالجمهور علیٰ خلافہ وقد روی انہ سئل هل رأیت ربک فقال رأیت ربی بفوادی۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۱۲۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود پڑھنے کو دم کہنا

سوال:۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ درود پڑھنے کو (دُم) لگانے سے تعبیر کیا کہ محمدؐ کے ساتھ درود پڑھنا (دُم) لگانے کے مترادف ہے، از روئے شرع ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ پیارے امام الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کی عزت، عظمت اور اتباع اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب ہے اور آپ کی عزت و عظمت اور احترام نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے مشروع ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۰ (سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

و قال العلامة ابن عابدینؒ: بان المقصود من الصلوٰة علیه صلی الله علیه وسلم تعظیمه۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۸۳) ـــ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتے ہیں کہ "میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود و سلام پڑھو"۔ اسی طرح درود نہ پڑھنے والے کے متعلق احادیث میں کثرت سے وعیدات وارد ہوئی ہیں، علامہ ابن عابدینؒ نے ردالمحتار میں وہ تمام احادیث نقل کی ہیں۔ مستدرک کی روایت ہے: عن کعب بن عُجرة ..... لمبی حدیث ہے، اس کا ایک جملہ یہ ہے: فلما رقیت الثانیة قال جبریل بعد ما ذکرت فلم یُصَلِّ علیك فقلت آمین (الحدیث) کہ جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے اور وہ آپؐ پر درود نہ پڑھے اُس کے لیے جبرئیلؑ نے بد دعا کی اور حضور انورؐ نے اس پر آمین کہی۔ دوسری روایت میں رغم انف رجلٌ ذکرت عندهٗ فلم یُصَلِّ علیك کے الفاظ ہیں۔ ایک اور روایت میں یوں فرمایا "شقی عبد ذکرت عندهٗ فلم یُصَلِّ علیك"۔ علامہ سیوطیؒ نے "جامع صغیر" میں ایک روایت بایں الفاظ نقل کی ہے: "من الجفاء ان اذکر عند الرجل فلا یصلّی علیّ" ـــ ان تمام احادیث اور قرآنی آیات کے پیش نظر رکھ کر فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپؐ پر درود پڑھنا فرض ہے، اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے تو مذہب صحیح کی رو سے آپؐ پڑھنا واجب ہے اور نماز میں پڑھنا سنت ہے۔

اور بھی جتنا زیادہ ممکن ہو پڑھنا مستحب ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: وردجعلہ فی البحر باحادیث الوعید کرغم وابعاد وشقاء وبخل وجفاء ثم فتکون فرضاً فی العمر وواجباً کلما ذکر علی الصحیح وحراماً عند الفتح المتاع۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۱ ص۳۴۲)

ان تمام نصوص سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف ایک امر مشروع ہے اور فقہاءؒ نے لکھا ہے کہ شریعت کے کسی امر کی توہین اور استخفاف کرنا موجب کفر ہے، درود شریف بھی ایک امر مشروع ہے لہٰذا اس کا انکار کرنا یا اسے دین میں معتبر چیز نہ سمجھنا یا استخفاف کرنا موجب کفر ہے۔

لما فی الهندیة: سئالت صدر الاسلام جمال الدین عمن قرأ حدیثاً من احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رجلٌ "دہمہ روز غلشہا خواند" قال ان اضاف ذٰلك الی القاری لا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر ان حدیثاً ان کان حدیثاً یتعلق بالدین واحکام الشرع یکفر وان کان حدیثاً لایتعلق بہ لا یکفر وتحمل مقالتہ علیٰ ان ارادتہ قرأۃ غیرہ اولیٰ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۲ ص۲۹۶ الباب التاسع فی احکام المرتدین)

معراجِ نبوی سے انکار کرنا

سوال:۔ ایک شخص معراجِ نبوی کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج خواب میں ہوئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر بلانے کی کیا ضرورت تھی جبکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر اور موجود ہوتا ہے، شرعاً ایسے شخص پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

الجواب:۔ اہلِ سُنت والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطورِ معجزہ کے اور انتہائی زیادہ اعزاز واکرام

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: واذا روی رجل حدیثاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وردہ آخر قال بعض مشائخنا انہٗ یکفر ومن المتأخرین من قال ان کان متواتراً یکفر وکذٰلك لو قال بطریق الاستخفاف سمعنا کثیراً یکفر۔
(الفتاوی التاتارخانیة ج ۵ ص۴۸۱ کتاب احکام المرتدین)

وَمِثْلُہٗ فی ردالمحتار ج ۴ ص۲۲۲ باب احکام المرتدین۔

سے نوازنے کے لیے اپنے دربارِ خاص میں بلا کر اپنے ساتھ ہمکلامی کا شرف بخشا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیداری کی حالت میں اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ حضرت جبریلؑ کے ہمراہ براق پر سوار ہو کر سب سے پہلے مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے، آپ وہاں پر براق سے اُترے اور اسے دروازہ کے پاس حلقے کے ساتھ باندھا اور پھر تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی، پھر وہاں سے آپؐ کو پہلے آسمان، دوسرے، تیسرے حتیٰ کہ ساتوں آسمان، عرش و کرسی، جنت و جہنم کی سیر کرائی گئی، اسی کو معراج کہا جاتا ہے، اور یہ حق اور ثابت ہے کہ معراج کا کچھ حصہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ قطعی اور یقینی ہے کیونکہ اس کا ثبوت قرآنِ پاک آیتِ کریمہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (سورۃ الاسراء آیت ۱) سے ہے اس کا منکر کافر اور مُرتد ہے، اور پھر بیت المقدس سے اوپر آسمانوں تک کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے لہٰذا اس کا منکر اگرچہ کافر تو نہیں مگر فاسق و فاجر اور ضال و مبتدع ضرور ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ شریفہ ہے کہ اپنے برگزیدہ نبیوں کی حقانیت اور ان کے دشمنوں کو عاجز اور ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اپنے ان نیک بندوں کے ہاتھوں ایسے فعال صادر فرماتا ہے کہ جن کے کرنے سے عام لوگ عاجز ہوتے ہیں اور اس کو کر نہیں سکتے، اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ تو واقعہ معراج بھی من جملہ معجزات سے ہے، لہٰذا یہ اعتراض کرنا کہ جب اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ بے جا، بے محل اور ناقابلِ التفات ہے، پھر تو نعوذ باللہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کیوں بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سابقین میں امتیازی شان کیوں بخشی؟ نعوذ بك من شر الوسواس الخناس۔

لما قال العلامة مُلا علی القاریؒ: وفی الخلاصة من انکر المعراج ینظر ان انکر الاسراء من مکة الی بیت المقدس فهو کافر ولو انکر المعراج من بیت المقدس لا یکفر۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۴۴ بحث فی ان المعراج حق)

لہ قال فی النبراس: فالاسراء وهو من المسجد الحرام الی بیت المقدس قطعی ای یقینی ثبت بالکتاب ای القرآن والسنة ویکفر منکرہ والمعراج من الارض الی السماء مشهور ای ثبت بالحدیث المشهورة فلا یکفر منکرہ بل تفسق ومن السماء الی الجنة او العرش او غیر ذلك احاد ای مروی غیر الآحاد یاثم منکرہ۔ (النبراس ص ۴۷۲ سورۃ الاسراء)

ومثله فی شرح العقیدة الطحاویة ص ۲۴۵ تحت قوله والمعراج حق الی آخرہ۔

قربِ قیامت میں حضرت عیسٰیؑ کا نزول ختمِ نبوت کے منافی نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارہ میں کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام قیامت کے قریب آسمانوں سے نزول فرمائیں گے تو بحیثیتِ پیغمبر نزول فرمائیں گے یا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی کی حیثیت سے؟

الجواب: حضرت عیسٰی علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا اور قیامت کے قریب ان کا نازل ہونا اور پھر متبع شریعتِ محمدی بن کر کچھ عرصہ اس دنیا میں رہنا اُمتِ مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے۔ قرآنی آیات اور احادیثِ متواتر المعنیٰ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ذاتی حیثیت یقیناً نبی اور پیغمبر کی ہوگی، انبیاء سابقین کی طرح آپ پر اللہ کی طرف سے وحی بھی ہوگی، اس کے باوجود آپ شریعتِ محمدی کے تابع ہوں گے البتہ یہ وحی شریعتِ محمدی کو بدلنے کے لیے نہیں ہوگی بلکہ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے ضروری احکام ہوں گے۔ لہٰذا آپ نزول کے بعد دو صفات کے ساتھ متصف ہوں گے، ایک شانِ نبوت اور دوسرا شانِ امتِ محمدیہ، لیکن آپ کی یہ شانِ نبوت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے منافی نہیں ہوگی، اس لیے کہ ختمِ نبوت کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو بھی منصبِ نبوت سے نہیں نوازا جائے گا اور حضرتِ عیسٰی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بن کر آئے تھے۔

لما قال الامام فخر الدین الرازیؒ: تحت قوله تعالیٰ: وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ای قبل موت عیسی المراد ان اهل الکتاب الذین یکونون موجودین فی زمان نزوله لابد ان یؤمنوا به قال بعض المتکلمین انه لا یمنع نزوله من السماء الی الدنیا الا انه انما ینزل عند ارتفاع التکالیف او بحیث لا یعرف اذ لو نزل مع بقاء التکالیف علی وجه یعرف انه عیسی علیه السلام لکان اما ان یکون نبیًّا ولا نبی بعد محمد صلی الله علیه وسلم او غیر نبی وغیر ذلك جائز علی الانبیاء وهذا اشکال عندی ضعیف لان انتهاء الانبیاء الی مبعث محمد صلی الله علیه وسلم فعند مبعثه انتهت تلك المدة فلا یبعد ان یصیر بعد نزوله تبعًا لمحمد صلی الله علیه وسلم۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱-۱۲ ص ۱۰۴ سورۃ النساء آیت ۱۵۹) له

له قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: واما الایمان بسیدنا علیه السلام فیجب بانه رسولنا فی الحال وخاتم الانبیاء والرسل فاذا آمن بانه رسول ولم یؤمن بانه خاتم الرسل لا ینسخ دینه الی یوم القیامة لایکون مؤمنًا وعیسی علیه السلام ینزل الی الناس ویدعوا الی شریعته وسائق لامته الی دینه۔ (فتاوی بزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۲۷ نوع فیما یتصل بها مما یجب اکفاره من اهل البدع۔ الثالث فی الانبیاء) — ومثله فی شرح الفقه الاکبر ص ۱۱۲

میت کا جسم ریزہ ریزہ ہوجانے کی صورت میں قبر کا عذاب وثواب

سوال:۔ برسم ہنود جو آدمی آگ میں جل کر راکھ ہوجائے یا پانی میں ڈوب کر ریزہ ریزہ ہوجائے یا اس کو کوئی درندہ کھاجائے تو کیا اس آدمی کو بھی قبر کا ثواب وعذاب ہوگا یا نہیں؟ اور اس ثواب وعذاب کی کیا کیفیت ہوگی؟

الجواب:۔ عالمِ برزخ کا عذاب وثواب مختلف آیات اور احادیث سے ثابت ہے جن اموات کے اجسام مذکورہ بالا طریقہ سے بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور بظاہر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اُن کو بھی جزا وسزا ملتی ہے جس کی حقیقت کے ادراک سے قاصر ہیں بہرحال جزا اور سزا روح اور جسم دونوں کو ملتی ہے اور یہی اصح قول ہے۔ عالمِ برزخ میں روح کا جسم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق اور ربط ہوتا ہے جس سے روح کو ملنے والی جزا وسزا سے جسم بھی متاثر ہوتا ہے اور جو تکلیف یا راحت روح کو ملتی ہے باقاعدہ جسم بھی اُسے محسوس کرتا ہے خواہ جسم کے اجزاء ریزہ ریزہ ہو کر بظاہر بالکل ہی نیست ونابود کیوں نہ ہوجائیں۔

لما قال الامام ابو حنیفۃؒ: وضغطۃ القبر حق وعذابہ حق کائن للکفار کلہم ولبعض المسلمین وقال ملا علی القاریؒ فی شرحہ واعلم ان اہل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیٰوۃ فی القبر قدر ما یتألم او یتلذذ۔ الخ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۲۷ فی ان عذاب القبر حق) [1]

---

[1] وقال العلامۃ ابن ابی العز الحنفیؒ: وقد تواترت الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثبوت عذاب القبر ونعیمہ لمن کان لذٰلک اہلاً وسؤال الملکین فیجب اعتقاد ثبوت ذٰلک والایمان بہ ولا نتکلم فی کیفیتہ الخ ص۴۵۰-۴۵۱ وکذٰلک عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعًا باتفاق اہل السنۃ والجماعۃ تنعم النفس ویعذب مفردۃ عن البدن ومتصلۃ بہ واعلم ان عذاب القبر ہو عذاب البرزخ فکل من مات وہو مستحق للعذاب نالہ نصیب منہ قبر اولم یقبر اکلتہ السباع او احترق حتیٰ صار رمادًا ونسف فی الہواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحہ وبدنہ من العذاب ما یصل الی المقبور۔

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص۴۵۰-۴۵۱ الایمان بعذاب القبر)

ومثلہ فی شرح العقائد النسفی ص۹۸ عذاب القبر۔

زیارتِ قبور کے موقع پر بعض غیر شرعی رسوم کا ذکر

سوال:۔ بعض مزارات پر کئی عجیب و غریب افعال دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً صاحبِ قبر سے مدد مانگنا، وہاں سے نمک لیکر کھانا اور چھوٹے چھوٹے مٹکے بنانا وغیرہ۔ شرعاً ان افعال کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب:۔ غیر اللہ کو اپنی حاجات میں غائبانہ پکارنا اور اس سے مافوق الاسباب امداد طلب کرنا حرام اور امورِ شرکیہ میں سے ہے جیسا کہ عام نصوصِ قرآنی اور احادیث سے ثابت ہے، اسی طرح صاحبِ مزارات کے نام پر نذر و نیاز دینا حرام اور شرک ہے اور اس عقیدہ کے تحت وہاں سے نمک لے کر کھانا اور چھوٹے چھوٹے مٹکے بنانا وغیرہ ناجائز اور حرام ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (سورۃ الاحقاف آیت ۶)

لما ورد فی الحدیث: وعن جابرؓ قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ۔ (المشکوٰۃ ص۱۴۸ باب دفن المیت)

وقال العلامۃ الحصکفیؒ: واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیھم فھو بالاجماع باطل حرام مالم یقصد واصرفھا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۳۹ کتاب الصوم) [1]

---

[1] قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (سورۃ یونس آیت ۱۰۶)

وَعَنْ ابی الھیاج قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ لا تدع تمثالاً الا طمستہ ولا قبراً مشرفاً الا سویتہ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۱۴۸ باب دفن المیت)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سئلت فاسئال اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۵۳ باب التوکل والصبر)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۱ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے

سوال: کیا اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے؟ اور کیا آئے دن کے تمام جدید مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے؟

الجواب: مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے، دینِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) عالم گیر بھی ہے اور احوال گیر بھی ہے، زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسلام نے رہبری اور راہنمائی نہ فرمائی ہو۔ اسلامی نظام معاشرتی، معاشی اور اقتصادیات کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے، اسلام میں صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں پوری انسانیت کے لیے فلاح اور بہبود کا پیغام ہے بلکہ تمام کے حقوق اور ان کی پاسداری کا لحاظ اسلام میں موجود ہے، نیز دین و شریعتِ محمدی کی کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہے، البتہ ہم چونکہ ناقص العقل ہیں اس لیے بہت سی باتیں ہمیں ماوراء العقل نظر آتی ہیں اس میں خامی ہماری ناقص اور کمزور عقل کی ہے نہ کہ دینِ اسلام کی۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ٥ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ٥ (سورۃ الزمر ۲۷، ۲۸)

وقال ایضاً: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المائدہ ۳)

وقال ایضاً: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ٥ (سورۃ النحل آیت ۸۹)[1]

---

[1] لما ورد فی الحدیث: قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ: من اراد العلم فعلیہ بالقرآن فان فیہ خیر الاولین والآخرین۔ رواہ سعید بن منصور فی سننہ۔ وقال ایضاً: انزل فی ھذا القرآن کل علم وبین لنا فیہ کل شیءٍ ولکن علمنا یقصر عما بین لنا فی القرآن۔ (رواہ ابن جریر وابن حاتم فی تفسیرھما) وقال: اذا حدثتکم بحدیث انبأتکم بتصدیقہ من کتاب۔ (رواہ ابن ابی حاتم) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ستکون فتنۃ قیل وما المخرج منھا؟ قال کتاب اللہ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم۔ (الجامع الترمذی ج۲ ص۱۱۸ باب ماجاء فی فضل القرآن) ومثلہ فی نزول عیسیٰ بن مریم للامام جلال الدین سیوطی ص۱۴۰، ۱۴۱۔

قرآنِ پاک کے متعلق تبدیلی کا عقیدہ رکھنا

سوال:۔ جو قرآن مجید اس وقت مسلمانوں کے پاس موجود ہے کیا یہ وہی قرآن مجید ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے وقت چھوڑ گئے تھے یا اس میں کوئی تبدیلی وغیرہ آچکی ہے؟

الجواب:۔ امتِ مسلمہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ جو قرآن مجید اس وقت ہمارے پاس موجود ہے یہ بعینہٖ وہی قرآن ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بواسطہ حضرتِ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ۲۳ سال میں اتارا گیا تھا اس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور نہ قیامت تک آئے گی حتیٰ کہ لہجہ اور رسم الخط بھی اُسی طرح محفوظ ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے لے کر اب تک ہر زمانہ میں لاکھوں کروڑوں حفاظ کرام کے سینوں میں محفوظ چلا آرہا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک ہر قسم کے تغیّر و تبدّل سے محفوظ رہے گا، اس لیے کہ قرآن مجید کا ہر حرف حدِ تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ تمام فقہاء کرام اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص قرآن مجید میں تغیّر و تبدّل کا قائل ہو وہ بلا شک و شبہ کافر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ (سورۃ الحجر آیت ۹)

وقال ایضاً: قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۔ (سورۃ الزمر آیت ۲۸)

وقال العلامۃ عماد الدین ابن کثیرؒ: تحت قولہ تعالیٰ: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ای ثم قال تعالیٰ انہ ھو الذی انزل علیہ الذکر وھو القرآن وھو الحافظ لہ من التغیر والتبدیل۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۴۷ سورۃ الحجر پ ۱۴ آیت ۹) [1]

---

[1] لما قال العلامۃ ابو عبد اللہ احمد القرطبیؒ: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ یعنی القرآن وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ من ان یزاد فیہ او ینقص منہ قال قتادۃ وثابت البنانی حفظہ اللہ من ان تزید فیہ الشیاطین باطلاً او تنقص منہ حقاً فتولی سبحانہ حفظہ فلم یزل محفوظاً۔

(الجامع لاحکام القرآن ج۔۱ ص ۵ پ ۱۴ سورۃ الحجر آیت ۹)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الفقہ الاکبر ص ۱۶۷ فصل فیما یتعلق بالقرآن۔

کفّار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے

سوال:- اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کفار بھی کفر و شرک کی سزا دوزخ میں بھگت کر جنت میں داخل ہوں گے، اس لیے کہ ایک شخص نے کفر و شرک ۶۰/۷۰ سال تک کیا اور اس پر عذاب دائمی ہونا ظلم ہے، سزا جرم کے مطابق ہونی چاہیئے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- امتِ مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس دنیا سے کفر و شرک کی حالت میں مرگیا اور موت آنے تک اس کو اسلام کی دولت نصیب نہ ہوئی تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے کے لیے جہنم (دوزخ) میں رہے گا اور کبھی بھی اس کو وہاں سے چھٹکارا نہیں ملے گا، قرآن مجید کی بیشمار آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ صحیحہ سے صراحتاً اس عقیدے کا اثبات ہوتا ہے۔ اس ابدی عذاب کی وجہ اللہ تبارک وتعالےٰ یوں بیان فرماتے ہیں، ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ۔ (سورۃ الانعام آیت ۲۸) "کہ اگر ان لوگوں کو دوبارہ لوٹا دیا جائے دُنیا میں تو یہ لوگ پھر کفر و شرک کی طرف لوٹ آئیں گے"۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ اگر اس شخص کو ابدی زندگی دے دی جائے تو یہ ابدی کفر و شرک سے باز نہیں آئے گا، پس اس کا کفر و شرک بھی ابدی ہے اور سزا بھی ابدی ہوگی۔ لہٰذا جو شخص ناقص عقلی دلائل کے بل بوتے پر اس عقیدے سے منحرف ہوجائے تو وہ دینِ محمدیؐ سے خارج ہے۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ (سورۃ النساء آیت ۵۶)

وقال اللہ تعالیٰ ایضاً: وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ ۔ (سورۃ ابراھیم آیت ۱۶، ۱۷)

وفی موضع آخر: قال اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی۔ (سورۃ طٰہٰ آیت ۷۴)

وَقال اللہ تعالیٰ: قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا۔ (سورۃ الزمر ۷۲)

وقال اللہ تعالیٰ : وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۔ (سورۃ فاطر آیت ۳۶ پ ۲۲) [1]

رمضان المبارک میں فوت ہونے والے گنہگار مسلمان کے لیے عذاب قبر میں تخفیف

سوال:۔ اگر کوئی گنہگار مسلمان رمضان المبارک میں فوت ہو جائے تو اس سے قیامت تک عذابِ قبر مرتفع ہوگا یا صرف رمضان المبارک میں ہی تخفیف ہوگی اور پھر غیر رمضان میں عذاب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جب رمضان المبارک شروع ہو جائے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں"۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو گنہگار مسلمان رمضان شریف میں فوت ہو جائے وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے (رد المختار ج آخر باب الجمعہ میں) لکھا ہے کہ اگر کوئی گنہگار مسلمان رمضان المبارک میں یا (غیر رمضان میں) جمعہ کے دن فوت ہو جائے تو وہ قیامت تک عذابِ قبر سے محفوظ و مامون رہے گا، البتہ کافر کا عذاب دائمی ہوگا صرف جمعہ کے دن اور رمضان شریف میں اس سے عذاب ہلکا ہوگا، البتہ بعض نے

---

[1] وقال العلامۃ تفتازانی رحمہ اللہ :۔ والجنّۃ والنّار حق وهما مخلوقتان موجودتان باقیتان لا تفنیان ولا یفنی اهلها ۔ ای دائمتان لا یطرء علیهما عدم مستمر لقوله تعالیٰ : فی حق الفریقین خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۔ واما ما قیل من انهما تهلکان ولو لحظۃ تحقیقاً ۔ لقوله تعالیٰ : كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۔ فلا ینافی البقاء بهذا المعنیٰ لانك قد عرفت انه لا دلالۃ فی الآیۃ علی الفناء وذهبت الجهمیۃ الیٰ انهما تفنیان ویفنی اهلها وهو قول المخالف الکتاب والسنۃ والاجماع لیس علیه شبهۃ فضلاً عن حجۃ ۔ (شرح العقائد ص ۸۲ الجنۃ والنار الخ)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الفقه الاکبر ص ۹۸، ۹۹ الجنۃ والنار مخلوقتان ۔

وَکَذا فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ۴۸۴ الجنۃ والنار ۔

اس قول کو کہ "عاصی تا قیامت عذاب قبر سے مامون رہے گا"، مرجوح قرار دیا ہے۔
لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وفی روایۃ ابواب الجنۃ وغلقت ابواب جھنم الخ۔
(مشکوٰۃ المصابیح ص۱۷۳ کتاب الصوم) [۱]

کل شیٔ ھالك الا وجہہ وکل نفس ذائقۃ الموت میں ہلاکت وموت کی تفصیل

سوال: کیا کل شیٔ ھالك میں جنت، جہنم اور پلصراط داخل ہیں یا نہیں؟ اسی طرح کل نفس ذائقۃ الموت میں حاملین عرش اور مقرب فرشتے داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب: قرآن مجید کی آیت مبارکہ کل شیٔ ھالك الا وجہہ کی تفسیر میں متکلمین ومفسرین کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات نے الفاظ کے عموم اور ظاہر کو دیکھ کر سب پر فناء ہونے کا حکم لگایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تمام موجودات پر ہلاکت طاری ہو گی حتیٰ کہ جنت، دوزخ وغیرہ بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات باقی اور دائمی رہے گی، البتہ جنت جہنم کے لیے یہ ہلاکت تھوڑی دیر ہو گی دائمی فناء نہ ہو گا، اس لیے کہ ہلاکت دائمی فناء کو مستلزم نہیں اور یہ تھوڑی دیر کے لیے فناء ہو جانا قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ کل شیٔ ھالك الا وجہہ کی تحقق کے لیے ہو گا، جیسا کہ جہنم کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا واردھا کے تحت مفسرین لکھتے ہیں کہ ہر نیک وبد کو اس پر سے گذرنا پڑے گا لیکن نیک آدمی کے لیے

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وضغطۃ القبر حق ان کان کافرًا فعذابہ یدوم الیٰ یوم القیامۃ ویرفع عنہ یوم الجمعۃ وشھر رمضان .... والعاصی یعذب ویضغط لکن ینقطع عنہ العذاب یوم الجمعۃ ولیلتھا ثمّ لا یعودُ وَمَنْ مَاتَ یومھا اولیلتھا یکون العذاب ساعۃ واحدۃ وضغطۃ ثمّ لا یعود۔
(رد المحتار ج ۱ ص۶۱۱ باب الجمعۃ)
وَمِثْلُہٗ فی شرح الفقہ الاکبر ص۱۰۲ ضغطۃ القبر۔

صرف مرور ہوگا جہنم کی تپش اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔ جبکہ بعض مفسّرین فرماتے ہیں کہ چونکہ جنت اور جہنم پیدا ہو چکے ہیں اور اب بھی موجود ہیں، نصوصِ قرآنیہ اس پر دال ہیں کہ ان پر عدم طاری نہیں ہوگا بلکہ باقی اور دائمی رہیں گے۔ کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: خَالِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا، اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ، وغیرہ ذٰلک (سورۃ آل عمران آیت ۱۳۳) لہٰذا ان نصوص کی بنا پر کل شیٔ اکثریت کے لیے ہے تمام اشیاء کو محیط نہ ہوگا اور جنت وجہنم اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: واوتیت من کل شیٔ۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں ہلاکت سے مراد موت ہے اور عمومیت ہر ذی رُوح جو دنیا میں موجود ہے اس کے اعتبار سے ہے یعنی ہر ذی روح کو موت آئے گی اور وہ فناء ہوگی۔ اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں نقل کی ہے "کلّ حیّ میّت الّا وجہہ"۔

علامہ ابن ابی العزاء الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل شیٔ ھالک سے تمام وہ موجودات مراد ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فناء اور ہلاکت کا فیصلہ فرمایا اور جنت، جہنم وعرش کو باقی رکھنے کے لیے پیدا فرمایا نہ کہ فناء ہونے کے لیے، جیسے کہ قرآنی نصوص عدم فناء کی طرف مشیر ہیں لہٰذا جنت، جہنم اور عرش وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہونگے۔

اسی طرح کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ میں تمام جاندار اشیاء داخل ہیں اور فرشتے بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں، سب پر ایک مرتبہ موت طاری ہوگی اور از سرِنو ان کی بعث ہوگی جیسے دیگر جاندار اشیاء کی بعث ہوگی۔

لما قال العلامۃ تفتازانی رحمہ اللہ: وھما ای الجنّۃ والنّار مخلوقتان الآن موجودتان باقیتان لا تفنیان ویفنی اھلھا ای دائمتان لایطرء علیھا عدم مستمرٌ لقولہٖ تعالیٰ: فِیْ حَقِّ الْفَرِیْقَیْنِ خَالِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا۔ (سورۃ) وَامّا ما قیل انھا تھلکان ولو لحظۃ تحقیقاً۔ لقولہٖ تعالیٰ: کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وجھہ۔ فلاینافی البقاء بھذا المعنیٰ لانّک عرفت انہٗ لا دلالۃ فی الآیۃ علی الفناء وذھبت الجھمیۃ الیٰ انھا تفنیان ویفنی اھلھا وھو قول مخالف

لکتاب والسنۃ والاجماع ۔ (شرح العقائد ص۱۰۶)

وقال العلامۃ الآلوسیؒ : وقال غیر واحد المراد بالھلاک خروج الشیٔ عن الانتفاع بہ المقصود منہ اما بتفرق اجزائہ اونحوہ والمعنیٰ کل شیٔ سیھلک ویخرج عن الانتفاع بہ المقصود منہ الا ذاتہ عزوجل والظاھر انہ اُرید بالشیٔ الموجود المطلق لا الموجود وقت النزول فقط فیؤول المعنیٰ الیٰ قولنا کل موجود فی وقت من الاوقات سیھلک بعد وجودہ الا ذاتہ عزوجل فیدل ظاھر الآیۃ علیٰ ھلاک العرش والجنۃ والنار والذی دل علیہ الدلیل عدم ھلاک الآخرین وجاء فی الخبران الجنۃ سقفھا عرش الرحمٰن ولھٰذا اعترض بھٰذہ الآیۃ علی القائلین بوجود الجنّۃ والنّار الآن والمنکرین لہ القائلین بانھما سیوجدان یوم الجزاء ویستمر ان ابد الآباد واختلفوا فی الجواب عن ذٰلک فمنھم من قال ان کلاً لیست للاحاطۃ بل للتکثیر کما فی قولک کل النّاس جاءَ الا زیداً اذا جاء اکثرھم دون زید واید بماروی عن الضحاک انہ قال فی الایۃ کل شیٔ ھالک الا اللہ عزوجل والعرش والجنۃ والنار ومنھم من قال ان المراد بالھلاک الموت والعموم باعتبار الاحیاء الموجودین فی الدنیا وایدبماروی عن ابن عباسؓ انہٗ قال فی تفسیر الایۃ کل حیٔ میت الا وجھہ ۔ (تفسیر روح المعانی ج۲۰ ص۱۱۳ سورۃ القصص پارہ ۲۰ آیت ۸۸) [1]

---

[1] وقال الامام الرازیؒ : (تحت ھٰذہ الآیۃ) استدلت المعتزلۃ بہ علیٰ ان الجنّۃ والنار غیر مخلوقتین قالوا ان الآیۃ تقتضی فناء الکل فلوکانتا مخلوقتین لفنیتا وھٰذا ینا قض قولہ تعالیٰ فی صفۃ الجنّۃ ، اکلھا دائم ، والجواب ھٰذا معارض بقولہٖ تعالیٰ فی صفۃ الجنۃ (اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ) وفی صفۃ النّار (وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ) ثم اما ان یحمل قولہ کل شیٔ ھالک علی الاکثر کقولہٖ (وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ) او یحمل قولہ اکلھا دائم علیٰ ان زمان فنائھما لماکان قلیلاً بالنسبۃ الیٰ زمان بقائھما لاجرم

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

رؤیتِ باری تعالیٰ | **سوال**:- قیامت کے دن مخلوق اپنے خالق کو دیکھ سکے گی یا نہیں؟ اور اگر دیکھ سکیں تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟

الجواب:- اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اہلِ جنت کو انکی ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرایا جائے گا، یعنی دیدارِ خداوندی سے بڑھ کر ان کو کسی اور نعمت کے ملنے سے اتنی خوشی اور مسرت نہ ہوگی۔ اور اس عقیدے پر تمام صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے۔

لما قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ: واللہ تعالیٰ یُریٰ (بصیغۃ المجهول) ای ینظر الیہ بعین البصر فی الآخرۃ ای یوم القیامۃ....... ویراہ المؤمنون وهم فی الجنّۃ باعین رؤوسهم بلا تشبیہ ولا کیفیّۃ ولا کمیۃ۔ الخ

(شرح الفقہ الاکبر ص۱۱۹ بحث فی انہ تعالیٰ یریٰ فی الآخرۃ بلا کیف) [۱]

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) اطلق لفظ الدوام علیہ۔

(تفسیر کبیر ج۲۵، ۲۶ ص۲۴ سورۃ القصص آیت ۸۸ پارہ ۲۰)

وقال الامام عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ: تحت قول اللہ تعالیٰ "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" یخبر اللہ تعالیٰ اخبارًا عامًا یعم جمیع الخلیقۃ بان کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کقولہ تعالیٰ: "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" فهو تعالیٰ حیّ الذی لا یموتُ والجنّ والانس یموتون وکذلک الملئکۃ وحملۃ العرش وینفرد الواحد الاحد القهار بالدیمومۃ والبقاء فیکون آخرًا کما کان اوّلاً۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۴۴۳ سورۃ آل عمران)

وَمِثْلُہٗ فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ مُفَصّلاً ص۴۷۶ تا ۴۸۸)

[۱] وَقَالَ العلامۃ نجم الملّۃ عمر النسفی رحمہ اللہ: ورؤیۃ اللہ تعالیٰ جائزۃ فی العقل واجبۃ فی النقل وقد ورد الدلیل السمعی بایجاب رؤیت المؤمنین اللہ تعالیٰ فی دار الآخرۃ۔

(شرح العقائد ص۷۲ تا ۷۴ رؤیۃ باری تعالیٰ)

وَمِثْلُہٗ فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص۲۱۲ رؤیۃ اللہ تعالیٰ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے جنتی ہونے کا عقیدہ

سوال: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مشرف بہ اسلام تھے یا نہیں؟ مسلمانوں کو اس بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مسلمان ہونے اور نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی اصل وجہ روایات میں اختلاف ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین ماجدین دونوں مسلمان ہیں۔ یا تو بایں صورت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کے لیے ان کو زندہ کیا گیا اور دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور دینِ محمدی کا اقرار کر لیا، یا یہ کہ ان کی وفات زمانۂ فترت میں ہوئی ہے، لہٰذا اشاعرہ کے اصول کے مطابق: "من مات ولم تبلغه الدعوة يموت ناجيًا" یعنی جو اس حالت میں مرا کہ اس کو دینِ الٰہی کی دعوت نہیں پہنچی تو وہ ناجی ہوگا۔ اور ماتریدیہ کے نزدیک نجات کے لیے شرط یہ بھی ہے کہ کفر و شرک کا اعتقاد نہ ہو۔ اور جن روایات سے آپ کے والدین کا کفر پر مرنا ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے استفسار پر فرمایا: "ابی وابوك فی النار" تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قبل از علم تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مسلمان اور جنتی ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم قد اكرمه الله تعالى بحياة ابويه له حتى امنا به كما في حديث صححه القرطبي وابن ناصر الدين حافظ الشام وغيرهما فانتفعا بالايمان بعد الموت على خلاف القاعدة اكرامًا للنبي صلى الله عليه وسلم كما احيا قتيل بني اسرائيل ليخبر بقاتله..... وما قيل ان قوله تعالى: ولا تسئل

عن اصحاب الجحیم نزل فیہا لم یصح و خبر مسلم ''ابی وابوک فی النار'' کان قبل علم ۔ (ردّ المحتار ج ۴ ص ۲۳۱ باب المرتد) لہ

عذابِ قبر کی کیفیت کیا ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ عذابِ قبر کی کیفیت کیا ہے اور اس میں حساب و کتاب کیسا ہے اور گنہگار مسلمان کو کیسا عذاب دیا جائے گا ؟

الجواب :- اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں کفار، منافقین اور بعض گنہگار مسلمان کو عذاب دیا جاتا ہے، قرآن وحدیث اور تمام کتب کلام میں عذابِ قبر کا ثبوت صراحتاً ملتا ہے ۔ اسی طرح ہر شخص سے مرنے کے بعد قبر میں تین سوالات ہوں گے (۱) من ربّك (۲) من نبیك (۳) ما دینك، ہر ایک کو ان کا جواب دینا ہوگا، جواب نہ دینے یا غلط دینے کی صورت میں قبر میں عذاب ہوگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عذابِ قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے اور صحابۂ کرام کو بھی اس کی تعلیم فرماتے تھے ۔

باقی رہی یہ بات کہ کس کو کس قسم کا عذاب ہوگا ؟ تو اس کے متعلق اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ کافر اور منافق کا عذاب سب سے زیادہ سخت ہوگا اور تا قیامت دائمی ہوگا۔ لقولہٖ تعالیٰ : اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ الخ اور بعض گنہگار مؤمنین کا عذاب گناہوں کے لحاظ سے مختلف ہوگا، کیونکہ سزا جرم کی نوعیت کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے لیکن کافروں کے عذاب سے گنہگار مؤمنین کا

لہ لما قال العلامۃ محمد عبد العزیز الفرھاری : تحت قولہ فانہ محمد بن عبد اللہ .... وروی باسانید ضعیفۃ ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم دعا ربہ فاحیاہ وآمنتہ اُمّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وامنا بہٖ واختار الامام الرازیؒ انہما ماتا علیٰ ملّۃ ابراھیم علیہ السلام والجمع ان الاحیاء کرامۃ لھما ایضاعف ثوابھما وقد الف الحافظ المحقق جلال الدین السیوطیؒ رسائل ستا فی اثبات ایمانہما وایمان جمیع آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ آدم علیہ السلام وتبعہ المحققون المتاخرون۔ (النبراس ص ۳۱۹ نصب الامام ویکون من قریش)

عذاب بہر حال ہلکا اور آسان ہوگا۔

لما ورد فی الحدیث : فسألت عائشۃؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر حق قالت عائشۃؓ فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلوٰۃ الا تعوذ باللہ من عذاب القبر۔ متفق علیہ

(مشکوٰۃ ص۲۵ باب اثبات عذاب القبور)

وقال ایضاً عن حدیث زید بن ثابتؓ : قال تعوذوا باللہ من عذاب القبر قالوا نعوذ باللہ من عذاب القبر۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۲۵ باب اثبات عذاب القبور) [1]

عرضِ اعمال کی تحقیق

سوال :۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال کا پیر اور جمعرات کے دن پیش ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ احادیثِ مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے بھی اپنی اپنی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، عرضِ اعمال کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں بلکہ ہر روز صبح و شام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور ان کو سننے کے بعد امت کیلئے دعائے مغفرت بھی فرماتے ہیں، اس کے علاوہ بعض احادیث میں عزیز و اقارب پر بھی عرضِ اعمال کی تصریح ہے ۔

لما قال الحافظ و اخرج ابن المبارک فی الزھد من طریق سعید بن المسیب قال لیس من یوم الا یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفھم بسیماھم واعمالھم فبذلک یشھد علیھم ۔ (فتح الباری ج ۹ ص۸۶)

وفی المواھب مع شرحہ للعلامۃ الزرقانیؒ : (روی ابن مبارک) عبد اللہ الذی تستنزل

---

[1] قال ابن ابی العزی الحنفیؒ ، وقد تواترت الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثبوت عذاب القبر و نعیمہ لمن کان لذلک اھلاً وسوال الملکین فیجب اعتقاد ثبوت ذلک والایمان بہ ولا نتکلم فی کیفیتہ الخ ۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص۴۵ الایمان بعذاب القبر)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الفقہ الاکبر ص۱۰۱ ضغطۃ القبر۔

رحمة بذکرہ عن سعید بن المسیبؒ: (التابعی الجلیل ابن الصحابی) قال لیس من یوم الا و تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیا فیعرفہم بسیماھم و اعمالہم یحمد اللہ ویستغفر لہم۔ (الزرقانی ج ۵ ص ۱۳۰) [۱]

معجزہ اور کرامت کی حقیقت

سوال: عموماً کسی خارق العادت واقعہ کے ظہور کو لوگ معجزہ سے تعبیر کرتے ہیں، تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کے بعد بھی کسی سے معجزہ کا ظہور ممکن ہے؟

الجواب: معجزہ شرعاً ہر اس خارق العادۃ واقعہ کے ظہور کو کہا جاتا ہے جو کسی سچے مدعی نبوت کے ہاتھوں سے ظاہر ہو، اور کسی غیر نبی بزرگ کے ہاتھوں خارق العادۃ امر کے ظہور کو کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کسی بے دین کے ہاتھوں خارق العادۃ واقعہ کے ظہور کو استدراج کہا جاتا ہے، اس لیے ہر خرقِ عادت واقعہ کے ظہور کو معجزہ سے تعبیر کرنا نامناسب ہے، اور اگر اس سے اصطلاحی معجزہ مراد نہ ہو تو لا بأس فیہ۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فالحاصل ان الامر الخارق العادۃ بالنسبۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم معجزۃ سواء ظہر من قبلہ او من قبل احاد امتہ وبالنسبۃ الی الولی کرامۃ لخلوہ عن دعوی النبوۃ۔ (ردّ المحتار ج ۳ ص ۵۵۱ فصل فی ثبوت النسب۔ مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء) [۲]

---

[۱] وقال العلامۃ الآلوسیؒ: فی تفسیر قولہ تعالیٰ "وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا" فاعمال امتہ علیہ السلام تعرض علیہ بعد موتہ فقد روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر فحمدت اللہ تعالیٰ وما رأیت من شر استغفرت اللہ تعالیٰ لکم بل جاء ان اعمال العبد تعرض علی اقاربہ الموتی وھکذا انقل عدۃ احادیث فی معناہ (تفسیر روح المعانی ج ۴ ص ۱۹۴)

وَمِثْلُہٗ فی مشکوٰۃ ص ۶۹ باب المساجد۔ الفصل الثانی۔

[۲] وقال العلامۃ الفرہاریؒ: وکرامتہ ظہور امر خارق العادۃ من قبلہ ای من جانبہ غیر قارن لعت لا مراوحال منہ لدعوی النبوۃ فما لا یکون مقرونا بالایمان والعمل الصالح یکون استدراجا وما یکون مقرونا بدعوی النبوۃ یکون معجزۃ۔ (النبراس ص ۲۹۵ کرامات الاولیاء حقٌ)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الفقہ الاکبر ص ۷۹۔ خوارق العادات۔

انبیاء کرام علیہم السّلام تمام امتِ محمدیہ سے افضل ہیں

سوال:۔ کیا یہ درست ہے کہ امتِ محمدی کے صاحب کرامت اولیاء کرام انبیاء سابقین سے افضل ہیں؟

الجواب:۔ امتِ مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ کوئی ولی خواہ صاحبِ کرامت ہو یا نہ ہو کسی بھی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو منصبِ نبوت سے نوازا ہے تو اس میں جملہ کمالاتِ اولیاء بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں، لہٰذا کسی جزوی فضیلت کی بناء پر کسی ولی کو کسی بھی نبی سے افضل سمجھنا موجبِ کفر ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اجمعت الأمّة علی ان الانبیاء افضل الخلیقة وان نبینا علیه السلام افضلهم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۷ مطلب فی عدد الانبیاء والرسل علیهم الصلوٰة والسلام)[۱]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاء کا سرزد ہونا عدالت کے منافی نہیں

سوال:۔ ایک شخص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ان سے جو خطائیں سرزد ہوئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے معاف کردی ہیں اور ان کے ماسبق خطاؤں کا تذکرہ نہیں کیا، جبکہ ایک دوسرا شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے کہ صحابہؓ سے خطائیں ہوئی ہیں جن کی انہیں سزا بھی ملے گی۔ ان دونوں میں سے شرعاً کس شخص کا عقیدہ درست اور شرع کے موافق ہے؟

الجواب:۔ صحابۂ کرام انسان اور بشر تھے فرشتے یا انبیاء نہ تھے کہ کسی قسم کی غلطی سے معصوم و مامون رہتے، بمقتضائے بشریت اجتہادی غلطی یا کوئی اور بھول چوک ہوجانا تقویٰ اور عدالت کے منافی نہیں۔ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ کا مرتبہ

---

[۱] وقال العلامة ابن ابی العز الحنفیؒ: تحت قوله ولا نفضل احدًا من الاولیاء علی احدٍ من الانبیاء علیهم السلام ونقول نبی واحد افضل من جمیع الاولیاء/ ثم یشیر الشیخ الی الرد علی الاتحادیة وجهلة المتصوفة الخ (شرح العقیدة الطحاویة ص ۵۵۵ تفضیل الانبیاء)
ومثله مفصلاً فی شرح الفقه الاکبر ص ۱۲۱ تفضیل اولاد الصحابة۔

ہے، صحابۂ کرامؓ سے محبت رکھنا دین وایمان کا حصہ ہے اور ان سے بغض ونفرت کفر ونفاق، فسوق وعصیان ہے۔ جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بہتر ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی باقی تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ (سورۃ آل عمران ۱۱۰) اور تمام امت میں افضل اور بہتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں، لہٰذا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی عظیم ہستیوں کو محلِ نزاع بنانا فسق وضلالت ہے، قرآنِ پاک میں مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے لیے جن نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان کا اولین مصداق صحابۂ کرام ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ (سورۃ الانفال آیت ۷۴)

لما ورد فی الحدیث: وقال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فلو ان احدکم انفق مثل احدٍ ذھبًا مابلغ مُدَّ احدھم ولا نصیفہ متفقٌ علیہ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۳ مناقب الصحابۃ)[1]

مشاجراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

سوال: سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائی جو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی اُس میں دونوں طرف سے صحابۂ کرام شریکِ جنگ تھے تو ان میں کون حق پر تھا اور کون غلطی پر؟ اور ہمیں ان کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے باہم اختلافات ونزاعات پیش آئے

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: الصحابۃ کلھم عدول مطلقًا لظواھر الکتاب والسنّۃ واجماع من یعتمد علیہ۔ (مرقاۃ ج ۱۰ ص ۲۵۵ مناقب الصحابۃ)
وَمِثْلُہٗ فی شرح الفقہ الاکبر ص ۷۱ الکبیرۃ لاتخرج المؤمن عن الایمان۔
وکذا فی اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۲۱ مناقب الصحابۃ۔

ہیں، جیسے جنگِ جمل اور جنگِ صفین وغیرہ ، ان نزاعات کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیئے اور خواہش پرستی، حبِ جاہ وحبِ مال سے دور سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ نفسِ امّارہ کی ذلیل خصلتیں ہیں اور ان حضرات کے نفوس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے خواہش پرستی، حرص وہوا، محبتِ جاہ و محبتِ مال کی آلائشوں سے آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ وبابرکت صحبت نصیب نہ ہوئی ہو وہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشر اور انسان تھے اور ان سے بمقتضائے بشریت اجتہادی خطاء کا سرزد ہو جانا تقوع و ورع اور عدالت کے منافی نہیں، لہٰذا دونوں گروہ متقی و پرہیزگار تھے اور دونوں گروہ جنت میں جائیں گے ، ان کی صلح بھی حق کے لیے تھی اور ان کی لڑائی بھی حق کے لیے تھی، ہر ایک گروہ نے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا، پس جو مصیب ہے اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جو مخطی ہے اس کے لیے ایک اجر ہے، علماء نے لکھا ہے کہ ان لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطاء پر تھے لیکن یہ خطاء خطاء اجتہادی ہے جس پر لعن طعن کرنا بالکل جائز نہیں۔

اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہؓ کے باہمی نزاعات اور مشاجرات کے متعلق لب کشائی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ سکوت اور توقف اختیار کرنا چاہیئے، جہاں تک ممکن ہو زبان سے اس کا ذکر نہ کرے۔

حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت علیؓ اور حضرتِ عائشہؓ کے باہمی نزاع کی کیا حقیقت تھی؟ آپؒ نے فرمایا کہ جب اس خون ریزی سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو ہم اپنے آپ کو اس میں کیوں ملوث کریں!

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ سے ان لڑائیوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: "تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝" (شرح الفقہ الاکبر ص۱۶۷) [1]

---

[1] وقال ابو محمد علی بن احمد الظاهریؒ: وذهب سعد بن ابی وقاص وعبداللہ بن عمر وجمهور الصحابة الی الوقوف فی علیؓ واهل الجمل واهل صفین وبه یقول جمیع اهل السنة والجماعة۔ (الفصل فی الملل والاهواء والنحل ج۴ ص۱۵۳ الکلام فی حرب علی ومن حاربه من الصحابة)

مسیح موعود سے عیسیٰ ابن مریم ہی مراد ہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قیامت کے قریب نازل ہونے والے مسیح موعود سے عیسیٰ ابن مریم مراد ہیں یا کوئی اور عیسیٰ و مسیح؟ کیونکہ آجکل کئی مسیح موعود بنتے پھرتے ہیں، مخالفین کہتے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدی و عیسیٰ جو سنی حضرات بیان کرتے ہیں وہ سب موضوع اور ضعیف ہیں۔ ایسے عقیدہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: اہلِ سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابنِ مریم علیہم السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں اور قیامت سے قبل آسمانوں سے نزول فرمائیں گے، قرآنِ پاک کے کثیر نصوصِ قطعیہ سے یہ عقیدہ ثابت ہے، اس میں ذرہ بھر شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں کہ جن کو جمع کر کے علماء کرام نے کئی مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

حضرت علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام، اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان حضرات نے اور اسی طرح دیگر علماء محققین نے حیاتِ مسیح اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کو محققانہ انداز میں بیان فرمایا ہے کہ تمام روایات معنیً تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ رہا یہ کہ مسیح موعود سے مراد عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام ہیں یا کوئی اور عیسیٰ و مسیح مراد ہے؟ تو اس بارہ میں خود امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ نزولِ عیسیٰ میں صرف حضرت ابنِ مریمؑ کا تعین فرما دیا ہے کہ بعد میں آنے والا کوئی کذاب یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جس کی پیشین گوئی قرآن و حدیث میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ روایات میں عیسیٰ کا لفظ کا ذکر ہی نہیں تاکہ کل کو کوئی دجال اس سے غلط فائدہ نہ اٹھائے بلکہ زیادہ تر روایات میں ابنِ مریم (مریم کے بیٹے) کی تصریح موجود ہے اور نزولِ ابن مریمؑ کے بارہ میں از اول تا آخر علامات بیان کی گئی ہیں، ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے اگر کوئی کذاب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ علامات سے ہٹ کر مہدی موعود یا نزولِ عیسیٰ یا دجّال وغیرہ واقعات کے بارہ میں قیاس آرائیاں کرے

کرے گا تو ایسے شخص کا عقیدہ قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے بلکہ قرآنی پاک کی نصوصِ قطعیہ سے متصادم ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔

(سورۃ النساء آیت ۱۵۸)

وَقال الامام فخرالدین الرازیؒ: (تحت هٰذه الآیة) رفع عیسٰی علیه السلام الی السماء ثابت بهٰذه الآیة ونظیرهٰذه الآیة۔ قوله تعالیٰ فی آل عمران إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۰۳ المسألة الثالثة۔ سورۃ النساء) [۱]

الوہیتِ علیؓ کا عقیدہ رکھنا شرک ہے

سوال:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ”الٰہ“ ماننا اور اس کا عقیدہ رکھنے والے کا ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک ٹھہراتا ہے تو وہ شخص کافر اور مشرک ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے کو فقہاء کرام نے بالخصوص شرک قرار دیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لا شك فی تکفیر من قذف العائشة او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الوهیة علیؓ..... او نحو ذٰلك من الکفر الصریح۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۲۳۷ باب المرتد) [۲]

---

[۱] لما ورد فی الحدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم، متفق علیه۔ (مشکوٰۃ ص ۴۸۰ باب نزول عیسٰی علیه السلام)

وقال ایضًا: ینزل عیسٰی بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمسًا واربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسٰی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۰)

[۲] قال العلامة ملا علی القاریؒ: وبعضهم قالوا إنه ”اله“ وان صلوا الی القبلة لیسوا بمؤمنین۔ (شرح الفقه الاکبر ص ۱۶۳ مطلب یجب معرفة المکفرات)

عیسائیوں کا ایمان کی تعریف پر اعتراض اور اس کا جواب

سوال :- ایک عیسائی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر میں مولانا مفتی محمود صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں تو بریلویوں اور اہل حدیث کے نزدیک میں پھر بھی کافر ہی رہوں گا، کیونکہ اسلام کو عالمگیر مذہب ماننے والے لوگ مسلمان اور ایمان کی کوئی جامع تعریف نہیں کر سکے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ، ملائکہ، انبیاء، کتب سماویہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمان ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ شہادتین اور یوم آخرت پر جو شخص ایمان رکھتا ہو اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہو وہ مسلمان ہے، لہٰذا عرض یہ ہے کہ مسلمان کی متفقہ تعریف کیا ہے، اور اس (تعریف) میں اختلاف کیوں ہے؟

الجواب :- واضح رہے کہ ایمان کی تعریف میں کوئی معنوی اور حقیقی اختلاف نہیں ہے وھوالتصدیق بجمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما علم مجیئہ بہ بالضرورۃ۔ یعنی تمام ضروریاتِ دین اور واضحات یعنی اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب سماویہ خصوصاً قرآنِ مجید، رسل وغیرہ کو پیغمبر اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تشریحات کے مطابق ماننا، مسلمان کی اس تعریف میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے اور مومن، مسلمان ہونے کا صرف دعویٰ کرنا کافی نہیں ہے کیونکہ ایمان اور اسلام ایک عملی عہد ہے۔ عیسائیوں کو چاہیئے کہ وہ عیسائیت کی ایسی تعریف پیش کریں جو ان کے تمام فرقوں کو قبول ہو، عیسائیت کی متفقہ تعریف پر عیسائیوں میں بہت بڑا اختلاف ہے، جب ان کے ہاں ابھی تک انجیل کے تعین پر اتفاق نہیں ہے تو اس کی تشریحات پر ان میں کس طرح اتفاق ہو سکے گا۔[1]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: الایمان وھو تصدیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی جمیع ما جاء بہ عن اللہ تعالیٰ مما علم مجیئہ ضرورۃً۔ وقال ابن عابدینؒ: لما علم بالضرورۃ انہٗ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیث تعلمہ العامۃ من غیر افتقار الی نظر واستدلال کالوحدانیۃ والنبوّۃ والبعث والجزاء ووجوب الصلوٰۃ والزکوٰۃ وحرمۃ الخمر ونحوھا۔ الخ

(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۳۱۰ باب المرتد)

کفّار کا جہنم میں داخل کیے جانے پر اعتراض کا جواب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ جہنم کے لیے فنا ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ جس آدمی نے تمام عمر مثلاً ۶۰ سال کفر کیا اُس کو اللہ تعالیٰ کیونکر دائمی عذاب دیتا ہے، یہ تو ظلم ہے، جرم کے مطابق سزا ہونی چاہیئے، ایک عالمِ دین سے سُنا ہے کہ آخر میں کافر بھی جنت میں جائیں گے، تو کیا یہ عقائد اہلِ سنت والجماعت کے ہیں یا کسی اور کے؟

الجواب:۔ اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ دوزخ ہمیشہ کے لیے رہے گا اور کفار بھی ہمیشہ کیلئے اس میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا[1] کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ کفار کے دوزخ میں ہمیشہ کیلئے رہنے پر عبارۃً دال ہے اور دوزخ دائمی ہونے پر اقتضاءً دال ہے، نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فِی الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُوْنَ[2] جو کہ دونوں مسائل پر مثلِ سابق کے دال ہے، اور یہ قولِ الٰہی كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ[3] اس مرام پر دال ہے کہ کفار نار سے عادی نہ ہوں گے بلکہ بیشمار سال عذاب بھگتنے کے بعد بھی ان کا حال دخولِ اول جیسا ہوگا۔ ویدل علیہ ما اخرجہ الطبرانی وجعل لہم الابد وما اخرجہ ایضاً خلود بلا موت وما اخرج الشیخان یا اھل النار لا موت وکذا حدیث ذبح الموت۔ واما ما روی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرھما: "لیاتین علی جہنم زمان لیس فیہا احد فقال البغویؒ ان ثبت فمعناہ ان لا یبقی فیہا احد من اھل الایمان کذا فی التفسیر المظہری ج۵ ص۵۵ سورۃ ھود۔ پس یہ عقیدہ رکھنے والا عالمِ دین کہ آخر میں کفار بھی جنت میں جائیں گے "ضروریات" کا منکر ہے، ایسے عالم کو اہلِ کفر اور زیغ کا امام ہونا چاہیئے۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت کریمہ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا[4] سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفر پر خاتمہ اُس شخص کا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق معلوم ہے کہ اگر یہ ابداً زندہ رہے تو ہمیشہ کافر رہے گا۔ پس کفر بھی ابدی ہے اور اس کی سزا بھی ابدی ہے، بالکل ایسے جس طرح حکومت کسی جرم پر کوئی سزا مقرر کرے تو اس جرم کا اقدام اسی سزا کا التزام ہے۔

---

[1] سورۃ البینۃ آیت ۸، پ، ع ۱ [2] سورۃ المائدۃ آیت ۸۰، پ، ع ۱۴
[3] سورۃ النساء آیت ۵۶، پ۵، ع ۵ [4] سورۃ الانعام آیت ۲۸، پ۷، ع ۹

"قرآن سے جماع کیا ہوگا" کہنے سے لزومِ کفر کا حکم

سوال :- ایک شخص نے لوگوں کے سامنے یہ کہا کہ "اگر میں نے فلاں برا کام کیا تو نعوذ باللہ قرآن کے ساتھ جماع کیا ہوگا"۔ بعد میں وہ کام اس سے سرزد ہو گیا، اب وہ آدمی روتا ہے اور پشیمان ہے کہ میں نے یہ کفریہ الفاظ کہے ہیں، نہ معلوم اب مجھے کون سا عذاب دیا جائے گا۔ تو کیا یہ شخص واقعی کافر ہو گیا ہے یا نہیں، اور کفارہ دے گا یا نہیں؟

الجواب :- یہ معاملہ یمین کا ہے۔ مثل ان فعلت کذا فانا یہودی لکون جماع المصحف توھینًا وکفرًا۔ پس جب اس شخص نے وہ برا کام کیا تو حانث ہوا، اور اگر اس شخص کا عقیدہ یہ تھا کہ ایسی صورت میں یہ برا کام کرنے والا کافر ہو جاتا ہے تو یہ شخص کافر بھی ہوا اور ورنہ کافر نہ ہوگا۔ بہر حال یہ شخص توبہ و استغفار کرے، ایمان کی تجدید کرے اور احتیاطاً کفّارہ بھی ادا کرے[1]۔

داڑھی کی توہین کرنے والا کافر ہے

سوال :- داڑھی کی توہین اور بے عزتی کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور مسلمان کو گالی گلوچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب :- داڑھی سنت الانبیاء ہے اس لیے داڑھی کی توہین اور بے عزتی کرنے والا آدمی بلا شک و شبہ کافر ہے، نیز استقباحِ سنت کی وجہ سے آدمی کافر

---

[1] لما فی الھندیۃ: ولو قال ان فعل کذا فھو یہودی او نصرانی او مجوسی او بریٔ من الاسلام او کافر او یعبد من دون اللہ او یعبد الصلیب او نحو ذٰلک مما یکون اعتقادہ کفرًا فھو یمین استحسانًا کذا فی البدائع۔ حتی لو فعل ذٰلک الفعل یلزمہ الکفارۃ وھل یصیر کافرًا اختلف المشائخ فیہ۔ قال شمس الائمۃ السرخسی رحمہ اللہ والمختار للفتوٰی انہ ان کان عندہ انہ یکفر متی اتی بھذا الشرط ومع ھٰذا اتی یصیر کافرًا لرضاہ بالکفر ...... وان کان عندہ انہ اذا اتی بھذا الشرط لا یصیر کافرًا لا یکفر الخ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۲ ص۵۴ الباب الثانی فیما یکون یمینًا وما لا یکون یمینًا)

ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : او استقباحها کمن استقبح من آخر۔۔۔۔الی ان قال ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر به وان لم یقصد الاستخفاف۔

(ردالمحتار ج۳ ص۳۱۱ مطلب فی منکر الاجماع)

اور گالی گلوچ کرنے والا حدیث کی رو سے فاسق و فاجر ہے۔ [1]

اذان اور مؤذن کی توہین کرنے والے کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں ایک آدمی مسجد میں اذان دے رہا تھا تو ایک عورت نے کہا کہ یہ تو بکرا بول رہا ہے، اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:۔ اذان شعائر دین میں سے ہے اس سے استہزاء کفر ہے جبکہ غیر شعائر سے استہزاء کفر نہیں ہے، اور اگر آواز کی قباحت کا اظہار مقصود ہو تو یہ فسق ہے۔

یدل علی الاول ما فی ردالمحتار ج۳ ص۳۱۱ باب المرتد قبیل مطلب فی منکر الاجماع۔

او استقباحها کمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه او احفاء شاربه اھ

واما الثانی فلقوله تعالٰی: لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۱) [2]

”تیرے سبق پر آسمانی بجلی گرے“ کہنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ زید کا دس سالہ بچہ قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم حاصل کرتا ہے، زید کی بیوی ہندہ نے کسی وجہ سے غصہ میں آکر بچے کو گالیاں دیں اور یہ بھی کہا کہ ”ستا پہ سبق دے تندر پریوزی“ یعنی تیرے سبق پر آسمانی بجلی گرے۔ تو کیا اس طرح کہنے سے زید کی بیوی کے نکاح پر کچھ اثر پڑا ہے یا نہیں، اور اگر کچھ اثر پڑا ہے تو اس کا

---

[1] عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله کفر۔ متفق علیه۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۴۱۱ باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، الفصل الاول)

[2] لما فی الهندیة: فی التخییر مؤذن اذان فقال رجل ”ایں بانگ غوغا است“ یکفر ان قال علی وجه الانکار۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۶۹ منها ما یتعلق بالصلوٰۃ والصوم)

ومثله فی البحر الرائق ج۵ ص۱۲۲ احکام المرتدین۔

کفارہ کیا ہے ؟

الجواب:۔ یہ جاہلانہ غصہ ہے، اس میں کفریہ، شرکیہ یا قسمیہ الفاظ نہیں ہیں، لہٰذا اس سے نہ تو ہندہ کا نکاح متاثر ہوا ہے اور نہ کفارہ لازم ہے۔ [۱]

فقہ اور اجتہاد کے منکر کا حکم

سوال:۔ فقہ اور اجتہاد کے منکر کو بعض حضرات مرتد، کافر اور بعض مسلمان کہتے ہیں، لہٰذا اس کے بارے میں شرعی حکم کی وضاحت کریں تاکہ لوگ اصل حقیقت سے واقف ہو سکیں ؟

الجواب:۔ منکرِ فقہ سے مراد اگر کوئی غیر مقلد ہو تو یہ انکار کفر نہیں ہے، البتہ ایسا شخص اہلِ تقلید کی امامت کا اہل نہیں ہے، اور اگر اس سے مراد منکرِ اجتہاد اور ائمہ کرام کی توہین کرنے والا ہو تو بظاہر اس کو مسلمان کہنا درست اور زیبا نہیں ہے [۲]

جنات غیب کا علم نہیں جانتے

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک لڑکے پر جنات کا اثر ہے، یہ لڑکا گذشتہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات و واقعات بتا دیتا ہے، گم شدہ اشیاء کے بارے میں بھی بتا دیتا ہے، پوچھنے والوں کو ان کے ہر سوال کا جواب بھی دیتا ہے۔ تو کیا واقعی جنات غیب کی خبریں جانتے ہیں ؟

الجواب:۔ جنات عالم الغیب نہیں ہیں البتہ تیز رفتار ہونے کی وجہ سے جلدی اطلاع دیدیتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر دروغگو ہوتے ہیں، اس لیے ان کے کلام کی تصدیق اور اس کے صدق پر جزم کرنا شرع اور عقل دونوں کے خلاف اور حرام ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الملائکۃ تنزل فی العنان وھو السحاب فتذکر الامر قُضی

---

[۱] وفی الھندیۃ: وما کان خطأ من الالفاظ ولا یوجب الکفر فقائلہ مومن علیٰ حالہ ولا یؤمر بتجدید النکاح والرجوع عن ذٰلک کذا فی المحیط۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۲ ص۲۸۳ قبیل الباب العاشر فی البغاۃ)

[۲] وفی الھندیۃ: رجل قال قیاس ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حق نیست یکفر کذا فی التاتارخانیۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۲ ص۲۷۱ موجبات الکفر منہا ما یتعلق بالعلم والعلماء)

فی السّماء فتسترق الشیاطین السمع فتسمعه فتوحیه الی الکھان فیکذبون معھا مائة کذبة من عند انفسھم (رواہ البخاری)

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۹۳ باب الکھانة۔ الفصل الاوّل) [۱]

حالتِ نزع میں ایمان لانے کی شرعی حیثیت

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نزع کی حالت میں مسلمان کافر اور کافر مسلمان ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ نزع کی حالت میں ایمان لانا عند اللہ مقبول نہیں ہے ۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یقبل توبة العبد مالم یغرغر۔

(ابوداؤد ج ص)

اور ایسے وقت میں ایک مسلمان سے کفریہ کلمات کا زبان سے ادا کرنا غیر متصور ہے ۔ لانہ یشاھد ما کان یؤمن بہ بالغیب ۔ اور ظاہراً ایسے کلمات اگر منہ سے نکل بھی جائیں تو غلبۂ حال کی وجہ سے معاف ہو جائیں گے [۲]

---

[۱] قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ : فان قال ھذا القائل انا اخبر باخبار الجنّ ایای بذلک قال ھو ومن صدقه یکون کافراً باللہ لقوله علیه السلام من اتی کاھناً فصدقه فیما قال فقد کفر بما انزل اللہ علیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا یعلم الغیب الّا اللہ لا الجنّ والانس یقول اللہ فی الاخبار عن الجنّ فلمّا خرّ تبینت الجنّ ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین ۔ (فتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش الھندیة ج ۳ ص ۵۷۶ باب مایکون کفراً من المسلم وما لا یکون) ۔

وَمِثْلُہٗ رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۵ مطلب فی دعوی علم الغیب ۔

[۲] قال العلامة ابن عابدینؒ : واما ایمان الیاس فمذھب اھل الحق انهٗ لا ینفع عند الغرغرة ولا عند معاینة عذاب الاستئصال لقوله تعالیٰ فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا بأسنا ولذا اجمعوا علیٰ کفر فرعون الخ (رد المحتار حاشیه علی الدر المختار ج ۳ ص ۳۱۷ مطلب توبة الیاس وایمان الیاس)

ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود کا تصوّر مضرِ عقیدہ نہیں

سوال:۔ مجھے نماز میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق مختلف خیالات کثرت سے آتے ہیں، بچپن میں کسی سے سُنا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک نور ہے اس لیے اکثر اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق نور کی بنی ہوئی لکیر جیسا تصور ذہن میں آتا ہے۔ چند ماہ قبل آسمان پر سبز، سرخ اور زرد رنگ کی بادل جیسی لکیریں دیکھی تھیں، اب یہ چیز نماز میں مجھے سامنے نظر آتی ہے، بعض اوقات کچھ تصاویر بھی ذہن میں آتی ہیں۔ براہ کرم اس بارے میں میری تشفی فرمائیں کہ کہیں کفر میں مُبتلا نہ ہو جاؤں۔

الجواب:۔ اس قسم کے خیالات کا آنا نہ تو شرک ہے اور نہ گناہ، بلکہ جس طرح ایک مادرزاد اندھا کسی شخص کے متعلق خیالات میں بتلا ہو آپ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے، بہر حال آپ کے ذہن میں ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود کے متعلق جو خیالات، تصاویر اور انوار آتے ہیں اُن کے متعلق آپ دل میں یہ عقیدہ رکھیں کہ یہ خدا نہیں ہے۔

وفی الھندیۃ: من خطر بقلبہ ما یوجب الکفر ان تکلم بہ وھو کارہ لذلك فذلك محض الایمان۔ (الفتاویٰ الھندیہ ج۲ ص۲۸۳ قبیل الباب العاشر فی البغاۃ) [۱]

تیری عبادت پر لعنت ہو

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا بیٹا میرا سخت گستاخ، بے ادب اور نافرمان ہے، کوئی بات بھی کرتا ہو تو جواب غلط دیتا ہے، اگر کوئی نصیحت کرتا ہوں تو اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ اُلٹا مجھے گالی گلوچ کرتا ہے، ایک دفعہ میں نے اُسے کہا کہ صبح سویرے اٹھا کرو لوگ تمہیں باہر بلانے کے لیے آتے ہیں اور میں اُس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوتا ہوں، تمہارے نہ جانے کی وجہ سے مجھے باربار باہر جانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے میری عبادت میں خلل پڑتا ہے، اِس پر اُس نے کہا "تیری عبادت پر لعنت ہو" برائے مہربانی آپ یہ بتائیں کہ ایسے نافرمان بیٹے کی شرع میں کیا سزا ہے؟

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: فلا تصح ردۃ مجنون ومعتوہ وموسوس۔ قال ابن عابدینؒ: ولکن موسوس لہٗ اذا لیہ ای تلقی الیہ الوسوسۃ وقال اللیث الوسوسۃ حدیث النفس۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۳۱۲ مطلب مایشك فی انہ ردۃ لایحکم بھا)

الجواب:- یہ الفاظ بہت خطرناک ہیں، ایسے شخص کو فوراً توبہ کرنی چاہیئے، اور والد کے نافرمان آخرت میں عذابِ جہنم ہے، اگر توبہ نہ کرے تو دنیا میں اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی، مگر تعزیری سزا کا جاری کرنا قاضی یا حکومتِ وقت کا کام ہے عوام کا نہیں۔

مُرتد کے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد اس کی سابقہ نیکیوں کا حکم

سوال:- جب کوئی شخص ارتداد کے بعد توبہ کرکے دوبارہ مسلمان ہوجائے تو اس کے سابقہ اعمال کا ثواب اسے دوبارہ واپس ملے گا یا نہیں؟

الجواب:- اسلام سے پھر جانا (مرتد ہونا) ایک سنگین جرم ہے جس کی وجہ سے اس (مرتد ہوجانے والے شخص) کی تمام نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں لیکن اگر وہ شخص تائب ہوکر دوبارہ مسلمان ہوجائے تو اس کے سابقہ نیک اعمال کے اجر کے واپس لوٹنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ ابو علی، ابو ہشام اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک اسکی سابقہ نیکیوں کا اجر واپس نہیں لوٹتا ہے اور یہ شخص دوبارہ اس اجر و ثواب کا مستحق نہیں رہتا اور ابو القاسم الکعبی کے نزدیک اس کے نیک اعمال کا اجر و ثواب واپس لوٹتا ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: قیل له: لو تاب أتعود حسناته؟ قال هٰذه المسئلة مختلفة فعند ابی علی وابی هشام واصحابنا انها لا تعود وعند ابی القاسم الکعبی انها تعود ونحن قلنا انه لا یعود ما بطل من ثوابه لکنه تعود طاعته المتقدمة مؤثرة فی الثواب من بعد۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج۵ ص۴۶۱ کتاب احکام المرتدین) لہ

لہ لما قال العلامة ابن عابدینؒ: فی التاتارخانیة معزیاً الی التتمة قیل لو تاب أتعود حسناته قال هٰذه المسئلة مختلفة فعند ابی علی وابی هشام واصحابنا انه لا یعود وعند ابی القاسم الکعبی انها تعود ونحن نقول انه لا یعود ما بطل من ثوابه لکنه تعود طاعته المتقدمة مؤثرة فی الثواب۔

(رد المحتار ج۳ ص۳۳۱ باب المرتد، مطلب المعصیة تبقی بعد الردة)

وَمِثلُهٗ فی البحر الرائق ج۵ ص۱۲۷ باب المرتد۔

نشے کی حالت میں ارتداد کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص نشے کی حالت میں ایسے الفاظ کہے کہ جن سے آدمی مُرتد ہو جاتا ہے، تو کیا اس پر ارتداد کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے ارتداد کے لیے عقل کا صحیح ہونا شرط کے درجہ میں قرار دیا ہے، اس لئے اگر کسی آدمی کی عقل نشہ کی وجہ سے ختم ہو چکی ہو اور اسی حالت میں کفریہ الفاظ اس کے منہ سے نکل جائیں تو اس سے وہ مرتد نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسے آدمی پر احکام مُرتدین جاری کیے جائیں گے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: وکذٰلک السکران الذاهب العقل لاتصح ردته استحسانًا والقیاس ان تصح فی الاحکام۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۱۳۴ باب المرتد) [۱]

ارتدادِ مکرہ کا حکم

سوال:۔ جب کسی مسلمان کو غیر مسلم کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کریں اور اس مجبوری کے تحت کفریہ کلمہ زبان سے نکال دیا لیکن دل سے کہنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا، تو کیا ایسی صورت میں بھی یہ شخص اسلام سے خارج ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ جبر واکراہ کی صورت میں کوئی مسلمان دینِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کا دل وحدانیتِ باری تعالیٰ کے بارے میں مطمئن ہو۔ کقولہ تعالیٰ: مَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔ (سورۃ النحل آیت ۱۰۶)

ولما قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها الطوع فلا تصح ردة المکره علی الردة استحسانًا اذا کان قلبه مطمئنًا بالایمان والقیاس ان تصح فی احکام الدین وسنذکره وجه القیاس والاستحسان فی کتاب الاکراه ان شاء اللّٰه تعالیٰ۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۱۳۴ فصل فی احکام المرتدین) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم رحمه اللّٰه: وکذا لاتصح ردة السکران الذاهب العقل۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۱۹ باب المرتد)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۳ ص۳۱۲ مطلب ما یشک فی انه ردّة لایحکم بها۔

[۲] قال العلامة ابن نجیم رحمه اللّٰه: ومن شرائط صحة الردّة الطوع فلا تصح ردة المکره علیها۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۱۹ باب المرتد)

ومثله فی الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۳ ص۳۱۲ باب المرتد۔ مطلب ما یشک فی انه ردة لایحکم بها۔

عورت کے ارتداد کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی مسلمان عورت دینِ اسلام چھوڑ کر مُرتد ہو جائے تو اس کو قتل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مسلمان عورت جب مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے دوبارہ اسلام پر مجبور کیا جائے گا اور اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اسلام لائے یا اسی جیل میں مر جائے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: واما المرءۃ فلا یباح دمھا اذا ارتدت ولا تقتل عندنا ولکنھا تجبر علی الاسلام واجبارھا علی الاسلام ان تحبس وتخرج فی کل یوم فتستتاب ویعرض علیھا الاسلام فان اسلمت والا حبست ثانیاً ھٰکذا الیٰ ان تسلم او تموت وذکر الکرخی وزاد علیہ وتضرب اسواطاً فی کل مرۃ تعزیراً لھا علیٰ ما فعلت۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۱۳۵ فصل احکام المرتدین) [1]

مُرتد کو کب قتل کیا جائے گا

سوال:۔ اگر کوئی شخص دینِ اسلام چھوڑ کر دینِ کفر اختیار کرے تو اس کے قتل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب کوئی شخص دینِ اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرلے تو افضل طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کو اسلام کی دعوت دی جائے تو اگر وہ اسلام قبول کرلے تو فبہا اور اگر اسلام قبول نہ کرے اور مہلت طلب کرے تو حاکم اُسے تین دن کی دے گا، اگر تین دن میں مسلمان ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کیا جائے گا، اور اگر اسلام بھی قبول نہ کرے اور مہلت بھی نہ مانگے تو اُسی وقت قتل کیا جائے گا۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللّٰہ: ومنھا انہٗ یستحب ان یستتاب ویعرض علیہ الاسلام لاحتمال ان یسلم لکن لا یجب لان الدعوۃ قد بلغتہ فان اسلم فمرحباً واھلاً بالاسلام وان ابیٰ نظر الامام فی ذٰلک فان طمع فی توبتہ

---

[1] وقال العلامة ابن نجیمؒ: لا تقتل المرءۃ بل تحبس حتیٰ تسلم لنھیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن قتل النساء۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۹ باب المرتد)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۲ ص۲۵۴ الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

او سأل هو التاجيل اجّله ثلٰثة ايّامٍ وان لم يطمع فى توبته ولم يسأل التاجيل قتله من ساعته - (بدائع الصنائع ج ۷ ص۱۳۴ فصل فى احكام المرتدين) [1]

مُرتد کے مال کی تقسیم کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص نعوذ باللہ دینِ اسلام سے مُرتد ہو کر کفر اختیار کرے تو اس کے مال کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے ورثاء پر مال تقسیم کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- جب کوئی شخص دینِ اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مُرتد ہو جانے سے اس کی مِلک اپنے اموال سے زائل (ختم) ہو جاتی ہے لیکن جب وہ دوبارہ اسلام قبول کرے تو اس کی دوبارہ برقرار ہو جاتی ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ارتداد اختیار کرنے کے بعد بھی اس کی ملکیت برقرار رہتی ہے اس لیے اس کا مال ورثاء آپس میں تقسیم نہیں کر سکتے، لہٰذا اگر وہ ارتداد کی حالت میں ہی مر گیا یا قتل کیا گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک حالتِ اسلام میں کسب شدہ مال اس کے ورثاء مسلمین کو ملے گا اور حالتِ ردت میں مال فئے کے حکم میں ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں حالتوں میں کسب شدہ سرمایہ ورثاء مسلمین کو ملے گا۔

لما قال العلامة المرغينانیؒ: قال ويزول ملك المرتد عن امواله بردته زوالاً مراعى فان اسلم عادت الى ما لها قالوا هذا عند ابى حنيفةؒ وعندهما لايزول ملكه لانه مكلف محتاج قال ان يقتل بقى ملكه.... وقال وان مات اوقتل على ردته انتقل ما اكتسبه فى اسلامه الى ورثته المسلمين وكان ما اكتسبه فى حال ردته فيئاً وهذا عند ابى حنيفةؒ وقالا كلاهما لورثته - (الهداية ج ۲ ص۵۶۶ باب المرتد) [2]

---

[1] قال العلامة التمرتاشیؒ: من ارتد عرض عليه الاسلام استحباباً وتكشف شبهته ويحبس ثلٰثة ايام ان استمهل والا قتله من ساعته - (تنوير الابصار على هامش ردالمحتار ج ۳ ص۳۱۲ باب المرتد)

وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۵ ص۱۲۵ باب المرتد -

[2] قال العلامة التمرتاشیؒ: ويزول ملك المرتد عن ماله زوالاً موقوفاً فان اسلم عاد ملكه وان مات وقتل على ردته ورث كسب اسلامه وارثه المسلم بعد قضاء الدين الاسلام وكسب ردته فئ بعد قضاء دين ردته - (تنوير الابصار على هامش ردالمحتار ج ۳ ص۳۲۹ باب المرتد)

وَمِثْلُهٗ فى بدائع الصنائع ج ۷ ص۱۳۶ فصل فى احكام المرتدين -

اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کرنے والے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے یا یوں کہے کہ اللہ تعالےٰ فلاں جگہ میں موجود ہے اور فلاں جگہ میں نہیں تو کیا یہ شخص اس سے کافر ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی طرح جسم سے وراء الوریٰ ہے جسے اس دنیا میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ اس میں دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کی طاقت ہے اور نہ کسی عقل میں اس ذات کے بارے میں سوچنے کی استعداد ہے ، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے بارے میں سوچنے سے منع کر دیا گیا ہے ، اس لیے انسانوں کی ذوات پر قیاس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں گفتگو کرنا ضلالت اور گمراہی کا سبب ہے ، لہٰذا اللہ تعالےٰ کے لیے ایسی کیفیت سے مکان ثابت کرنا جو کہ مخلوق کے لیے ثابت ہے تو اس طرح کا عقیدہ رکھنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے ، ہاں اگر اللہ تعالےٰ کے لیے مکان ثابت کرنے کا مطلب محض اخبار ہو جس طرح قرآن اور احادیث میں متعدد جگہ ثابت ہے تو ایسا کہنے یا عقیدہ رکھنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ : اذا قال: اللہ تعالیٰ فی السماء عالم ان اراد به المكان كفر وان اراد به الحكاية عما جاء فی ظاهر الاخبار لا يكفر وان لم تكن له نية يكفر عند اكثرهم وفی التخيير وهو الاصح و عليه الفتوىٰ ۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۵ ص۴۶۴ كتاب احكام المرتدين) [1]

---

[1] وقال العلامة ابن نجيم المصریؒ : ويكفر بقوله يجوز ان يفعل اللہ تعالیٰ فعلاً لا حكمة فيه وباثبات المكان للہ تعالیٰ فان قال اللہ فی السماء فان قصد به حكاية ما جاء فی ظاهر الاخبار لا يكفر وان اراد المكان كفر وان لم يكن له نية كفر عند الاكثر وهو الاصح وعليه الفتوىٰ ۔

(البحر الرائق ج۵ ص۱۲۰ باب المرتد)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۲ ص۲۵۹ الباب التاسع فی احكام المرتدين ۔

کفر اختیار کرنے کا مشورہ دینے والا خود کافر ہو جاتا ہے | **سوال**:۔ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو کلمۂ کفر کہنے کا مشورہ دیتے ہوئے اُسے کفر اختیار کرنے کا حکم دیا، تو کیا اس طرح کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ جس طرح بذاتِ خود کفریہ الفاظ کہنے سے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اسی طرح کسی دوسرے کو کلمۂ کفر کی تلقین کرنے اور امر بالکفر کرنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الدهلویؒ : وفی غرر المعانی لاخلاف بین مشائخنا ان الامر بالکفر کفرٌ۔ (التاتارخانیة ج ۵ ص۴۶۲ کتاب احکام المرتدین، فصل اجراء کلمة الکفر) [۱]

رضا بالکفر کفر ہے | **سوال**:۔ کسی شخص کا اپنے نفس کے کفر پر رضامندی کا اظہار کرنا کفر ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ کسی شخص کے لیے اپنے نفس کے کفر پر اظہارِ رضا کرنا یقیناً اسلام سے خارج ہونے کا سبب ہے جس کی وجہ سے وہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے لہٰذا ایسے شخص کے کفر میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

لما فی الهندیة : ومن رضی بکفر نفسه فقد کفر۔ (الفتاوی الهندیة ج ۲ ص۲۵۷ الباب التاسع فی احکام المرتدین) [۲]

رضا بکفر الغیر کفر ہے یا نہیں | **سوال**:۔ کیا کسی دوسرے کے کفر پر راضی ہونا کفر ہے یا نہیں ؟

---

[۱] وقال العلامة ابن عابدینؒ : فی منحة الخالق وفی التاتارخانیة وفی غرر المعانی لاخلاف بین مشائخنا ان الامر بالکفر کفرٌ۔ (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج ۵ ص۱۲۴ باب المرتد)

[۲] وقال العلامة عالم بن العلاء الدهلویؒ : ومن رضی بکفر نفسه فقد کفر۔ (التاتارخانیة ج ۵ ص۴۶۲ کتاب احکام المرتدین، فصل فی اجراء کلمة الکفر)

الجواب: کسی غیر کے کفر پر رضامندی کا اظہار کرنا تاکہ وہ عذابِ الٰہی کا مستحق بن جائے تو یہ کفر نہیں البتہ اس نیت سے رضا کا اظہار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کی ذات وصفات میں نازیبا الفاظ کہے تو اس سے اس کے کفر میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ فی منحة الخالق: وفی التصاب الاصح انه لا یکفر بالرضا بکفر الغیر وفی شرح السیر ان رضا بکفر الغیر انما یکون کفرًا اذا کان یستخف الکفر ویستحسنه اما اذا احب الموت او القتل علی الکفر لمن کان شدیدًا موذیًا لطبعه حتی ینتقم الله منه فهذا لا یکون کفرًا وقد عثرنا علی روایة ابی حنیفة رحمه الله ان الرضا بکفر الغیر کفر من غیر تفصیل۔

(منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج۵ ص۱۲۴ باب المرتد)[۱]

اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کے کفر پر راضی ہونے کی نسبت کرنے کا حکم

سوال: اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت کرنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کفر پر راضی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ جس طرح انسان کا خالق ہے اسی طرح اس کے تمام افعال کا بھی خالق ہے لیکن انسان کو اس کے افعال کے بارے میں مجبور محض پیدا نہیں کیا بلکہ اس کو اپنی مرضی کے موافق اس کی قدرت کے مطابق افعال کے کسب کا پورا اختیار بھی دیا ہے افعالِ بد اور نیک افعال میں تمیز اور افعال پر مرتب ہونے والے نتائج کے بیان کرنے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا انہوں نے ان تمام افعال کے نتائج سے

---

[۱] وقال العلامة عالم بن العلاء الدهلوی رحمه الله: ومن رضی بکفر غیره فقد اختلف المشائخ وفی النصاب و الاصح انه لا یکفر بالرضاء بکفر الغیر وفی غرر المعانی لاخلاف بین مشائخنا ان الامر بالکفر کفر وفی شرح السیر الکبیر مسئلة تدل علی ان الرضا بکفر الغیر لیس بکفر۔ (تاتارخانیة ج۵ ص۴۶۷ کتاب احکام المرتدین، فصل فی اجراء کلمة الکفر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۲ ص۲۵۷ الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

انسانیت کو خوب آگاہ کیا، اس کے باوجود اگر کوئی شخص افعالِ بد کو اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی مرضی سے اس فعل کو کرتا ہے اس لیے یہ اس کا ذاتی عمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو نہیں روکتا اگرچہ وہ انسان کے اس فعل سے راضی نہ ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت کرنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ کسی کے کفر پہ راضی ہے موجبِ کفر ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ویکفر ان اعتقد ان اللہ تعالیٰ یرضیٰ بالکفر۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۰ باب المرتد) [۱]

اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرنے کا حکم

سوال:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ جو کہ قادرِ مطلق ذات ہے، اس کا دستِ قدرت تمام مخلوق اور کائنات پر حاوی ہے اور جس طرح بھی چاہے اپنی مرضی کے مطابق اس میں تصرفات کرتا ہے، جس طرح تمام کائنات اور مخلوقات کی تخلیق اور عدم سے وجود لانے میں کسی سے کوئی مدد نہیں لی اسی طرح مخلوق اور کائنات کا نظام چلانے میں بھی کسی کی مدد کا محتاج نہیں، اس لیے کسی بھی فعل میں اس کی طرف عجز کی نسبت کرنا موجبِ کفر ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الدهلوی رحمہ اللہ: وفی خزانة الفقه ولو قال للّٰہ تعالیٰ شریك او ولد او زوجة او هو جاهلٌ او عاجز او نقص بذاته او صفاته کفر۔ (تاتارخانیة ج۵ ص۴۶۳ کتاب احکام المرتدین) [۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف زنا کی نسبت کرنیوالے کا حکم

سوال:۔ جو لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

---

[۱] وفی الهندیة: ویکفر ان اعتقد ان اللہ تعالیٰ یرضیٰ بالکفر کذا فی البحر۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۲ ص۲۵۸ الباب التاسع فی احکام المرتدین)

[۲] قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: فیکفر اذا وصف اللہ بما لا یلیق به او سخر باسم من اسمائه او بامر من اوامره او انکر وعده او وعیده او جعل له شریکاً او ولداً او زوجةً او نسبه الی الجهل او العجز او النقص۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۰ باب المرتد)
ومثله فی الهندیة ج۲ ص۲۵۸ الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں تو کیا وہ کافر ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں جن کی براءت پر قرآن پاک ناطق ہے جو آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے عظیم ہونے کی واضح دلیل ہے اور ان کی براءت قطعی ہے، لہٰذا اُن کی طرف زنا کی نسبت کرنا نہ صرف یہ کہ قرآن کریم سے واضح انکار ہے بلکہ انسانی غیرت کے بھی خلاف ہے اس لیے ان کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا نہ صرف کافر بلکہ انسانیت کے دائرہ سے بھی خارج ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: وفی خزانة الفقه لو قذف عائشة رضی الله عنها کفر بالله تعالیٰ ولو قذف سائر نساء النبی صلی الله علیه وسلم لا یکفر ویستحق اللعنة۔ (التاتارخانیة ج ۵ ص۴۸۵ کتاب احکام المرتدین، فصل فیما یعود الی الانبیاء)[1]

اللہ تعالیٰ کے بعض افعال میں حکمت سے انکار کرنے والے کا حکم

سوال:۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے افعال بھی صادر ہوتے ہیں جن میں (نعوذ باللہ) کوئی حکمت نہیں ہوتی، تو ایسا عقیدہ رکھنے والے شخص کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جو کہ خالق کائنات، قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہے کائنات کا کوئی ذرہ بھی اس کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں، بحیثیتِ انسان جو شخص بھی ادنیٰ درجہ کی عقل رکھتا ہو وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ سے کسی ایسے فعل کا صدور بھی ہو سکتا ہے جو کہ حکمت سے خالی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکیم ہونا ایک بدیہی امر ہے اس کا کوئی فعل بھی حکمت سے خالی نہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں کافی جگہ اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا صراحتاً ذکر آیا ہے، فقہاء کرام کی تصریحات

---

[1] وفی الهندیة: ولو قذف عائشة رضی الله عنها بالزنا کفر بالله تعالیٰ ولو قذف سائر نسوة النبی صلی الله علیه وسلم لا یکفر ویستحق اللعنة۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۲ ص۲۶۴ الباب التاسع فی احکام المرتدین)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ۳ ص۳۲۱ باب المرتد۔

کے مطابق جو شخص بھی یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے افعال بھی ثابت ہیں جو کہ حکمت سے خالی ہیں تو وہ شخص کافر ہے۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ : رجل قال یجوز ان یفعل اللّٰہ تعالیٰ فعلاً لاحکمۃ فیہ یکفر لانہ وصف اللّٰہ تعالیٰ بالسفہ وھو کفر۔

(تاتارخانیۃ ج۵ ص۴۶۳ کتاب احکام المرتدین) [۱]

سوال:۔ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کے نکاح کا کیا حکم ہے، کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا قضاء قاضی کی ضرورت ہو گی؟

ارتداد سے نکاح فوراً ختم ہو جاتا ہے

الجواب:۔ ارتداد ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے فوراً بلا قضاء قاضی کے نکاح ختم ہو جاتا ہے، مرتد کی بیوی پر لازم ہے کہ وہ بلا تاخیر شوہر سے جدا ہو جائے تاہم اگر مرد دوبارہ مسلمان ہو جائے تو تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہو گا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : وارتداد احدھما فسخ عاجل بلا قضاء۔ قال ابن عابدینؒ ای بلا توقف علیٰ قضاء القاضی وقضاء بلا توقف علی مضی عدۃ فی المدخول بھا کما فی البحر۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۲۵ باب نکاح الکافر) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیمؒ : ویکفر بقولہ یجوز ان یفعل اللّٰہ فعلاً لاحکمۃ فیہ۔
(البحرالرائق ج۵ ص۱۲۰ باب المرتد)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۲ ص۲۵۸ الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

[۲] قال العلامۃ ابن نجیمؒ : ارتداد احدھما فسخ فی الحال یعنی فلایتوقف علیٰ مضی ثلاثۃ قروء فی المدخول بھا ولاعلیٰ قضاء القاضی لان وجود المنافی یوجبہ کالمحرمیۃ بخلاف لانہ غیر مناف للعصمۃ۔
(البحرالرائق ج۳ ص۲۱۴ باب نکاح الکافر)

آسمان کے وجود سے انکار

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! بعض "تعلیمیافتہ" لوگوں سے سُنا ہے کہ آسمان کا اپنا کوئی وجود نہیں اور یہ جو نیلگوں چھت ہمیں دکھائی دیتا ہے یہ وہ خلاء ہے جو سیاہی اور سورج کی روشنی مخلوط ہو کر ایسا رنگ اختیار کر گیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی آسمان کا اپنا کوئی وجود نہیں، اگر نہیں تو قرآن وسنت میں جس آسمان (السماء، السمٰوٰت) کا ذکر آیا ہے اُس سے کیا مراد ہے؟

الجواب:۔ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اُس ذات کی کتاب ہے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا اور کارخانۂ عالم کے تمام پُرزے اور ان میں جو خاصیت اور قوت رکھی گئی ہے صرف اُس ذات کے علم میں ہے، تو ایسی ذات کے کلام کا ایسے امور پر مشتمل ہونا ناممکن ہے جو واقعات اور حقائق کے مخالف ہوں۔ اسی بناء پر یہ ناممکن ہے کہ قرآن اور سائنس کی صحیح تحقیقات میں تضاد اور مخالفت ہو، سائنس کی تحقیقات قرآن کے مخالف اور متضاد معلوم ہوں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مخلوق سے اس میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ خالق اور مالکِ حقیقی کی اپنے بنائے ہوئے کارخانہ کے بارہ میں بدگمانی ناممکن ہے۔ تو ایسی رسمی تحقیقات میں اگر لوگ نظرثانی اور مکمل تحقیق کریں اور صرف تخمینہ اور اندازہ سے کام نہ لیں تو ضرور اپنے نظریہ کا غلط ہونا ان پر منکشف ہو جائے، ہر مسلمان کو یہ طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

موجودہ دور میں سائنسدانوں نے ایسے ایسے عجیب وغریب نظریات دُنیا کے سامنے پیش کیے ہیں کہ غیر مسلم تو درکنار بعض مسلمان بھی ان سے متاثر اور مرعوب نظر آتے ہیں جو آنکھیں بند کرکے سائنسدانوں کے ہر نظریہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں حالانکہ اندھی تقلید کرنا اور بلا دلیل کسی سے مرعوب ہونا نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ شرع کا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقول میں تفاوت پیدا کیا ہے، کسی کی عقل کمزور اور نارسیدہ ہے اور کسی کی قوی اور دُور رس، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سائنسدانوں کے نظریات جُدا تھے اور موجودہ زمانہ کے سائنسدانوں کے نظریات الگ ہیں، ایک سائنسدان کا نظریہ الگ ہوتا ہے تو دوسرے کا الگ، بلکہ بسا اوقات ایک شخص ایک وقت میں ایک نظریہ رکھتا ہے تو دوسرے وقت میں اپنی تحقیق اور نظریہ سے رجوع کر لیتا ہے۔ تو جب عقل کا یہ حال ہے تو کسی کے نظریات سے بلا دلیل مرعوب ہونا اور اس کی اندھی تقلید کرنا سراسر غلط اور خلافِ عقل ہے بلکہ اس کی دلیل پر غور کرنے کے بعد

کوئی رائے قائم کرنا ہی صحیح طریقہ کار ہے۔

وہ دلائل جن کے ذریعہ ہم کسی چیز کے متعلق یقین حاصل کرتے ہیں تین ہیں:-

(۱) اوّل حواسِ خمسہ یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، لامسہ، ذائقہ ہیں جن کے ذریعہ ہم محسوسات پر علم اور یقین حاصل کرتے ہیں، بشرطیکہ یہ حواس صحیح ہوں آفت رسیدہ نہ ہوں۔ تو احول (بھینگے شخص) کو ایک چیز کا دو محسوس ہونا اور صفراوی مزاج والے کو میٹھی چیز کا تلخ محسوس ہونا چونکہ خارجی آفت کی وجہ سے ہے تو یہ غلطی حواس کے ذرائع یقین ہونے میں ہرگز خلل انداز نہیں ہو سکتی۔

(۲) دوسری دلیل عقل ہے جس کے ذریعے ہم ایک غیر محسوس چیز پر یقین کر سکتے ہیں اور یہاں حواس کا کام ختم ہو جاتا ہے وہاں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم دھواں دیکھتے ہیں تو باوجود اس کے کہ ہمیں آگ نظر نہیں آرہی ہوتی ہمارا سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ یہاں آگ موجود ہے، اور جب ہم خاک کا اڑنا اور درختوں کے پتّوں کا ہلنا دیکھتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہوا موجود ہے اور اس کا بھی کوئی وجود ہے، اسی طرح جب ہم چاند کا گھٹنا بڑھنا دیکھتے ہیں تو ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ چاند کی روشنی سورج سے حاصل ہے۔

(۳) تیسری دلیل کسی معتمد شخص کی اطلاع اور اخبار ہے جس کے ذریعے ہم ان چیزوں پر علم حاصل کرتے ہیں جن کی پہچان سے حواس اور عقل عاجز ہوں۔ مثلاً ایک شخص نے مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ نہیں دیکھا لیکن ان شہروں کے وجود پر اس کو پورا یقین ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ صرف عقل نے اپنے پر کفایت کی ہے بلکہ اسے معتمد اطلاعات کی وجہ سے یہ یقین اور علم حاصل ہوا ہے ــــ اور ایک اندھا شخص جو کہ نہ تو کنواں اور سانپ دیکھ سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے اُسے یہ معرفت حاصل ہو سکتی ہے، تو اس کے لیے ایک معتمد شخص کی اطلاع ہی واحد ذریعہ ہے جس سے وہ یقین حاصل کر سکتا ہے، اور اندھے کا یہ کہنا کہ جب تک میری سمجھ میں نہ آئے کہ یہ سانپ اور کنواں ہے تو میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں، یہ سراسر اس کی بیوقوفی ہوگی۔

بسا اوقات بعض لوگ کسی چیز کے وجود سے صرف اس وجہ سے انکار کر دیتے ہیں کہ یہ چیز نہ ہم نے دیکھی ہے اور نہ ہماری سمجھ میں آتی ہے، مختصر یہ کہ ہمیں اس کے وجود پر کوئی دلیل معلوم نہیں لہٰذا یہ چیز موجود ہی نہیں ہے۔ لیکن اس طرح کسی چیز کے وجود کا انکار کرنا غلط ہے، کیونکہ کسی کی بے علمی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور لوگوں کو بھی اس چیز کے وجود کا علم اور خبر نہ ہو۔ مثلاً

ایک عامی اس سے انکار کرے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے اور یہ کہے کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو چونکہ اوروں کو دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے لہٰذا پہلی بات قابلِ سماعت نہ ہوگی۔

موجودہ دور کے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ نیلگوں چیز جو نظر آتی ہے یہ انسان کی حدِ نگاہ ہے ___ مگر یہ سراسر غلط ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کا ایک مضبوط رنگدار وجود ہے جس میں دروازے بھی ہیں۔ اور بعض آثار و روایات میں تو ہر ایک آسمان کا مادہ بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آسمان زمین سے پانچسو سال کی مسافت پر دُور ہے' اور اگر تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی مسافت ہو تو ایک کروڑ اُنتیس لاکھ ساٹھ ہزار میل تقریباً بنتے ہیں ___ اور رنگ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نیلا ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ سُرخ ہے لیکن دُوری اور فاصلہ کی وجہ سے نیلا دکھائی دیتا ہے، جیساکہ رگ میں خون پردہ کی وجہ سے اور سُرخ پہاڑ دوری کی وجہ سے نیلگوں نظر آتا ہے، البتہ قیامت کے دن آسمان کا اصلی رنگ دکھائی دے گا، یا نظر کے تیز ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس دن تمام حقائق منکشف ہوں گے ___ جس کا فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (سورۃ الرحمٰن آیت ۳۷) میں ارشاد کیا گیا ہے۔

قرآن وحدیث کے دلائلِ حقہ سے بے خبر ہونے کی وجہ سے آسمان کو حدِ نگاہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے ___ ایک اندھا آدمی جسے کوئی چیز نظر نہ آتی ہو اُسے کسی دُور پڑی ہوئی چیز کے وجود کے بارے میں ایک عام آدمی سنجیدگی سے بتا دے تو وہ فوراً یقین کر لیتا ہے حالانکہ اُسے کچھ بھی نظر نہیں آتا ___ اور ہمارے پاس آسمان کے وجود کے بارے میں ایک مُعتمد ذات (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطلاعات، اخبارات اور مشاہدات موجود ہوں اور پھر بھی، ہم آسمان کو حدِ نگاہ کہیں تو یہ کس قدر عجیب بات ہے ___ اگر ایک سائنسدان کا مشاہدہ یا اطلاع تسلیم کی جا سکتی ہے تو کیا ایک مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کوئی اطلاع قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتی؟

واللہ اعلم بالصواب

قرآنِ کریم کی بے ادبی کرنے والے کا شرعی حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنے گھر میں ساس کی موجودگی میں بیوی سے کسی بات پر جھگڑا کیا جبکہ اس وقت اسکی بیوی قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہی تھی اُس نے خاوند سے کہا کہ گھر آئے ہوئے کسی کی بےعزتی نہیں کرنی چاہیئے، اتنی سی بات پر خاوند نے بیوی سے قرآنِ مجید چھین کر پھاڑ دیا اور پھر کپڑے میں باندھ کر پانی میں ڈال دیا۔ ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں بظاہر اس شخص نے قرآنِ مجید کی بے ادبی اور بےحرمتی کی ہے لہٰذا اس شخص کے لیے تجدیدِ ایمان و نکاح ضروری ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد۳ ص۳۴۳ باب چہارم، احکام المرتد)

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی المسائرہ وبالجملة فقد ضم الی التصدیق بالقلب او بالقلب واللسان فی تحقیق الایمان امور الاخلال بها اخلال بالایمان اتفاقاً کترك السجود لصنم وقتل نبی والاستخفاف به وبالمصحف والکعبة الخ

(رد المحتار ج۳ ص۳۱ باب المرتد) [1]

ڈارون کا نظریۂ ارتقاء اور اسلامی نقطۂ نظر

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! "ڈیسنٹ آف مین فام" نامی کتاب میں "ڈارون کا نظریۂ ارتقاء" کے عنوان سے یوں مذکور ہے کہ ابتداءً دنیا کی تمام مخلوق اصل فطرت میں ایک تھی جس سے ترقی کر کے یہ مختلف نوعیں پیدا ہوئیں اور انسان اس فطری رفتار کا آخری مرحلہ ہے، یعنی انسان دفعتہً پیدا نہیں ہوا بلکہ چند مرحلوں سے گذر کر اپنی اس آخری منزل تک پہنچا ہے مثلاً جمادات سے نباتات، نباتات سے حیوان اور پھر حیوان سے انسان بنا۔ آپ اسلامی نقطۂ نظر اور دلائل کی رُو سے اس نظریہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ ڈارون کا یہ نظریہ کہ انسان پہلے نباتات پھر حیوان (بندر) تھا پھر انسان بنا، سراسر غلط اور نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں

---

[1] وفی البزازیة: ادخال آیة القرآن فی المزاح والدعابة کفر لانه استخفاف به۔ الخ

(الفتاویٰ البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۳۳۸ کتاب الفاظ تکون اسلاماً الخ)

میں اس نظریہ کی وضاحت کچھ اس طرح ہے :۔

قرآن مجید سے دلائل

(۱) قال اللہ تعالیٰ : فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۔ (سورۃ الحجرات ۲۹)

(۲) وَخَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ۝ (سورۃ الرحمٰن ع ۱۴)

(۳) قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل ع ۶۱)

(۴) وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔ (سورۃ البقرۃ ع ۳۰)

(۵) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَ اسْتَکْبَرَ ۔
(سورۃ البقرۃ ع ۳۴)

(۶) وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۳۵)

(۷) وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۝
(سورۃ البقرۃ ع ۳۶)

(۸) ان مثل عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خلقه مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝
(سورۃ آل عمران آیت ع ۵۹)

(۹) قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ (سورۃ الاعراف آیت ع ۱۲)

(۱۰) قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۝
(سورۃ الاعراف آیت ع ۲۴)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل

(۱) عن ابی هریرة رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال خلق اللہ آدم و طوله ستون ذراعاً ثم قال اذهب فسلم علی اولئک من الملٰئکة ۔
(الصحیح البخاری ج ۱ ص ۴۶۸ پارہ ۱۳ کتاب بدء الخلق ، باب قول اللہ تعالیٰ : واذ قال ربک ۔ الآیۃ)

(۲) عن انس رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لما صور اللہ آدم فی الجنة ترکه ما شاء اللہ ان یترکه فجعل ابلیس یطیف به ینظر ما هو فلما رآه اجوف عرف انه خلق خلقاً لا یتمالک ۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۰۶ باب بدء الخلق ۔ الفصل الاول)

(۳) عن ابی هریرة رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال کان طول آدم

ستین ذراعًا فی سبع اذرع عرضًا۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص۱۱ الفصل الثالث۔ باب بدء الخلق)

(۴) عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ مرفوعًا ان اللہ خلق آدم من قبضۃ قبضہا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض منہم الاحمر والابیض الخ

(جلالین شریف ج ۱ ص۸ حاشیہ ۱)

(۵) عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہ قال کان ابلیس من حیّ من احیاء الملٰئکۃ الی قولہ قال ثم امر بتربۃ آدم فرفعت فخلق اللہ آدم من طینٍ لازب واللازب اللازج الطیب من حماءٍ مسنون منتن وانما کان حماءٍ مسنونًا بعد التراب فخلق منہ آدم بیدہ قال فمکث اربعین لیلۃ جسدًا ملقی وکان ابلیس یأتیہ فیضربہ برجلہ فیصلصل فیصوت فہو قول اللہ تعالیٰ: (من صلصالٍ کالفخار) یقول کالشیٔ المنفرج الذی لیس بمصمت قال ثم یدخل فی فیہ ویخرج من دبرہ ویدخل من دبرہ ویخرج من فیہ ثم یقول لست شیئًا لصلصلۃ ولشیٔ ما خلقت ولئن سلطت علیک لاہلکنک ولئن سلطت علی لاعصینک قال فلما نفخ اللہ فیہ من روحہ اتت النفخۃ من قبل راسہ فجعل لا یجری شیٔ منہا فی جسدہ الا صار لحمًا ودمًا فلما انتہت النفخۃ الی سرتہ نظر الی جسدہ فاعجبہ فارٰی من جسدہ فذہب لینہض فلم یقدر فہو قول اللہ تعالیٰ (وخلق الانسان عجولًا) قال ضجرًا لا صبر لہٗ علی سراء ولا ضراء قال فلما تمت النفخۃ فی جسدہ عطس فقال (الحمد للہ رب العٰلمین) بالہام اللہ فقال اللہ لہٗ (یرحمک اللہ یا آدم) قال ثم قال تعالیٰ للملٰئکۃ الذین کانوا مع ابلیس خاصۃ دون الملٰئکۃ الذین فی السمٰوٰت اسجدوا لآدم فسجدوا کلہم اجمعون الا ابلیس ابی واستکبر لما کان حدث نفسہ من الکبر والاغترار فقال لا اسجد لہٗ وانا خیر منہ واکبر سنًا واقوی خلقًا خلقتنی من نارٍ وخلقتہٗ من طینٍ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۷۵)

مندرجہ بالا تمام دلائل سے معلوم ہوگیا کہ حضرت انسان ابتداء آفرینش سے کامل اور مکمل پیدا ہوا اور صاحب عقل بھی تھا کیونکہ اول روز ہی سے اللہ تعالیٰ نے اسے عالم و مکلف بالاحکام ٹھہرایا نہ کہ جماد سے نباتات اور نباتات سے حیوان اور حیوان سے انسان بنایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تراب کے بعد کن فیکون کے صیغے استعمال کیے ہیں جو کہ دفعۃ پر بغیر تدریج کے دلالت کرتے ہیں۔

زلیخا کو زانیہ وغیرہ کہنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص زلیخا کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرے کہ وہ زانیہ اور فاحشہ عورت تھی تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہے؟ اس کی شہادت اسلام میں قبول ہو سکتی ہے؟ اور کیا اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاسکتا ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ چونکہ قرآن وحدیث میں امراءۃ العزیز کے متعلق نہ تو یہ آیا ہے کہ اس کا نام زلیخا تھا اور نہ یہ کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھی۔ اس لیے محض اسرائیلیات کی وجہ سے ایسے شخص کو اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا خصوصاً جبکہ غلبہ حال کی وجہ سے حلت وحُرمت سے ذہن خالی ہو۔

عبادت راته وغئ کلمۂ کفر نہیں

سوال:۔ ایک دیندار شخص مسجد میں اللہ کی عبادت کرکے فارغ ہو کر جب گھر آیا تو کسی بات پر بیوی سے جھگڑا ہوگیا تو غصے کی حالت میں اس کی زبان سے پشتو کے یہ الفاظ نکل گئے: "چه مونږ په جماعت کښې څه عبادت وکوچه کور ته راشو هغه هرڅه تاسو راته وغئ" (مسجد میں عبادت کرکے جب گھر آتا ہوں تو سب کچھ تم بیود دیتی ہو) تو کیا اس شخص کا یہ کہنا کلمۂ کفر تو نہیں؟ اور اس سے یہ آدمی کافر بن جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ ظاہری لحاظ سے مذکورہ الفاظ درست نہیں ہیں مگر پشتو زبان کے محاورہ میں کسی چیز کو برباد کرنے اور اس کو لغو کرنے کے معنیٰ میں مستعمل ہوتے ہیں لیکن ان سے کسی چیز کی تحقیر وتوہین مقصود نہیں ہوتی۔ اور ویسے بھی جن الفاظ کے مختلف مطالب اور معانی ہوں تو اصولِ افتاء کے مطابق ان کے اسلامی معانی اور مطلب کو ترجیح دی جائے گی تاکہ ایک مسلمان فتویٰ کفر سے بچ سکے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ دیندار شخص مسلمان ہے اس پر کفر کا کوئی شک وشبہ نہ کیا جائے۔ تاہم کسی بھی مسلمان کو اس قسم کے ذووجہین الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز ہی کرنی چاہیئے جس کی وجہ سے اسلام پر حرف آنے کا اندیشہ ہو۔

ھٰکذا فی عقود رسم المفتی صـ۸۰ـ۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم

اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ "خدا" استعمال کرنے کا حکم

سوال:۔ جماعت المسلمین فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "خدا" استعمال کرنے کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "خدا" کا استعمال ناجائز و حرام ہے؟

الجواب:۔ "خدا" فارسی زبان کا لفظ ہے جو کہ لفظ اللہ کے قائم مقام ہے اور شرعاً اللہ تعالیٰ کے لیے کسی بھی زبان کا ہر وہ لفظ استعمال کرنا جائز ہے جو واجب الوجود القدیم کے مترادف ہو۔

لما قال العلامة عبد العزیز فرھاروی: واذا ورد الشرع باطلاق اسم بلغة کلفظ اللہ فھو اذن باطلاق ما یرادفہ من تلک اللغة کالواجب والقدیم او من لغة اخری کاسم خدا بالفارسیة۔ (النبراس ص ۱۱۲ صفات اللہ تعالیٰ)

داڑھی کو بکری کی دم کہنے والے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک شخص نے ہمارے سامنے ایک داڑھی والے شخص سے کہا کہ یہ تم نے کیا بکری کی دم کی طرح داڑھی رکھی ہوئی ہے اور ساتھ ہی خوب زور سے قہقہہ بھی لگایا۔ تو کیا اس طرح کہنے سے اس آدمی کا ایمان ختم ہوا یا نہیں؟ اور اس کے نکاح ودیگر اعمال کا کیا معاملہ ہوگا؟ ازراہ کرم تفصیل سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ ایک مسلمان کے لیے داڑھی رکھنا سنتِ مؤکدہ بلکہ واجب ہے، اس کے ساتھ مذاق کرنا شعائر اللہ کے ساتھ مذاق کے مترادف ہے جو کہ شرعاً حرام و ناجائز ہے اور ایسا کرنے والے شخص کے ایمان سے نکلنے کا خطرہ ہے، لیکن پھر بھی اس کا نکاح ختم ہو جائے گا اور نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے، ایسے شخص کیلئے تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ووجھہ ان السنة احد الاحکام الشرعیة المتفق علی مشروعیتھا عند علماء الدین فاذا انکر ذلک ولم یرھا شیئاً ثابتاً و معتبراً فی الدین یکون قد استخف بھا واستھانھا وذلک کفر۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: اذا اراد ان یتکلم بکلمتہ مباحتہ فجری علی لسانہ کلمة الکفر خطأً بلا قصد لایصدقہ القاضی وان کان لایکفر فیما بینہ وبین ربہ تعالیٰ..... ان مایکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۶)

کسی بھی نبی کی اشارۃً یعنی فرضی کہانی سے توہین کرنا کفر ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ "میری نئی کتاب" برائے جماعت دوم پشتو ذریعہ تعلیم راہنمائے اساتذہ (این، ڈبلیو، ایف، پی ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور) میں صفحہ ۱۷۱ پر ایک کہانی بعنوان "ابوقاسم اور اس کے گدھے" تحریر ہے جس سے کسی شخص کی تذلیل و تحقیر ثابت ہوتی ہے۔ اس فرضی کہانی میں ابوقاسم اور موسیٰ کا نام استعمال ہُوا ہے۔ تو کیا ابوقاسم نام کسی تذلیل آمیز کہانی میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(نوٹ) کہانی کی ایک عدد فوٹو کاپی لف ہذا ہے۔

الجواب:۔ ابوالقاسم یا ابوقاسم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت مبارکہ ہے۔ احادیث میں اس نام کی کنیت رکھنے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: عن ابی ھریرۃؓ قال قال ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سموا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی۔ (عمدۃ القاری (۲۲/۷:۲)۔ (ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام کی طرح نام رکھو لیکن میری کنیت کی طرح کنیت نہ رکھو۔"

اس لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے مطلقاً ابوالقاسم کنیت رکھنے کو ناجائز کہا ہے۔

چنانچہ امام ابن حجر عسقلانیؒ امام نوویؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: الاول المنع مطلقاً سواء کان اسمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ام لا ثبت ذلک عن الشافعیؒ۔ (فتح الباری ج۱۰ ص۵۷۲)

(ترجمہ) "اول مذہب یہ ہے کہ اس طرح کی کنیت مطلقاً منع ہے چاہے کسی کا نام محمد ہو یا نہ ہو اور یہ امام شافعیؒ سے ثابت ہے۔" اگرچہ اس کے جواز میں اور اقوال بھی پائے جاتے ہیں مگر یہ اقوال صرف نفسِ کنیت تک محدود ہیں۔ اور اگر اس کنیت کی تذلیل و تحقیر مقصود ہو یا اس میں تذلیل کا کوئی شبہ بھی ہو تو اس قسم کے اسماء یا الفاظ استعمال کرنا بنصِ قرآنی جائز نہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (سورۃ البقرہ آیت ۱۰۴)۔ ترجمہ "اے ایمان والو! تم رَاعِنَا نہ کہو بلکہ اُنْظُرْنَا کہو اور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: فی ھذہ الآیۃ دلیلان: احدھما علیٰ تجنب الالفاظ المتحملۃ التی فیھا التعریض للتنقیص والغض۔ (تفسیر احکام القرآن للقرطبیؒ ج۲ ص۵۷)۔ (ترجمہ) "اس آیت میں دو دلیلیں ہیں:

ایک تو ایسے الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیئے جو تنقیص کی طرف مشیر ہوں۔"

اسی طرح علامہ ابوبکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : وھذا یدل علی ان کل لفظ احتمل الخیر والشر فغیر جائز اطلاقہ حتی یقید بما یفید الخیر (احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص۷۲)۔ (ترجمہ) "یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ ہر وہ لفظ جو خیر و شر دونوں کو متحمل ہو اس کا مطلقاً استعمال جائز نہیں، یہاں تک کہ اس کو خیر کے ساتھ مقید کیا جائے۔"

چنانچہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں ایسے الفاظ کے استعمال سے منع فرما رہے ہیں جو تنقیصِ نبی کے متحمل ہوں متکلم کی مراد چاہے کچھ بھی ہو۔

چونکہ استفتاء کے ساتھ اصل کتاب کے لف شدہ صفحات کے مطالعہ سے خوب وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی لابی نے یہ فرضی کہانی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کے لیے بنائی ہے جس پر مندرجہ ذیل امور دلالت کرتے ہیں :

(۱) ابو قاسم کے نام کا استعمال جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے۔

(۲) ان کے دوست موسیٰ کا ملنا، چونکہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فوقیت حاصل ہے، تو موسیٰ (جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام ہے) کو ابو قاسم (جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیتِ مبارکہ ہے) کے مقابلے میں لانا اس عقیدہ کی غمازی کرتا ہے۔ اور پھر اس کہانی میں موسیٰ کو عقل و فراست میں ابو قاسم پر ترجیح دینا اور ابو قاسم کو موسیٰ کے مقابلے میں حقیر ثابت کرنا اس نظریہ کی واشگاف کرتی ہے۔

(۳) اسی طرح ۹ کی تعداد بھی اس بات کی غماز ہے کہ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہیں، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس وقت وصال ہوا تھا اُس وقت آپ کی ۹ بیبیاں حیات تھیں

(۴) پھر گدھوں کا تعین بھی اس بات کی طرف مشیر ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر گدھے پر سوار تھے۔

(۵) پھر تصویر میں ابو قاسم کا پگڑی پہننا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ ہے، اس اس خلافِ شرع نظریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۶) پھر ترتیب اور نظرِ ثانی بھی ایک غیر مسلم مسٹر برینڈ ایین روز (ایڈ وائنز مٹیریل ڈویلپمنٹ) نے کی ہے۔

ورنہ وہ ان ناموں کے علاوہ اور نام بھی استعمال کر سکتے تھے لہٰذا اس کہانی میں ان ناموں یا ایسے ناموں کو جن کے ذریعہ کسی بھی پیغمبر کی ذات کی تذلیل وتحقیر مقصود ہو کا استعمال جائز نہیں۔ اب اگر ان ناموں کے استعمال سے متکلم کی مراد کسی رسول کی تذلیل مقصود ہو تو وہ شخص خارج عن الاسلام ہے، اور اگر تذلیل مقصود نہ بھی ہو مگر شبہ تذلیل مسمی ضرور ہے جس سے بچنا ہر مسلمان کا فریضۂ منصبی ہے۔ لہٰذا وزارتِ تعلیم کے اربابِ اختیار کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب سے ان ناموں کو نکال دے اور اُن جگہ کوئی اور نام تجویز کریں اور ساتھ تصویر سے عمامہ اور داڑھی کو بھی ختم کریں تاکہ اس سے شعائر اسلامی (پگڑی اور داڑھی) کی تذلیل وتحقیر نہ ہوسکے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

"نماز تو گدھے اور کتے پڑھتے ہیں" کہنے کا حکم

سوال:۔ ایک صاحب نے نہ تو کبھی نماز پڑھی ہے اور نہ کبھی مسجد کا رُخ کیا ہے، ایک تبلیغی دوست نے اُسے نماز پڑھنے کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ "نماز تو گدھے اور کتے پڑھتے ہیں، جاؤ میں نماز نہیں پڑھتا"، تو کیا یہ شخص اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ اسکے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز شعائرِ اسلام میں سے ہے، اسکی توہین کرنا خروج عن الاسلام کا سبب ہے لہٰذا بظاہر اس شخص کے ان الفاظ سے نماز کی توہین معلوم ہوتی ہے جس کی بناء پر موصوف اسلام سے خارج ہوچکا ہے، اس کے لیے تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح ضروری ہے، تاہم اگر اس شخص کے ان الفاظ سے نماز کی توہین مقصود نہ ہو بلکہ ناسمجھی یا کسی اور مقصد کی وجہ سے کہے تو اگرچہ اسلام سے تو خارج نہیں ہوا البتہ ان الفاظ سے گنہگار ضرور ہوا ہے۔

لما قال العلامۃ مفتی عبدالرحیم: الفاظِ مذکورہ سے ظاہراً نماز اور نمازیوں کی توہین لازم آتی ہے لیکن اسکی تاویل ممکن ہے، بولنے والے کا مقصد یہ ہوگا کہ نماز اصل دین ہے لیکن عقیدہ کی درستگی مقدم ہے اگر عقیدہ فاسد ہو تو نماز نجات کیلئے کافی نہیں اس لیے اس کہنے والے کو اسلام سے خارج نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں اگر یہ شخص نماز نہ پڑھتا ہو اور نماز پڑھنے کو ضروری نہ جانتا ہو اس لیے نماز کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کیے ہوں تو بے شک اسلام سے خارج ہو جائے گا اور توبہ، تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح ضروری ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱۰ ص۲۸ کتاب الایمان)

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم یا کسی بھی نبی علیہ السّلام کی توہین کرنے کی سزا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک پروفیسر ڈاکٹر یونس شیخ نے اپنی کلاس میں لیکچر کے دوران طلباء کے سامنے مندرجہ ذیل باتیں کی ہیں: (نقل کفر کفر نہ باشد)

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک غیر مسلم تھے۔ (معاذ اللہ، استغفروا اللہ ثم استغفروا اللہ)

(۲) چالیس سال کی عمر تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ختنے نہیں ہوئے تھے۔

(۳) حضورؐ نے پہلی شادی ۲۵ سال کی عمر میں کی اور چونکہ اس وقت وہ نہ نبی تھے اور نہ مسلمان اس لیے نکاح نہ ہوا۔

(۴) چالیس سال کی عمر تک آپؐ بغل کے بال اور زیر ناف بال نہیں کاٹتے تھے۔

(۵) آپؐ کے والدین غیر مسلم تھے۔

کیا یہ کلمات گستاخی رسول کے زمرہ میں آتے ہیں یا نہیں، اور اس شخص کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ اگر گستاخِ رسول توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی یا نہیں؟ یہ جو پانچ کلمات اس نے کہے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ قرآن وحدیث سے اس کے لیے مدلل جوابات دیئے جائیں؟ نیز ان کلمات کے بارے میں مسلمانوں کا کیا عقیدہ ہونا چاہیئے؟ کیا کسی مسلمان کے لیے ایسے مجرم کی حمایت کرنا جائز ہے؟ کیا کوئی مسلمان وکیل عدالت میں اس کی وکالت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر وکالت کرتا ہے تو اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسے مجرم کے رشتہ دار اس کی طرف سے وکیل کرسکتے ہیں اور وہ اس کی حمایت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر وہ اس کی حمایت کریں تو ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک دور میں کسی ایسے گستاخ کو معاف فرمایا تھا؟ اب ایسے گستاخ رسولؐ کو معاف کرنے کا کسی کو اختیار ہے یا نہیں؟ اگر کوئی عالم اس کی حمایت کرے تو اس کے لیے شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ کیا گستاخ رسول اور مرتد کے احکامات اور سزاؤں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:- مندرجہ بالا سوالات کے جوابات ترتیب وار درج ذیل ہیں:

س ۱: کیا معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک غیر مسلم تھے؟

ج: (۱) اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد جملہ صغائر اور کبائر گناہوں سے پاک اور منزہ ہیں، نہ ان سے قبل النبوت

کفر و شرک کے ارتکاب کا تصوّر تک ہو سکتا ہے اور نہ بعد النبوت، اس لیے کہ نبوّت اور کفر و شرک دونوں اضداد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے ایسی طبیعت اور نفس مرحمت فرمایا ہوتا ہے جو فطرتاً معصیت سے دور رہتا ہے اور نشۂ عبودیت سے چُور ہوتا ہے، حتیٰ کہ حالتِ صغر میں بھی وہ عبدیت کا اعتراف کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن ہی میں اِنِّیْ عَبْدُ اللہ کا کلمہ زبانِ مبارک سے نکال کر اس بات کا اعلان کیا تھا۔ ہماری عقائد کی کتابوں میں بھی لکھا ہے،

چنانچہ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کلھم منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح۔ (شرح فقہ اکبر ص۸۸، ۸۹ بحث ان الانبیاء الخ)

علامہ النسفیؒ فرماتے ہیں: وفی عصمتھم عن سائر الذنوب تفصیل وھو انھم معصومون من الکفر قبل الوحی وبعدہ بالاجماع وکذا عن تعمد الکبائر عند الجمھور۔ (شرح عقائد النسفی ص۹۸)

علامہ ابن حزمؒ وامام ابواسحٰق اسفرائنیؒ وابن فورکؒ وابن برہانؒ، نوویؒ، قاضی خانؒ وغیرہ تمام اہلسنت والجماعت کا مسلک بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: اِنَّھُمْ معصومون عن الصغائر والکبائر جمیعًا قال انہ الذی ندین بہ وَھو الصحیح۔

(بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام ج۳ ص۲۴۷)

قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: بزعم احقر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام از صغائر و کبائر قبل النبوۃ وبعد النبوۃ بہر طور کہ باشد معصوم اند۔ (ترجمان السنۃ جلد۳ ص۳۵۵)

علامہ ابو محمد عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: مگر کفر اور شرک سے بالاتفاق معصوم تھے، کسی نبی سے قبل از نبوت بھی کفر اور شرک سرزد نہیں ہوا۔ (عقائد اسلام ص۳۸، ۳۹)

علامہ مفتی عبد الرحیمؒ فرماتے ہیں:۔

الجواب: حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد ہوتے ہیں، قبل از نبوت اور بعد از نبوت کفر و شرک بلکہ شائبہ کفر و شرک سے بھی بالکل پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ جلد۹ ص۲۹ کتاب العقائد)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے خصوصیت کے ساتھ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عالمِ ازل (عالمِ ارواح) میں اپنی عبادت اور توحید کا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت

دینے کا مضبوط عہد لیا تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا۔ (الاحزاب ع۷)

تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے: اذکر (اذ اخذنا من النبیّٖن میثاقهم) حین اخرجوا من صلب آدم کالذر جمع ذرة وهی اصغر النمل (وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ) بان یعبدوا الله و یدعوا الی عبادة وذکر الخمسة من عطف الخاص علی العام (وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا) شدیدًا بالوفا بما حملوه وهو الیمین بالله تعالیٰ۔ (جلالین مع صاوی ج۳ ص۲۵۲)

ان جملہ عبارات سے وضاحت کے ساتھ یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام قبل النبوت بھی مسلمان ہوتے ہیں اور بعد النبوت بھی، ان پر کبھی بھی کفر و شرک کا زمانہ نہیں آیا ہے۔

(۲) خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تو قبل النبوت یا بعد النبوت گناہ اور کفریہ عقائد کے ازتکاب کا تصوّر بھی محال ہے کہ جن کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم قرار پائیں اور ان کے نکاح کو ناجائز قرار دیا جائے۔

امام ابوحنیفہؒ سردارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تخصیص سے فرماتے ہیں: ومحمد علیه الصلوٰة والسلام نبیه وعبده ورسوله ونبیه وصفیه ونقیه ولم یعبد الصنم ولم یشرك بالله تعالیٰ طرفة عین قط ولم یرتکب صغیرة ولا کبیرة قط۔ (شرح فقہ اکبر ص۹۴، ۹۶ بحث فی اثبات نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

علامہ ملا علی قاریؒ اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: (ولم یعبد الصنم) ای ولا غیره لقوله (ولم یشرك بالله طرفة عین قط) ای لا قبل النبوة ولا بعدها فان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام معصومون عن الکفر مطلقاً بالاجماع وان جوز بعضهم صدور الصغیرة بل الکبیرة قبل النبوة بل وبعدها ایضاً فی مقام النزاع واما هو صلی الله علیه وسلم فکما قال الامام الاعظم (ولم یرتکب صغیرة ولا کبیرة قط)۔ (شرح فقہ اکبر ص۹۶ بحث فی ان افضل الناس بعدہ الخ)

علامہ حافظ ابن کثیرؒ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پاکدامنی نقل کرتے ہیں : عن جبیر بن مطعمؓ قال لقد رأیت رسول اللہ وھو علیٰ دین قومہ قال البیھقیؒ معنی قولہ علیٰ دین قومہ ما کان بقی من ارث ابراھیمؑ واسمٰعیلؑ ولم یشرك باللہ قط صلوات وسلامہ علیہ دائماً۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص۲۶۸)

امام فخرالدین رازیؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت نقل کرتے ہیں : لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الیٰ ارحام الطاھرات - (تفسیر کبیر ج۲۳ ص۱۷۴ سورۃ الشعراء آیت ۲۱۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پاکدامن تھے اور آپؐ کے آباؤ اجداد بھی پاکدامن تھے۔

اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آپؐ کی حفاظت فرماتا تھا اور آپؐ میں امور صالحہ ودیعت کر رکھے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے : وشب رسول اللہ مع ابی طالب یکلوہ ویحفظہ ویحوطہ من امور الجاھلیۃ ومعائبھا...... وابعدھم من الفحش والاذی مارؤی ملاحیا ومماریا احدحتیٰ سماہ قومہ الامین لما جمع اللہ فیہ من الامور الصالحۃ -

(البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص۲۶۵ فصل فی خروجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مع عمہ الخ)

(۳) آپؐ سے قبل النبوت اور بعد النبوت شرک سرزد نہ ہونے کی تصدیق خود آپؐ کے اس کلام سے ہوتی ہے جو بحیرہ نامی راہب کے طویل واقعہ میں درج ہے : قام الیہ بحیری وقال لہٗ یاغلام اسئلك بحق اللات والعزیٰ الا اخبرتنی عما اسئلك عنہ انما قال لہٗ بحیری ذلك لانہٗ سمع قومہ یحلفون بھما فزعموا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہٗ لاتسئالنی باللات والعزیٰ شیئاً فواللہ مَا بغضت شیئاً قط فقال لہٗ بحیری فباللہ الا ما اخبرتنی عما اسئلك عنہ فقال لہٗ سلنی عما بدا لك الخ (البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص۲۶۴ فصل فی خروجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام...الخ)

(۴) اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی پیدائش کے بعد سے اللہ کے نبی اور رسول ہیں، تو جو شخص پیغمبری کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو تو اس سے کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کیسے ممکن ہے؟

علامہ سیوطیؒ نے "الخصائص الکبریٰ" میں کافی ساری روایات نقل کی ہیں جس سے صاف ظاہر

ہوتا ہے کہ آپؐ کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی قبل تھی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں۔

لما اخرجہ احمد والبخاری فی تاریخہ والطبرانی والحاکم والبیہقی وابونعیم عن میسرۃ الفخر قال: قلت یا رسول اللہ متی کتبت نبیا؟ قال وآدم بین الروح والجسد۔ (الخصائص الکبرٰی ج ۱ ص۱ باب خصوصیۃ النبیؐ)

واخرجہ الحاکم والبیہقی وابونعیم عن ابی ھریرۃ قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم متی وجبت لک النبوۃ؟ قال بین خلق آدم و نفخ الروح فیہ۔ (الخصائص الکبرٰی ج ۱ ص۱) اس قسم کی مزید روایات کے لیے "الخصائص الکبرٰی" کا مطالعہ کریں۔

ان جملہ روایات اور عبارات سے واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے ایمان کی دولت سے مالا مال تھے، آپ پر کبھی بھی غیر مسلمی کا دور نہیں گذرا ہے اور نہ آپؐ سے کبھی کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ ہوا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا پیدا ہی پیغمبر ہوئے تھے۔

(۵) چونکہ آپؐ کی نئی شریعت ابھی تک نازل نہیں ہوئی تھی اس لیے آپ چالیس سال تک دینِ ابراہیمی کے مطابق عبادت ادا کرتے رہے۔

چنانچہ علامہ عینی، ابن حجر، علامہ کرمانی اور ابو العباس القسطلانی رحمہم اللہ شارحین بخاری فرماتے ہیں: وفی روایۃ وکان یخلو بغار حرا فیتحنث فیہ وھو التعبد اللیالی الخ وسئل ابن الاعرابی عن قولہ یتحنث فقال لا اعرفہ وسئلت ابا عمرو الشیبانی فقال لا اعرف یتحنث انما ھو یتحنف من الحنفیۃ دین ابراھیم علیہ السلام قلت قد روی فی سیرۃ ابن ھشام یتحنف بالفاء۔ (عمدۃ القاری ج۲ ص۴۹۔ ارشاد الساری ج۱ ص۶۲۔ کرمانی ج ۱ ص۳۲ کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اسی طرح علامہ شبلی نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ وہی عبادت تھی جو آپؐ کے دادا (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے ادا کی تھی۔ (سیرت النبیؐ جلد ۱ ص۱۲۶ آفتاب رسالت کا طلوع)

لہٰذا اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے پیغمبر کے بارے میں یہ کلمات کہے کہ وہ نبوت ملنے سے قبل غیر مسلم تھے، ان کی شادی غیر مسلمی کی حالت میں ہوئی تھی اس لیے ان کا نکاح نہیں ہوا تھا، تو یہ کفریہ کلمات ہیں، اس لیے کہ ان سب باتوں میں انبیاء کرامؑ کی توہین ملحوظ ہے، لہٰذا ایسا شخص مرتد اور واجب القتل ہے۔

كما قال العلامة ابن عابدينؒ : اجمع المسلمون ان شاتمه كافر وحكمه القتل ۔

(رد المحتار ج۴ ص۳۲۳ باب المرتد)

وقال العلامة ابن تیمیةؒ : ان من سب النبی صلی الله علیه وسلم من مسلم او کافر فانهٗ یجب قتله هٰذا مذهب علیه عامة اهل العلم قال ابن المنذرؒ اجمع عوام اهل العلم علیٰ ان حد من سب النبی القتل ۔

(الصارم المسلول ص۳ المسألة الاولیٰ)

علامہ ابن عابدینؒ نے کتاب الخراج کے حوالے سے قاضی ابو یوسفؒ کا قول لکھا ہے کہ

وایما رجل مسلم سب رسول الله او کذبه او عابه او تنقصه فقد کفر بالله تعالیٰ وبانت منه امرأته فان تاب والا قتل ۔

(ردالمحتار ج۴ ص۲۳۴ باب مهم فی حکم ساب الانبیاء)

تاہم اگر وہ صدقِ دل سے توبہ کرے صرف قانون سے بچنے کے لیے توبہ نہ ہو تو حنفیہ کے ہاں اس کی توبہ قبول ہوگی۔

لما قال ابوالحسین علی بن الحسین اسعدیؒ : من سب رسول الله فانهٗ مرتد ویفعل به ما یفعل المرتد ۔ (النتف فی الفتاوٰی ج۲ ص۲۲۴ کتاب المرتد الخ)

قال العلامة ابن عابدینؒ : وظاهر فی قبول توبته کما لا یخفیٰ۔

(منحة الخالق علی البحر الرائق ج۵ ص۱۳۵ باب المرتد)

وقال ایضاً : ان مذهب ابی حنیفةؒ والشافعیؒ ان حکمه حکم المرتد وقد علم ان المرتد تقبل توبته ویؤید ما نقله هنا عن النتف ۔

(رسائل ابن عابدینؒ ج۱ ص۳۳۳ تنبیه الولاة والحکام)

لہٰذا توبہ و تجدیدِ ایمان کے بعد اس کو دوبارہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

س۲ : کیا چالیس سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ نہیں ہوا تھا؟

ج : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنہ کے بارے میں شریعتِ مقدسہ کی کتابوں میں تین قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں :-

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ ملائکہ نے پہلی بار شقِ صدر کے وقت کیا تھا۔

(۳) اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ عربوں کی عام عادت کے مطابق آپؐ کے دادا جناب عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں دن کرایا تھا اور لوگوں کی دعوت بھی کی تھی۔

لما قال العلامۃ شبیر احمد العثمانیؒ : قد اختلف فی ختانہ علیٰ ثلاثۃ اقوال احدھا انہ ولد مختوناً مسروراً وروی فی ذلک حدیث لا یصح ذکرہ ابوالفرج ابن الجوزیؒ فی الموضوعات ولیس فیہ حدیث ثابت .... والقول الثانی انہ ختن صلعم یوم شق قلبہ الملٰئکۃ عند ظئرہ حلیمۃ والقول الثالث ان جدہ عبدالمطلب ختنہ یوم سابعہ وصنع لہ مادبۃ وسماہ محمداً۔ (فتح الملہم ج ا ص۴۱۸ باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا)

ان تین اقوال کے علاوہ کوئی چوتھا قول کتب احادیث میں موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک غیر مختون تھے۔ اس بات کے غلط اور بے بنیاد ہونے کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے جو دین ابراہیمیؑ کے شعائر پر عمل پیرا تھا اور یہ عمل (ختنہ) چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت مبارکہ میں سے تھا اور عرب بھی روز اول سے اپنے بیٹوں کا ختنہ کراتے چلے آرہے تھے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ چالیس سال تک غیر مختون رہے۔ لہٰذا آپؐ کے بارے میں ایسا کہنا یا سمجھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و استخفاف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ استخفاف بھی کفر ہے۔

لما فی خلاصۃ الفتاوٰی: ولو قال لشعر محمد شُعَیْرًا یکفر۔

(خلاصۃ الفتاوٰی ج۴ ص۳۸۶)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: من سب رسول اللہ او ینقصہ وکان فیہ ردۃ۔

(خلاصۃ الفتاوٰی ج۴ ص۳۸۶)

لہٰذا اس استخفاف اور توہین کی وجہ سے وہ قائل کافر اور خارج عن الاسلام ہے، حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس (ڈاکٹر یونس شیخ) کو قرار واقعی سزا دے۔

س۳: کیا یہ درست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی شادی ۲۵ سال کی عمر میں کی، اور چونکہ اس وقت آپ نہ ہی نبی تھے اور نہ مسلمان، اس لیے نکاح نہ ہوا؟

ج: سوال اول کے جواب میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آپؐ روز اول سے مسلم اور

پاکباز تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بالکل صحیح تھا، اس کی صحت پر کوئی شک وشبہ نہیں "نکاح نہیں ہوا" سے تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ سال عمر کے بعد ۴۰ سال کی عمر تک (۱۵ سال) زنا میں مبتلا رہے۔ حالانکہ کائناتِ ارضی میں ایک پیغمبر کی ذات ایسی ہوتی ہے کہ جس سے زنا کا ارتکاب تو کجا اس کا تصور بھی محال ہے، حتیٰ کہ کسی نبی علیہ السلام کی اہلیہ کافرہ تو ہو سکتی ہے مگر زانیہ نہیں۔ لہٰذا کسی بھی نبی علیہ السلام کے بارے میں ایسے توہین آمیز کلمات کہنا یا الزام لگانا موجبِ کفر ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔

لما فی الهندية : سئل عمن ينسب الى الانبياء الفواحش كعزمهم على الزنى و نحوه الذى يقوله الحشوية فى يوسف عليه السلام قال يكفر لانه شتم لهم واستخفاف بهم۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۳ باب موجبات الكفر)

س ۴: کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس ۴۰ سال کی عمر تک بغل اور زیرِ ناف بال کاٹے نہیں تھے؟

ج : زیرِ ناف اور بغل کے بال صاف کرنے کا رواج حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چلا آرہا ہے اور آپؐ اور آپؐ کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے پیروکار تھے جبکہ زیرِ ناف بال وغیرہ صاف کرنا سنتِ ابراہیمی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد اسی ابراہیمی سنت پر عمل کرتے ہوئے زیرِ ناف اور بغلوں کے بال صاف کیا کرتے تھے۔ اس بنا پر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس ۴۰ سال تک زیرِ ناف اور بغلوں کے بال صاف نہ کیے ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ عمل فطرت الانبیاء ہے، حدیث شریف میں ہے: عن عائشة قلت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عشرة من الفطرة: قص الشارب و ايفا اللحية والسواك والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل المراجم ونتف الابط وحلق العانة انتقاص الماء۔ (ابوداؤد على صدر عون المعبود ج ۱ ص ۵۳)

علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ حدیث بالا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اى عشر خصال من سنن الانبياء الذين امرنا ان نقتدى بهم كانا فطرنا عليها وكذا نقل عن اكثر العلماء السنة الابراهيمية۔ (بذل المجهود ج ۱ ص ۲۹)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: هذه الطهارات منقولة عن ابراهيم متداولة فى طوائف الامم الحنفية اشربت فى قلوبهم ودخلت فى صميم

اعتقادهم علیہا محیاهم وعلیہا مماتهم عصراً بعد عصر ولذلك سمیت بالفطرة وهذہ اشعائر الملة الحنفیة ولا بد لکل ملة من شعائر یعرفون بہا ویؤخذون علیہا لیکون طاعتہما وعصیانہا امراً محسوساً۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۸ باب تحریم بیع الرطب الخ)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ نے دینِ ابراہیمی اور فطرۃ الانبیاء کی مخالفت کرکے چالیس سال تک بغل اور زیرِ ناف بال نہ کاٹے ہوں۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سخت عیب اور آپؐ پر افترا باندھنا ہے اور آپؐ کی توہین واستخفاف کرنا ہے جبکہ کسی بھی پیغمبرؑ کے بارے میں ایسے توہین آمیز ومعیوب کلمات کہنا سببِ ارتداد ہے۔

لما فی التاتارخانیة: من لم یقر ببعض الانبیاء اوعاب نبیاً بشیٔ او لم یرض بسنة من سنن المرسلین فقد کفر۔ (تاتارخانیہ ج ۵ ص ۴۷۷)

اسی طرح صاحبِ تاتارخانیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ولو عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشیٔ من العیوب یکفر۔ (تاتارخانیة ج ۵ ص ۴۷۹)

علامہ طاہر بن عبدالرشید البخاریؒ محیط کے حوالے سے لکھتے ہیں: فی المحیط من شتم النبیؐ واهانه اوعابه فی امور دینه او فی شخصه او فی وصف من اوصاف ذاته سواء کان الشاتم متلاًعن امته اوغیرها سواء کان من اهل الکتاب وغیرہ ذمیاً کان او حربیاً سواء کان الشتم اوالاهانة اوالعیب صادراً عنه عمداً او سهواً اوغفلة اوجداً اوهزلاً فقد کفر خلوداً۔

(خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۸۶ الفاظ الکفر)

س ۵: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین غیر مسلم تھے؟

ج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اُمت کا اختلاف ہے کہ وہ اسلام لائے تھے یا نہیں؟ ان کی نجات ہوگی یا نہیں؟ یہاں تک تو یہ بات یقینی ہے کہ آپؐ کے والدین کا انتقال آپؐ کو رسالت ملنے سے پہلے ہوگیا تھا اور یہ بھی یقینی ہے کہ ان کا انتقال دورِ فترت میں ہوا تھا لہٰذا ان کا تعلق اہلِ فترت سے تھا۔

لما قال العلامة جلال الدین السیوطیؒ: ثم رأیت الشیخ عزالدین بن عبدالسلام۔ قال فی امالیه مانصه کل نبی ارسل الیٰ قومه الا نبینا صلی اللہ علیه وسلم قال فعلی هذا یکون ماعدا قوم کل نبی من اهل الفترة الا ذریة نبی سابق فانه

مغاظبون ببعثۃ السابق الا ان تدرس الشریعۃ السابقۃ فیصیر الکل من اهل الفترۃ بلا شك لانهم لیسا من ذریۃ ولا من قومہ۔ (الحاوی للفتاوی ج۲ ص۲۵۱)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس مسئلے کی وضاحت کے لیے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس مسئلے کی وضاحت کے لیے آپ نے تین مسالک ذکر کیے ہیں :۔

۱۔ چونکہ ان کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہو چکا تھا اس لیے ان کو کوئی عذاب نہ ہوگا۔

۲۔ ان سے زمنِ فترۃ میں کوئی شرک ثابت نہیں بلکہ وہ دینِ ابراہیمؑ کے پیروکار تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی برکت سے کراماً ان کو زندہ کیا اور وہ آپؐ پر ایمان لائے اور پھر فوت ہو گئے، یہ رائے اکثر محدثین و علماء کرام وغیرہ کی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں : منهم ابن شاهین الحافظ ابوبکر الخطیب البغدادی والسهیلی والقرطبی والمحب الطبری والعلامۃ ناصر الدین بن المنیر وغیرهم ۔ (الحاوی للفتاوی ج۱ ص۲۲۷، ۲۲۸ فصل فی المولد)

علامہ ابن حجر عسقلانی ، علامہ ابن عابدین اور علامہ آلوسی (رحمہم اللہ) وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

قال العلامۃ عثمانی رحمہ اللہ : قال العلامۃ ابن حجر فی الزواجر ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیوٰۃ ابویہ حتیٰ اٰمنا بہ کما فی حدیث صححہ القرطبی و ابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرهما فانتفعا بالایمان بعد الموت علی خلاف القاعدۃ اکراماً لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (فتح الملہم ج۱ ص۳۷۳ باب بیان ان من مات علی الکفر الخ)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : الا تری ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیاۃ ابویہ لہ حتیٰ اٰمنا بہ کما فی حدیث صححہ القرطبی و ابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرهما فانتفعا بالایمان بعد الموت علی خلاف القاعدۃ اکراماً لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم کما احیٰ قتیل بنی اسرائیل لیخبر بقاتلہ الخ

(رد المحتار ج۴ ص۲۳۱ کتاب السیر، مطلب فی احیاء ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ : واستدل بالآیۃ (وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ) علی ایمان

ابویہ صلی اللہ علیہ وسلم کما ذھب الیہ کثیر من اجلۃ اھل السنۃ وانا اخشی الکفر علیٰ من یقول فیھما رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۳۸ سورۃ الشعراء)

وقال العلامۃ فخر الدین الرازی رحمہ اللہ۔ واعلم ان الرافضۃ ذھبوا إلیٰ اٰباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا مؤمنین وتمسّکوا فی ذٰلک بھٰذہ الاٰیۃ وبالخبر اما ھٰذہ الاٰیۃ فقالوا قولہ تعالیٰ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ یحتمل الوجوہ التی ذکرتم ویحتمل الوجوہ التی ذکرتم ویحتمل ان یکون المراد ان اللہ نقل روحہ من ساجد الیٰ ساجد کما نقولہ نحن واذا احتمل کل ھٰذا الوجوہ وجب حمل الاٰیۃ علی الکل ضرورۃ اَنَّہٗ لا لامنافاۃ ولا رجحان۔ (تفسیر کبیر ج ۲۳ ص ۱۷۴ سورۃ الشعراء)

اس اختلاف کی وجہ سے بعض علماء کرام نے اس بارے میں توقف اختیار کرنے کو ترجیح دی ہے، مگر علامہ جلال الدین السیوطیؒ اور علامہ ابن عابدینؒ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین دونوں مسلمان ہیں اُن کو غیر مسلم کہنا صحیح نہیں ہے مگر اس طرح کہنے سے کوئی ایمان کی دولت سے محروم نہیں ہوتا۔

۱۔ اس تفصیلی جواب کے بعد صورتِ مسئولہ کے مطابق فی الجملہ کلمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں توہین آمیز ہیں جو کہ موجبِ کفر و ارتداد ہے اور مرتکب کی سزا قتل ہے۔

۲۔ علمائے امت کو چاہیئے کہ اس قسم کے کلمات کے مرتکب شخص کو سمجھائیں ورنہ عدالت کے حوالے کر دیں۔

۳۔ ایسے کلمات کے کہنے والے شخص کی کسی قسم کی حمایت (زبانی یا مالی) کرنا کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔

۴۔ اسی طرح اس کی وکالت (قانونی حمایت) کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

۵۔ اگر وکیل اس کے ان کفریہ کلمات پر راضی ہو تو رضا بالکفر کفر کی وجہ سے وکیل کے بھی دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا قوی خطرہ ہے۔

۶۔ وکیل چاہے رشتہ دار ہو یا غیر سب کے لیے یہی حکم ہے۔

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی پیغمبر کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنا موجب کفر ہے جس کی سزا شرعاً قتل ہے۔

۸۔ تاہم اگر کوئی مرتکب شخص صدقِ دل سے توبہ کرے تو حنفیہ کے ہاں اس کی معافی کی گنجائش موجود ہے۔

۹۔ گستاخِ رسول اور مرتدین میں کوئی فرق نہیں، دونوں کی سزا قتل ہے اور توبہ اس کی مقبول ہے۔

۱۰۔ کسی مسلمان کے لیے چاہے وہ عالمِ دین ہو یا کوئی جاہل ہو کسی مرتد یا گستاخ رسول کی کسی قسم کی (زبانی، مالی، قانونی) حمایت کرنا جائز نہیں، رضا کی صورت میں اس کے ایمان کے خروج کا بھی خطرہ ہے۔

آدھا کلمہ پڑھنے پر دم نکل جائے تو

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص دنیاوی زندگی میں بڑا پاکباز، نیکوکار اور نماز روزے کا پابند تھا، جب اس کی زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے تو اس کے رشتہ داروں نے بغرض تلقین اس کے سامنے باآوازِ بلند کلمہ طیبہ پڑھا جس پر اس کی زبان سے بھی کلمۂ شہادت جاری ہو گیا، ابھی وہ اشھد ان لا الہ ہی پڑھ سکا تھا کہ اس کی روح پرواز کر گئی الا اللہ پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ تو اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس شخص کی موت کفر پر ہوئی یا اسلام پر؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:- مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کا آخری وقت قریب ہو اور اس پر نزع کی حالت طاری ہو جائے تو پاس بیٹھنے والے درمیانی آواز سے کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کریں تاکہ قریب المرگ آدمی بھی پڑھ سکے، لیکن نہ تو زیادہ زور سے پڑھیں اور نہ مرنے والے کو پڑھنے کا کہیں، صرف تلقین و تذکیر کے لیے پڑھیں۔ اگر وہ کلمۂ شہادت شروع کر کے درمیان میں ہی دم توڑ جائے یعنی آدھا کلمہ پڑھ کر فوت ہو جائے تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، اسلیئے کہ کفر کا تعلق عمداً کلمہ کا انکار کرنے سے ہے۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق اس شخص نے چونکہ عمداً الا اللہ یا محمد رسول اللہ سے انکار نہیں کیا اسلئے دنیا سے مسلمان گیا ہے، امید ہے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے۔

مسئلہ تقدیر کے بارے میں ایک استفسار

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ: اگر ایک شخص کافر گھرانے میں پیدا ہوا ہے اور کفر کی حالت میں ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ اس کی تقدیر ہے، تو کیا اس کے کافر ہونے میں اس کا کوئی قصور ہے؟ اگر کافر ہونا اس کی تقدیر ہے تو اسے خلافِ عقل کہہ دینا یا اسے قصور وار ٹھہرانا کیا صحیح ہے؟

مسئلہ قضاء وقدر

الجواب:۔ مسئلہ قضاء وقدر اور اس پر ایک لمحۂ فکریہ

بیشک بہت مشکل ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ جبر و قدر میں روایات سے زیادہ گفتگو کرنے کی ممانعت ثابت ہے، کیونکہ اس کے اسرار و رموز پورے کے پورے مشکل سے ہی عقل میں آتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک خالقِ کائنات کا وجود تسلیم کرنے کے بعد اس کا انکار کرنا اس سے زیادہ مشکل ہے۔ جس نے بھی یہاں شریعت کی بیان کردہ راہِ اعتدال چھوڑی اس کو ہدایت کا انکار کرنا پڑا، یعنی یا تو بندہ کو پتھر کی طرح مجبور محض ماننا پڑا اور یا اس کو خالقیت میں خالق کے برابر تسلیم کرنا پڑا۔ ہم یہاں آپ کے غور وفکر کی دعوت کے لیے چند سطور پیش کرتے ہیں، ہوسکتا ہے ان سے مسئلہ حل نہ ہو مگر ممکن ہے کہ کسی حد تک مزید انکشاف کا باعث ہو جائے۔ وبہ نستعین

جملہ اسلامی فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سب کا اللہ تعالےٰ کو پہلے سے علم ہے، اور یہ بات بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ علم ازل کے مطابق جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کچھ قیدِ کتابت میں بھی آچکا ہے، اور اب عالم کا ایک ذرہ بھی اس کے خلاف جنبش نہیں کر سکتا، اس لیے بحث یہ پیدا ہو گئی ہے کہ اب انسانی افعال کی حقیقت کیا ٹھہری؟ کیا اس کو ان میں مجبور سمجھ لیا جائے یا مختار کہا جائے؟ اگر مختار کہا جاتا ہے تو لازمی طور سے اس میں قدرت اور اختیار کی صفت بھی تسلیم کرنی ہو گی۔ ادھر قدرت اور اختیار تسلیم کر لینے کے بعد پھر قضاء وقدر کے سامنے اس کو مجبور کہنے کا مفہوم باطل ہو جاتا ہے اور اگر مجبور کہہ دیا جائے تو یہ ضروری ہوگا کہ اس میں قدرت واختیار کی صفت کا بھی انکار کر دیا جائے اس لیے قضاء وقدر کی بحث میں اصل نقطۂ غور وفکر "افعالِ عباد" یعنی بندوں کے افعال (کام) بن جاتے ہیں۔ اس پر غور کرنے سے قبل جب آپ عالم پر ایک نظر ڈالیں گے تو آپ کے سامنے دو قسم کی

مخلوقات نظر آئیں گی۔ ایک[۱] وہ جو اختیار و ارادہ کے بداہتہً مالک نہیں، وہ کھلے طور پر قدرتِ الٰہیہ کی مسخر بنی ہوئی ہے۔ مثلاً آفتاب حرکت کرتا نظر آتا ہے، یا زمین و آسمان میں جو بھی متحرک ہے یہ سب جانتے ہیں کہ یہ اپنے ارادہ سے متحرک نہیں بلکہ ارادہ و قدرتِ الٰہیہ سے متحرک ہیں۔ دوسری[۲] قسم کی مخلوق وہ ہے جو بداہتہً ارادہ و اختیار کی مالک نظر آتی ہے، یہ تین[۳] قسم کی ہے، ایک[۱] وہ جو صرف خیر ہی کا ارادہ کرتی ہے شر کا ارادہ کر ہی نہیں سکتی، یہ فرشتے کہلاتے ہیں، ان کی شان لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون ہ (سورۃ) ہے، یعنی جو حکم ان کو ملتا ہے وہ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتے صرف وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ یہاں نفی اور اثبات دونوں کو جمع کرنے سے اس مضمون کی تاکید مقصود ہے۔ دوسری مخلوق اس کے برعکس ہے وہ شر کے سوا خیر کا ارادہ کرتی ہی نہیں، یہ شیطان ہے۔ تیسری[۳] قسم وہ ہے جو ہر دو نوع کے ارادہ کی مالک ہے اور دونوں قسم کے ارادے کرتی بھی ہے، یہ حضرتِ انسان ہے۔ انسانوں کی بھی پھر تین قسمیں ہیں۔ ایک[۱] وہ قسم جس کا ایمان اور جس کی عقل و معرفت اس کی خواہشاتِ نفسانی پر غالب ہوتی ہے یہ قسم تو ترقی کر کے فرشتوں سے جا ملتی ہے۔ دوسری[۲] اس کے برعکس ہے، یہ برادرِ شیطان بن جاتی ہے۔ اور تیسری[۳] قسم وہ ہے جس کی عقل اس کی قوتِ شہوانیہ کی مفتوح ہو جاتی ہے، یہ بہائم اور حیوانات سے ملحق ہو جاتی ہے۔ جس طرح ان جملہ مخلوقات کا وجود محض جلی و علا کی بخائش ہے اسی طرح ان کا ارادہ و اختیار بھی اس کا عطا کردہ ہے۔

اب ہم پہلے اصطلاحات اور مذاہب کی تفصیلات سے علیحدہ ہو کر سادہ طور پر اس مسئلہ پر نظر کرنا چاہتے ہیں۔ تو یہ بات ہم کو ماننا پڑتی ہے کہ بندہ میں اختیار و قدرت کی صفت یقینی ہے، اس کا انکار کرنا اپنے بدیہی وجدان کا انکار کرنا ہوگا۔ ایک بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی اختیاری حرکات اور ایک رعشہ زدہ شخص کی حرکات کے مابین فرق کو بخوبی سمجھتا ہے اور ہرگز دونوں کو یکساں کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی بدیہی ہے کہ جس طرح بندہ کا خود وجود اور اسی کے ساتھ اس کی دیگر صفات کمزور اور ضعیف ہے، اسی طرح اس کی یہ قدرت اور اختیار بھی ضعیف در ضعیف ہے۔ دیکھیے انسان سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے اس لیے اس کو شنوا اور بینا کہا جاتا ہے، مگر

چونکہ اس کی یہ صفات ضعیف ہیں اس لیے ان کی کچھ شرائط بھی ہیں، اگر وہ نہ ہوں تو وہ نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، پھر ان شرائط کے ساتھ جہاں وہ سنتا اور دیکھتا بھی ہے وہاں بھی کچھ دور چل کر اس کی شنوائی اور بینائی کی دونوں صفتیں معطل نظر آتی ہیں۔ مثلاً ایک خاص فاصلہ کے بعد نہ تو وہ کچھ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، مگر کیا اُس کی اِس معذوری پر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں سمع و بصر کی صفت ہی نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں یہاں دو رائیں پیدا نہیں ہوسکتیں، بالاتفاق یہی کہا جائے گا کہ ضرور ہیں مگر اتنی ضعیف ہیں کہ زیادہ دور چل کر کام نہیں دے سکتیں۔ اگر صفت اختیار بھی ایسی ہی ضعیف صفت ہو کہ جس کا کچھ دور تک تو اثر ظاہر ہوتا رہا ہے لیکن ذرا آگے چل کر اس کا اثر ظاہر نہ ہو تو کیا اس ضعف کی وجہ سے اس کے وجود ہی کا انکار کر دینا صحیح ہوگا؟ یا اگر اس کا اقرار کر لیا جائے تو کیا پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ آخر تک اس کا اثر تسلیم کیا جائے۔ پس اگر ہم اپنے اختیار کے اثرات کچھ دور چل کر مضمحل یا معدوم دیکھتے ہیں تو اس بناء پر ہم کو اپنے بدیہی وجدان کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اسی طرح اگر ہم اپنے وجدان کی بناء پر اپنے نفس میں صفتِ اختیار تسلیم کر لیتے ہیں تو یہ بھی کوئی لازمی امر نہیں ہے کہ پھر اس کے اثرات بھی آخر تک تسلیم کرتے چلے جائیں۔ اس لیے ہم پوری بصیرت کے ساتھ اس بات کے اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم میں قدرت و اختیار کی صفت موجود ہے، مگر ہاں خود اس صفتِ اختیار پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے، یعنی اس پر ہم قدرت نہیں رکھتے کہ اس اختیار کو جدھر چاہیں لگا دیں۔ بلکہ ہماری یہ صفت مشیتِ الٰہیہ کے تحت اسی طرح جبری حرکت کرتی ہے جس طرح ایک سنگ انداز کے ہاتھ کا پھینکا ہوا پتھر ہے کہ اس پتھر کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ اس سمت کو چھوڑ کر جدھر سنگ انداز نے اس کو پھینکا ہے کسی اور سمت چلا جائے، اسی طرح بندہ میں بھی یہ طاقت نہیں کہ وہ اُس جانب کے سوا جس جانب قدرت نے اس کے اختیار کو لگا دیا ہے کوئی ادنیٰ سی بھی حرکت کر سکے۔ لہٰذا بندہ جو کرتا ہے یقیناً اپنے اختیار ہی سے کرتا ہے، مگر وہ اپنے اختیار سے کرتا وہی ہے جو مختارِ مطلق اس سے کرانا چاہتا ہے۔ پس اس لحاظ سے کہ ہم جو کرتے ہیں اپنے اختیار سے ہی کرتے ہیں، مختار کہلاتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ اختیار وہی کر سکتے ہیں جو مشیتِ الٰہیہ ہوتی ہے، مجبور کہلاتے ہیں یا بمنزلۂ مجبور، مگر یہ ایسا جبر ہے جو

جبرِ مطلق سے ممتاز ہے، کیونکہ جبرِ مطلق میں مجبور کو اپنے ارادہ کے ساتھ مزاحمت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی مومن کو کلمۂ کفر کہنے کے لیے مجبور کر دیا جائے، تو اگرچہ وہ کلمۂ کفر زبان سے کہہ تو دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس خارجی جبر کی مزاحمت کا احساس بھی کرتا رہتا ہے، یا مثلاً ایک منافق زبان سے کلمۂ ایمان ادا تو کرتا ہے مگر یہاں بھی ظاہری خوف اس کے باطنی ارادہ کے لیے مزاحم رہتا ہے۔ لیکن جو چیز یہاں ہے اس میں ارادۂ مجبور کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔ انسان جو افعال بھی کرتا ہے وہ اپنے احساس کے مطابق آزادانہ اور پوری خود اختیاری سے کرتا ہے، حتیٰ کہ اگر تقدیر کا جبر اس کو بتا بھی دیا جائے تو وہ اس کے تسلیم کرنے میں تأمل کرتا ہے۔ جس طرح یہاں بندہ کا جبر جبرِ مطلق سے ممتاز ہے اسی طرح اس کا اختیار بھی مطلق اختیار سے ممتاز ہے کیونکہ وہ جو چاہے اختیار نہیں کر سکتا بلکہ وہی اختیار کر سکتا ہے جس کا اختیار قادرِ مطلق نے اس کو دے دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے مگر چاہتا وہی ہے جو اللہ تعالےٰ اس سے کرانا چاہتا ہے۔ اب اگر اس اختیار کے ساتھ کوئی شخص اپنے نفس کو مجبور کہتا ہے تو کہے، مگر وہ ایسا مجبور ہوگا جو معذور نہیں ٹھہر سکتا۔ پروردگارِ عالم کی خالقیت کا یہ کرشمہ بھی عجیب ہے کہ اس نے ایک مجبورِ محض کو کس حکمت سے ایسا مختار بنا دیا ہے کہ وہ اپنے گردوپیش میں اپنے احساس کے مطابق ادنیٰ سا جبر بھی محسوس نہیں کرتا ہے حالانکہ جبر کی گرفت اس پر اس درجہ سخت ہوتی ہے کہ وہ جنبش کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صورت اس لیے پیدا ہوگئی ہے کیونکہ یہاں افعال پر جبر نہیں، افعال تو اپنے اختیار سے ہوتے ہیں مگر خود اس کا اختیار اللہ تعالےٰ کی مشیتِ کاملہ کے تحت ہوتا ہے اس لیے اس مختار کو اپنے جبر کا احساس نہیں ہوتا، اگر جبر افعال پر ہوتا تو ضرور اس کا احساس ہوتا، یہ صفت اب صرف قدیر کی ہے کہ وہ بندوں کے اختیار پر بھی حکومت کرتا ہے۔ قضاء و قدر کے رازہائے سربستہ سب اسی نقطہ میں پنہاں ہیں، بندہ مجبور رہ کر اپنے مختار ہونے کا مُدعی بھی اس لیے رہتا ہے کہ اس کو اپنا اختیار ہی اختیار محسوس ہوتا ہے، اور چونکہ اس کو یہاں اپنے ارادہ کے ساتھ کوئی مزاحمت محسوس نہیں ہوتی اس لیے فوقانی جبر کا اس کو کوئی احساس نہیں ہوتا، اور جب جبر و اختیار اس طرح مدغم ہو جائیں تو پھر اپنے افعال پر مسئول ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے،

کیا ایسا مختار بھی مسئول نہ ہونا چاہیئے جو اپنے وجدان میں بھی خود مختار ہو۔ اس فوقانی جبر کا حال تو صرف انبیاء علیہم السلام نے بتایا ہے۔ حد درجہ حیرت ہے کہ یا تو انسان ایک طرف مختارِ مطلق بننا چاہتا ہے، ایسا مختار کہ تقدیر کے جبر کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا اور مسلمان ہو کر بھی اس کی تصدیق میں ہزار حجتیں نکالنے کو بیٹھ جاتا ہے اور دوسری طرف جب تقدیر کا جبر تسلیم کرنے پر آتا ہے تو یہاں بھی اس کی روش معاندانہ ہی نظر آتی ہے، یعنی پھر جزاء و سزا میں اُلجھنے لگتا ہے۔ ولقد صدق اللہ عز وجل : وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (سورۃ) "انسان فطرتاً ہے ہی جھگڑالو"

حالانکہ سوچنا تو یہ چاہیئے تھا کہ کیا محکومیت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ محکوم ہمیشہ حاکم کے زیرِ دست رہے۔ پھر یہاں تو رشتہ صرف محکومیت ہی کا نہیں بلکہ مخلوقیت کا بھی ہے۔ کیا یہ معقول نہیں کہ یہاں ہمارا غیر مستقل اختیار بھی مختارِ کُل کی مشیت کا محکوم بنا رہے ؟ جب یہ بات سامنے رکھی جاتی ہے تو دنیا شور برپا کر دیتی ہے کہ ہم کو مجبور بنا دیا، حالانکہ غور کی بات تو یہ تھی کہ جو سرے سے موجود ہی نہ تھا وہ مختار تھا کس دن؟ پھر جتنا کچھ مختار تھا تقدیر نے اس کو ختم کب کیا؟ بلکہ آئینی طور پر اور تسلیم کر لیا ہے۔ پس یہاں تو یہ احسان کہ ایک معدوم محض کو شرفِ وجود بخشا، پھر اپنی حکمتِ کاملہ سے ایک جمادِ محض (یعنی نطفہ) کو سمیع و بصیر اور مختار بنا دیا، اِدھر احسان فراموشی کہ شکوہ یہ ہے کہ مختار کو مجبور بنا دیا ــــ یہاں ایک مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ تقدیر اور بندہ کے اختیار کو علیحدہ علیحدہ سمجھ کر تقدیر کو بندہ کے اختیار پر حاکم مانا گیا ہے، حالانکہ ہمارا اختیار بھی خود تقدیر کے لیے دائرہ میں شامل ہوتا ہے ــــ اسی قسم کا سوال ایک مرتبہ صحابہ کرام رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تھا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) امراض میں دوا کا استعمال اور جنگ میں ڈھال استعمال کرنا کیا خدائی تقدیر کو ٹال سکتا ہے؟ یعنی جب نہیں ٹال سکتا تو پھر ان کے استعمال کا کیا فائدہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کتنا مختصر مگر کیسا تسلی بخش ارشاد فرمایا کہ "اے میرے صحابہؓ! تم ان اسباب کو تقدیر سے خارج سمجھتے ہی کیوں ہو، تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ دوا کرو گے تو شفایاب ہو گے، ڈھال استعمال کرو گے تو دشمن کے وار سے بچ جاؤ گے" ــــ پس ارتکابِ اسباب بھی احاطۂ تقدیر میں داخل ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ وباءِ شام کے قصہ میں نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ مقام کے پاس پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ شام میں تو وباء پھیل رہی ہے، یہ سنکر آپ نے اسلامی لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا، اس پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے تعجب سے فرمایا اچھا آپ تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ یعنی اگر موت مقدر ہو چکی ہے تو پھر اس واپسی کا کیا فائدہ؟ حضرت عمرؓ نے حکیمانہ انداز میں اس کا جواب دیا، فرمایا "اے ابو عبیدہؓ! اگر دو وادیاں ہوں، ایک سرسبز اور دوسری خشک، بولو اپنے اونٹ کس میں چراؤ گے؟ اگر سرسبز وادی میں چراؤ اور یقیناً اسی میں چراؤ گے تو کیا یہ تقدیر سے گریز ہوگا یا یہ بھی اسی تقدیر کے تحت ہوگا؟ اسی طرح میری واپسی کو احاطۂ تقدیر سے باہر کیوں سمجھتے ہو، اگر موت کی وادی سے بچ کر جا رہا ہوں تو یہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہو گا جب ہی تو واپس جا رہا ہوں" (مؤطا مالکؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ تدبیر و تقدیر میں جنگ نہیں ہے اور جنگ تو اس وقت ہوتی جبکہ تدبیر تقدیر کے احاطہ سے کہیں باہر ہوتی، اب تو تدبیر بھی تقدیر کا جزء بنی ہوئی ہے، تدبیر و تقدیر کے مراتب کو اس طرح محفوظ رکھنا یہ علومِ نبوت کا فیض ہے۔ دیکھئے حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے بیٹوں کو مصر روانہ کرتے ہیں تو نظر گذر کے خطرہ سے تحفظ کے لیے یہ بھی فرماتے ہیں: يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ۔ "اے میرے بیٹو! دیکھنا کہیں ایک ہی دروازہ سے سب کے سب مت داخل ہو جانا بلکہ متفرق دروازوں سے جانا (کہیں خاندانِ نبوت کو کسی کی نظر نہ کھا جائے)" اِدھر شفقتِ پدری نظر گذر سے تحفظ کی یہ تدبیر بھی کرتی جاتی ہے اُدھر لسانِ نبوت رمزِ تقدیر سے بھی آگاہ کئے جاتی ہے اور فرماتی ہے کہ: وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ "یعنی میری یہ تدبیر عالمِ اسباب کی ایک تسلّی ہے جو مقدر ہو چکا ہے کہیں میں اس کو ٹال سکتا ہوں"۔

یہاں اس پر بھی غور کیجئے کہ جس کو آپ تقدیر کا جبر سمجھتے ہیں اس کی حقیقت ہے کیا؟ یہی کہ قدرت نے اپنے ہی دیئے ہوئے اختیار کو اپنے کنٹرول میں رکھا ہے یا یہ کہ جو اختیار عطا فرمایا تھا اس کو سلب کر لیا ہے۔ پھر اس جبر کا اثر ہے تو کہاں ہے؟

کیااُن اشیاء میں ہے جہاں آپ کو تقدیر سے قبل اختیار حاصل تھا یا ان میں جہاں پہلے آپ مجبور ہی تھے - اس لیے یوں نہ کہئے کہ تقدیر نے ہم مختاروں کو مجبور بنا دیا بلکہ یوں کہئے کہ ہم مجبوروں کو ایک محدود پیمانہ پر مختار بنا دیا۔ ایسا مختار بھی ہماری حیثیت سے کہیں زیادہ تھا۔ ایک مجبور ہی نہیں بلکہ معدومِ محض میں اختیار کا تصوّر کرنا ہی کب معقول ہے ؟ یہ تو مختارِ مطلق کا کرم تھا کہ اس نے محض اپنے کرشمۂ قدرت سے ایک جماد کو اختیار بخش دیا اور اُس کے اس اختیار کے سامنے اپنا جبر ایسا پسِ پردہ کر دیا کہ اس عالم میں اس جبر کا ادراک کرنا مشکل ہو گیا۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ٥ (سورۃ الدہر آیت ۲) ۔ ذرا اور دقتِ نظر سے کام لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارا یہ ناتمام اختیار قائم ہی تب رہ سکتا ہے جبکہ قدرت کا اختیار اس کے ساتھ ساتھ لگا رہے، اگر قدرت کا اختیار کہیں اس کی سرپرستی چھوڑ دے تو ہمارا اختیار خود بخود فنا ہو جائے اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ بچہ جب ضد کرتا ہے کہ وہ چلے اور اپنے پیروں ہی چلے، جبکہ اس کے والدین جانتے ہیں کہ اس غریب کے پیروں میں خود چلنے کا دم نہیں ہے اس لیے اپنی طاقت سے اس کو چلاتے ہیں اور جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے اُسی طرف چلاتے ہیں، اس کا ناتمام اختیار جب اس طرح والدین کے اختیارِ مستقل کے سہارے کام کرنے لگتا ہے تو اس بچہ کے ارمان تو یوں پورے ہو جاتے ہیں کہ جو اس کی ضد تھی وہ پوری ہو گئی اور والدین یوں خوش ہو جاتے ہیں کہ اس طرح ان کا بچہ خوش ہو گیا اور ان کا کچھ بگڑا بھی نہیں، اور اگر کہیں یہ بچہ اس بات کی ضد کر بیٹھے کہ والدین کی دستگیری کے بغیر خود اپنی ہی طاقت سے چلے تو ظاہر ہے کہ جتنا فاصلہ اپنے اس ناتمام اختیار کے ساتھ اس نے طے کر لیا تھا یہ بھی طے نہ ہو۔

یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ بچہ تو اپنی مشیت بھی رکھتا ہے اور کچھ طاقت بھی، ادھر اس کے والدین گو طاقت اس سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں مگر اپنی مشیت اور اپنی طاقت کو اس بچہ کے تابع بنائے رکھتے ہیں اور اُدھر ہی اس کو صرف کرتے ہیں جدھر وہ بچہ ارادہ کرتا ہے۔ مگر خالق کے معاملہ میں بندہ کی مشیت کی ہستی ہی نہیں ہوتی، وہ اگر

کچھ قدم چل سکتی ہے تو خالق کی مشیت کے سہارے سہارے ہی چل سکتی ہے۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ یعنی تم ارادہ ہی وہ کر سکتے ہو جو مشیتِ الٰہیہ چاہتی ہے۔ تعجب ہے کہ اتنی محکومیت کے باوجود اگر سطحی نظر ڈالیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس عالم میں مشیتِ الٰہیہ ہمارے ارادہ کے تابع بنی ہوئی ہے اور جو ہم کرنا چاہتے ہیں وہی وہ پورا کرتی رہتی ہے۔ یہ تمام کرشمہ اسی حکمت کا ہے کہ ہمارے افعال پر قدرت نے جبر نہیں فرمایا بلکہ خود ہمارے اختیار ہی کو اپنے اختیار میں لے رکھا ہے، لہٰذا مجبورِ محض ہونے کے باوجود ہمارا احساس یہی رہتا ہے کہ ہم مختارِ مطلق ہیں اور اس عالم کے لحاظ سے یہ غلطی بھی نہیں۔ جو جبر یہاں ہے وہ عالمِ غیب کے لحاظ سے ہے اور وہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ اس معاملہ میں صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے بیان پر اعتماد کیا جائے یہاں دلائل کے اگر انبار بھی لگا دیئے جائیں تو انسان اپنے ذاتی وجدان کے بالمقابل ان کو باور نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہاں اسلام نے صرف تسلیم و رضا کی ایک راہ بتا دی ہے، حقیقت سے بے خبر بھی نہیں رکھا، اور اس کو پورے طور پر حل کرنا چونکہ ہمارے بس سے بالاتر تھا اس لیے اس بارے میں بحث کرنے سے بھی روک دیا۔ فاتبعوہ ھٰذا صراط مستقیم۔

مسئلہ مجازات | جزاء اور سزا کے مسئلہ میں اُلجھنا بھی بیکار ہے۔ اوّل تو اس لیے کہ یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ مالک اور خالق سے کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا بلکہ مالک کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو ہر قسم کا تصرّف کرنے کا مجاز ہو۔ آپ ایک چیز عاریۃً لیتے ہیں، کرایہ پر بھی لیتے ہیں، مگر یہاں اُلٹی اس کی حفاظت بھی آپ ہی کے سر پڑتی ہے، اور آپ صرف وقتِ مقررہ تک، وہ بھی بہت احتیاط کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھانے کے مجاز ہوتے ہیں، اس کو فروخت نہیں کر سکتے، ہبہ نہیں کر سکتے، اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کر سکتے، اس کو توڑنا اور خراب کرنا تو دور کی بات ہے، لیکن جس چیز کے آپ مالک کہلاتے ہیں اس میں آپ کو ان تمام تصرّفات کا حق حاصل ہوتا ہے، بلکہ کسی قیمتی چیز کے ضائع کر دینے پر بھی آپ مسئول نہیں ہو سکتے۔ جب ایک مجازی مِلک کے حقوق یہ ہیں تو حقیقی مِلک کے

حقوق کیا ہوں گے، پھر یہاں صرف علاقہ ایک مملوکیت کا ہی نہیں مخلوقیت کا بھی ہے۔ اور چونکہ اس نے بلا شرکتِ غیرے پیدا فرمایا ہے اس لیے مالکیتِ حقیقیہ کا حق بھی صرف اسی کا رہنا چاہیے، اب ایسے مالک سے جو خالق بھی ہو جزاء و سزا کا سوال ہی کیا۔

دیکھئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مالکیت نہیں صرف ملوکیت عطا فرمائی تھی اور وہ بھی بہت محدود پیمانہ پر، لیکن اس ناتمام ملوکیت کے لیے بھی جو امتیازی شان عطا فرمائی وہ قرآنِ کریم کے ان الفاظ سے ظاہر ہے: ھٰذا عطاءنا فامنن او امسک بغیر حساب - یہ ہماری بخشش ہے، اب آپ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں آپ سے اس کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔

علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف "البدایہ والنہایہ" کی جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چونکہ نبوت کے ساتھ سلطنت بھی مرحمت فرمائی گئی تھی اس لیے یہ تنبیہ بھی کردی گئی کہ یہ بادشاہت ہے تو ہمارا عطیہ، مگر چونکہ بادشاہ سے کوئی بازپرس نہیں ہوا کرتی اس لیے جاؤ اس بارے میں تم سے بھی کوئی حساب نہیں ہوگا۔

اسلام میں غلامی کے مسئلہ سے ذرا سی مالکیت کا پتہ چلتا ہے، اگرچہ وہ صرف یہ جتلانے کے لیے مقرر کی گئی ہے کہ جو مولائے حقیقی اور مالکِ حقیقی کی مالکیت پر راضی نہیں ہوتا اس کو پھر غلاموں کی مالکیت پر راضی ہونا پڑتا ہے۔ مگر اس مالکیت کے بھی جتنے حقوق ہیں وہ اس سے ظاہر ہیں کہ جو ابھی ابھی غلامی سے قبل خود مالک بننے کی اہلیت رکھتا تھا محکومیت کا لفظ کسی بھی پہلو سے اس پر عائد نہیں ہو سکتا تھا، ہر تصرف اس کا نافذ اور ہر حکم اس کا ناطق تھا وہی غلامی کے بعد اس طرح مملوک بن جاتا ہے کہ مالکیّت کی اس میں اہلیت ہی نہیں رہتی نہ اس کا کوئی تصرّف درست ہوتا ہے نہ کوئی حکم نافذ ہونے کے قابل ہوتا ہوتا ہے۔ اور اُس کے مالک کو اس کے بیچ ڈالنے کا بھی حق حاصل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر وہ اُس کو مار بھی ڈالے، جب بھی بعض ائمہ کے نزدیک گو اس کو گناہ کتنا ہی بڑا ہو مگر دنیا میں اُس سے قصاص نہیں لیا جاتا۔

پس جبکہ مالکیّت و خالقیت کی ادنیٰ سی مشابہتوں کے بعد سوال و جواب کا مرحلہ

ختم ہو جاتا ہو تو جہاں یہ دونوں باتیں اپنی پوری حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوں بھلا وہاں محاسبہ اور سوال کا حق کس کو ہو سکتا ہے؟ اس لیے فرمایا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ ۝ (سورۃ آیت ــ)

دوم آپ نے کبھی اس مسئلہ پر بھی غور کیا ہے کہ آخر اس عالم کی آفرینش ہوئی کیوں؟ یہاں صرف ذات جامع صفات کا ایک اقتضاء ہی تو تھا لہٰذا اب جس صورت سے بھی یہ اقتضاء پورا ہوگا وہی مناسب ہوگی۔ کمال یہ چاہتا ہے کہ مہر و قہر دونوں ہی کا ظہور ہو اس لیے ضروری ہوا کہ دونوں کے لیے اسباب بھی پیدا فرمائے جائیں، اور چونکہ جزاء و سزا کا عنوان یہ چاہتا ہے کہ جزاء میں عمل کی کچھ تاثیر بھی عیاں رہے تاکہ اچھے عمل پر اچھی جزا اور بُرے عمل پر اس کی سزا دی جا سکے، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ بندہ کو کچھ اختیار دے دیا جائے، اس تناسب کے لیے جتنا اختیار عقلاً ممکن تھا وہ عطا کر دیا گیا اور اسی پر جزاء و سزا کو دائر کر دیا گیا۔ اب جب کبھی بندہ اپنے اس عطا کردہ اختیار سے کوئی بُرا عمل کرتا ہے تو وہ دنیا میں بھی بُرا کہلاتا ہے، اور اگر بھلا (اچھا) عمل کرتا ہے بھلا کہلاتا ہے جب اس کے ان افعال پر دنیا میں تعریف و مذمت کرنا معقول ہو گئی تو آخرت میں معقول کیوں نہ سمجھی جائے؟ ؎

چلا عدم سے میں ہستی کو بول اٹھی تقدیر
بلا میں پھنسنے کو کچھ اختیار لیتا جا

رہ گئی یہ بات کہ جب بُرے افعال کرنا بری بات ہے تو اس کا پیدا کرنا کمال کیوں کر سمجھا جائے؟ تو اس کو یوں سمجھئے کہ خلق اور کسب میں بڑا فرق ہے۔ انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو وہ عمل اس کے ساتھ اس طرح قائم ہو جاتا ہے جیسے کپڑے کے ساتھ سفیدی اور سیاہی، اب جب اس لحاظ سے کپڑے کو سفید اور سیاہ کہہ سکتے ہیں تو ان اعمال کے لحاظ سے بندہ کو بُرا اور بھلا بھی کہہ سکیں گے، مگر مخلوق خالق سے علیحدہ رہتی ہے وہ اس کے ساتھ قائم نہیں ہو جاتی، لہٰذا بری مخلوق خالق کی صفت نہیں ہو سکتی، البتہ اس کا پیدا کرنا اس کی صفت ہوتی ہے، صفتِ خلق بہر کیف کمال

ہے ، اسی لیے ناقص نہ خیر پیدا کرسکتا ہے نہ شر، کیونکہ خلق مطلق ایک کمال ہے ۔
اب رہا یہ سوال کہ خلقِ شر کمال کیوں ہے ؟ تو یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ جب خلق کفر میں ظہورِ قہر کی مصلحت بھی ہو تو پھر اس کو بھی مقتضائے کمال کیوں نہ کہا جائے ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست
دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

شاعر یہاں یہی مضمون کہہ رہا ہے کہ عالم کفر کا وجود اس لیے ضروری ہے کہ اگر ابولہب جیسا کافر نہ ہو تو پھر جہنم کی پیدائش کا کیا فائدہ ؟

بادشاہی کا کمال دونوں قسم کی طاقتوں ہی سے ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کافر کے حق میں کفر کتنا ہی قبیح کیوں نہ ہو لیکن خالق کے حق میں تو مظہرِ کمال ہوتا ہے ۔

دیکھئے ، بیت الخلاء یعنی پاخانہ خود کتنی ہی کمتر چیز ہو لیکن ایک بڑی سے بڑی کوٹھی اس وقت تک ناقص ہی سمجھی جاتی ہے جب تک اس میں یہ ناقص در ناقص چیز موجود نہ ہو ۔ جس طرح ایک کوٹھی کے لیے بیت الخلاء کا وجود ضروری ہے، اسی طرح عالم کے کمال کے لیے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے مومنِ کامل کے بالمقابل ایک ابولہب جیسے کافر کی بھی ضرورت ہے ۔ پھر جس طرح ایک کوٹھی میں یہ سوال کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے کہ زمین کے اس ٹکڑے نے کیا قصور کیا تھا کہ اس پر بیت الخلاء بنا دیا اور اس ٹکڑے میں کیا کمال تھا کہ اس کو شہ نشین بنا دیا ۔ اسی طرح یہاں بھی یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ ابولہب نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو کافر بنا دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں کیا کمال تھا کہ ان کو صدیقیت سے نواز دیا ؟ یہ سب مالک الملک کے اپنے ارادہ اور پسند کی بات ہے، کسی کو اس میں دخل در معقولات کا حق نہیں ہے ؎

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوائد قرآن کریم میں زیرِ تفسیر آیتِ کریمہ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ (سورۃ الکہف آیت ۴۹) مسئلہ تقدیر کا

حل اس طرح تحریر فرمایا ہے:۔

”اب جو کرے ظلم نہیں سب اس کا مال ہے، ظاہر میں جو ظلم نظر آئے وہ بھی نہیں کرتا۔ بے گناہ دوزخ میں نہیں ڈالتا اور نیکی ضائع نہیں کرتا اور جو کوئی کہے (یعنی اعتراض کرے) کہ گناہ میں ہمارا کیا اختیار ہے؟ سو یہ بات نہیں ہے اپنے دل سے پوچھ لے، جب گناہ پر دوڑتا ہے تو اپنے قصور سے دوڑتا ہے۔ اور جو کوئی (یہ) کہے (کہ) قصد بھی اسی نے دیا، تو قصد دونوں طرف لگتا ہے“اور جو کوئی کہے اسی نے ایک طرف لگا دیا۔ سو بندہ کی دریافت سے باہر ہے، بندہ سے معاملہ ہوتا ہے اس کی سمجھ پر، بندہ بھی پکڑے گا اسی کو، جو اس سے بدی کرے، یہ نہ کہے گا کہ اس کا کیا قصور اللہ نے کرا دیا“۔ اھ

ان سطور کو بار بار بغور پڑھئے تو مسئلہ تقدیر کا حل جتنا دا منح اور جتنی سادگی سے آپ کو یہاں ملے گا۔ بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں بھی نہیں ملے گا، بلکہ سمجھنے کا ارادہ بھی ہو، اعتراض برائے اعتراض نہ ہو۔

فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

نوٹ: ”مسئلہ تقدیر اور مجازات“ کے متعلق یہ تفصیل بندہ نے چند اہم کتابوں سے جمع کی ہے جس میں اکثر حصہ ”ترجمات السنۃ“ مؤلفہ حضرت مولانا الحاج محمد بدرِ عالم صاحب مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا ہے۔ ان تفصیلات کا بغور مطالعہ کرنے سے انشاء اللہ العزیز مسئلہ تقدیر اور مجازات سمجھ میں آجائے گا۔

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ اور اس کی تحقیق

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک غیر مقلد عالمِ دین نے برسرِ منبر یہ مسئلہ بیان کیا کہ اچھے اعمال کرنے سے ایمان بڑھتا ہے اور برے اعمال کے صدور سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اور بطور دلیل اس پر قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیں۔ اس کے بعد جب میں نے اپنے محلے کی مسجد کے امام صاحب سے اس مسئلے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ایمان میں کمی اور زیادتی واقع نہیں ہوتی، غیر مقلد مولوی صاحب نے مسئلہ صحیح بیان نہیں کیا۔ آنجناب سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرماکر ہماری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب:۔ ایمان میں کمی اور زیادتی ہونے اور نہ ہونے کا مسئلہ زمانۂ قدیم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف کی اصل وجہ ایمان کی تعریف میں اختلاف ہے۔

اور جمہور محققین کے ہاں ایمان صرف تصدیقِ قلبی سے عبارت ہے، اور اقرار باللسان وغیرہ اس کے شرائط ہیں ـــــ امام سرخسیؒ اور علامہ بزدویؒ وغیرہ کے نزدیک تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کا نام ایمان ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے الفقہ الاکبر میں الایمان ھو الاقرار والتصدیق کا مقولہ درج ہے۔ جبکہ محدثینِ عظام کے ہاں ایمان تصدیقِ قلبی، اقرار باللسان اور عمل بالارکان سے عبارت ہے ـــــ اس لحاظ سے جن کے ہاں ایمان ان تین اشیاء سے عبارت ہے اُن کے ہاں تو ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور جن کے ہاں ایمان تصدیقِ قلبی سے عبارت ہے اُن کے نزدیک ایمان میں کمی و زیادتی پیدا نہیں ہوتی۔

لیکن اگر اس اختلاف پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اختلاف صرف لفظی نزاع ہے، اس لیے کہ ایمان کے تین معنی ہیں:۔

۱۔ نفس ایمان یعنی ھو التصدیق بما جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور اس کا تعلق صرف دل کے ساتھ ہے جس میں گھٹاؤ اور بڑھاؤ دونوں نہیں آتے، البتہ شدت اور ضعف پیدا ہوسکتا ہے۔ اسی طرح کمی وزیادتی کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی (۲) مجازی ـــــ حقیقی میں اشیاء کی کمیت اور مقدار میں تفاوت ہوتا ہے۔ اور مجازی میں کیفیت کے اندر اشیاء شدید اور ضعیف ہوتی ہیں۔ تو ایمان کی اس تعریف میں کمی وزیادتی سے کمیت اور مقدار کی نفی مراد ہے

کیفیت کی نہیں۔

۲۔ ایمانِ دنیاوی: دنیاوی احکام اس شخص پر لازم ہوتے ہیں جو زبان سے کلمہ کا ورد کرے۔ اس لیے بعض علماء کرام نے دنیاوی احکامات کے اجراء کے لیے اقرار باللسان کو لازم قرار دیا ہے۔

۳۔ ایمانِ کامل: جس ایمان پر اُخروی نجات بلاحساب وکتاب موقوف ہے، ایمان کی اس قسم کے لیے اعمالِ صالحہ کی شدید ضرورت ہے، اور اعمال ہی کی وجہ سے تو علماء کرام نے ایمان کی اس قسم کے لیے اعمالِ صالحہ کو ایمان کا جزء قرار دیا ہے۔ مگر پھر بھی جو شخص اعمالِ صالحہ قصداً وعمداً ترک کرے اُن کے ہاں وہ کافر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ کامل ایمان کے لیے ضروری ہیں نفسِ ایمان کے لیے ــــ لہٰذا اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ صرف سطحی اور لفظی نزاع ہے حقیقت میں ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پنجگانہ کا تارک ہو یا کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو محدّثین کے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں، صرف فاسق وفاجر شمار ہوگا اور آخرت میں اپنے اعمالِ بد کی سزا پانے کے بعد نجات حاصل کرے گا۔ اگر محدثین حضرات کے ہاں اعمال نفسِ ایمان کا اجزاء ہوتے تو وہ ضرور اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج متصور کرتے اور اس پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے (جیسے خوارج نے کیا ہے) یا کم از کم اس کو ایمان وکفر کے درمیان رکھتے (جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے) اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ محدّثین کے ہاں بھی اعمال نفسِ ایمان کا جزء نہیں بلکہ ایمانِ کامل کا جزء ہیں، اس لئے کہ ایمان میں کمی بیشی اعمال ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

صورت مذکورہ کے مطابق ایمان کی زیادتی اور کمی کے بارے میں جو آیات مبارکہ اور احادیث پیش کی ہیں وہ سب ایمانِ کامل کے بارے میں ہیں ورنہ تصدیقِ قلبی جو کہ نفس ایمان ہے اس کے لیے قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کافی دلائل موجود ہیں ــــ مشہور مفسر قرآن علامہ قاضی بیضاویؒ نے سورۃ البقرہ کے شروع میں ہی ایمان کے بسیط ہونے کے کافی دلائل ذکر کیے ہیں، مثلاً: اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (الآیۃ)۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ۔ (الآیۃ) ــــ اور بسیط میں کمی یا زیادتی نہیں ہوتی اور یہ نفسِ ایمان ہے۔ اسی نفس ایمان ہی پر امام ابوحنیفہؒ کے اقوالِ ایمانی کا بیانِ جبریل!

المؤمنون مستوون فی الایمان محمول ہیں، اس لیے نفس ایمان تمام مؤمنین کا ایمان، اور ہر انسان کا ایمان اور بڑے سے بڑے فرشتے کا ایمان یکساں ہے اور وہ کمی بیشی قبول نہیں کرتا کیونکہ تصدیق مقولہ کیف سے عبارت ہے مقولہ کم سے نہیں، اور کیف میں شدت وضعف تو آتا ہے مگر کمی وزیادتی نہیں آتی۔ لہٰذا اچھے اعمال کرنے سے کامل ایمان میں زیادتی اور برے اعمال کے ارتکاب سے کامل ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے، لیکن جس ایمان پر نجات اُخروی کا مدار ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

ایمانی کایمانِ جبرئیل

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے ایک غیر مقلد ساتھی کا کہنا ہے کہ امام محمدؒ نے اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ کے قول ایمانی کایمان جبرئیل کو ناپسند فرمایا ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایسے الفاظ نہیں کہنے چاہئیں بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ امنتُ بما امن بہ جبرئیل۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مذکورہ قول کی مخالفت کی ہے؟ نیز یہ بھی فرمائیں کہ امام صاحبؒ کے قول ایمانی کایمان جبرئیل کا کیا مطلب ہے؟ کیا امام صاحبؒ کا ایمان حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ایمان کے برابر ہے؟

الجواب:۔ امام محمدؒ کے حوالہ سے یہ کہنا کہ اکرہ ان یقول ایمانی کایمان جبرئیل کے بجائے امنتُ بما امن بہ جبرئیل کہنا چاہیئے درست ہے لیکن بات غلط ہے کہ آپ نے اپنے استاد کی مخالفت کی ہے بلکہ آپ اپنے اس قول سے اس وہم کو دور کرنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی جمیع وجوہ سے اپنے ایمان کو حضرت جبرئیل کے ایمان سے تشبیہ دے اسلیے کہ کسی کا بھی ایمان انبیاء وملائکہ کے برابر نہیں ہے بلکہ دونوں کے ایمان میں فرق بیّن ہے، جیساکہ شارح فقہ اکبر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ومن ھنا قال الامام محمدؒ علی ما ذکرہ فی الخلاصۃ عنہ اکرہ ان یقول ایمانی کایمان جبرئیل علیہ السلام ولکن یقول امنت بما امن بہ جبرئیل علیہ السلام۔ انتھی۔ وذلك ان الاول یوھم ان ایمانہ کایمان جبرئیل علیہ السلام من جمیع الوجوہ ولیس الامر کذلك لما ھو الفرق البیّن بینھما ھنالك۔ (شرح فقہ اکبر ص ۸۷، ۸۸ الایمان لایزید ولاینقص) ——— جہاں تک امام صاحبؒ کے قول ایمانی کایمان جبرئیل علیہ السلام کا تعلق ہے تو اس کا مطلب بھی جمیع وجوہ سے تشبیہ دینا مقصود نہیں بلکہ نفس ایمان یعنی التصدیق بما جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مماثلت بیان کرنا ہے، ورنہ جمیع وجوہ میں کسی کا ایمان بھی انبیاءؑ وملائکہ کے مماثل وبرابر نہیں ہوسکتا، جس کے امام محمدؒ بھی قائل ہیں، وہ بھی بعض وجوہ میں دونوں کے ایمان میں مماثلت کے قائل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ائمہؒ کے اقوال میں کوئی مخالفت نہیں ——— مزید تفصیل کیلئے ملا علی قاریؒ کی کتاب "شرح فقہ اکبر" اور حضرت شیخ الہندؒ کی کتابیں "ادلۃ کاملۃ" اور "ایضاح الادلۃ" کا مطالعہ ضروری ہے۔

ظہور امام مہدی اور نزول عیسیٰؑ کے بارے میں فتویٰ

سوال ۔ جناب مفتی صاحب دوبارہ ظہور امام مہدی و نزول حضرت عیسیٰ ، علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حسب ذیل مسائل کے بارے میں اہل سنت والجماعۃ کے صحیح عقائد سے آگاہ فرمادیں ۔

(۱) کیا امام مہدی آخر الزمان حضرت حسینؓ کی اولاد سے ہوں گے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں ؟ احادیث نبویہ کی روشنی میں حضرت مہدی کے امام حسینؓ یا امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہونا بیان فرمادیں ۔

(۲) حضرت مہدی کب اور کہاں پیدا ہوں گے ان کا اسم مبارک اور ان کے والدین کے اسم مبارک ان کے بارہ میں آواز غیب اور جامع حالات مہدی و حضرت عیسیٰ علیہ السلام تحریر فرماویں ۔

(۳) نازل ہونے والے حضرت عیسیٰؑ سے عیسیٰؑ ابن مریم مراد ہیں یا کوئی اور عیسیٰ ؟ کیوں کہ آجکل کئی مسیح موعود بنے پھرتے ہیں لا مذہب حضرات یہ کہتے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدی و نزول عیسیٰؑ جو سنی حضرات بیان کرتے ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں بلکہ اصلی مہدی ابن حسن عسکری یا مرزا غلام احمد قادیانی ہے ؟ جواب سے مطلع فرمادیں ۔

الجواب : (۱) حضرت مہدی کا فاطمی اور خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونا احادیث قویہ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اکثر روایات میں حضرت مہدی کے بارہ میں رجلٌ من اھل بیتی (یعنی میرے خاندان اہل بیت میں سے ہوگا) اور من عترتی (میری اولاد میں سے) کے الفاظ موجود ہیں ترمذی شریف ج دوئم ص ۴۶ میں متعدد روایات ہیں جنہیں امام ترمذیؒ نے حدیث حسن صحیح کہا ہے نیز ابو داؤد کی روایت میں ہے ۔ عن ام سلمۃؓ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ یقول المھدی من عترتی من اولاد فاطمۃؓ (مشکوٰۃ جلد ۲ بروایت ابو داؤد شریف فرماتے ہیں کہ حضرت مہدی سید اور فاطمۃ الزہراؓ کے اولاد میں سے ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا کہ اس بارہ متعدد روایات وارد ہوئے ہیں وہ معنی حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں رہی یہ بات حضرت مہدی علیہ السلام والدہ اور والد ماجد دونوں جانبوں سے نجیب الطرفین سید ہوں گے والدین ایک سلسلہ حضرت امام حسنؓ اور ایک حضرت حسینؓ سے ہوگا جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی ہیثمی نے بھی یہی تصریح فرمائی ہے ۔

(جواب سوال (۲) حضرت مہدی کے اجمالی حالات) حضرت مہدی کے علامات ظہور ان کے حالات شکل و شباہت اور شمائل اور عادات احادیث نبویہ میں مفصلاً مذکور ہیں حضرت شاہ

رفیع الدین دہلوی "علامات قیامت" کے ضمن میں ان چیزوں کو بھی مفصل اور یکجا جمع کیا ہے اس رسالہ کی بنیاد آیات قرآنیہ اور مستند احادیث نبویہ پر ہے۔ یہاں ان کے رسالہ علامات قیامت سے اجمالاً مختصر حالات نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام مہدی کے ظہور کی علامت یہ ہوگی کہ اس سے قبل ماہ رمضان چاند اور سورج گرہن لگ چکے گا اور بیعت کے وقت آسمان سے ندا آئے گی ھذا خلیفۃ اللہ مھدی فاستمعوا لہ واطیعوا یہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے اس کا حکم سنو اور مانو اس آواز کو اس جگہ تمام خاص و عام سن لینگے حضرت امام سید اور اولاد فاطمہ کے ہونے کے آپ کا قد و قامت قدرے لمبا بدن چیرت رنگ کھلا ہوا اور چہرہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہہ ہوگا نیز آپ کے اخلاق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہونگے آپ کا اسم شریف محمد والدہ صاحبہ کا نام آمنہ ہوگا۔ زبان میں قدرے لکنت ہوگی جس کی وجہ سے تنگدل ہوکر کبھی کبھی ران پر ہاتھ مارتے ہوں گے آپ کا علم لدنی (خدا داد ہوگا) بیعت کے وقت عمر چالیس سال کی ہوگی خلافت کے مشہور ہونے پر مدینہ کی فوجیں آپ کے پاس مکہ معظمہ چلی آئے گی شام عراق اور یمن سے اولیاء کرام و ابدال عظام آپ کی مصاحبت میں اور ملک عرب کے بے انتہاء آدمی آپ کی افواج میں داخل ہو جائیں گے اور اس خزانہ کو جو کعبہ میں مدفون ہے جس کو تاج الکعبۃ کہتے ہیں نکال کر آسمانوں پر تقسیم فرمائیں گے (آگے مفصل حالات ہیں یہاں تک کہ دجال کے دمشق پہنچنے سے قبل) حضرت امام مہدی علیہ السلام دمشق آ چکے ہوں گے اور جنگ کی پوری تیاری اور ترتیب فوج کر چکے ہوں گے اور اسباب حرب و ضرب تقسیم کر چکے ہوں گے کہ موذن عصر کی اذان دے گا لوگ نماز کی تیاری میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ کیے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کی شرقی منارے جلوہ افروز ہو کر آواز دیں گے کہ سلم (سیڑھی لے آؤ) میں سیڑھی حاضر کی جائے گی آپ اس کے ذریعہ سے فروش ہوکر حضرت امام مہدی سے ملاقات فرمادیں گے امام مہدی نہایت تواضع اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آئیں گے (صحیح مسلم وغیرہ) اور فرمائیں گے یا نبی اللہ امامت کیجیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ امامت تم ہی کرو کیوں کہ تمہارے بعض بعض کے لیے امام ہیں اور یہ عزت اسی امت کو خدا نے دی ہے پس امام مہدی نماز پڑھائیں گے حضرت عیسیٰ ابن مریم اقتدا کریں گے (اس کے بعد دونوں اکٹھے رہ کر دجال کا مقابلہ کفر و ضلالت استیصال کریں گے) تمام زمین امام مہدی کے عدل و انصاف کے چمکاروں سے منور و روشن ہو جائے گی ظلم بے انصافی کی بیخ کنی ہوگی آپ کی عمر ۴۹ سال ہوگی بعد ازاں حضرت امام مہدی کا وصال ہو جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی جنازے

کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ آجائیں گے دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام چالیس سال رہے گا یہ تمام حالات صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے تفصیل کے لیے شاہ رفیع الدینؒ "کتاب علامات قیامت" دیکھئے واللہ اعلم!

جواب سوال ۳۔ اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ قیامت سے قبل عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے قرآن کے بے شمار نصوص قطعیہ سے یہ عقیدہ ثابت ہے اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں نزول عیسیٰ ابن مریم کے بارہ میں اس کثرت احادیث وارد ہوئی ہیں کہ علمائے اسے مستقل کتابوں میں جمع کیا ہے۔

حضرت علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اس موضوع پر عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح (مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) میں حیات مسیح و نزول عیسیٰ علیہ السلام کو محققانہ انداز سے ثابت کیا ہے کہ تمام روایات متعددہ اور احادیث معنی تواتر کے حد تک پہنچ گئی ہیں رہا یہ کہ عیسیٰ ابن مریمؑ ہیں کیا کوئی اور عیسیٰ تو اس بارہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث نزول عیسیٰ میں صرف ابن مریم کہہ کر ان دجالین اور کذابین کی جڑ کاٹ دی ہے عیسیٰ کا لفظ اکثر روایات میں ذکر ہی نہیں تاکہ کل کوئی دجال اس نام سے غلط فائدہ نہ لے سکے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور حدیث ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدی ابن لیوشکن ان ینزل ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبل احدٌ۔ (حدیث حسن صحیح مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۹ بحوالہ مسلم ترمذی جلد ۲ ص۴۶)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم رب کی قریب ہے کہ مریم کا بیٹا تم میں اتریں جو عادل و منصف فیصلہ کرنے والے ہیں صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر کے کفار سے جزیہ نہ قبول کرنے کے احکام صادر کریں گے مال و دولت کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

بخاری شریف مسلم شریف کی دوسری حدیث میں ہے۔

قال کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم۔

(متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۰)

اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارے امام (مہدی) تم ہی میں سے ہوں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔

قال فینزل عیسیٰ بن مریم (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم شریف)

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل عیسی بن مریمؑ الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمساً واربعین سنۃً ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا و عیسی بن مریم فی قبر واحدٍ بین ابی بکرؓ وعمرؓ (مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰؑ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم زمین میں نازل ہوں گے شادی کریں گے اور ان کی اولاد بھی پیدا ہوگی اور ۴۵ سال تک ٹھہریں گے پھر وفات پاکر میرے پہلو میں دفن ہوں گے پھر قیامت کے دن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکٹھے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے درمیان قبر سے اٹھیں گے۔

اس کے علاوہ کئی احادیث ہیں جن میں ابن مریم (مریم کے بیٹے) کی تصریح موجود ہے اور نزول عیسیٰ بن مریم کے بارہ از نزول تا آخر علامات بیان کئے گئے ہیں ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے اگر کوئی مسیح موعود یا مہدی آخرالزمان ہونے کا دعویٰ کرے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ علامات سے ہٹ کر کوئی شخص مہدی موعود یا نزول مسیح موعودؑ یا دجّال وغیرہ واقعات کے بارہ میں قیاس آرائیاں کرے تو اسے مجنون کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دینی چاہیئے۔

رہا امام بن حسن عسکری کا مہدی موعود ہونا اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں شیعوں نے ابتدائے خروج مہدی کے بارہ میں از خود ائمہ عظام اہل بیت کو منسوب کرا کر قیاس آرائیاں کی ہیں جو ہمیشہ غلط ثابت ہوئی ہیں شیعہ کتب میں مذکور ہے کہ

(۱) ائمہ نے ۷۰ھ میں خروج مہدی کا وعدہ کیا تھا مگر وہ پورا نہ ہوا (نصیحۃ الشیعۃ ج ۲ بحوالہ مافی شرح کافی

(۲) امام جعفر صادقؒ خود مہدی ہونے والے تھے مگر نہ ہوئے (نصیحۃ الشیعۃ ج ۲ ص ۲۳۸ بحوالہ کتاب الغیبت للطوسی)

(۳) امام موسیٰ کاظمؒ نے خروج مہدی کے لیے ۲۰۰ھ مقرر کیا تھا وہ بھی پورا نہ ہوا (ج ۲ ص ۲۳۸)

یہ روایات اور یہ خروج مہدی کے اوقات ائمہ کے نام پر شیعوں کی ارتداد سے روکنے کے لیے گھڑے جاتے رہے کہ مہدی کا وقت مقرر ہے اور بہت جلد آنے والے ہیں چنانچہ حسب روایات کتب شیعہ خود امام باقرؒ نے ان کی تردید و تکذیب کی ہے اصول کافی کی روایت ہے۔

عن الفضل بن يسار عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت لهذا الامر وقت فقال کذب الوقاتون کذب الوقاتون کذب الوقاتون۔

(نصیحۃ الشیعۃ ج ۲ ص ۲۳۸ بحوالہ اصول کافی ص ۲۳۲)

فضل بن یسار امام باقرؒ سے روایت کرتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ کیا اس امر (خروج مہدی) کے لیے کوئی وقت مقرر ہے امامؒ نے تین مرتبہ فرمایا کہ جھوٹ بولا تھا وقت مقرر کرنے والوں نے۔

(فقط واللہ اعلم)

حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے والے لوگ مسلمان تھے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا حضرت ابراہیمؑ کو ماننے والے لوگ یا آپ کی امت اسلام پر تھی یا نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ اُس وقت یا آج سے چودہ سو سال پہلے کے کافروں کو جو تھوڑا بہت دنیاوی فائدہ دے رہا ہے وہ مسلمانوں کے وسیلہ سے دے رہا ہے؟ کیونکہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۵ میں ہے:۔

(ترجمہ) "جب ابراہیمؑ نے کہا اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کی روزیاں دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا، یہ پہنچنے کی جگہ بُری ہے"۔

کیا مندرجہ بالا ترجمہ میں اللہ تعالیٰ کافروں کو جو تھوڑا بہت فائدہ دے رہا ہے وہ مسلمانوں کے وسیلہ سے ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں؟

الجواب:۔ جو لوگ جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ مومن مسلمان تھے اور جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے وہ کافر تھے۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ زمین پر جب تک اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا ایک انسان بھی موجود ہوگا قیامت نہ آئے گی۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ دنیا کے آباد رہنے کا مدار مسلمان ہی ہیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)

کیا قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

سوال:۔ قرآن کریم کی آیت فجزاؤہ جہنم خالدًا فیھا سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل مسلم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا، جبکہ احادیث شفاعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ اس تعارض کو کس طرح دور کیا جائے گا؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ مقتول کی موت اسی وقت مقدر تھی اس لیے قاتل پر مواخذہ نہیں ہوگا، جبکہ کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ بے گناہ قتل ہو جانے والا شہید ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مقتول کی موت اُسی وقت مقرر تھی تو وہ شہید کیسے ہوگیا اور قاتل کیونکر جہنم میں ڈالا جائے گا؟ اور اگر یہ قاتل پیش امام ہو تو اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آدمی اگرچہ بہت سے کبیرہ گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جائے لیکن جب وہ مؤمن ہو تو ضرور اللہ عزّ و جل کی مغفرت سے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم میں گناہوں کی سزا بھگتنے اور میعادِ سزا ختم ہو جانے کے بعد ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا اور ایمان کی بدولت ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا۔

اسی عقیدہ کے مطابق فجزاؤہٗ جھنم خالدًا فیھا کی توجیہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ ہے کہ قاتل ایک مدتِ دراز تک جہنم میں پڑا رہے گا، پھر نکال کر جہنم میں لایا جائے گا نہ یہ کہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ اسی توجیہ کے مطابق خلود سے مراد مکث طویل دیر تک رہنا ہے، یہ اسی وقت ممکن ہے کہ قتل مسلم حلال جان کر نہ کیا گیا ہو، اور اگر قاتل نے مقتول کو حلال جان کر قتل کیا ہو تو اس صورت میں قاتل بوجہ استحلال حرام قطعی کے کافر ہو کر ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ (اعاذنا اللہ منھا) اسی تقدیر کی بناء پر خلود سے دوام مراد ہوگا۔

علامہ حافظ جلال الدین السیوطیؒ، علامہ قاضیخانؒ، علامہ بیضاویؒ اور دیگر مفسرین اس کی تشریح فرما چکے ہیں، اب آیتِ کریمہ اور حدیثِ شفاعت میں مخالفت نہیں رہی ــــ باقی رہی یہ بات کہ علماء کہتے ہیں کہ مقتول کی موت اسی طرح مقدر تھی، تو یہ شہید کیسے ہوگیا اور قاتل جہنم میں جانے کا مستحق کیوں ہوگیا؟ تو اس کے جواب کو سمجھنے کے لیے چاہیئے کہ مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ فرمائی جائے:۔

(الف) ایک مسلمان اگر یہ چاہے کہ میں دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے دربار میں ایسی حالت میں حاضر ہوں کہ میرے پاس ایمان کی دولت ہو تو اس کے لیے سب سے پہلے اس چیز کی ضرورت

ہے کہ وہ اپنے ایمان اور عقائد کی بنیاد صرف اور صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور احکام پر رکھے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے جو حکم ملے تو بلا چون و چرا اسے اعتقاداً تسلیم کرے اور دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کرے اور عملاً اس کا پابند رہنے کی کوشش کرے، رہی اسرار اور ... حکم کی تلاش، تو یہ اگرچہ اچھا کام ہے مگر صرف مزید اطمینانِ قلبی کے لیے ہے نہ کہ اصل ایمان کے لیے، تو اگر کسی حکم خداوندی کی رمز اور حکمت سمجھ میں نہ آئے تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ اس میں فی الواقع کوئی حکمت اور مصلحت ہے ہی نہیں بلکہ ہمارے عقل کی رسائی اس حکمت تک نہیں ہوئی ہے۔

(ب) دنیا میں جتنے بھی نظام پہلے گذر چکے ہیں یا اس وقت روئے زمین پر قائم ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نظام نہیں کہ اس کے لیے قوانین اور ان کی پابندی اور ان کی خلاف ورزی کرنے پر سزا اور جزاء دینے کے اصول نہ ہوں، بلکہ ہر نظام کی کامیابی کے لیے قوانین اور اصول ہوتے ہیں، جو ان کی پابندی اور احترام کرتا ہے اسے اچھا بدلہ ملتا ہے اور جو ان کی خلاف ورزی کرتا ہے اسے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔

(ج) کسی نظام کو چلانے والے (اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو) قوانین کے مطابق سزا دیتے ہیں تو کوئی عقلمند انسان اُن کے اس فعل کو قابلِ اعتراض نہیں سمجھتا ہے اور نہ اس بات میں تردّد ظاہر کرتا ہے کہ کیوں اس طرح ہوا جبکہ جرم ثابت شدہ اور عیاں ہو چکا ہو ـــ اگرچہ یہ سب کچھ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

اب اصل جواب یہ ہے کہ دینِ اسلام اور شریعتِ محمدی ایک الٰہی نظام ہے، اس نظام کے اصولوں اور قواعد و ضوابط کی پابندی بندوں پر اس لیے لازم کر دی گئی ہے کہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔ لیکن یہ بات ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں سوچنے سمجھنے اور جاننے کی توفیق عطا فرما رکھی ہے، بھلائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت دی ہے، انتخاب اور ارادے کی آزادی عطا فرمائی ہے، تصرّف کے اختیارات بخشے ہیں، ہمیں اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے کہ جس نے بھی اپنے اختیار اور ارادے سے نظامِ الٰہی کے اصولوں سے انحراف یا خلاف ورزی کی اُسے سزا ضرور ملے گی اور جس نے الٰہی نظام کے اصولوں کی پابندی کی اُسے انعام ملے گا ـــ قاتل نے چونکہ الٰہی احکام کی خلاف ورزی باختیارِ خود کی ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ اس پر سزا کا بھی مستحق ہو، مقتول سے خلاف ورزی سرزد نہیں ہوتی ہے بلکہ

قانون کا پابند رہا، وہ جذبۂ انتقام کے انتہائی جوش کے وقت میں جبراً اختیار کر کے پامردی دکھائی اس لیے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ تعالٰے کے فضل و کرم سے شہادت کا درجہ نصیب ہو اور یہی عین عدل اور انصاف کا تقاضا بھی ہے، اسی طرف اشارہ ہے اس آیتِ کریمہ میں:
أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ۔ (سورۃ ـــــ)

باقی رہی یہ بات کہ اگر قاتل امام مسجد ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں عرض ہے کہ اگر کوئی دوسرا صالح امام نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔

قیامت کے دن توبہ تائب شخص کا بھی حساب کتاب ہوگا

سوال:۔ ایک شخص صغائر و کبائر کا مرتکب ہوتا رہا کہ آخر میں اس نے توبہ کر لی، حقوق العباد جو اس کے ذمے لازم تھے ان کو ادا کیا یا معاف کرائے، حقوق اللہ کی اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی طلب کی اور خوب خلوص اور صدقِ دل سے گناہوں سے توبہ تائب ہوا، توبہ کے بعد موت تک اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہ ہوا، حالتِ نزع میں اس کی زبان پر کلمۂ شہادت بھی جاری ہوا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا قیامت کے دن اس شخص کا بھی حساب و کتاب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۝ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝ (سورۃ الانشقاق ۷ تا ۱۱)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سب کا حساب و کتاب ہوگا چاہے وہ ولی کامل ہو یا فاسق و فاجر کی، اس نے موت سے قبل توبہ و استغفار کیا ہو یا بغیر توبہ کے اس کی موت واقع ہوئی ہو، مگر ان کے حساب و کتاب میں فرق ہوگا، نیک لوگوں کا حساب و کتاب صرف بطور پیشی ہوگا، ان کا حساب آسان ہوگا، ان سے بازپرس محبت کی بناء پر ہوگی۔ جبکہ فسّاق و فجّار اور کفّار کا محاسبہ بصورتِ مناقشہ ہوگا جو باعثِ کلفت و ہلاکت ہے ـــــ حدیث شریف میں ہے: فان من نوقش هلك (الحدیث) یعنی جس کا مناقشہ ہوا وہ ہلاک ہوا ـــــ لہٰذا توبہ و تائب شخص کا بھی حساب و کتاب ہوگا مگر برائے ہلاکت و کلفت نہیں بلکہ محبت کے طور پر ہوگا۔

آسمان اور چاند کی تحقیق

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں کہ:-
(۱) آسمان ٹھوس جسامت رکھتا ہے یا صرف قدرتی طور پر پردے ہیں ؟
(۲) یہ کہ چاند آسمان کے وسط میں واقع ہے یا اس سے باہر فضا میں معلق ہے ؟
(۳) حدیث کی رُو سے معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو دروازے کھولے گئے تھے وہ نورانی دروازے تھے یا ٹھوس مادہ کے بنے ہوئے تھے ؟
(۴) یہ کہ قرآن و سنت کی رُو سے کسی مادی چیز کا سائنسی آلات کے ذریعے چاند یا مریخ تک پہنچنا ممکن ہے یا نہیں ؟
امید ہے کہ آپ اس بارہ میں ہمارے شکوک قرآن و سنت اور ائمہ فقہاء کی آراء کی روشنی میں رفع فرمائیں گے ؟

الجواب :- آپ کے سوال کا ترتیب وار جواب حاضر ہے جو کہ امید ہے آپ کی تشفی کا باعث ہوگا :-

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۔" اور چنی ہم نے تم سے اوپر سات چنائی مضبوط "، یعنی سات آسمان بہت مضبوط بنائے جن میں آج تک اس قدر مدت گذرنے کے باوجود کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۔" یعنی قیامت کے دن آسمان پھٹ کر ایسا ہو جائے گا گویا دروازے ہی دروازے ہیں "۔ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ ۔" اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے "۔ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۔" اور جب آسمان کا پوست اتار لیں "۔ یعنی جیسے جانور کا بعد ذبح کے پوست اتار لیتے ہیں تو اس کے تمام اعضاء اور رگ و ریشے ظاہر ہو جاتے ہیں، اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اندر کی چیزیں نظر آئیں گی۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ " جب آسمان پھٹ جائے "۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ " جب آسمان چر جائے، پھٹ جائے "۔ وغیر ذلک من الآیت مثل وجعلنا السماء سقفًا محفوظًا ــــــ یہ اور اس قسم کی دوسری آیات قرآنیہ کو جب مفسرین کی تحقیقات اور نصوصِ حدیثیہ کی تشریحات کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ٹھوس جسامت رکھتا ہے اور صرف قدرتی پردے نہیں ہیں، کیونکہ جو صفات مذکورہ آیات میں آسمان کے متعلق بیان کی گئی ہیں مثلاً انشقاق، انفطار، فتح ابواب، شدت، سقف

محفوظ وغیرہ ایسی صفات ہیں جو ایک ٹھوس جسامت رکھنے والی چیز ہی میں ہو سکتی ہیں۔ اس حقیقت کی بناء پر معراج کی رات کو حدیث کی رُو سے جو دروازے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھولے گئے تھے وہ ٹھوس مادہ کے ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ نورانی دروازے۔

(۲) چاند اور سورج دو سیارے ہیں، کل ستارے فضاء میں شرعی نقطہ نظر سے معلق ہیں یعنی بین السماء والارض ہیں۔ آسمان میں ایک بھی ستارہ نہیں ہے، یہ سلف کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۵۱ پر سورۃ التکویر کی تفسیر میں منقول ہے:
النجوم قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من نور بايدى الملٰئكة۔
جدید فلاسفہ کا قول بھی اس کے نزدیک ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں مگر وہ جذب کے قائل ہیں، نور کی زنجیروں کے قائل نہیں۔ ويقرب منه قول الفلاسفة الجديدة لكن بالجذب ـــــ
اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے استاذ عطاء ابن رباحؒ کا بھی یہی قول ہے ـــ علامہ آلوسیؒ نے سورۂ طلاق کی تفسیر میں ومن الارض مثلهن کے تحت میں لکھا ہے: ولم يقم دليل على ان شيئًا من الكواكب مغروز فى شىءٍ من السمٰوٰت كالفص فى الخاتم والمسمار فى اللوح ـــ اس جگہ علامہ آلوسیؒ نے اسرائیلی روایات کی تردید بھی کی ہے اور فرمایا ہے۔ نعم اكثر الاخبار فى امر السمٰوٰت والارض لا يعول عليها اشار اليه النسفى فى بحر الكلام۔

باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمان میں ہونا مترشح ہوتا ہے اسکی تردید "روح المعانی" کی جلد ۱۷، ۱۸، ۳۰ میں موجود ہے۔ علامہ آلوسیؒ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ٥ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قال اكثر المفسرين هو موج مكفوف تحت السمآء تجرى فيه الشمس والقمر وقال الضحاك هو ليس بجسم بل مدار هٰذه النجوم۔ گویا اکثر مفسرین اسلام محلِ کواکب کو جس میں شمس وقمر گردش کرتے ہیں تحت السمآء تسلیم کرتے ہیں نہ کہ فی السمآء (آسمان کے نیچے نہ کہ آسمان میں)۔

(۳) روس وامریکہ کے خلائی تسخیر کے حالیہ کارناموں سے اسلامی تعلیمات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا، اس کا اگر کچھ اثر پڑے گا تو یونانی علم الفلک اور ہیئت بطلیموس پر یا پھر اسرائیلی روایاتِ مختلفہ پر پڑے گا۔ اب تک تو چاند، مریخ وزہرہ پر پہنچنے کی سعی جاری ہے لیکن اگر تمام کواکب تک رسائی ہو جو مستبعد ہے تو بھی اسلامی تحقیق پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ـــــ

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی (رحمہ اللہ) ڈاکٹر ٹنڈل کا قول جو اس نے "جغرافیہ عالم" میں لکھا ہے، نقل کرتے ہیں کہ خورد بینوں کے ذریعے جو ستارے نظر آسکتے ہیں ان کی تعداد سات ارب ہے، اور جو کسی صورت میں بھی نظر نہیں آتے اُن کی تعداد شمار سے باہر ہے، تاہم اگر ان سب ستاروں کی طرف رسائی ہو جائے تو بھی آسمان تک رسائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۴) سائنسی آلات کی بدولت چاند اور مریخ تک پہنچنے کی سعی جاری ہے مگر مستبعد ہے۔ (و اللہ اعلم)

خلائی سفر کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! قرآن و حدیث کی روشنی میں سورج اور چاند تک جانا ممکن ہے یا نہیں؟ اور ایک مسلمان کا اس کے بارے میں کیا عقیدہ ہونا چاہیئے؟

الجواب:۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ انسان کے لیے سورج اور چاند پر چڑھنا ممکن ہے اور اس سے قرآن و حدیث اور حکمتِ ایمانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ حکمتِ یونانی پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اس عقیدہ پر بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اختصار کی وجہ سے یہاں صرف تین دلائل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہلِ اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ وہ آسمان پر جسدِ عنصری کے ساتھ اٹھائے گئے ہیں اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث اور اقوالِ سلف اور اجماعِ امت سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ تو اگر خلائی سفر ناممکن ہوتا تو عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف نہ اٹھایا جاتا۔

(۲) خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کو جسدِ اطہر کے ساتھ آسمانوں کی طرف اٹھائے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی بلند مقام تک پہنچائے گئے، قرآنِ کریم اور ذخیرۂ احادیث سے یہ امر بخوبی واضح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خلائی سفر انسان کے لیے اگرچہ خلافِ عادت ہے لیکن خلافِ شریعت نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وان كان كبر عليك اعراضهم فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نفقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ۔ (سورۃ الانعام ع ۴) "اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ کافر مسلمان ہو جائیں تو آپ خود اس کا انتظام کیجئے اور اسباب کو مہیا کر کے ان کے ذریعے سے زمین یا آسمان میں جا کر کوئی فرمائشی معجزہ لے آئیے اگر

آپ کو قدرت ہو"۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں معجزہ کے غیر اختیاری ہونے اور تسلّی دینے کے ضمن میں زمین کے اندر جانے اور آسمان پر چڑھنے کے اسباب کے ممکن ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے، لہٰذا یہ کوئی ناممکن چیز نہیں ہے بلکہ ممکن اور رشدنی امر ہے۔

قرآن وحدیث کی رُو سے مسلمان اور کافر میں یہ فرق موجود ہے کہ کافر کی رُوح خواہ جسم کے ساتھ ہو یا جسم کے بغیر آسمان تک جا سکتی ہے لیکن آسمان پر چڑھ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ۔ (الاعراف ع ۵ ۸) "جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور بوجہ تکبّر اس سے اعراض کرتے ہیں ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر نہ چلا جائے"۔

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: فیستفتح له فلا یفتح ثم قرء الاٰیة المذکورة ثم تطرح روحه۔ رواہ احمد (مشکوٰۃ ص ۱۵۶) "کافر کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھولنے کا مطالبہ کیا جائے گا تو اس کے لیے نہ کھولا جائے گا اور اسے پھینک دیا جائے گا"۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ معراج کی رات پیغمبر اسلام نے آسمانِ اوّل میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کے وقت انہیں ایک عجیب حالت میں پایا وہ یہ کہ اُن کے دائیں بائیں کچھ لوگ نظر آتے تھے، تو جب حضرت آدم علیہ السلام دائیں طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو رو پڑتے، آپؐ کے استفسار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے متعلق فرمایا کہ: "یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، دائیں طرف جنتی ہیں اور بائیں طرف دوزخی ہیں"۔ تو سوال یہ ہے کہ دوزخی اور کافر کس طرح آسمان میں نظر آئے؟ حالانکہ کافروں کے ارواح اور اجسام آسمان پر نہیں چڑھ سکتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اُن ارواح کے آسمان میں نہ چڑھنے کا ذکر ہے جو کہ اجسام میں داخل ہو چکے ہیں، جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وہ ارواح تھے جو کہ ابھی جسموں میں داخل نہیں کیے گئے تھے اور ابھی تک ان سے کفر کا ظہور نہ ہوا تھا۔ اور دوسرا

جواب یہ ہے کہ بعض ارواح اس وقت زمین پر اجسام میں تھے اور بعض ارواح سجین میں تھے اور بعض اُس جگہ میں تھے جو کہ جسم کے ساتھ تعلق سے پہلے ان کا مستقر ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف کی وجہ سے قریب اور آسمان میں دکھائے گئے۔

صعود شمس و قمر | قرآن و حدیث میں سورج اور چاند کے مقام کے متعلق سکوت ہے۔ اور کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ؕ (سورۃ یٰس ع ۔) سے یہ فہم نہ کیا جائے کہ یہ آسمان میں ہیں، کیونکہ فلک گول چیز کو کہتے ہیں، اور شمس و قمر کی حرکت چونکہ مستدیر ہے اس لیے اس کے مدار کو فلک فرمایا خواہ وہ آسمان ہو یا وہ فضا جو دو آسمانوں کے درمیان ہے، یا وہ فضا جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے، اور یا آسمان کی تختی ہو، سلف صالحین سے تفسیر درمنثور وغیرہ میں مختلف تفسیریں منقول ہیں۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ آیت کریمہ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ؕ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ وقال اکثر المفسرین ھو موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر " اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان تلے موج مکفوف ہے جس میں سورج اور چاند اپنی گردش کرتا ہے"۔

البتہ یونانی حکماء کہتے ہیں کہ چاند پہلے آسمان میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے۔ اب اگر کوئی کافر انسان چاند یا سورج میں گیا ہے تو قرآن و حدیث کے تقاضا کے موافق ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ چاند اور سورج آسمان سے نیچے ہیں اور یونانی حکماء کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ چاند اور سورج آسمان میں ہیں ورنہ کافر اس تک نہ جاسکتے، بہرحال اس کا اثر حکمتِ ایمانی پر نہیں پڑے گا بلکہ حکمتِ یونانی پر پڑے گا۔

بعث ارباب عروج | سورج اور چاند میں پہنچنے کے بعد اگر کوئی وہاں مر جائے تو اس کے متعلق قرآن پاک کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بدن کے تمام اجزاء یا بعض زمین کو نفخ ثانی سے پہلے (دنیا میں یا قیامت میں نفخ اول کے بعد) پہنچیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی (سورۃ طٰہٰ ع ۳) ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:۔

(۱) زید دوانِ تقریر یہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان بت فروش اور بت پرست تھا، اس پر عمرو نے فوراً اعتراض کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان توحید پرست تھا۔ تو کیا زید حق پر ہے یا عمرو؟

(۲) عمرو کا بیان ہے کہ آذر لفظ لغت میں خدا پرست کو کہتے ہیں، کیا عمرو کا یہ بیان صحیح ہے؟

(۳) لابیہ آزر، اَبْ سے مراد چچا یا کوئی اور لواحق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) کیا قرآن کریم میں کہیں لفظ اَبْ بول کر اس سے مراد چچا لیا ہے یا نہیں؟۔۔۔ ان تمام مسائل کا تحقیقی جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ (۱) قرآنِ کریم اس کا شاہد ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مشرک اور بُت پرست تھے اور ان کا سارا خاندان اس وقت بُت پرست تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بابل اور عراق چھوڑ کر شام کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ صرف حضرت لُوط علیہ السلام جو ہارون کے بیٹے تھے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع ہو کر ان کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی۔ اور پھر حضرت لُوط علیہ السلام سدوم کے علاقے کی طرف مبعوث فرمائے گئے، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: واذ قال ابراهيم لابيه آزر اتتخذ اصناما آلهة انی اراك وقومك فی ضلٰلٍ مبین ٥ (سورۃ مریم)

آیتِ کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا اور وہ اور اس کی قوم گمراہ تھی کیونکہ اس (قوم) نے حق کو چھوڑ کر شرک وبُت پرستی کا راستہ اختیار کر رکھا تھا۔۔۔ علماء انساب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام "تارخ" لکھا ہے، ممکن ہے "تارخ" نام اور "آذر" لقب ہو۔۔۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مجاہدؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ "آزر" ایک بُت کا نام تھا، ہو سکتا ہے کہ اس بت کی خدمت میں زیادہ رہنے کی وجہ سے خود ان کا لقب بھی آزر پڑ گیا ہو۔۔۔ آزر کا معنیٰ خدا پرست ہم نے کسی لغت میں نہیں دیکھا اور اگر بالفرض آزر کا معنیٰ خدا پرست بھی ہو جائے، تو چونکہ وہ بھی (آزر اور اس کی قوم) اپنے آپ کو خدا پرست سمجھتے تھے، باطل معبودوں کو خدائی کا درجہ دے کر خدائی صفات اور اختیارات ان کے سپرد کر رکھے تھے، اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو خدا پرست کہتے تھے، لیکن

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ موحد بھی تھا جبکہ قرآنی نصوص اس کی بت پرستی اور شرک کو ظاہر کرتے ہیں۔ اِنّیٓ اراك وقومك فی ضللٍ مبین ٥

اس سے صریح اور صاف گواہی کیا ہوگی کہ اشرف المخلوقات انسان اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سربسجود ہو جائے اور ان سے مرادیں مانگنا شروع کر دے۔ میرے نزدیک تو اس مسئلہ میں زید حق پر ہے۔

(۲) سوال ۱ کے جواب میں اس کا جواب بھی ہوگیا کہ آزر کا معنیٰ لغت میں خداپرست ہم نے نہیں دیکھا بلکہ آزر ایک بت کا نام تھا، اور بقول مجاہدؒ اگر اس کا معنیٰ خداپرست ہو بھی جائے تو اس سے اُس کا توحید پرست ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) اَبْ کا اطلاق مجازاً چچا پر ہوسکتا ہے مگر اس کے لیے قرینہ ہونا چاہیئے کہ یہاں اَبْ سے اپنا حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہے، جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ؟ تو بیٹوں نے جواب میں کہا: نعبد الٰھك والٰہ اٰبائك ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰھًا وّاحدًا۔ تو یہاں اسمٰعیل علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے حالانکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے کیونکہ قرآنِ کریم سے یہ ثابت ہے کہ اسمٰعیلؑ اور اسحٰق علیہ السلام دونوں بھائی تھے اور یعقوبؑ اسحٰقؑ کے بیٹے تھے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام علماءِ انساب نے "تارخ" لکھا ہے اور جسے قرآنِ کریم نے آزر کے نام یا لقب سے یاد کیا ہے لیکن یہ کہیں تصریح نہیں کہ "تارخ" اور "آزر" کسی تیسرے شخص کے بیٹے تھے۔ سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت کے بعد اب سورۃ توبہ پارہ ۹ کی آیت ملاحظہ فرمائیں: جو لوگ "آزر" کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی یہ تمامتر کوشش صرف اس لیے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ موحد تھے مشرک نہ تھے اور "آزر" کو قرآنِ کریم نے مشرک کہا ہے اس لیے وہ دوسرے شخص تھے، مگر ان کی یہ کوشش ناکام ہے کیونکہ قرآنِ کریم خود تصریح کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ مشرک تھا۔ وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبیّن لہٗ انہٗ عدوٌّ للہ تبرّأ منہ۔ (الآیۃ)

سورۃ مریم میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے قبولِ حق سے اعراض کیا ور ضد و عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قتل کی دھمکیاں دینے لگا تو آپؑ نے والدین کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا: سَلَامٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ

بِیْ حَفِیًّا ۔ یعنی میں خدا سے تیرے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ اس وعدہ کے موافق آپ برابر استغفار کرتے رہے، چنانچہ دوسری جگہ واغفر لابی فرمانے کی تصریح موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مشرک حالتِ شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے، نہیں! بلکہ غرض یہ تھی کہ اللہ اس کو توفیق دے کہ حالتِ شرک سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آ جائے اور قبولِ اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہؓ کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں۔ اس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بناء پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لیے استغفار کیا جب تک آپؑ پر یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر ہی مرنا ہے، کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ شاید توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور بخشا جائے، پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے معاملہ صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعا و استغفار ترک کر دیا۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ خداوندا تیرا وعدہ ہے کہ تو مجھے رسوا نہیں کرے گا مگر اس سے بڑی رسوائی کیا ہو گی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے! اسی وقت آپؑ کے باپ کی صورت مسخ ہو کر ضبع (کفتار) کی سی ہو جائے گی اور فرشتے گھسیٹ کر اسے جہنم میں ڈال دیں گے۔

(تفسیر رفیع الشان)

فہم کامل اور عقلِ سلیم رکھنے والے حضرات خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ حشر ایک مشرک کا ہوتا ہے یا موحد کا؟ اتنا جواب شافی ہو گا۔ (فقط واللہ اعلم)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بت خانوں میں جا کر تبلیغ کرنے کا حکم ہوا تھا؟

سوال: محترم المقام جناب مفتی صاحب! ایک شخص جو کہ امام مسجد ہے اور اپنے آپ کو قطب زمان، ولی اللہ اور بہت بڑا عالمِ دین بھی کہتا ہے۔ ایک دن مسجد میں ظہر کی سنت ادا کرنے کے بعد کہنے لگا کہ آجکل جو آدمی جدھر لگ گیا بس ادھر ہی لگا ہوا ہے، دوسری طرف دھیان ہی نہیں، جو نماز پڑھتا ہے وہ صرف نماز ہی میں مشغول ہے اسے دنیا کی کوئی خبر نہیں۔ کوئی روزے رکھے جا رہا ہے

اسے اورکسی چیز کا پتہ نہیں، کوئی نوکری کر رہا ہے اور وہ اپنے ہی حال میں مست ہے، اُسے باقی باقی دنیا کی فکر نہیں۔ چاہیئے تو یہ کہ ہم مندروں، گُردواروں اور گرجا گھروں میں جاکر ہر چیز کی تہہ کو تلاش کریں، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ آپ گُردواروں، مندروں اور بُت خانوں میں جایا کریں۔ مسجد میں چند نمازی موجود تھے، ان میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم جو اس نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا قرآنِ حکیم ثابت کر سکتے ہیں؟ تو اس پر امام صاحب بڑے ناراض ہوئے دوسرے دن اپنی اس بات پر پردہ ڈالنے اور چھپانے کے لیے لوگوں کے سامنے کہنے لگے کہ یہ راز و نیاز کی باتیں ہیں ہر ایک آدمی ان کو سمجھ سکتا، میری کل کی گفتگو کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بُت خانوں میں جاکر بُتوں کو توڑنے کا حکم دیا تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت خانے میں جاکر بُت توڑے تھے، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں بُتوں کو نام لے لے کر توڑا تھا ——— اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:-

(۱) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُت خانوں میں جانے کا حکم دیا تھا؟

(۲) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُت خانوں میں جاکر بُت توڑنے کا حکم دیا تھا؟ اگر اللہ تعالےٰ نے ایسا کوئی دیا ہو تو قرآنِ کریم کی سورۃ، رکوع اور آیت کا حوالہ قلمبند کریں؟

(۳) کیا ایسے امام مفتری جو اللہ تعالیٰ (امام مذکور کو توبہ واستغفار کے لیے بھی کہا گیا لیکن اس نے طرف کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ توبہ کی) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھے، کے پیچھے بغیر توبہ کیے نماز پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

مزید تشریح

(۱) مذکورہ امام مسجد اور بھی کئی من گھڑت قصے کہانیاں مسجد میں بیٹھ کر سناتے ہیں، ایک دفعہ انہوں نے اپنا ایک ذاتی قصہ سنایا کہ ایک دفعہ میں ایک صاحبِ کشف کے پاس گیا اور کہا کہ میری تمنا ہے کہ میں بھی آپ جیسا ہو جاؤں، انہوں نے کہا کہ میاں اس میں بڑی مشکلات ہیں اور کئی چیزوں کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے، جواباً میں نے ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرنے اور قربانی دینے کا اقرار کیا، انہوں نے کہا کہ اچھا تو سب سے پہلے تمہیں داڑھی صاف کرنی اور نماز چھوڑنی پڑے گی، بادلِ نخواستہ میں نے

ہاں کر دی، نماز تو اُسی وقت چھوڑ دی اور ماتھے پر تلک بھی لگا لیا اور حجام کو بلا کر داڑھی صاف کرانے کے لیے اس کے سامنے بیٹھ گیا، جونہی حجام نے اُسترا میرے منہ پر رکھا تو مجھے تمام باطنی چیزیں آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگیں۔ میں گھر سے بہت دُور اور گھر والوں سے چوری گیا تھا اور کسی کو میرا پتہ تک نہیں تھا کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے اور گھر والے مجھے تلاش کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ میرا بھائی اور ایک دوسرا آدمی مجھے تلاش کرتے کرتے تھک ہار کر ایک ہوٹل میں بیٹھ گئے ہیں۔

(۲) ایک دوسرے موقع پر مسجد میں بیٹھے مولانا رومؒ کا ذکر کرنے لگے کہ مولانا رومؒ ایک دفعہ حضرت شاہ شمس تبریزؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اے صاحب باکرامت مجھے آپ اپنے رنگ میں رنگ دیں، یعنی اپنے جیسا بنا دیں، حضرت شمس تبریزؒ نے کہا کہ میاں تیری منزل دُور ہے، اسے چھوڑنا پڑے گا، مولانا رومؒ نے منظور کیا تو انہوں نے اور باتوں کے علاوہ نماز چھوڑنے کو بھی کہا۔ مولانا رُومؒ گھر آئے اور سوچنا شروع کیا کہ ایک طرف تو اللہ تعالےٰ کا حکم ہے اور دوسری طرف پیر و مُرشد کا حکم ہے، آخر یہ فیصلہ کیا کہ چلو فرض پڑھ لیتا ہوں جو خدا کا حکم ہے اور سُنتیں چھوڑ دیتا ہوں، اور ایسے ہی صرف فرض ادا کر کے سو گئے، خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور بہت سخت ناراض ہو کر فرمایا کہ تُو نے خدا کے فرض تو پڑھ لیے اور میری سنتیں چھوڑ دیں؟ صبح مولانا رومؒ اُٹھے اور مُرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا، مُرشد نے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی کبھی تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی ہے؟ مولاناؒ نے جواب نفی میں دیا، اس پر مُرشد کہنے لگے کہ بے شک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم غصّے میں تھے لیکن زیارت تو ہو گئی، اگر تُو فرض بھی نہ پڑھتا تو خدا کا دیدار بھی ہو جاتا۔ اس کے بعد مذکورہ امام صاحب نے مولانا رُومؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

مولوی ہرگز نہ شُد مولائے رُوم
تا غلام شمس تبریزی نہ شُد

اس کے بعد امام کہنے لگے کہ نماز میں کیا رکھا ہے، خدا نماز پڑھنے سے نہیں ملتا، خدا کے ملنے کے اور طریقے ہیں۔ اس قسم کے اور بھی کئی قصّے اکثر سناتے رہتے ہیں جن میں سے دو بطور تمثیل پیش کر دیئے ہیں۔

(۳) علاوہ ازیں امام مذکورہ خود صبح کی نماز پڑھنے کبھی مسجد میں تشریف نہیں لاتے، گھر پر

پڑھ لیتے ہوں تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ صبح مسجد میں آکر نماز پڑھایا کریں تو کہتے ہیں کہ تم لوگوں کو کیا پتہ ! اگر میں صبح کی نماز پڑھانے کے لیے سویرے اٹھوں تو نہ معلوم میرے اوپر کیا کیا آفت آتی ہے۔

(۴) مذکورہ امام صاحب بینجو (جو کہ ساز بجانے کا ایک آلہ ہے) بڑے شوق سے بجاتے ہیں اور جب اس کی دُھن میں مَست ہو جاتے ہیں تو پاس بیٹھے ہوئے آدمیوں سے کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کچھ مانگنا ہے تو مانگ لے۔ راقم الحروف کی رائے میں گویا وہ صبح کی نماز کو نحوست اور یہاں (نعوذ باللہ) خدائی دعویٰ کر کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو منہ مانگی مرادیں دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا قصّے کہانیوں کی روشنی میں علمائے کرام اس امام کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ نیز ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور جو نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں اُن کا لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب : جامعہ اشرفیہ لاہور کا جواب | (۱) جو خود کہا کرتا ہے وہ ہوتا نہیں ہو ایسا ہوتا ہے وہ کبھی کہا نہیں کرتا بلکہ خود کو حقیر تر سمجھا کرتا ہے، کہنا ہی دلیل ہے کہ کچھ نہیں ہے، غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

(۲) نہیں! نہ تلاش کرنے کا اس کو حکم ہو سکتا ہے، جس کو بتائی نہ گئی ہو۔

(۳) شریعت میں ہر گناہ و کفر کو مٹانے کا حکم ہے، اس میں بُت بھی ہیں، جس قدر قدرت ہو، وہاں جانے کا نہیں۔ مگر امام کی کم علمی پر اس قدر چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں سمجھانے کی ضرورت ہے، یہ زیادہ مفید ہوگا۔

(۴) مندروں وغیرہ میں ہر چیز کی تہہ تلاش کرنا کئی وجہ سے ہو سکتا ہے، اس لیے یہ کلمۂ کفریہ بننے سے نکل سکتا ہے، اس سے ترغیب کفریہ باتوں کی ہوتی ہے، اس لیے گناہ ضروری اور آگے روز کی تاویل گویا مثل رجوع کے ہے۔ مگر صاف لفظوں میں توبہ کرنی چاہیئے اس کو بار بار، ان سے کہا جائے ورنہ اس کو بھی کافی قرار دیں اگر ادریاتیں ان میں نہ ہوں ـــــ دوسرے کاغذ سے معلوم ہوا کہ خطرناک اور لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں، فاسق ہیں، ان کی امامت مکروہ ہے، ان کو فوراً امامت سے الگ کر دینا چاہیئے بشرطیکہ مذکورہ باتیں صحیح ہوں۔

کتبہٗ : جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور، ۱۲/۱۷/۱۳۸۴ھ

مُہر : دار الافتاء ۱۳۶۶ھ جامعہ اشرفیہ لاہور

دارالعلوم کراچی کا جواب | جواب صحیح ۔ یہ شخص پرلے درجے کا فاسق مفتری کذاب ہے، جھوٹی روایات اور قصے بیان کرتا ہے جو لوگوں کو بد دین اور گمراہ کرنے والے ہیں، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کو امام بنانا درست نہیں اور اس کے پیچھے نمازیں نہ پڑھیں، فورًا اس کو امامت سے علیحدہ کر کے اس کی بجائے کسی متقی صحیح العقیدہ، مسائل امامت و نماز کے واقف کار شخص کو امام مقرر کریں، اور جو نمازیں اس امام کے پیچھے پڑھ لیں ان کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ۔ واللہ اعلم

مہر

مورخہ ۴/۱/۸۵ھ

دارالافتاء

دارالعلوم کراچی ۱۴

اسلامی جمہوریہ پاکستان

احقر العباد محمد صابر نائب مفتی دارالعلوم کراچی ۱۴ (۱/۱/۱۳۸۵ھ)

الجواب صحیح

بندہ محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی ۱۴ (۲/۱/۱۳۸۵ھ)

دارالعلوم حقانیہ کا جواب | الجواب صحیح ــــ واقعی یہ شخص انتہائی دروغ گو ہے اور اپنی دروغ گوئی سے لوگوں کو گمراہ اور بے دین کرنے والا ہے، ایسے قصے اور کہانیاں بیان کرتا ہے جس کا اثر سادہ لوح مسلمانوں پر زیادہ ہوتا ہے مگر حقیقت اس کی کچھ نہیں اور شرعی احکام کے سراسر خلاف ہیں ۔ ایسے مفتری کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، اس کو معزول کر کے اس کی جگہ ایک صالح مرد عالمِ دین کو منصب امامت پر مقرر کیا جائے ۔

فقط واللہ اعلم

جدید سائنسی تحقیق انسانی کلوننگ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل اردو، انگریزی اور دیگر مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل وجرائد میں کلوننگ کا مسئلہ بہت زور وشور سے آرہا ہے، اس مسئلہ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے ایک سائنسدان ڈاکٹر ولمٹ نے کلوننگ کے ذریعے کئی بھیڑوں اور مختلف حیوانات کو پیدا کیا ہے اور اب وہ انسانی کلوننگ کا تجربہ کر رہا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی جنس سے اس جیسی دوسری جنس پیدا کی جائے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق میں مداخلت ہے یا نہیں؟ جبکہ خالقیت اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے، کیا یہ صفت کسی انسان میں پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ براہِ مہربانی شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس بارے میں وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور دیگر حیوانات کی تخلیق خُلیہ (سیل) سے ہوتی ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچے کی پیدائش کی ابتداء دو خلیوں سے ہوتی ہے، ان میں سے ایک خلیہ باپ کا ہوتا ہے اور دوسرا ماں کا ہوتا ہے، یہ دونوں خلیے یکجان ہوکر جراثیمی نظام کے ذریعے نشو ونما پاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ خود بخود ٹوٹ کر کئی خلیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنتے ہیں اور ایک سو بیس دنوں تک ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ ۲ دو جنسوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

تو گویا انسان کی پیدائش بھی خلیوں سے ہوتی ہے اور ایک انسان لاتعداد خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن میں سے ہر خلیہ ایک مکمل فیکٹری کا کام کرتا ہے۔ مگر یہ بات حقیقت ہے کہ ان خلیوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی مخلوق ان خلیوں کو پیدا نہیں کرسکتا اور مُردہ خلیوں سے کسی حیوان کی پیدائش کا کام لیا جاسکتا ہے۔ سائنسدان تو کائنات کے ظاہری مشاہدات پر غور وفکر کرکے پھر اس پر عملی تجربہ کرتے ہیں جس میں کبھی تو وہ امیاب ہوتے ہیں اور کبھی ناکام ــــ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر سائنسدان کسی تجربہ ں کامیاب ہو بھی جائیں تو پھر جن اجزاء پر انہوں نے تجربہ کیا ہے وہ تو سائنس کی پیداوار نہیں وتے، ان کا خالق تو لامحالہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس لیے کسی کامیاب تجربہ میں بھی سائنس و خالق کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، اس لیے کہ خالق حقیقی ایک تو اپنی تخلیق میں کبھی ناکام نہیں۔

ہونا اور دوسری وہ معدوم چیز کے ہر مادہ کو خود پیدا کرتا ہے اور کسی دوسرے پیدا کردہ مادہ پر بنیاد قائم نہیں کرتا۔ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ ھل من خالق غیر اللہ (الآیۃ) کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور خالق ہے؟ لن یخلقوا ذبابا۔ (الآیۃ) وہ معبودانِ باطلہ تو ایک مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوقات میں سے کوئی بھی صفتِ خالقیت سے متصف نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا اسکاٹ لینڈ کے سائنسدان ڈاکٹر ایان ولمٹ اور اس کی جماعت نے جو بھیڑ اور بندر کو خلیوں سے پیدا کرنے کا تجربہ کیا ہے اس سے ان کے بارے میں خالقیت کا عقیدہ نہ رکھا جائے اور یہ تخلیق بھی نہیں بلکہ ایک کامیاب تجربہ ہے اس لیے کہ کسی چیز کا کلون اسکی ڈی این اے یا کروموسوم کی ترقی یافتہ شکل ہوتی ہے جس میں قدرتی طور پر بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ولمٹ اور اس کی جماعت نے اس کی پرورش کی جس سے بھیڑ کے کلون یعنی ڈی این اے نے بھیڑ کی شکل اختیار کی۔ چنانچہ ڈاکٹر ولمٹ کا کہنا ہے کہ اس نے بھیڑ کے پستان کے ایک ڈی این اے کو ترقی دے کر اس ڈی این اے میں قدرت نے جو امکانات پوشیدہ رکھے تھے انہی کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہوا ہے۔ (ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۶)

لہٰذا اس ڈی این کو ترقی دینے یا پرورش کرنے سے وہ (ڈاکٹر ولمٹ) اس بھیڑ کا خالق نہیں بنا، جیساکہ کوئی دائی یا نرس کسی بچے کو پالنے اور اس کی پرورش کرنے سے اس کی ماں نہیں بن سکتی، بالکل اسی طرح سائنسی ایجادات سے کسی خلافِ فطرت کارنامے پر وہ سائنسدان خالق نہیں بن سکتا، اس لیے کہ ان اجزاء کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا اور ان میں یہ تمام تر خصوصیات اسی نے پیدا کی ہیں۔ البتہ اس قسم کے تجربوں سے کسی جانور کا پیدا ہونا یا کسی خلافِ فطرت امر کا سامنے آنا شرعاً ناممکن نہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو سائنسدانوں کے ان تجربات سے قدرتِ خداوندی کا ظہور اور اسلامی تعلیمات کی حقانیت سامنے آتی ہے۔ مثلاً سائنس کی اس ایجاد سے حیاتِ ثانی کے اسلامی عقیدے کی بھرپور تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مادہ پرست اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے منکرین سے لاشعوری میں یہ بات لوگوں پر عیاں کرا دی کہ جب ایک مخلوق اپنے تجربہ سے کسی جانور کے ایک خلیہ سے ایک اور جانور کو بالکل اسی شکل وصورت، رنگ ڈھنگ اور دیگر عادات واطوار کے ساتھ پیدا کر سکتی ہے تو خالقِ کائنات، مالکِ ارض وسماء بدرجۂ اولیٰ انسان کو مرنے

کے بعد دوبارہ پیدا کرسکتا ہے۔

سائنس کی اس ایجاد سے حیات بعد الموت کے بارے میں وارد بعض احادیثِ مبارکہ کی بھی تائید ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ جب کوئی انسان اس دار فانی سے انتقال کر کے قبر میں چلا جاتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء خاک ہوجاتے ہیں علاوہ دُمچی کے (دُم کے سرے کی ایک ہڈی) اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسی سے انسان کو دنیا وی شکل وصورت میں اٹھائے گا۔ (بخاری و مسلم)

اور دُمچی کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ دُمچی رائی کے ایک دانے کی طرح ہے۔ (فتح الباری)

تو سائنس کی اس قسم کی ایجادات سے اسلامی تعلیمات کی تائید وتصدیق ہوتی ہے، البتہ انسانی کلوننگ کا عمل شرعی نقطہ نظر سے کئی وجوہات کی بناء پر ناجائز ہے:۔

(۱) اس تجربے کی کامیابی سے لاشعور اور لاعلم انسانوں کے دل و دماغ میں کسی سائنسدان کے خالق ہونے کا عقیدہ راسخ ہونے کا خطرہ ہے جو بنصِ قرآن کریم ناجائز وحرام ہے، اس لیے کہ صفتِ خالقیت اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ (الآیۃ) وَلَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا۔ (الآیۃ)

(۲) اس عمل میں تغیر لخلق اللہ کا عنصر نمایاں ہے جو کہ ایک شیطانی عمل ہے جس کا شیطان نے اللہ تعالےٰ کے سامنے انسانوں کو گمراہ کرنے کا چیلنج دیا تھا۔ ولامرنھم فلیغیرن خلق اللہ۔ (الآیۃ) میں انسانوں کو اس بات کی تعلیم دوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل وصورت میں تغیر پیدا کریں اور اس کو بگاڑ دیں ۔۔۔ کلوننگ میں اللہ تعالےٰ کی بنائی ہوئی انسانی شکل وصورت تختۂ مشق بن جائے گی اور اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہے گا، حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے، لاتبدیل لخلق اللہ۔ (الآیۃ)

(۳) اس عمل میں غیر فطری طریقہ سے انسان کی پیدائش ہوگی اور توالد وتناسل کا جو طریقہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے اس کی خلاف ورزی ہوگی۔

(۴) اس طریقہ عمل سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ ابتداء ہی سے مادر پدر آزاد ہوگا اور ماں باپ کے پیار ومحبّت سے محروم ہوگا، جبکہ اولاد کی تعلیم وتربیت کیلئے ماں باپ

کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

(۵) کلوننگ کے اس عمل سے پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں جھگڑے پیدا ہونے کا قوی امکان ہے، اس لیے کہ کلوننگ میں ایک ہی اصل سے خلیہ لیا جاتا ہے اور اُسے کسی دوسری عورت کے رحم میں رکھا جاتا ہے، تو اب اس بچے پر اس عورت اور جس مرد سے خلیہ لیا گیا ہے کے مابین جھگڑا پیدا ہوگا جبکہ جنگ و جدال سے اسلام نے منع فرمایا ہے اور اس کے ذرائع کو بند کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) کلوننگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کے ثبوتِ نسب کا بہت بڑا مسئلہ پیدا ہوگا کہ اس بچے کا نسب خلیہ والے مرد سے ثابت کیا جائے یا جس عورت کے رحم میں یہ خلیہ رکھا گیا ہے اس سے نسب ثابت کیا جائے، جبکہ اسلام نے ثبوتِ نسب کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے اور حتی الامکان کسی بچے کے نسب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً یہ کہ اگر ایک شادی شدہ عورت سے کسی نے زنا کیا اور اس زنا سے اُسے حمل ہو گیا تو بچے کا نسب عورت کے زوج سے ثابت ہوگا نہ کہ زانی سے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ (الحدیث)

(۷) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مختلف رنگوں اور صورتوں میں پیدا کیا ہے، حتیٰ کہ ہر انسان کے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی لکیریں بھی ایک دوسرے سے مختلف بنائی ہیں، ان کی آوازمیں باہمی اختلاف موجود ہے اور یہ اختلاف اس لیے ہے کہ ان کی پہچان میں آسانی ہو، اور اگر کسی سے جرم کا ارتکاب ہو جائے تو اس تک قانون کی رسائی ہو سکے۔ جبکہ کلوننگ میں ایسا نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والا انسان اپنے اصل کے ساتھ ہر ہر شے میں موافق ہوگا، دونوں میں کوئی امتیازی نشان نہیں ہوگا جس کی وجہ سے اصل اور نقل میں پہچان مشکل ہو جائے گی۔ اسی طرح ارتکابِ جُرم کی صورت میں مجرم تک قانون کی رسائی بھی محال ہو جائے گی جس سے لاقانونیت، بدامنی، جرائم کی کثرت اور دنیا میں فسادات کے زیادہ ہونے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ اور اگر کسی جرم میں اصل کی بجائے اس کے کلون کو اور کلون کی بجائے اس کے اصل کو سزا دی جائے تو یہ انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

(۸) اولاد دینے میں اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے جس کے تحت وہ کسی کو بیٹے عطا کرتا ہے

اور کسی کو بیٹیاں، جبکہ بعض کو دونوں اور کسی کو عقیم یعنی بے اولاد رکھتا ہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے: یَہَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ اَوْ یُزَوِّجُہُمْ ذُکْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَّ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ (الآیۃ)

کلوننگ کا یہ عمل اللہ تعالےٰ کے اس حکم کا مخالف و مقابل ہے، اس لیے کہ ہر انسان میں بار آور خلیہ جات لاتعداد مقدار میں موجود ہیں جس سے کلون کا پیدا ہونا لازمی امر ہے، تو اس عمل سے کوئی بھی عقیم (بے اولاد) کا مصداق نہ ہوگا اور لوگ صرف نرینہ اولاد کا ہی تقاضا کریں گے جس سے یَہَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا کا مصداق مفقود ہو جائے گا۔

(۹) بعض لوگ صرف اس لیے شادی کرتے ہیں کہ ان کے ہاں بچے پیدا ہوں جب کہ بچے پیدا کرنا نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت، اور شادی کرنا فی ذاتہٖ سنتِ مؤکدہ ہے، اور شادی کے بعد بچوں کا پیدا ہونا کوئی ضروری نہیں، بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ چار چار شادیاں کرنے کے باوجود ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا حالانکہ طبی لحاظ سے وہ بالکل تندرست ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر کلوننگ کے ذریعے بچے پیدا کرنے کو جائز قرار دیا گیا تو لوگ کلوننگ کے ذریعے بچے پیدا کریں گے اور امر مطلوب (شادی) کا سنت عمل ترک کر دیں گے جو شرعاً صحیح نہیں۔

(۱۰) کلوننگ کے اس عمل میں اجنبی عورت کے رحم میں خلیہ رکھا جاتا ہے، چنانچہ اس عمل کے لیے غیر محرم مرد کے سامنے اس عورت کا سترِ عورت کھل جاتا ہے جو کہ خلافِ شرع، خلافِ فطرت اور حیا سوز عمل ہے۔ اسلام نے ہم جنس یا غیر جنس کے سامنے بلا ضرورتِ شرعی کشفِ عورت کی اجازت نہیں دی ہے اور اپنے ستر کو چھپانا فرض قرار دیا ہے۔

لہٰذا ان وجوہات کی بنا پر انسانی کلوننگ کا عمل ناجائز و حرام ہے۔

مسلم اور غیر مسلم محققین کی آراء اور تبصرے

ذیل میں انسانی کلوننگ کے اس غیر فطری، مخرب اخلاق، حیا سوز اور غیر شرعی طریقۂ تولید کے مضرات، نقصانات اور توالد و تناسل کے شرعی طریقہ (نکاح) کی تائید میں مسلم اور غیر مسلم محققین، مذہبی و حکومتی زعماء کی آراء درج کی جاتی ہیں:-

(۱) انسانی کلوننگ کے بارے میں مصر کے مشہور مفتی جناب فرید واصل صاحب کا فتویٰ

یہ ہے کہ:۔

"أن الاجماع قائم من الناحية العلمية والطبية على استنساخ البشر مرفوض وايضاً من الناحية الاخلاقية ومن الناحية العقلية ومن الناحية الاجتماعية۔" المجتمع ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

(بحوالہ ماہنامہ الحق، شمارہ ۱۰ جلد ۳۲ جولائی ۱۹۹۷ء)

یعنی انسانی کلوننگ کے عدم جواز پر علمی، طبی، اخلاقی اور معاشرتی طور پر اجماع قائم ہو چکا ہے۔

(۲) اسی طرح جامعہ الازہر الشریف کے استاذ پروفیسر عبدالمطیع نے بھی انسانی کلوننگ کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ انسانی کلوننگ پر تحقیق فوراً بند کر دی جائے اس لیے کہ اس کے نقصانات فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ (بحوالہ ماہنامہ الحق شمارہ ۶ جلد ۳۲ مارچ ۱۹۹۶ء)

(۳) اپنے تو کجا اغیار اور غیر مسلم حکومتی زعماء نے اس تحقیق کو بند کرنے کے اقدامات کیے ہیں، چنانچہ امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے ایسے تمام تحقیقی مراکز کے فنڈز روک لیے ہیں جہاں پر کلوننگ کے شعبے میں کام ہو رہا ہے اور جن کے بارے میں خیال ہے کہ وہاں انسان کی فوٹوسٹیٹ کاپی تیار کی جا سکتی ہے، بل کلنٹن نے نجی شعبے میں کام کرنے والے تحقیقی مراکز سے بھی کہا ہے کہ وہ بھی اس سلسلہ میں سرکاری شعبے میں کام کرنے والے مراکز کی تقلید کریں۔ (ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۷ اپریل ۱۹۹۷ء)

(۴) عیسائیت کے روحانی پیشوا پوپ جان پال نے ۱۹۹۷ء کو ویٹی کن سٹی میں ہزاروں افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسانی حیات کا احترام خطرناک تجربات کا نشانہ بنا ہوا ہے، اس لیے دنیا کے تمام ممالک انسانی کلوننگ کی بندش پر سخت اقدام کریں اور اس کے لیے سخت سے سخت قوانین کا اجراء کریں، اس لیے کہ غیر جنسی عمل کے ذریعے انسان کی تخلیق اخلاقیات کے منافی اور رشتہ ازدواج کے بندھن کے وقار کو پامال کرنے کے مترادف عمل ہے۔ (تلخیص از ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۶ مارچ ۱۹۹۷ء)

(۵) بلکہ اس ایجاد کی ٹیم میں شریکِ کار سائنسدان ڈاکٹر ایلن کولین کا کہنا ہے کہ میں اپنی بیوی اور چودہ سالہ بیٹے کو اس کام کے بارے میں قائل نہ کر سکا، ان کا کہنا ہے کہ اخلاقیات کی رُو سے یہ غیر معتبر کام ہے، یہ خوفزدہ کر دینے والی سائنس ہے۔ (ماہنامہ الحق ج ۳۲ شمارہ ۶ مارچ ۱۹۹۷ء)

(۶) اور خود اس جماعت کے سربراہ ڈاکٹر ایان ولمٹ نے بھی انسانی کلوننگ کو غیر انسانی فعل قرار دیا ہے، چنانچہ اس نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ کلوننگ کے عمل سے حیوان تیار کرنے کا عمل تو ٹھیک ہے لیکن انسان تیار کرنے کا عمل ایک غیر انسانی فعل ہے۔

(بحوالہ ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۷ اپریل ۱۹۹۷ء)

خلاصۂ کلام شریعتِ مقدسہ اور غیر مسلم محققین اور دانشوروں کی آراء کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ کلوننگ کوئی غیر ممکنہ عمل نہیں اور نہ کوئی تخلیقی صفت ہے کہ جس سے کوئی سائنسدان صفتِ خالقیت سے متصف ہو جائے البتہ اس تجربہ کو انسانی کلون پر بروئے کار لانا تفصیل میں ذکر کی گئی وجوہات کی بناء پر ناجائز حرام اور غیر اخلاقی و غیر شرعی عمل ہے۔ لہٰذا بین الاقوامی سطح پر اس عمل کو فوراً بند کر دینا انسانیت کی بقاء کے لیے از حد ضروری ہے۔ (ھٰذا ما ظہر لی واللہ اعلم)

چاند تک انسان کی رسائی اور اسلام

خلائی پرواز کا اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو حضرتِ انسان کے فائدے اور خدمت کے لیے پیدا کیا، اور اس کو یہ قوت دی ہے کہ وہ تمام کائنات کو مسخر کر سکے۔ اسی قوتِ تسخیر اور سائنسی ایجادات کے نتیجہ میں چاند اور زہرہ سیارہ تک انسان کی رسائی نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے اور دنیا میں ایک ہلچل سی مچ گئی ہے اور بعض ذہنوں میں یہ شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں کہ سائنس کی یہ ترقی اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اپنے اپنے مضامین میں اس قسم کے توہمات اور شکوک و شبہات کا رد کرتے ہوئے شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ چاند اور دوسرے سیاروں تک انسان کی رسائی سے اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اس قسم کی جدید سائنسی ایجادات و ترقیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں ـــــ یہاں "فتاویٰ حقانیہ" میں ان ہر دو مضامین کو افادۂ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے ـــــــــــــ (مرتب)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝

کائنات پر انسان کی فضیلت

محترم بزرگو! خداوند کریم نے انسان کو کائنات پر صوری و معنوی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ حجم میں انسان بہت چھوٹا ہے مگر

صوری و ظاہری محاسن میں سارے عالم پر فائق ہے اور عقل و ادراکِ علم اور دوسری معنوی خوبیوں میں بھی ساری مخلوقات پر اسے سبقت حاصل ہے، گویا کہ یہ پوری کائنات اس مختصر سے جسم میں سمٹ گئی ہے اور عالمِ اکبر اس عالمِ اصغر میں پنہاں ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ پوری "آفاقی" آیات اس چھوٹے سے "نفس" میں موجود ہیں۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥ (الآیۃ) خداوند کریم کا ارشاد ہے کہ: وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ٥ (ہم نے بنی آدم کو کرامت سے نوازا ہے اور اسے بر و بحر میں اٹھایا اور اسے بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔)

اِس فضیلت کی وجہ بارِ امانت کا اٹھانا ہے

اس فضیلت کو ایک دوسری آیت میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ( ) (ہم نے آسمانوں اور زمینوں پر اپنی امانت (خلافت) کے اٹھانے کی پیشکش فرمائی تو انہوں نے اس بارِ امانت کو اٹھانے کی ذمہ داریوں سے معذرت کی، اور انسان پر جب اسے پیش کیا تو اس نے اس ذمہ داری کو اپنے ذمے لگا لیا۔)

یاد رہے کہ بارِ امانت کی یہ پیشکش جب مخلوقات پر ہوئی تو انہیں اختیار دیا گیا کہ اگر اس امانت کا بوجھ تم نے اٹھا لیا اور اس کا حق ادا کیا اور اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھال لی تو تمہیں رضائے الٰہی، جنت اور دائمی عزت نصیب ہوگی، اور اگر ذمہ داری قبول کرنے کے بعد تم نے حقِ امانت پورا نہ کیا تو تمہیں دائمی عذاب اور جہنم میں داخل ہونا پڑے گا، اس لیے تمہیں اختیار ہے کہ اس امانت کے متحمل بنتے ہو یا نہیں، برداشت کرتے ہو یا نہیں، دونوں باتیں تمہاری مرضی پر ہیں مگر عدمِ تحمل کی صورت میں تمہیں اسی حالت میں رہنا ہوگا، جمادات کی طرح کہ نہ تو ترقی ہوگی نہ عروج، نہ عذاب کا خطرہ ہوگا نہ جنت کی امید ہوگی ـــ تو زمین اور آسمانوں نے امانت نہ اٹھائے جانے کو ترجیح دی کہ کہیں کوتاہی کی صورت میں عذاب میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

انسان کی فطرت میں محبت ہے

مگر انسان جو کہ بالطبع اللہ رب العزت کا عاشق ہے اور عشق کے جذبہ سے اس کی روح اور اس کا قلب سرشار رہتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قلب ہر وقت متحرک، مضطرب اور دھڑکتا رہتا ہے، گویا کہ محبوبِ حقیقی کی تلاش اور یاد میں اپنی ہر حرکت سے اللہ اللہ کی ضربیں لگاتا ہے، ایسے عاشق طبع کو تو

محبوب کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ تو جب محبوب کی طرف سے پیشکش ہوئی اس کو فوراً جذبۂ عشق نے قبولِ امانت پر آمادہ کر دیا اور یہ پرواہ نہ کی کہ ذمہ داری میں کوتاہی کی صورت میں کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں گی؟ دیکھئے! فرہاد جو کہ مجازی عاشق تھا محبوب کے اشارۂ ابرو پر پہاڑ کھودنے لگا، تو انسان جو کہ عاشقِ حقیقی ہے محبوبِ حقیقی کے اشارے پر کیوں بارِ امانت اٹھانے سے جھجکتا۔ اور اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ خداوند کریم نے اسے آسمانوں، زمینوں اور ساری مخلوقات پر فوقیت دی، یہ راعی اور وہ رعیت بنے، ساری کائنات اس کی مسخر ہوئی، اس کو بحر و بر اور آسمان و زمین کے درمیان ساری فضا پر چلنے اور ان میں تصرف کرنے کی اجازت ملی اور بنی نوع انسان کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا گیا اور عالم کی تمام اشیاء میں تصرف کرنے اور اس کی تحلیل و ترکیب کی اجازت ملی، اشیاء کے اسماء اور خاصیتیں اسے بتلا دی گئیں۔

کائنات میں تصرف کی راہنمائی انبیاءؑ نے فرمائی

اس تصرف اور استعمال کی راہنمائی اپنے رسولوں کے ذریعے فرمائی جو معصوم عن الخطاء اور معلّم من اللہ تھے تاکہ انسان نفس اور شیطان کے دھوکہ اور خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے اس امانت کو غلط طور پر استعمال نہ کرے اور تمام چیزوں کی ترکیب و تحلیل اپنے موقعہ پر اور نیک مقصد کے لیے کرے، اشیاء میں بے جا تصرف سے بذریعہ وحی منع کر دیا گیا اور دیگر فضیلتوں کے علاوہ اسے نعمتِ علم سے نوازا گیا جو انسان کی خصوصیت ہے، ان انبیاء کو دیئے گئے علوم میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی یہانتک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپؐ کی ذات پر علوم نبوت کی تکمیل کر دی گئی۔

علوم کا ظہور اور تکمیل حضورؐ کی ذات پر ہوئی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اُمت کو جو علوم دیئے گئے اس کی نظیر سابقہ ادوار اور گذشتہ اُمتوں میں نہیں ملتی۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ اوپر تشریف لے جا رہے تھے تو بیت المقدس میں بطور مہمانی و ضیافت کے مختلف مشروبات خدمتِ عالیہ میں پیش کیے گئے۔ ایک گلاس پانی کا بھرا ہوا تھا، ایک میں شہد تھی اور ایک میں دودھ تھا اور ایک میں شراب تھی۔ مگر یاد رہے کہ یہ جنت کی شراب تھی، یعنی شرابِ طہور جو تمام مسلمانوں کو جنت میں ملے گی اور طیّب و طاہر اور ہر قسم کی خرابیوں سے پاک صاف ہو گی، مگر پھر بھی شراب ہی اس کا نام تھا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پانی پیا نہ شہد اور شراب بلکہ دودھ پی لیا۔ حضرتِ جبرائیلؑ نے فرمایا الحمد للہ کہ آپ نے دودھ پی لیا یہ فطرت کے مطابق

ہے اور دُودھ عالمِ مثال میں علم کی شکل ہے۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ آپؐ کی اُمت علم میں باکمال اور سارے عالم میں ممتاز رہے گی۔ اگر آپؐ شہد پی لیتے تو اُمت لذّتوں میں پڑجاتی اور اگر شراب پی لیتے جو اگرچہ طیب و طاہر تھی تو امت گمراہی میں مبتلا ہو جاتی، اگر پانی پی لیتے تو اُمت بے کمال رہ جاتی، کیونکہ پانی صفات اور کمالات سے خالی ہے، نہ میٹھا نہ کڑوا، نہ سرخ نہ زرد، نہ خوشبودار اور نہ بدبودار، اس میں بالفعل کوئی کمال نہیں، شہد میں لذّت اور مٹھاس ہے، شراب دنیوی مزیلِ عقل ہے اور اخلاقِ رذیلہ برانگیختہ کرتی ہے، حضور اقدسؐ نے ان سب کو چھوڑ کر دُودھ پی لیا جو علم سے تعبیر ہے۔

تو اُمت میں بھی علم سرایت کر گیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ استاد کا رنگ شاگرد میں سرایت کرتا ہے اور باپ کے مخفی اثرات و کمالات اولاد میں پائے جاتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے: الولد سرّ لابیہ (بچہ باپ کا راز ہے اس کی مخفیہ صفات اس میں منتقل ہوتی رہتی ہیں) — ایک حدیث میں ارشاد ہے: اوتیت علم الاوّلین والاٰخرین (مجھے پچھلے اور اگلے سب لوگوں کا علم دیا گیا) دوسری حدیث میں ہے: انا مدینۃ العلم (میں تو علم کا شہر ہوں) — تو حضورؐ کا اثر اور پرتو ساری اُمت پر ہے کہ پوری اُمت علم کی وارث ہے، البتہ اتنا یاد رہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: علمِ مادیات جس میں صنعت و حرفت، زراعت، طب، سرجری اور سائنس، جغرافیہ وغیرہ شمار ہیں اور علمِ روحانیات جس میں تمام علومِ مذہبیہ دینیہ داخل ہیں۔

اُمتِ دعوت و اُمتِ اجابت

اسی طرح آپؐ کی اُمت کی بھی دو قسمیں ہیں: اُمتِ دعوت جنہیں حضورؐ کی دعوت متوجہ ہے کہ آؤ قولوا لا الٰہ الّا اللّٰہ، یہ دعوت الی الاسلام کل دُنیا کے باشندوں کے لیے ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ (ہم نے نہیں بھیجا تمہیں مگر نوعِ انسانی کیلئے) بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا) — تو کل دنیا کے انسان، یورپ کے ہوں یا ایشیا کے، مشرق کے ہوں یا مغرب کے، امریکہ کے ہوں یا افریقہ کے دور دراز علاقوں کے غیر متمدن وحشی ہوں، سب کے سب امتِ دعوت میں شامل ہیں، آج بھی حضورؐ کی دعوت انہیں مخاطب کر رہی ہے جیسا کہ چودہ سو برس پہلے تھا، مگر اس امت نے دعوت قبول نہیں کی اس لیے کافر ہے کہ اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کرنے والی ہے، اور جنہوں نے حضورؐ کی دعوت قبول کی ہے وہ اُمتِ اجابت ہے کہ دعوت کی اجابت میں انہوں نے لا الٰہ الّا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ کہہ دیا ہے، ایسی امت کو امتِ مسلمہ کہا جاتا ہے۔

اصل علوم علومِ نبوّت تھے جو مسلمانوں کو ملے | علم ساری امت کو حضورؐ کی آمد اور بعثت کے بعد آپؐ ہی کی برکت سے ملا مگر امتِ دعوت کو زیادہ حصہ علومِ مادیہ کا ملا اور امتِ اجابت یعنی مسلمانوں کو وافر حصہ علومِ غیب، علومِ نبوت و آخرت کا ملا جو اشرف ترین علوم تھا۔ علومِ مذہبیہ میں امتِ مسلمہ کو جو مقام حاصل ہوا اور جو تحقیقات ہر ہر مسئلہ اور ہر ہر موضوع پر علماء امت نے پیش کیں، اس کی نظیر کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی، جس کا کچھ حصہ لاکھوں کتابوں اور سینکڑوں علوم کی شکل میں آج بھی موجود ہے اس کا عشرِ عشیر بھی گذشتہ مسلمان اُمتوں میں نہیں ملتا۔

مادّی اور روحانی علوم کا پورا ظہور حضورؐ کے بعد ہوا | اسی طرح امتِ دعوت نے مادی علوم، تمدنی مسائل، سائنسی تحقیقات اور تکوینیات کے مخفی اسرار ظاہر کرنے میں جو ترقی کی اس کی مثال حضورؐ سے پہلے کی اُمتوں میں نہیں مل سکتی۔

الغرض ان تمام علمی کمالات کا ظہور امتِ محمدیّہ میں اسی مخزنِ علم کے کمالات کا پرتو ہے جو سید الرسل اور خاتم النبیین ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر ترقی کا یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم نہیں ہو گا بلکہ دینی اور دنیوی علوم میں قیامت تک ترقی کرتی رہے گی۔ تو جس امت کا پیغمبرؐ سارے علوم اور کمالات کا سرچشمہ ہے اس کی امت کسی علمی انکشاف اور علمی ترقیات کی کب مخالفت کر سکتی ہے، یا علم کی کوئی صحیح اور سچی بات جامع العلوم والکمالات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی کب مخالف ہو سکتی ہے؟

خلائی پرواز اور اسلامی تعلیمات | آجکل چاند تک انسان کی رسائی اور پرواز نے ہر فرد کی توجہ اپنی طرف مبذول کرادی ہے۔ سائنس کی اس ترقی نے بعض مسلمانوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا ہے اور وہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ اس سے اسلامی تعلیمات پر زد پڑتی ہے، حالانکہ یہ تو محض ایک سائنسی اور تمدنی ترقی کا مسئلہ ہے۔ زندگی کے تمدنی مسائل میں ہر دور اور ہر زمانہ کے لوگوں میں پچھلوں کی بہ نسبت ترقی ہوتی آرہی ہے اور ہمارے اسلاف نے اس کو دیکھ کر کبھی یہ خیال ہی نہیں کیا کہ اس ترقی سے اسلامی اصول مجروح ہوتے ہیں۔ مثلاً پہلے زمانے میں سواری کا وسیلہ گھوڑا، خچر اور اونٹ تھا، پھر موٹر اور ریل ایجاد ہوئی، رفتہ رفتہ ہوائی جہاز ایجاد ہوئے، اب اس میں میزائلوں اور راکٹوں کا اضافہ ہوا ہے، اور اس کے بعد بہت ممکن ہے اور بھی تیز رفتار ذرائع سفر ایجاد ہو جائیں۔

قرآنِ کریم میں تیز رفتار سواریوں کی طرف اشارہ | اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

والخیل و البغال والحمیر لترکبوھا و زینۃ و یخلق مالا تعلمون ٥ (سورۃ آیت ۸)
(اور پیدا کیے اللہ نے گھوڑے، خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور ان میں تمہارے لیے زینت بھی ہے اور پیدا کیا ان کے علاوہ ایسی چیزوں کو جنہیں تم نہیں جانتے) و یخلق مالا تعلمون مضارع کا صیغہ ہے اس میں قیامت تک وجود پذیر ہونے والی تمام تیز رفتار سواریاں آگئیں اسی طرح سمندری سواری کا ذکر فرما کر بعد کی ایجادات کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ وَآیَۃٌ لَّھُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَھُمْ مِّنْ مِّثْلِہٖ مَا یَرْکَبُوْنَ ٥ (یٰس ع ۳)
(ان کے لیے قدرت کی نشانی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا اور پیدا کیں ہم نے ان کیلئے کشتیوں کی مانند طرح طرح کی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں)

الغرض ان آیات میں تمام بحری اور برّی اور فضائی ایجادات کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اسی طرح پہلے بات پہنچانے کا ذریعہ آمنے سامنے بات چیت کا تھا، رفتہ رفتہ ترقی ہوئی ٹیلیفون، تار، لاسلکی اور ریڈیائی لہروں سے کام لیا جانے لگا، اور بھی کئی ذرائع کلام پہنچانے کے پیدا ہوئے۔

خلائی تسخیر خالص تمدنی اور سائنسی مسئلہ ہے

خلائی تسخیر کا مسئلہ بھی خالص تمدنی ترقی اور سائنسی تحقیق کا ہے جس میں کامیابی یا ناکامی دونوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے کبھی یہ دعوٰی نہیں کیا کہ انسان ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت نہیں کر سکے گا اور نہ کبھی یہ کہا کہ خلا میں ذی روح اجسام کی پرواز ناممکن ہے، نہ اس نے یہ دعوٰی کیا کہ فضا میں کرۂ نار اور کرۂ زمہریر ہے جن سے ذی روح کا گذر نا محال ہے اور نہ یہ کہا کہ زمین کی کشش ثقل سے باہر نکلنا ناممکن ہے، یہ باتیں تو فلاسفۂ یونان کی مخترعات ہیں جن کا بطلان اور تردید اسلامی معتقدات ہی نے کر دی تھی۔

قرآن مجید اور لامحدود پرواز

قرآن مجید پلک جھپکنے میں ہزاروں میل مسافت طے کرنے کے نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا قائل ہے۔ ملکہ سبا کا تخت پلک جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ (النمل ع ۳) اور کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب کا میں لا دیتا ہوں تیرے پاس اس تخت کو کہ پہلے اس کے کہ لوٹ آئے تیری طرف تیری نظر۔"

اور وہ طرفۃ العین میں تخت لے آئے، گویا کہ راکٹ کی سی تیز رفتاری سے اسلام کو انکار

نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حرکت اور سرعت ممکن ہے۔

خلائی پرواز مدارِ شرافت نہیں

باقی رہی ستاروں تک پرواز، تو یہ تو آپ کو تمہید سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر مدارِ شرافت اونچی پرواز کرنا نہیں ہے۔ آج خلاء میں بادل پھر رہے ہیں۔ چیل، گِدھ، کوّے اور دیگر پرندے فضاء میں بہت اونچے اڑ رہے ہیں۔ ایک دیوہیکل جن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تختِ سبا چند لحات میں پہنچا دینے کی پیشکش کی۔ خود انسان ایک عرصہ سے کئی کئی میل اوپر ہوائی جہاز میں پرواز کر رہا ہے، تو اب اگر اس پرواز کی حد ڈھائی لاکھ میل خلاء میں چاند تک پہنچ گئی یا آئندہ اس سے بھی بڑھ جائے تو اس میں کیا استحالہ اور تعجب ہے اور قرآن مجید کے کون سے دعویٰ کا مقابلہ ہؤا جو باعثِ حیرت بن جائے۔

جنّات کی آسمانوں تک رسائی

قرآن مجید سے تو جنّات کی آسمان تک پرواز ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے سورۂ جن میں جنّات کی آپس میں گفتگو نقل فرمائی ہے:۔

وانا لمسنا السماء فوجدناها مُلئت حرسًا شديدًا وشهبًا وانا كنا نقعد منها مقاعدَ للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابًا رصدًا۔ (سورۂ جن آیت ۸-۹)

(ترجمہ) "اور یہ کہ ہم نے ٹٹول کر دیکھا آسمان کو پھر پایا ہم نے اس کو کہ بھرا ہوا ہے سخت چوکیداروں سے اور انگاروں سے اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے پھر اب جو کوئی سننا چاہے وہ پائے گا اپنے واسطے انگارہ گھات میں"۔

اس کی تفصیل بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جنّات اور شیاطین آسمانی دنیا تک پہنچ کر خفیہ ٹھکانوں پر بیٹھ جاتے تاکہ فرشتوں کی آپس میں گفتگو سنکر اسے کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچا دیں۔ اس میں سنی ہوئی کوئی بات تو درست ہوتی تھی اور سو باتیں جھوٹ اور من گھڑت ہوتی تھیں جس کا لوگوں میں مشہور ہو جانے پر اس وقت کے مذہبِ حق پر اثر پڑتا، اس کے بعد دوسرے نبی آ جاتے اور وہ اس جھوٹ اور حق سے مخلوط باطل کو جدا کر دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ کریم کے آخری نبی تھے، خداوند کریم کو دینِ اسلام قیامت تک کے لیے محفوظ رکھنا اور زائغین کی زیغ سے بچانا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جنّات کا آسمانوں تک پہنچنا روک دیا گیا اور اگر جنّات اوپر جانے کی کوشش

کرتے تو ان پر انگارے اور شہاب ثاقب پھینکے جاتے تاکہ آسمانی باتیں نہ سن سکیں اور دینِ اسلام خلط ملط نہ ہو۔ اور صعود بلکہ آسمانوں کو چھونے (لمس سماء) تک کا بھی ثبوت ملتا ہے، لبعض روشن خیال اس کی بھی تاویل کرتے ہیں جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنات میں آسمانوں تک پرواز کی صلاحیت رکھی ہے اس لیے جنات وہاں تک پرواز کرتے تھے جہاں تک ان کی پرواز پر پابندیاں لگی ہوئی نہ تھیں۔ اب اگر انسان اپنے علم و تحقیق اور خدا کے دیئے ہوئے وسائل کی بناء پر اوپر چلا جائے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

اسلام میں ستاروں تک رسائی کے لیے آسمانوں سے گذرنے کا کہیں ذکر نہیں

یہ غلط ہے کہ ستاروں تک پہنچنے کے لیے آسمانوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ چاند آسمانِ دنیا اور سورج چوتھے آسمان پر ہے یا دیگر سیارے فلاں آسمان پر ہیں یا ثوابت سبعہ سیارہ ساتویں آسمان کے نیچے درجہ بدرجہ ہیں۔ یہ فلاسفۂ یونان کا عقیدہ اور بطلیموس کا مسلک ہے جس کا ذکر تفریح شرح چغمنی میں پایا جاتا ہے نہ کہ فلاسفۂ اسلام کا۔

سائنس کے متضاد نظریات اور اسلام

ہم مسلمان نہ تو قدیم فلاسفہ کے معتقد ہیں اور نہ جدید فلاسفہ کے معتقد ہیں۔ ان فلاسفہ کا ابطال آپس میں خود (مثلاً فیثاغورث وغیرہ نے) کیا ہے۔ اور آج کے سائنسدان قدیم سائنس کو خود لغو اور باطل قرار دے رہے ہیں، پھر جدید سائنس دانوں کا آپس میں بھی شدید اختلاف ہے اور ان کے نظریات آپس میں متصادم ہیں تو ہم خواہ مخواہ اسلام کو کیوں ایک فریق بنائیں! البتہ اتنی بات واضح ہے کہ آسمانوں کے اندر داخل ہونے کے لیے اجازت لینی پڑتی ہے، آسمانوں کے دروازے ہیں جو کہ بند رہتے ہیں، اندر جانے والا بغیر اجازت رب العالمین کے نہیں جا سکتا۔ جیسا کہ حدیثِ معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمان کے دروازے پر پہنچے اور دستک دی تو فرشتوں نے پوچھا کہ کون؟ انہوں نے فرمایا جبرائیل، پھر انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ من معك قال محمد صلى الله عليه وسلم قيل ارسل اليه قال نعم ففتح۔
(جبرائیل نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تب دروازہ کھول دیا گیا)

اس سے معلوم ہوا کہ افلاک (آسمانوں) میں داخلہ بغیر اجازتِ خداوندی کے نہ فرشتہ کو

ہے نہ کسی نبی مرسل کو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ جو آسمانوں میں ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملنے اور دروازہ کھول دینے کے بعد ہوا۔

موجودہ ترقیات کا اثر باطل مذاہب اور فلسفہ پر پڑتا ہے

اب اگر ستاروں کے بارہ میں اسلام نے کہا ہوتا کہ یہ آسمانوں کے اندر ہیں تب تو یہ اشکال درست ہوتا کہ راکٹ اور خلائی جہاز آسمان کے اندر بغیر اجازتِ خداوندی کے کب داخل ہوئے جو کبھی نہیں ہو سکتے۔ مگر جب ہم بطلیموسی اقوال کے پابند نہیں ہم تو اسلام کے قائل ہیں، تو یہ اشکال ہمارے اوپر وارد ہی نہیں ہوتا، جن مذاہب نے یہ دعویٰ کیا ہے ان پر اس کی زد پڑتی ہے مسلمانوں پر نہیں۔

تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں

قرآن مجید کا تو اعلان ہے کہ: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ (سورۃ الملک ۵) "ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کر دیا اور ہم نے بنایا انہیں شیاطین کو مارنے کی چیز۔"

شیاطین تو آسمانوں تک جا کر باہر رہتے ہیں، آسمانوں میں تو داخل نہیں ہو سکتے، پھر ان ستاروں سے ان کا رجم تب ہی ہو سکتا ہے کہ ستارے بھی آسمانِ دنیا سے باہر ہوں اور دنیا کی زینت بھی ان ستاروں سے تب ہی ہو سکتی۔ اس لیے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ: النجوم قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من نور بايدی الملائكة۔ ( ) "ستارے لٹکے ہوئے فانوس ہیں آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں کے ساتھ جنہیں فرشتے تھامے ہوئے ہیں۔"

علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں "جدید سائنسدانوں کا قول بھی اس کے قریب قریب ہے، مگر ان کے ہاں نور کی زنجیروں کی تعبیر کشش اور مرکز ثقل کے نام سے ہوتی ہے۔"

ويقرب منه قول الفلاسفة الجديدة لكن بالجذب۔ (روح المعانی جلد ۳۰ ص۵)

سورۃ طلاق کی آیت وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کے تحت تو صاف تصریح علامہ آلوسیؒ نے کی ہے کہ:

ولم يقم دليل على ان شيئًا من الكواكب مغروز فی شیء من السموات كالفص فی الخاتم والمسمار فی اللوح۔ (روح المعانی جلد ص) یعنی "اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ایک ستارہ بھی آسمان میں ایسا جڑا ہوا ہے جیسا انگوٹھی میں ہیرا یا تختی میں میخ۔"

امام ابوحنیفہؒ کے استاد عطاء بن ابی رباحؒ کا بھی ایسا ہی قول ہے۔
علامہ آلوسیؒ نے سورہ طلاق کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کی بھی تردید کی ہے کہ اکثر ناقابلِ اعتماد ہیں۔ باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمانوں میں ہونا مترشح ہوتا ہے اس کی تردید "روح المعانی" کے مختلف مقامات پر موجود ہے، اور عموماً ایسے مقامات میں ادنیٰ ملابسہ کے طور پر یا مجازاً نسبت کی گئی ہے۔

كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ کی تفسیر

مثال کے طور پر قرآنِ کریم کی آیت كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ؀ سے بظاہر لوگوں نے یہ فہم لیا ہے کہ سب ستارے آسمان میں تیر رہے ہیں۔ مگر علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے اس سے مراد اس موج کو لیا ہے جو روک دی گئی ہے آسمان کے نیچے جس میں چاند اور سورج گردش کرتے ہیں۔

قال اکثر المفسرین هو موج مکفوف تحت السماء تجری فیه الشمس و القمر

وقال الضحاك هو لیس بجسم بل مدار هٰذہ النجوم۔ (

حضرت ضحاک کہتے ہیں کہ فلک سے مراد جسم نہیں بلکہ ان ستاروں کا مدار ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی ان احتمالات کو ذکر کرتے ہوئے آیت کو آسمان کے مفہوم میں مبہم قرار دیا ہے۔ الغرض اکثر مفسرین محلِ کواکب کو جس میں وہ گردش کرتے ہیں تحت السماء تسلیم کرتے ہیں نہ کہ آسمان کے بیچ میں۔ تو روس اور امریکہ کی خلائی پرواز اور چاند تک رسائی کا اگر اثر پڑتا ہے تو یونانی ہیئت اور بطلیموسی فلسفہ یا اسرائیلی روایات پر نہ کہ اسلام پر۔ چاند تو کیا اگر تمام کواکب تک بھی انسان کی رسائی ہو جائے تو بھی اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اسلام کی غیبی تائید سائنس سے ہو رہی ہے

اللہ تعالیٰ ان سائنسدانوں کے ہاتھ سے ہی اسلام کی غیبی تائید کروا رہا ہے اور ان پر اتمامِ حجت ہو رہی ہے، سائنسدانوں نے اربوں روپے خرچ کیے تب کہیں اوزار اور آلات کے ذریعہ چاند سے مشتِ خاک لائے۔ لیکن سید الرسل اور مسلمانوں کے ہادیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کے ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے جبکہ دونوں ٹکڑوں نے مکہ معظمہ کی پہاڑی کو بیچ میں لے لیا، پھر اسی طرح اللہ رب العزت نے چاند کے دونوں ٹکڑوں کو ملا دیا۔ اقتربت الساعة وانشق القمر و ان یروا اٰیةً یقولوا سحرٌ مستمر۔ (طٰ ع)
اتنا بڑا کارنامہ جب بلا راکٹ و اسباب اور بغیر کھربوں روپیہ ضائع کیے ظاہر ہوا تو یورپ کے

خرد ماغوں نے اس معجزہ کی اب تک ہنسی اڑائی، فلاسفہ نے مذاق اڑایا مگر آج انہیں خود قائل ہونا پڑا کہ تمام سیارے خرق والتیام (پھٹنا اور جڑنا) اور توڑ پھوڑ قبول کرتے ہیں ۔ تو حقیقت تو یہ ہے کہ آج کی سائنسی تحقیقات سے اسلامی تعلیمات کی تائید ہو رہی ہے، اور بحمد اللہ تعالیٰ جو لوگ معجزات کے منکر تھے اور محال سمجھتے تھے ان دشمنانِ اسلام کی اپنی تحقیقات سے خدا نے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔

قیامت اور معراج کی تائید قیامت جو ان سیارات اور عالم کے فناء اور نیست و نابود ہونے اور نئے سرے سے دوبارہ قائم ہونے کا نام ہے، آج تک فلاسفہ اس نظام کو ناقابلِ تغیر مان کر اس کی قدامت کے قائل تھے اور اس توڑ پھوڑ سے خود ہی حدوثِ عالم اور تغیر پذیر ہونے کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے جب اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس جسدِ عنصری کے ساتھ خلاؤں سے اوپر تشریف لے گئے اور ایک رات میں واپس ہوئے تو ان لوگوں (فلاسفہ) نے انکار کیا کہ کروڑوں میل کی مسافت اتنی جلدی کیسے طے ہوئی اور بغیر آکسیجن کے کیسے زندہ رہے؟ آج کے خلانورد اس جسمِ خاکی کے ساتھ صرف چاند تک پہنچے اور بعض جگہ انہوں نے ہزاروں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے پرواز کی۔ تو مالک الملک جو زمین و آسمان کا خالق ہے اس کا اپنے رسولِ مکرم کو پہنچانے میں کیا استحالہ رہا؟ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا۔ (بنی اسرائیل ع۱) "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا"۔

رفعِ مسیح کی تائید قرآن مجید نے اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے، بل رفعه الله الیه مگر جدید تعلیمیافتہ حضرات اسے ناممکن بتلا رہے ہیں کہ اس جسم کے ساتھ اوپر کیسے زندگی گذر سکتی ہے مگر آج خود چاند، مریخ اور زہرہ میں اپنے لیے الاٹمنٹ کروانا چاہتے ہیں گو ابھی یہ مرحلے بہت دور ہیں۔ ہنوز دلی دور است

آدم علیہ السلام کا نزول اسلام نے بتلایا کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام اسی زمین سے پیدا ہوئے پھر انہیں جنت میں اٹھایا گیا، کچھ عرصہ جنت میں گذارنے کے بعد خلافتِ ارض کیلئے انہیں زمین پر اتارا گیا۔ اس کا بھی ڈارون کی اولاد نے انکار کیا، مگر اسلامی تعلیمات نے تو تخلیق انسان حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک انسانی عروج اور صعود و نزول اور خلاء سے گذرتے رہنے کا تصور پیش کیا اور بطور ظہور معجزہ و قدرتِ خداوندی کے اس کی کئی مثالیں پیش کیں۔

تمام مسلمان ساتویں آسمان سے بھی اوپر جائیں گے

اسی طرح جنّت کو لیجئے، اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام مومنین اور عباد مقربین جنت میں جائیں گے، پھر یہ بھی ذکر ہے کہ قیامت کے دن تمام آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے، اس زمین اور آسمان کی جگہ جہنم لے لے گی، اور عرش الرحمٰن کے نیچے اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت ہو گی جو ساتویں آسمان سے اوپر ہے، تو گویا کل مسلمان سابقین و آخرین ان شاء اللہ جب جنت میں داخل ہوں گے اور یہ دخلہ جسم اور روح دونوں کا ہو گا تو سب کی پرواز ساتویں آسمان اور اس سے اوپر ہو گی تب تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ تو افسوس ہے کہ ایک ایسی اُمّت اعداء اسلام کے لایعنی کارناموں سے مرعوب ہو یا اسے ناقابلِ تسلیم سمجھے، حالانکہ یہ تو صعود اور پرواز کا ادنیٰ درجہ ہے جو بطورِ اتمامِ حُجت مادیت پرست قوموں کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے۔

کون سا مسئلہ حل ہُوا؟

پھر اس "عظیم کارنامے" سے کون سا انسانی مسئلہ حل ہُوا؟ بھوک، افلاس، بیماری ختم ہو گئی؟ بغض، عناد، کینہ اور خانہ جنگی ختم ہوئی؟ طبقاتی، لسانی اور رنگ و نسل کے جھگڑے ختم ہوئے؟ انسانیت کو کون سا فائدہ ہُوا؟ کچھ بھی نہیں! باہمی عداوت و منافرت اور بھی بڑھ گئی، ایک دوسرے پر فخر و غرور کیا جانے لگا، پھر نتیجہ میں کون سا خاص تحقیقی انکشاف ہُوا جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہو؟ یہی کہ چاند عناصر سے مرکب خاکستری یا سرمئی رنگ کی چیز ہے جو سورج سے روشنی لے کر دنیا کو منوّر کرتی ہے، جبکہ یہ تصوّر تو ظنّی طور پر فلاسفۂ قدیم نے بھی پیش کیا تھا، تصریح اور شرح چغمنی اٹھا کر دیکھیں، اس وقت سے انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ جرم قمر خاکستری ہے، اور عربی زبان کا یہ مقولہ تو زبان زد عام ہے کہ نور القمر مستفادٌ من نور الشمس (چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل کی گئی ہے)

سائنس سے باطل مذاہب ہی متاثر ہوں گے

ہماری نگاہ میں اس کارنامہ سے ایک ہی فائدہ حاصل ہُوا ہے اور وہ یہ کہ باطل مذاہب لرزہ براندام ہیں، یہودیت اور نصرانیت کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا ہے۔ آج ہی کے اخبارات میں ہے کہ یہودیوں نے تو اپنی بعض عبادات میں ترمیم کر دی ہے اور کلیسا والے بھی واویلا کر رہے ہیں۔ فلاسفۂ یونان کی تغلیط ہو گئی، معجزات سے منکر شرمندہ ہوئے مگر اسلام کی تو سراسر تائید ہی تائید ہو گئی، کوئی مسئلہ اور کوئی عبادت اسلام کی متاثر نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک متاثر ہو سکے گی۔ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ، یہ تو دینِ قیّم ہے اور قیامت

تک زندہ رہنے والا دین ہے، خداوند کریم نے اتمامِ حجت نہ صرف دلائل سے بلکہ اس زمانہ کی سائنس کی بدولت حواس اور مشاہدہ سے بھی کرا دی۔

وحی اور اسلام کے دیگر دعوؤں کی تائید

جب اسلام نے اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں سے اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں اور وحی الہام کے ذریعہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ رب العزت کی باتیں سن سکتے تھے، تو اس کا انکار کیا گیا اور آج ڈھائی لاکھ میل دور خلائی جہاز والوں کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے، ٹیلیفون کیے جا رہے ہیں اور ایک انسانی ایجاد ٹیلیویژن کے ذریعے ڈھائی لاکھ میل دور کے حالات کا مشاہدہ ہو رہا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روحانی قوت کے ساتھ بغیر آلات و وسائل کے کیوں جبرائیلِ امین اور خداوند کریم سے ہمکلام نہیں ہو سکتے تھے اور اگر انہیں آسمانوں کا مشاہدہ ہوتا تھا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

معجزہ امکان کی دلیل ہے

اتنی بات یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھوں ایسے امور کا ظہور بلاشبہ معجزہ کہلاتا تھا جو بغیر آلات و وسائل کے ہو جو کسی غیر نبی کے بس میں نہیں، مگر اس سے بہر حال یہ تو ثابت ہوا کہ ذی روح جسم کا رفع الی السماء ممکن ہے، اس لیے کہ معجزہ نام ہے اس کا کہ کسی امر کا ظہور بطور خرق عادت کے ہو جائے نہ کہ کسی محال کو ممکن بنا دے۔ اب اگر کوئی وسائل اور ذرائع کے ذریعہ سے ایسا کر دے تو یہ ممکن ہے مگر اسے معجزہ نہیں کہا جا سکتا، مثلاً ایک شخص بغیر و ذرائع کے کراچی پہنچ جائے تو یہ اس کی کرامت ہے، اور اگر ریل، موٹر کار، ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ جائے تو اسباب عادیہ کا عمل خرقِ عادت نہیں تو اس کو کرامت نہیں کہا جا سکتا۔

قرآنِ کریم کا بنیادی مقصد

رہا یہ امر کہ موجودہ ترقیات کا ذکر قرآن مجید میں صراحتاً کیوں نہیں تو یاد رکھیں کہ قرآن کریم کا موضوع آخرت کی دائمی اور حقیقی زندگی کے حصول کے لیے دنیا کی چند روزہ زندگی کو استوار رکھنے کا طریقہ بتلاتا ہے اور اسی مقصد کے لیے زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی پیش آنے والی ضرورتوں کو تشنہ نہیں چھوڑتا، سعادتِ اُخروی کے طریقوں کو ترغیب و ترہیب سے بیان کرتا ہے اور تجارت، سیاست، ملازمت، زراعت سب شعبوں میں حلال و حرام کی راہنمائی کرتا ہے لیکن وہ طبیعات، نجوم اور جغرافیہ کی کتاب نہیں کہ ہر زمانہ کے عروج و ارتقاء کے سارے مراحل بتلائے، البتہ بطور آیات آفاقی اور مبداء و معاد میں غور و فکر کرنے کے لیے

کہیں ضرورت پیش آئی تو ان اشیاء کا ذکر ایسے جامع کلمات سے کرتا ہے جس سے قیامت تک اہم فنی مسائل بھی مستنبط ہو سکیں، مگر یہ نہ تو ہر شخص کا کام ہے نہ اس کا فہم ایمان کے لیے ضروری ہے۔

قرآن کریم میں علوم کا لامتناہی ذخیرہ

اولوا الابصار اور عقلمندوں کے لیے علوم کا لامتناہی ذخیرہ قرآن مجید میں موجود ہے اور ان کلیات سے قیامت تک جزئیات نکالی جا سکتی ہیں۔

محترم بھائیو! قرآن کریم کی کائنات بے حد و بے حساب ہے، اسکی وسعتوں کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک حدیث میں اس کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ عرش معلی کے نیچے ایک ہزار قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں اور یہ ساتوں آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ صرف ایک قندیل میں سمایا ہوا ہے باقی قنادیل میں کیا ہے؟ ان کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کس کو ہو سکتا ہے؟ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔

مختصراً یہی کچھ عرض ہوا، آئندہ کسی موقع پر خدا نے چاہا تو مزید تفصیل کی جائے گی، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اسلام اور عہدِ حاضر کے
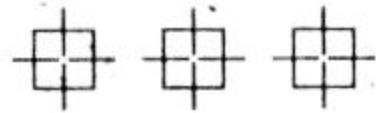
سائنسی کارنامے

پچھلے دنوں روسی سائنسدانوں کے اس اعلان نے علم وتحقیق کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا کہ روس کے محکمہ "خلائی تحقیقات" نے لونا ہم "۹" کو سطح چاند پہ اتار دیا۔ اور وہاں سے معلوماتی اطلاعات فراہم کیں۔ پھر چند دن بعد زہرہ ستارہ پہ بھی کمند ڈالنے کی خبروں نے دنیا کو مزید حیرت میں ڈال دیا۔ جبکہ چاند کی مسافت کا اندازہ سائنسدانوں کے نزدیک اڑھائی لاکھ میل کے قریب ہے۔ اور نظام شمسی کے اس دوسرے ستارہ زہرہ کی مسافت (بقول سائنسدانوں کے) اس وقت ہم سے ساڑھے سترہ کروڑ میل دور ہے۔

اکتشافات کا عہد موجودہ دور جو اپنے طبعی تحقیقات، علمی وفنی ایجادات اور اکتشافات کے لحاظ سے بجا طور پہ تاریخ کا اہم ترین دور ہے اور مستحق ہے کہ اسے اکتشافات وایجادات کے عہد سے یاد کیا جائے۔ روس کے اس محیر العقول کارنامہ سے جو بلاشبہ سائنس اور اکتشافات کی دنیا میں ایک عظیم اور قابل فخر کارنامہ ہے جہاں علم اور سائنس کی دنیا میں ایک غلغلہ بلند ہوا ہے، وہاں بعض حلقوں میں اس پہ حیرت اور تعجب کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مذہب کا عمیق مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض سطحی اذہان شکوک وشبہات کے شکار ہوئے۔ کہ سائنس کے ان نت نئے اکتشافات اور محسوسات کے اس مشاہدہ اور تجربوں میں اسلام کہاں تک ساتھ دیتا ہے۔ اور کیا تسخیر کائنات کی یہ لامتناہی کامیابیاں اور یہ برق رفتار پیش قدمیاں اسلام کے کسی اصول سے ٹکراتی تو نہیں۔؟ اور اس عالم کائنات وبادیات کے بارہ میں اسلام کا کوئی ایسا متوارث نظریہ یا عقیدہ تو نہیں جو انکشاف اور تسخیر کے کسی کارنامہ سے جوڑ نہ کھاتا ہو۔؟ ــــ آج کی فرصت میں ہم اس نقطۂ نگاہ سے تسخیرِ

کائنات اور سائنس کے دیگر کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاکہ ایک طرف ان شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے جو اذہان کی ناپختگی کی وجہ سے اسلام کے بارہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اس احساسِ کہتری کا ازالہ بھی ہو جن کے شکار بعض حضرات ان کارناموں کی پُرفریب چمک دمک کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ اور بالآخر یہ احساس ان اسلامی اذہان و قلوب کو اپنے مذہب کے بارہ میں مایوسی اور افلاس، غیروں کی ذہنی غلامی، اور فکری مرعوبیت میں مبتلا کر کے رکھ دیتا ہے۔

مذہب اور سائنس کے حدود کار | جہاں تک مذہب اور سائنس کے باہمی ٹکراؤ اور تصادم کے خدشات اور وساوس کا تعلق ہے۔ عقل و فہم کی اس کج روی اور فہم و نظر کی اس گمراہی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان اذہان میں مذہب اور سائنس کے دائرۂ کار اور حدود و رفتار کا تعین نہیں ہو سکا۔ حالانکہ مذہب اور سائنس کی راہیں بنیادی طور پر جدا جدا اور دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ سائنس و تحقیق اور علم و انکشافات کا سروکار اس عالمِ محسوسات و مادیات سے ہے۔ جو کسی طرح بھی ہمارے حواس و مشاہدات میں آسکتے ہیں۔ اور مذہب کی ساری جولانی غیب کی اس دنیا میں ہے جو ہمارے محسوسات سے وراء الوراء ہے، وہ ہمیں اس دنیا کی حقیقتوں کی خبر دیتا ہے جہاں تک ہمارے عقل و ادراک اور احساس و شعور کی رسائی قطعی ناممکن ہے۔

فطری تجسس | مذہب ہمارے ان سوالات اور گتھیوں کا حل پیش کرتا ہے جس کے سلجھانے سے سائنس اور فلسفہ، علم و شعور کی طاقتیں داماندہ اور درماندہ ہو جاتی ہیں عالم کی حقیقت کیا ہے۔؟ اس کارخانۂ ہست و بود کی یہ ہنگامہ آرائیاں کہاں جا کر ختم ہوں گی۔؟ اس عالمِ آب و گل کی تخلیق کیونکر اور کس مقصد کے لئے ہے۔؟ پھر اس کائنات کی وہ جوہری ہستی "جسے ہم" انسان کے نام سے پکارتے ہیں جسم و مادہ کے اس کارخانہ اور قدرت کے ان لامتناہی خزانوں پر کیونکر قابض و حاوی ہے۔؟ اور بالآخر تسخیر و غلبہ کی یہ

قوت و طاقت جسم و خون سے بنے ہوئے اس "عالم اصغر" (چھوٹے عالم) انسان کے ہاتھوں میں کیوں اور کس مقصد کیلئے ودیعت کی گئی ہے۔؟ عقل و فکر ان سوالات کے جواب دینے سے قاصر ہے۔

سائنس کی درماندگی اور سائنسدانوں کا اعتراف

سائنس و تحقیق کا عالم انسانی جبلت کے ان فطری مطالبات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اسے خود اپنی عجز و درماندگی کا اعتراف ہے۔ اور انکشاف و انکشاف کی اس دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی اور موجد، اسباب و مسببات کے معمے حل کرنے والا بڑے سے بڑا محقق بھی بانگ دہل اپنے قصور اور لاعلمی کا اعلان کر رہا ہے کہ:

"کائنات کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے، اس لئے ہمارا دائرہ کار ان دونوں سے الگ الگ ہے۔" (فرانس کا مشہور ماہر سائنس پروفیسر لیتر)

اس دنیا کا ایک دوسرا شہسوار جے ڈبلیو این سلیون کتنی صفائی سے اقرار کرتا ہے کہ زندگی جو انسان کی سب سے زیادہ قریب حقیقت ہے، سائنس اسکی کیفیت و نوعیت اور ماہیت و آغاز کے ادراک سے قاصر ہے:

"اور انسان کے گہرے مسائل سائنس کی سرحد سے باہر واقع ہیں۔ سائنس تو محض ایک ابتدائی کوشش ہے، اور اسکی تمام "سچائیاں" مشروط ہیں۔" (برہان ۱/۲)

"بہت سے سائنسدانوں نے زندگی کے آغاز کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اب تک اس کے متعلق کوئی قطعی علم حاصل نہ ہو سکا۔"

تھامس ہنری ہکسلے مزید وضاحت سے عقل و سائنس کے اس بے دست و پا ہونے پر روشنی ڈالتا ہے:-

"جب ہم پچھلے زمانہ کی طرف مڑکر دیکھتے ہیں تو ہمیں زندگی کے آغاز کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوتا اور ہم اس ظہور کی کیفیت پر قطعی رائے قائم

نہیں کر سکتے ۔"

انہی کے ہم نام جولین ہکسلے کو اقرار ہے کہ :

"ہم صرف مظاہر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں ۔ اور جہاں تک سائنٹفک تحقیقات کا تعلق ہے ، ہمارا علم صرف مظاہر کی تشریح اور ترجمانی کرتا ہے ۔ سائنس کی حقیقت آزادانہ تحقیقات اور تجربات میں مضمر ہے ۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے اصول و مبادی غیر متغیر ہیں ۔ اس میں حذف و اضافہ و ترمیم کا ہر وقت امکان ہے ۔ (برہان ص۲۴ ج ۶ ش ۱)

ہکسلے کے اس قول کے خط کشیدہ الفاظ خاص طور سے اس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں کہ استدلال و فلسفہ کی بنیاد پر کھڑے کئے گئے اصول و مبادی کتنے کمزور اور بے تمکین ہوتے ہیں ، پھر زندگی کے فطری سوالات اور حقائق کی رہنمائی ان تغیر پذیر نظریات و مبادی سے کسطرح ممکن ہے ۔؟

کائنات کی حقیقت اور سائنسدانوں کا اعتراف عجز

سائنسی اصول و نظریات کی یہی بے ثباتی اور کمزوری ہے کہ جب بھی سائنس کی دنیا میں کائنات کی حقیقت اور ماہیت کے بارہ میں سوچا گیا تو اس کی بنیادوں میں تزلزل پیدا ہوا ، جہل اور لاعلمی کی آندھیاں اٹھنے لگیں اور اعلان کیا گیا کہ :

"ہمارے دماغ کی فطری ساخت ہی اشیاء کی ماہیت اور کیفیت کے ادراک سے عاجز ہے ہم صرف کمیّت کا ادراک کر سکتے ہیں ۔ کیفیت کا نہیں (پروفیسر کیلکیہ برہان ج ۶ ش ۱)

پروفیسر ٹنڈل نے سمجھانے کے لئے گھڑی کی مثال دیکر سائنس کے حدود اختیارات کا تعین کیا اور کہا کہ :

"بجنسہٖ یہی حال واقعات و حوادث فطری کا ہے ۔ عالم کی اس مشین کے اندر بھی

ایک مخفی مشین کارفرما ہے۔ اور ایک خزانۂ قوت ہے، جو اس مشین اور ذخیرۂ
قوت سے پردہ ہٹاکر یہ بتاتا ہے کہ واقعات و حوادث انہی دونوں کے باہمی
تعلق کا نتیجہ ہیں۔ لیکن کارخانۂ عالم کی یہ اندرونی مشین خود کیا ہے۔؟ یہ کیسے
بنی؟ اور اس گھڑی کو کس نے کوکا ——؟ اور اسکی چلانے والی قوت کہاں سے
آئی۔؟ یہ وہ سوالات ہیں، جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے۔"

(از مولانا مناظر احسن گیلانی صفحہ ۲۸)

لاریب کہ عالمِ سائنس کے یہی شہباز آج خلاکو مسخر اور نظامِ شمسی کے بڑے سے
بڑے اجرام کو زیر کر رہے ہیں، مگر زندگی کے وہ فطری حقائق جن کے سمجھنے اور پانے سے
خدا و آخرت پر ایمان لانے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر وہ شخص جس کے سر
میں انسانی دماغ ہے، گو یہ نہیں۔ اس کے تسلی بخش حل سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ سائنس،
اختراع اور ایجاد کی دنیا اس بارہ میں کوئی رہنمائی نہیں کر سکی۔ اور پکار پکار کر کہا جا رہا ہے کہ:

"سائنس کسی چیز کی بھی کامل توجیہہ نہیں کر سکتی نہ اس کے اسباب اوّل تا آخر
بتائے جا سکتے ہیں، کیونکہ انسان کا اعلیٰ سے اعلیٰ علم بھی تاویل و توجیہہ میں آغاز
اشیاء کی طرف چند قدم آگے نہیں بڑھ سکا۔" (ہکسلے)

اسی ہکسلے نے عالمِ سائنس کے بنیادی اصول و مباحث، سلسلۂ علت و معلول انرجی،
الیکٹران سالمات (اجزاء لاتتجزیٰ) وقت اور زمانہ کی گتھیاں سلجھانے میں ایک زندگی
کھپا دی۔ مگر بالآخر اسباب و مسببات کے درمیان زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور عقل
نارسا کے گھوڑے دوڑانے کے بعد اسے برملا اپنی کتاب "اصول و نتائج" میں اعتراف کرنا
پڑا کہ:

"وجود کی علت اولیٰ کا مسئلہ میرے حقیر قویٰ کی دسترس سے باہر ہے۔ اس
باب میں جتنی لایعنی ہرزہ سرائیاں پڑھنے کا موقعہ مجھے ملا ان میں سب سے

بدتر ان لوگوں کے دلائل ہوتے ہیں۔ جو آغازِ عالم کے متعلق موشگافیاں کرتے ہیں۔
مگر ان لوگوں کے مہملات ان سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں، جو یہ ثابت کرنا
چاہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے۔" (الدین القیم)

یہ صرف چند نمونے اور اقتباسات ہیں جن سے غیب اور غیر محسوس عالم کے بارہ میں سائنس کی درماندگی اور زندگی کے فطری تقاضوں اور سوالات سے اس کے فرار و گریز پہ روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب اور سائنس کے دائرے قطعی جدا جدا ہیں، ان میں تعارض و تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا خوب فرمایا ایک بالغ نظر فلسفی اور صاحبِ دل عالم نے کہ: "اگر خشکی کی ٹرین سمندر کے جہاز سے ٹکرا سکتی ہے۔ تو سائنس بھی مذہب سے ٹکرا سکتی ہے۔"

غرض آج جن لوگوں کو سائنسی کارناموں سے مذہب کی بنیادیں گرتی اور لرزتی معلوم ہو رہی ہیں۔ یہ ان کی اپنی نظر کی کوتاہی اور عقل کے فتور کی دلیل ہے ؎

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ
جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست

اقلیم مذہب کی حدود اور وسعتیں | مشاہدات و محسوسات کی وہ آخری سرحد جہاں سائنس ہمیں بے یار و مددگار ظلمتٌ بعضہا فوقَ بعض۔ (تہ بہ تہ اندھیرے) کے عالم جہل و بے خبری میں چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک وہاں سے اقلیم مذہب کی حدود کا آغاز ہوتا ہے، جسکی پنہائیاں لامحدود ہیں، اور جسکی وسعتیں علم و ہدایت، فکر و فہم، عقل و خرد کے تمام خزانوں کو سمیٹی ہوئی ہیں، جہاں ظلم و جہل نام کی کوئی شئے موجود نہیں، نور ہی نور ہے۔ علم حقیقی کی ضیا پاشیاں اور قدرت و فطرت کے اٹل اصول اور لازوال مبادی کی فرمانروائیاں ہیں۔ فطرةَ اللّٰه التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللّٰه ذٰلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ جس سرحد پہ محسوسات و مشاہدات کا علم ہمیں حیران و سرگردان

چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ وہاں سے مذہب آکر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور انسانی فطرت کے سوالات کے جوابات دیتا ہے۔ ہمیں تخلیق کائنات اور انسانی پیدائش کے مقاصد سے روشناس کراتا اور شکوک و شبہات کی تمام گتھیاں سلجھا کر انسانی قلوب و اذہان کو سکون و اطمینان کی نعمت سے مالامال کر دیتا ہے۔

تسخیر کائنات میں مذہب کی رہنمائی | زندگی کی حقیقت اور عالم کے آغاز و انجام کے بارہ میں انسانی رہبری کے بعد مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ یہ زندگی کن خطوط پر بسر ہونی چاہیئے، اور قدرت نے تسخیر و غلبہ کی جو استعداد انسان کو دی ہے، اسے کن مقاصد میں لگانا چاہیئے۔؟ مذہب کہتا ہے کہ مشاہدات و محسوسات کی یہ ساری کائنات اُن اعلیٰ مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے، جس کی بنا پر عالم کے اس جرم صغیر "انسان" کو پوری کائنات پر سبقت دی گئی اسے **اشرف المخلوقات یہاں تک کہ اسے** "خلافت ربانی" کے آخری مقام عروج پر فائز کیا گیا، مذہب کہتا ہے کہ اس "زندگی" کو جس کے ادراک سے تمہاری سائنس و عقل قاصر تھی، آخرت اور ایک ابدی زندگی کا ذریعہ بناؤ اور اس طرح بقائے دوام اور لافانی ہونے کی وہ فطری خواہشیں حقیقی معنوں میں پوری کر دو جس کا ولولہ اور تڑپ تمہارے خمیر میں شامل ہے۔ مذہب ہمیں ہرگز ان تسخیری قوتوں کو کام میں لانے سے نہیں روکتا جو ہماری سرشت میں قدرت کے دست فیاض نے رکھیں، وہ کہتا ہے کہ تم ستاروں کو گن سکتے ہو آفتاب و قمر کو زیر کر سکتے ہو۔ پہاڑوں کو چیر سکتے ہو۔ ہواؤں اور سمندروں کو مغلوب کر سکتے ہو زمین و آسمان کی وسعتیں سمیٹ کر اپنی مٹھی میں لا سکتے ہو۔ تیز رفتار اور دیو ہیکل بے جان اجسام کو خلائی سیارہ، جہاز، ریل اور بحری بیڑے کی شکل میں دوڑا سکتے ہو کائنات کے عناصر اربعہ کی حقیقتیں اور ماہیتیں بدل سکتے ہو۔ یہاں تک کہ ان کائنات سے ایٹمی توانائیوں کی صورت میں قوت اور طاقت کی لامحدود دولت حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے لئے آسان ہے کہ پہاڑوں کے جگر شق کر دو اور خلا کی پنہائیاں چیر ڈالو اور ممکن ہے کہ تم زمین کے

علاوہ زہرہ و ماہتاب اور نظامِ شمسی کے دیگر سیاروں کو بھی اپنا مسکن اور جولانگاہ بنا دو
کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ــــ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دجالی تہذیب کے کامل
ارتقاء و عروج کے زمانہ میں تمہاری یہ تخلیقی قوت اور اختراعی صفت درجۂ کمال تک پہنچ
جائے۔ تم بادل برساؤ اور مصنوعی صورتوں سے احیاء اموات پر بھی قادر ہو جاؤ۔

بہت سے دعووں کی تائید و توثیق مذہب اس دن کے انتظار میں ہے۔ کہ تم یہ
سب کچھ کر سکو کہ اس کے بہت سے دعووں کی مزید توثیق و تصدیق تمہارے ان سائنسی
کارناموں پر موقوف ہے۔ اس طرح اخبار غیب اور رجال غیب کے وہ سارے دعوے
اور حقیقتیں تم پر عیاں ہو سکتی ہیں، جسے تم اپنے ماؤف دل و دماغ اور مفلوج ذہن کی بنا
پر ناممکن اور محال سمجھتے تھے۔ وہ حقیقتیں اور خوارق عادات جس کا مظاہرہ اس کائنات کے
خالق نے غیبی اسرار کی مناد شخصیتوں انبیاء و رسل کے ہاتھوں کرایا تھا۔ تم آج سائنس اور
صنعت، راکٹ اور میزائل کے سہارے خلاؤں کے میدان میں اتر رہے ہو۔ ہم نے
مان لیا کہ صدیوں کی کدوکاوش کے بعد آج تمہاری رسائی خلاء سے پار کی دنیا تک ہو رہی ہے۔

رسولِ کریم اور عروج و پرواز کی منزلیں مگر کیا آج سے چودہ سو سال قبل مخلوقات میں
خلافتِ الٰہیہ کے سب سے عظیم مظہر انسان نے "محمد عربی فداہ ابی وامی" کی شکل میں عروج و
پرواز کی یہ ساری منزلیں پلک جھپکنے میں طے نہیں کی تھیں۔؟ ولقد رای من آیات ربہ
الکبری۔

وہ جو خود انسانی ارتقاء و عروج کا آخری نقطۂ معراج تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ جو
چاند اور ستارے تو کیا آسمانوں اور ملکوتی کائنات کی ساری بلندیوں سے بھی پرے پہنچ گیا جہاں
دنیا کی سب سے بڑی محرم راز اور طاقتور ہستی جبریلؑ امین کی رسائی بھی ناممکن تھی۔ ملأ اعلیٰ
کے اس اسراء و معراج میں نہ تو انہیں کسی جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت پیش آئی۔ اور نہ
اس عالم مادیات و مشاہدات کی کسی مادی قوت نے ان کی دستگیری کی۔ پھر یہ اسلام اور

مذہب ہی تو تھا جس نے انسانی عروج و استیلاء اور معراج وارتقاء کی ایسی جیتی جاگتی تصویر محمدؐ عربی کے معراج کی شکل میں صدیوں قبل دنیا کے سامنے رکھ دی تسخیر کائنات کا اتنا قدیم تصور اور اس کے دائرۂ امکان میں ہونے کی تعلیم کسی دوسرے مذہب، نظریہ اور عقیدہ نے اس سے پہلے نہیں دی تھی۔ یہ غلامانِ تجربہ وسائنس اور بندگانِ عقل تو اب تک اس کا مذاق اڑاتے رہے، اور زندگی کی تمام حقیقتوں اور آغاز وانجام کے خدائی تقاضوں اور حکمتوں کی طرح اسکی بھی تکذیب کی۔ بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمہ۔

تسخیرِ مخلوقات معرفتِ خالق کا ذریعہ | الغرض قدرت نے ہمیں پوری فیاضی سے اس کائنات سے فائدہ اٹھانے کا اختیار دیا کہ زندگی کے فطری سفر میں جو بھی رکاوٹ تمہارے سامنے آئے اسے زیر وزبر کر دو ـــــ مگر ہاں! زندگی کے کسی لحظہ اور کسی ثانیہ میں اس حقیقت سے غافل مت ہو کہ تمہاری یہ تمام قوتیں اور توانائیاں کسی "غیر" کی کرم نوازیوں کا نتیجہ ہیں۔ ایک وراء الوراء ہستی ہے جس نے تمہیں عقل وخرد کی نعمت سے نوازا اور تسخیر وتصرف کے یہ راستے سجھائے اس نے اپنی بے مثال فضل وکرم سے تمہیں عقل کی دولت دی، استنباط واستخراج کی نعمت سے نوازا جس کے ذریعہ تم کائنات کو اپنی جولانی اور تصرف، کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہو۔ عقل انسانی اور شعور وادراک کا یہ "جوہر" اُسی کا عطا کردہ ہے، جس کے ذریعہ تم عناصر اربعہ کی باہمی تحلیل وترکیب کر کے طاقت کے لازوال خزانوں پر قابض ہو گئے ہو۔ اگر اس کے فیض وکرم کی کرشمہ سازیاں نہ ہوتیں اور اس نے اس قیمتی جوہر "عقل وفہم" سے تمہیں نہ نوازا ہوتا تو تم اس کائنات کی سب سے حقیر وناتواں مخلوق ہوتے کہ اس کائنات میں عقل وخرد سے عاری مخلوق ہاتھی اور بیل وغیرہ جسم وضخامت کے لحاظ سے تم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ پھر وہی رب ہی تو ہے جس نے عقل وخرد اور خلافتِ ربانی کی نعمتوں سے تمہیں نواز کر اس کائنات کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم   اور البتہ ہم نے بنی آدم کو فضیلت

فی البر والبحر ورزقناھم من — دی اور خشکی و تری دونوں کی قوتیں

الطیبت وفضلنٰھم علی کثیر — اسکی تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی

ممّن خلقنا تفضیلا۔ — ہیں اور اچھی چیزیں اسکی روزی کے

لئے پیدا کر دیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے ان میں سے اکثر پر اس کو برتری دی۔

ھوالذی خلق لکم مافی الارض — اللہ وہی ذات ہے جس نے زمین

جمیعا۔ — کے بیچ ہر چیز کو تمہارے لئے پیدا کیا۔

تسخیر و اکتشاف اور قرآن | غیب کی راہیں سمجھانے والا یہ آخری صحیفۂ غیب کہتا ہے۔ کہ یہ تو خدا ہی ہے جس نے انسان کو تمام مخلوقات کی حاکمیت عطا فرمائی اور سفلیات تو کیا عالم بالا کے شمس و قمر تک بھی تمہارے زیر کر دئے۔

اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض — اللہ وہ ہے جس نے بنایا آسمان و زمین

وانزل من السماء ماءً فاخرج — اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے

بہ من الثمرات رزقا لکم و — نکالی روزی تمہاری میوے۔ اور

سخر لکم الفلک تجری فی البحر — مسخر کیا تمہارے لئے کشتی کو کہ اس

بامرہ وسخر لکم الانھار وسخر — کے حکم سے دریا میں چلے اور کام میں

لکم الشمس والقمر دائبین — لگایا تمہارے لئے ندیوں کو سورج کو

وسخر لکم اللیل والنھار وآتاکم — اور چاند کو ایک خاص دستور و نظام

من کل ما سألتموہ وان تعدّوا — کے مطابق اور کام میں لگا دیا تمہارے

نعمۃ اللہ لاتحصوھا ان الانسان — لئے رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر

لظلوم کفّار۔ — چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو

اللہ کے احسانات نہ پورے کر سکو بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ساری مخلوقات سے زیادہ محتاج بنا کر بھی کائنات کی ہر چیز کو

خواہ سفلی ہو یا علوی تمہاری بیگار میں لگا دیا۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوٰت۱؎ والارض واسبغ علیکم نعمۃ ظاھرۃ و باطنۃً (پ۲۱ آیت نمبر۲۰)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ (ترجمہ : مولانا احمد علی لاہوری)

والانعام خلقها لکم فیها دفء ومنافع ومنها تاکلون ولکم فیها جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیه الا بشق الانفس ان ربکم لرءوف رحیم (الی قولہ) ویخلق ما لا تعلمون ۔

اور اس نے تمہارے لئے چارپائے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرم کرنے والی پوشاک اور طرح طرح کے فائدے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور ان میں تمہاری نگاہوں کیلئے جمال و زینت بھی ہے جب تم انہیں صبح و شام گھومنے پھرنے چھوڑتے ہو۔ اور یہی جانور تمہارا بوجھ ایک شہر سے دوسرے تک لے جاتے ہیں کہ تمہارے بس میں وہاں

۱؎ نیز ملاحظہ ہو — وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمّٰی پ۲۳۔
وسخّر الشمس والقمر لیقولنّ اللہ پ۲۱۔ آیت ۶۱۔ الم تر ان اللہ سخّر لکم ما فی الارض والفلک تجری بامرہ پ۱۷ ع۱۵ وسخّر لکم الانهار۔ پ۱۳۔ وسخر لکم اللیل والنهار والشمس والقمر والنّجوم مسخّراتٌ بامرہ ان فی ذلک لآیٰتٍ لقوم یعقلون پ۱۴ آیۃ ۱۲۔ وھو الذی سخّر البحر (الی قولہ) لعلّکم تشکرون پ۱۴ آیت ۱۴۔ وسخّر الشمس والقمر کلٌّ یجری الی اجلٍ مسمّٰی وان اللہ بما تعملون خبیر۔ پ۲۱۔

پہنچنا تھا، مگر بڑی مشقت کے ساتھ بلا شبہ تمہارا پروردگار بڑا شفقت اور رحم والا ہے۔ الخ پھر وہ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جنکی تمہیں خبر نہیں۔

کیا آیتِ بالا کا آخری ٹکڑا ویخلق مالا تعلمون۔ الکشافاتِ حاضرہ اور موجودہ دور کی نت نئی اختراعات کیطرف اشارہ نہیں کرتا۔؟

نعمتِ تسخیر کا حق اور تقاضا ان آیاتِ بینات سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوتی ہے۔ کہ انسان کے یہ تسخیری کارنامے منشاء قدرت کے خلاف نہیں ہیں۔ اور نہ اسلام تمہیں اس سے روکتا ہے۔ بلکہ جگہ جگہ تفکر اور تدبر و تفہیم کی خاطر ہمیں اس کائنات کی وسعتوں میں غور و فکر اور سیر فی الارض کی دعوت دیتا ہے، اور چاہتا ہے کہ ہم اس عالم مشاہدات کے انفسی اور آفاقی آیات کو اس کے خالق کی پہچان اور ان قوتوں کو اسکی مرضیات کے حصول کا ذریعہ بنائیں۔ تمہاری یہ "خلانوردیاں" اسکی عظمت و قدرت کی پہچان کا ذریعہ بننی چاہئیں۔ اور ہر نئے انکشاف و اختراع اور ایجاد و ادراک کے وقت تمہارا رُواں رُواں اسکی کبریائی میں ڈوب جانا چاہیئے۔ کہ اس نے تمہارے آرام و آسائش کی خاطر نعمتوں کی ایک دنیا بسا دی اب تمہارا فرض ہے کہ اس کی حمد و ستائش کے گیت گاتے ہوئے اسکی نعمتوں کو ٹھکانے لگا دو۔ یہ چاند اور سورج تو اس کے انعامات و اکرامات کا ایک ذرّہ ہے۔ اور اس طرح اس عالم کا ہر ذرہ انسانیت کے ابدی فلاح، دائمی امن اور بقاء کا وسیلہ بننا چاہیئے نہ کہ تمہاری یہ سائنس و تحقیق اس کی عظمتوں سے غفلت و انکار، اور اسکی نافرمانی و سرتابی، اس دنیا کی مخلوقات پر ظلم و تعدی کا ذریعہ بن جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایجادات تمہاری بہیمی و حیوانی جبلت کی وجہ سے عالم کی تباہی و بربادی اور مخلوق کی ویرانی اور بربادی کا سبب بن جائیں بلکہ:

ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا	پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے
استویتم علیہ وتقولوا	تو اپنے رب کا احسان یاد کرو۔ اور

سبحان الذی سخر لنا ھذا وماکنالہ مقرنین و اِنّا الیٰ ربنالمنقلبون۔ | کہو کہ پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم ہرگز اسکو اپنے قابو میں نہ لا سکتے

تھے۔ (اگر اسکی رہنمائی و مددگیری نہ ہوتی۔) بالآخر ہم سب کو اسکی طرف لوٹنا ہے۔

کذلك سخّرنا ھالکم لعلکم تشکرون۔ | اللہ نے انہیں تمہارے لئے ایسا مسخر کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔

کذلك سخّرھا لکم لتکبّروا علی ما ھدٰکم | اس طرح انہیں تمہارے تابع کر دیا تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے

تمہیں ہدایت کی ــــــ (ترجمہ: حضرت مولانا لاہوریؒ)

چاند تک رسائی اور اسلام کا موقف | الغرض سائنسی کارناموں یا چاند اور سورج کی تسخیر کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں کوئی ایسی تصریح نہیں پائی جاتی جس سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو۔ سورج اور چاند کا کسی خاص آسمان میں ہونا یا دیگر سیارات کیلئے آسمانوں سے اوپر یا پانچویں یا چھٹے آسمان کے تعین کے جو اقوال مشہور ہیں وہ فلسفۂ یونان یا بطلیموسی علم ہئیت، یا اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں۔ البتہ قرآن و سنّت سے آسمانوں کا وجود ان کا ذی جرم ہونا ان میں دروازوں، گذرگاہوں کا پایا جانا، ان کا مختلف منازل و بروج پر تقسیم ہونا ثابت ہے۔ اکابرین اسلام میں حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے۔ کہ نظامِ فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر سمیت قنا دیل معلّقہ (لٹکے ہوئے فانوسوں) کی مانند آسمانوں کے نیچے موجود ہیں[1]۔ اور آسمانوں کا مقام ان تمام سیاروں سے اوپر ہے۔

طبعیاتی علوم اور امام غزالیؒ کی اصولی بات | باقی ان علوم کے بارہ میں اصولی بات

---

[1] النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی الملائکۃ۔
(روح المعانی ج ۵ص ۱۳)

وہی ہے جو امام غزالیؒ نے اپنی خود نوشت واردات و تاثرات المنقذ من الضلال میں ارشاد فرمائی کہ ریاضیات، منطقیات، طبعیات وغیرہ کا مذہب سے نفیاً و اثباتاً کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور نہ مذہب کے اثبات کے لئے ان کے انکار کی ضرورت ہے۔ ان طبعیاتی علوم کے بارے میں (جس میں عالم سماوات وکواکب، عناصر اربعہ اور اجسام مرکبہ و مفردہ سے بحث ہوتی ہے۔) ہمیں یہ اصولی بات یاد رکھنی چاہئے۔ کہ طبیعت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ خود مختار نہیں جو لوگ ان علوم کی باریکیوں سے مرعوب ہو کر یہ خیال کرتے ہیں کہ علوم غیب و حقائق میں بھی ان لوگوں کی مہارت کا یہی حال ہوگا وہ غلطی پر ہیں۔

امام غزالیؒ ایک طرف علماء طبعیات کے ان کارناموں سے مرعوب اذہان اور ان کی تقلید میں دین کے انکار اور استخفاف کرنے والوں پر سخت گرفت کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف ان سطحی اذہان پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

الآفة الثانية نشأت من صديق	طبعیات سے مرعوب ہونے کی طرح یہ بھی
للاسلام جاهل ظن ان الدين	ایک بڑی آفت ہے کہ اسلام کے بعض
ينبغي ان ينصر بانكار كل علم	نادان دوست فلاسفہ اور علماء طبعیات
منسوب اليهم فانكر جميع علومهم	کی ہر نئی دریافت اور نظریہ اور ان کے
وادعى جهلهم فيها حتى انكر قولهم	ہر دعویٰ کی تردید اپنا فرض اور اسلام کی خدمت
في الكسوف والخسوف وزعم ان	سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ طبعیات کے سلسلہ
ما قالوا خلاف الشرع فلما قرع	میں سورج گرہن چاند گرہن تک کے بارے
ذلك لسمع من عرف ذلك	میں انکی باتوں کو خلاف شرع اور مذہب
بالبرهان القاطع لم يشك في	سے متصادم سمجھ کر ٹکرا دیتے ہیں اسکا ضرر

برهانه ولكن اعتقد ان الاسلام	پہلو یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان نظریات و
مبنى على الجهل وانكار البرهان	انکشافات کی صداقت کے قائل ہوتے
القاطع فيزداد للفلسفة حبّاً و	ہیں۔ اور مضبوط دلائل سے ان کے ہاں یہ
للاسلام بغضاً ولقد عظم على الدين	چیزیں مسلّم ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان کا اعتقاد
جنايةً من ظن ان الاسلام ينصر	خود اسلام کے بارہ میں متزلزل ہو جاتا ہے۔
بانكار هذه العلوم وليس في	(اور معاذ اللہ) وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ
الشرع تعرض لهذه العلوم	اسلام کی بنیاد جہل اور مشاہدات سے انکار
بالنفي والاثبات ولا في هذه	پر ہے۔ پھر بجائے طبعیات کے انکار
الامور تعرضٌ للامور الدينية۔	کرنے کے اسلام سے ان کی بدگمانی بڑھ

جاتی ہے۔ ان لوگوں کی اسلام کے بارے میں یہ بڑی جسارت ہے جن کا گمان ہے کہ اسلام ان علوم کے انکار کی حوصلہ افزائی کرتا ہے حالانکہ شریعت کو نہ تو ان اشیاء کا ثبوت مطلوب ہے اور نہ انکار مقصود اور نہ ان علوم و تحقیقات میں دینی اصول کو تعرض ہو سکتا ہے۔ (المنقذ من الضلال للغزالیؒ ص۱۰)

حسن و قبح کا دار و مدار مقاصد اور استعمال پر ہے۔ | یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے بخوبی واضح ہوا کہ سائنس کے کسی بڑے سے بڑے کارنامے کا مذہب کے کسی پہلو پر زد نہیں پڑتی۔ پھر اسلام جیسا دینِ فطرت ــــــ! جو اپنے بنیادی اصول و ارکان روح اور مزاج اور مقاصد میں ذرّہ بھر ترمیم و تبدیلی کا روادار نہیں۔ اس کے مبادی اور اغراض لافانی اور اس کے احکام و قوانین اٹل ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہی ملّتِ حنیفیہ سائنس و علم اور نظریات کے کسی چیلنج کو قبول نہ کر سکے وہ ان مادی ترقیات کی مخالفت نہیں کرتا بشرطیکہ اس فانی کائنات میں تمہارا یہ تگ و تاز مقاصد و مبادی اور انجام سے بے فکری کا باعث نہ بنے اور تم وسائل و ذرائع کو زندگی کا مقصد نہ ٹھہرالو۔ یہ چیزیں بذاتِ خود نہ خیر ہیں نہ شر۔ اگر تمہاری یہ تسخیری قوتیں عالم کی فلاح انسانیت

کی باہمی خیر خواہی و ہمدردی، حقیقتِ انسانی کی پہچان کا ذریعہ اور حصولِ آخرت کا وسیلہ بنتی ہیں تو ان کی خوبی کے کیا کہنے۔ اور اگر تمہارے یہ ایجادی و اختراعی کارنامے دنیا کے مختلف ممالک کی تباہی اور بربادی عالم کی تخریب کاری اور انسانیت کی پریشان حالی، ایک دوسرے کو مغلوب و مقہور کرنے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کا باعث بنتے ہیں ـــــ اور جیساکہ دو عالمی لڑائیوں سے لیکر اب تک ان اشیاء کے استعمال سے ثابت ہو رہا ہے۔ تو تمہاری یہ سائنس و تحقیق اور یہ شبانہ روز کوشش صرف اس جذبۂ حیوانیت اور درندگی کی تسکین اور اس وحشت و بربریت کا ظہور ہے جو خدا اور نوامیسِ فطرت سے غفلت و انکار مادیت کو منتہائے حیات بنانے کے بعد ان انسان نما جسموں کو وحشی درندوں اور چوپائیوں سے بھی ذلیل و خوار بنا دیتا ہے۔ اولئک کالانعام بل ھم اضلّ۔ اگر تمہارا مقصد ان خلائی فتوحات سے زمین کے رہے سہے چین و سکون کو تباہ کر کے اپنے سامراجی اور حیوانی ارادوں کو پورا کرنا ہے۔ تو کائنات کی ملکوتی طاقتیں تمہاری ان کامیابیوں پر لعنتیں بھیجتی ہیں۔ اور پکار پکار کر کہہ رہی ہیں ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی   کہ بر آسماں بال و پر داختی

پھر خدا کے نزدیک اس خلائی اور ایٹمی دور کے روشن خیال اور آدم نما "درندہ" سے قرونِ اولیٰ کا وہ "غیر مہذب" انسان ہزار درجہ بہتر ہے جو غاروں میں رہتا۔ مگر اس کا دل انسانیت کے احترام و فلاح اور خدائی اقدار کی عظمت و تقدیس سے معمور تھا۔

ایجاد و اختراع اور بربادئ عالم | ہیروشیما کی دلدوز داستانیں کسے بھولی ہونگی صرف ایک دن (۶ اگست ۱۹۴۵ء) کو صرف ایک بم سے جاپان کا یہ عظیم الشان شہر پیوندِ خاک ہو کر رہ گیا صدر میونسپلٹی کی رپورٹ کے مطابق اس ایک بم سے دو لاکھ چالیس ہزار افراد ہلاک ہوئے سینکڑوں میل تک فضا تابکاری ذرات سے زہر آلود ہوئی اور جس کی تاثیر سے بچے ہوئے لوگوں کا خون تحلیل ہوا۔ ان کے بال گرتے رہے اعضاء سکڑ گئے اور رفتہ رفتہ موت

کے گڑھے میں جاگرے (ترجمہ ما ذا خسر العالم) پچھلے ہفتہ فرانس کے مشہور رسالے — "پیرس مارچ" — میں اس تباہی کی ہلاکت آفرینی کی مفصل رپورٹ شائع ہوئی جس کا ترجمہ جنگ ۲ مارچ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس رپورٹ کا کہنا ہے کہ "دس لاکھ برسوں کی انسانی ترقی پر چند لمحوں میں پانی پھیر دیا گیا۔"

یہی حال دوسرے شہر ناگاساکی کا ہوا۔ یہ تو اس وقت کے ایٹم بم کا حال تھا۔ آج کے بیس میگا ٹن کا ایک بم ان بموں سے ہزار گنا طاقتور ہے اور اگر یہ بم ایسے شہر پر گرایا جائے جس کا رقبہ بیس میل میں پھیلا ہو تو چشم زدن میں یہ ساری آبادی نیست و نابود ہو جائیگی۔ برطانوی سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق لندن یا نیویارک جیسی گنجان آبادی پر یہ ایک بم دو کروڑ انسانوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہے۔ امریکی حکام اپنی ایسی دور مار میزائلوں کا دعویٰ کر رہے ہیں، جس سے براہ راست چین اور روس کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔ حکومتِ روس اعلان کر رہی ہے کہ اس کے پاس ایک سو میگا ٹن ہائیڈروجن بم تیار ہو چکا ہے جو روس سے ہزاروں میل دور دشمن کے علاقوں کے ہر صنعتی، اقتصادی اور فوجی مرکز کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اور اس کے مہلک تابکاری اثرات لاکھوں مربع میل کے ہر جاندار کو مفلوج کر کے رکھ دیں گے۔

تہذیبِ جدید کی سائنسی فتنہ سامانیاں | تہذیبِ جدید کی ان سائنسی فتنہ سامانیوں کی تعبیر حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کی ہے۔

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

یہ حال تو ان چیزوں کے اختیاری اور ارادی استعمال کا ہے، غیر ارادی اور تکوینی طور پر ان چیزوں کی ہلاکت آفرینی کا حال کیا ہے۔؟ پچھلے ایک ماہ میں دنیا کی صرف ایک حکومت کے ایک دارالخلافہ ٹوکیو میں پے در پے ہوائی حادثوں سے تین سو افراد ہلاک ہوتے، دنیا کے مختلف حصوں میں آٹھ دس ہوائی جہاز گر کر تباہ ہوئے۔ امریکہ کا ایٹمی اسلحہ سے لیس ہوائی جہاز

بحیرہ سپین میں گرا اور ایک دنیا کو ہلاکت اور تباہی کے خطرے میں ڈال دیا گیا۔ اس طرح اس درندگی و بہیمیت کو بھی نگاہ میں رکھئے جس کا مظاہرہ ویٹ نام کی نہتی انسانیت پر کیا جا رہا ہے۔

ایسے ہولناک نتائج کو دیکھ کر ڈاکٹر الفریڈ ایون نے جنگ عظیم کے بعد کہا تھا کہ "جنگ عظیم کے بعد سائنسی انکشافات کے بارہ میں میری اچھی توقعات کا خاتمہ ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہی علوم و فنون اور انجنیری کی ساری حکمتیں جس سے انسان کی خدمت کی جا سکتی تھی الٹی اس کے حق میں دشمن بن گئیں اور اسکی وحشت و سنگدلی شقاوت اور بہیمیت میں ان آلات سے بدرجہا اضافہ ہو گیا۔ تخریب و بربادی کے عظیم الشان انجن ہم جانوروں کے ہاتھ آگئے۔" ان "ترقیات" کی نظر فریب حقیقت دوسرے سائنسدان پروفیسر جوڈ نے ان الفاظ میں ظاہر کی کہ "تم ہوائی جہاز کو فضائے انسانی پر اڑتے دیکھ کر اس کے موجد کے عزم و ہمت پر عش عش کرنے لگتے ہو مگر ذرا ان مقاصد کا جائزہ لو جن کے ماتحت یہ ہوائی جہاز استعمال ہو رہے ہیں۔ وہ مقاصد کیا ہیں۔؟ فضائے آسمانی سے نہتے انسانوں پر بمباری انسانوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندوں کا گلا گھوٹنا، انسانی جسموں کو جلا دینا۔ زہریلی گیسوں کا پھینکنا یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہو سکتے ہیں۔ یا شیطانوں کے۔

انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا و تزھق انفسھم وھم کفرون۔ الآیۃ

ھل یجزون الا ما کانوا یعملون صدق اللہ خالق الکل مولانا الکریم۔

چاند اور ستاروں کی تسخیر

سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، امریکی خلائی جہاز اپالو دہم کے حالیہ تجربہ اور ۲۰ جولائی ۶۹ء کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین سیارہ چاند انسانی قدموں کے زیر ہوا چاہتا ہے۔ مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبعیاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساس کمتری، مرعوبیت اور شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے۔ آج کی فرصت میں اسلامی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

فطرت انسانی کے تجسس کا قابل تسلیم جواب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم اپنی تخلیق و بقا اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ، انرجی، نامعلوم الیکٹرون یا سلسلۂ علت و معلول کا منت پذیر نہیں بلکہ یہ نہایت منظم اور پر حکمت کائنات ایک حی و قیوم اور حکیم و علیم صانع کی کرشمہ سازی ہے۔ انسانی فطرت کی اس بارہ میں جو تجسس اور بے چینی ہے۔ اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابل تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ کر عقلاء اور فلاسفۂ قدیم یا عصر حاضر کے ماہرین طبیعیات اور سائنسدانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا وہ ایک ایسی سرحد پر ختم ہو کر رہا جہاں انہیں حیرت و اضطراب، فکری انتشار، تضاد بیانی اور بالآخر عجز و درماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا۔

لامحدود کائنات اور سائنسی اعترافات پھر یہ کائنات صرف وہی نہیں جو اب تک ہمارے

علم وادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آچکی ہے بلکہ خداوند قدوس کی خدائی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ سائنس کو اپنی تحقیق اور تجربات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا جتنا حصہ ہمارے علم ومشاہدہ میں آچکا ہے۔ وہ اس لامحدود کائنات کا کھرواں حصہ بھی نہیں جواب تک ہماری نگاہ درماندہ سے مستور ہے۔ مذہب نے اپنے آخری ترجمان رسول اکرمؐ کی زبانی کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو تردد ہوا مگر آج کے سائنس دانوں نے خالق کائنات کی تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس قسم کے اعترافات سے منکر سے منکر انسان کا بھی سر تسلیم خم کرا دیا اور مذہب کی تائید وتصدیق کا یہی وہ کام ہے جو خداوند کریم آج سائنس سے لے رہا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کیا حال ہے ؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں۔ کائنات کی وسعت کے بارہ میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں ورنہ حقیقت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ صرف ستاروں کو لیجئے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جزاور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹیلس کی تحقیق کے مطابق اگر رات کو مطلع صاف ہو تو ۵ ہزار تارے نظر آتے ہیں۔ ہلکی دوربین سے کئی ہزار قوی دوربینوں سے کروڑوں اور امریکہ کے بڑے رصد گاہ ماؤنٹ پالومر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹنڈل نے جغرافیہ عالم میں خوردبینوں سے نظر آنے والے ان تاروں کی تعداد سات ارب بتلائی ہے مگر بعض علماء فلکیات کا خیال ہے کہ ان ستاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرات سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر ان میں سے بعض تارے تو حجم میں اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں سما سکتی ہیں۔ پھر ان ستاروں کی درمیانی مسافت اور کرۂ ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے۔ انہی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل سورج ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل دور ہے۔ ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا رہا ہے۔ پھر یہ کائنات ستاروں کی لاتعداد کہکشاؤں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے اور ہمارے شمسی نظام کا قریب ترین کہکشاں اپنے محور پر گردش کرتے ہوئے ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا کرتی ہے۔ پوری

کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۸۶ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق و انکشاف کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ رہے۔ اس پر بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پھیلنے کی رفتار آئن سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۲۰۰ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دگنی ہو جاتی ہے اور یہ جو روشنی ستاروں سے پھوٹ پھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے۔ وہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آرہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی اور سرعت کے باوجود ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی۔ یہی وہ چیز ہے جو اس کائنات کی وسعت کی صحیح تعبیر اس کی بے حساب حکمتوں اور اس کے صحیح اندازہ کے بارہ میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خداوند کائنات نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا:-

ولو ان ما فی الارض من	اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ
شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ	سمندروں کے ساتھ سات اور ایسے سمندر بھی
من بعدہ سبعۃ ابحر	سیاہی بن جائیں جب بھی خدا کی تخلیقی
ما نفدت کلمات اللہ۔	کارفرمائیوں اور حکمتوں کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی۔

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے وما یعلم جنود ربک الا ھو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی) اور وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا سا علم) سے اشارہ فرمایا ہے۔

عالم غیب یہ حالت تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور عناصر و محسوسات کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے بالا اور عقل و خرد کی ترک تازیوں سے وراء الوراء ہے جسے "عالم غیب" سے موسوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری کائنات ایک وسیلہ اور خادم ہے۔ اس کی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے تو یہ پوری مادی

کائنات بھی ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے جس کے حصول اور جس کی تعمیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام آتے رہے اور ان ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا دارو مدار ہے۔

تخلیق کائنات کا مقصد اور تسخیر کائنات کے خدائی تقاضے

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس پورے عالم آب و گل کو اس کے خالق نے بے مقصد اور سعی لاحاصل قرار نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ "حضرت انسان" کو اول روز سے علمی قوتوں سے مالا مال کیا۔ (وعلّم آدم الاسماء کلھا) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبّر کرنے، اس کی حکمتوں کو سمجھنے، اس کے لامحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسے عالم آخرت کے لئے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل دعوت دیتا چلا آرہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کے ذرہ ذرہ کو خالق کائنات کی پہچان اور اس کی عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بنادو۔ اس کے چپہ چپہ میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر پنہاں ہیں۔ اس کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامان تعیش کا ایک گنج گرانمایہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس رب کریم کی نہایت کرم نوازی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برساتا ہے جسے تم قیامت تک حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ خلق و قدر تخلیق اور ایجاد کے اس عمل میں ہر لحظہ ترقی، تسلسل اور اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے ویخلق مالا تعلمون اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم اس کی دی ہوئی نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اس کی عظمتوں میں ڈوب جاؤ۔ سراپا عبدیت اور بندگی بن جاؤ اور تمہارا رواں رواں اس کائنات میں تمہارے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک واضح نشانی بن جائے۔

ثم تذکروا نعمۃ ربکم | پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے

اذا استویتم علیہ وتقولوا	تو اپنے رب کا احسان یاد کرو اور کہدو
سبحان الذی سخر لنا ھذا	کہ پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو
وما کنالہٗ مقرنین وانآ الی	ہمارے بس میں کردیا۔ بیشک ہمیں اپنے
ربنا لمنقلبون ۔	رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس مقصد کے لئے قرآن کریم مادیات کی تسخیر کے ساتھ ساتھ کہیں لعلکم تشکرون (تاکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں لتکبروا اللہ علی ماھداکم (تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

مذہب اور سائنس کے سرحدات اور سرچشمے: اس وسیع کائنات کا صرف انسان کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودلیعت فرمانا اور اوّل تا آخر غور و تدبر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر عناصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کے لئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے — تو ایک سچے اور صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز وانجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہدایت و اصلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتاتا ہے۔ مذہب کی حدود فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اس کی قوت پرواز جواب دے دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبیعات کا تعلق صرف عالم آب و گل اور کثیف عناصر سے ہے۔ خواہ اس کا ظہور کرۂ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور سورج کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیات اور الہیات ہیں۔ وہ ہمیں انسان کے گہرے مسائل، فطری حقائق، نوامیس خداوندی، آخرت، حساب وکتاب اور قانون

مکافاتِ عمل، زندگی کے انجام اور توحید و رسالت جیسے لطیف اور باقی و پائیدار امور سے واقف کراتا ہے۔ اول الذکر کے اصول و مبادی ہر وقت تغیر پذیر ہیں۔ اس کی تحقیق و انکشاف پر مبنی نتائج میں ہر لحظہ ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے جبکہ مذہب کے اصول و مبادی اٹل اس کی سچائیاں ابدی اور اس کے علوم و نظریات کی صداقت لافانی اور ہر زمانہ اور ہر دور کے لئے ایک چیلنج ہوتی ہے۔ ایک کا سرچشمہ خدائے حی و قیوم کی دی ہوئی روشنی وحی و نبوت ہے۔ دوسرے کا مبلغ علم، عقل خام اور فہم ناقص ع فاین الثریا واین الثری۔

سائنس اور مذہب میں کوئی تصادم نہیں

پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم انتہا تعجب خیز نہیں جتنی کہ یہ رائے قائم کر لینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے۔ اگر سائنس کی کوئی بات معاینہ صحیح اور عقل سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے اس کا ٹکراؤ ہو۔ اگر ایسی صورت حال کہیں پیدا ہو جائے تو وہ درحقیقت عقل کی ٹھوکر کا نتیجہ ہوگا۔ حقائق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم و فہم سے لغزش ہوئی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کا رشتہ ہم نے مذہب سے ملا دیا ہوگا جو نہ تو کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا اور نہ اس کا رشتہ درحقیقت مذہب کی اولین تعلیمات سے ملا ہوگا ——— اور یہ اس لئے کہ جس طرح ایک سچا مشاہدہ اور علمی دریافت قابل تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول اس سے ہزار درجہ ناقابل تردید اور واجب التسلیم ہے۔ دونوں میں تعارض ناممکن ہے۔ دونوں کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدود و اختیار جدا جدا ہیں۔

خدائی تعلیمات کا اصل موضوع

تیسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی و رسالت

کا اوّلین مقصد صرف اور صرف انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہوتی ہے۔ نبی کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین، بھلائی کی ہدایت، خلق کا خالق سے رشتہ ملاتا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح مصرف اور محل میں استعمال کرانا اور اس زندگی کو حیات جاودانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے۔ وہ اگر آیات آفاقی و انفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذات وحدہٗ لاشریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے۔ وہ عالم آخرت و حیات بعد الموت کا ذکر چھیڑتا ہے تو ایسی استدلال اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کراتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے تکوینی امور و حقائق کی طرف توجہ دلاکر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہو اصلاً یہ تعلیمات تعلیمات ہدایت ہو۔ حقائق اشیاء اور عناصر کی کنہ و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا۔ چاند کے بارہ میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ قل ھی مواقیت للناس والحج کہ یہ توقیت اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ آگے اس کی ماہیت اور حقیقت، زمین سے اس کی مسافت اور اس کے قابل تسخیر ہونے یا نہ ہونے سے سکوت کیا گیا کہ وہ تو ہدایت کی کتاب تھی، کیمیا، نجوم، ہیئت اور ریاضی کی نہیں الغرض جن مسائل کا تعلق عالم غیب سے نہ تھا انہیں انسانی علم و فہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پر مجبور کرتا تھا۔

راہ اعتدال | پس اگر آج کوئی شخص علماء طبعیات کے کسی کارنامے سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے تو وہ اتنا ہی قابل مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے۔ دونوں راہیں غلط اور عقلی بے مائیگی کی علامت ہیں۔

چاند کی تسخیر میں اسلام کا مؤقف

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ لیجئے۔ بلاشبہ قرآن وحدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صاف، صریح اور محکم الفاظ میں نشاندہی نہیں کی کہ نہ تو یہ چیز اس کے موضوع میں داخل تھی اور نہ چودہ سو سال بعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی کسی دریافت کی تمام تفصیلات اس وقت کے اذہان کے لئے قابل فہم تھیں[1]۔ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے متحقق اور وقوع ہونے کی نفی بھی کی ہے؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب وسنت کی تصریحات میں ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اس کی تغلیط ہوتی ہو۔ چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کی طرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا جڑنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں۔ وہ سب کے سب فلسفہ یونان رومی علم الافلاک یا بطلیموسی علم ہیئت یا پھر اسرائیلی روایات بلکہ خود اب تک کے سائنسدانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں۔ صدیوں تک ان افکار ونظریات کا غلغلہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا تفسیر محکم کے طور پر ہرگز نہیں۔

نظام فلکی اور آئمہ سلف

پھر ان تفاسیر میں اگر بطلیموس اور فیثاغورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبداللہ بن عباس جیسے حبر الامت صحابی اور

---

[1] یہاں واضح اور غیر مبہم اخبار واطلاع کی نفی ہے ورنہ علامات ساعۃ کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں تاویل کے درجہ میں عصری ایجادات کے لئے پیش گوئی قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اس وقت کی مخاطب دنیا کا محافظ رکھا گیا اور جو دن کے اجالے کی طرح ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اس صادق ومصدوق ﷺ کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔ "س"

عطاء بن ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات بھی موجود ہیں جن سے عصر حاضرہ کی موجودہ تحقیقات کی تائید ہو رہی ہے۔ ان حضرات کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر، زہرہ، عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فانوسوں کی مانند ہیں، یہاں تک کہ جن چیزوں کی تعبیر موجودہ اصطلاح میں مرکز ثقل، کشش اور مدار میں گردش وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ ان روایات میں انہیں نور کی زنجیروں، ڈھکی ہوئی موج، جذب اور مدار وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگ چاند اور ستاروں کو اسرائیلی روایات یا اپنی تاویلات کے بل بوتے پر آسمانوں کے اوپر یا ان کے بیچ میں انگوٹھی میں ہیرے اور تختے میں میخ کی مانند جڑا ہوا ثابت کرانا چاہتا ہے۔ محقق علماء اور مفسرین نے ان کی تردید کی ہے اور ان تاویلات کو بے دلیل اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ لا یعول علیھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روح المعانی (ج ۷ ا-۱۸ -۳۰) اور دیگر تفاسیر ـــــ قرآن کریم کی ظاہری عبارت اور سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ آسمانوں کو ایک محفوظ چھت قرار دے کر اس چھت کو ستاروں سے روشن کرنے کا احسان جتلاتا ہے۔

آسمانوں کا وجود | رہا آسمانوں کا وجود تو بیشک قرآن و سنت بار بار اسے ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا وجود، ان کا تعدد، ان کا ذی جرم ہونا، ان میں دروازوں اور گزرگاہوں کا پایا جانا اور مختلف منازل اور برجوں پر ان کا تقسیم ہونا یہ سب کچھ صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کے ہوتے ہوئے جنہیں اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے) کائنات کی ایک حقیر مقدار اور معمولی ذرہ کے برابر چاند اور سورج کی صورت میں کسی سیارہ تک رسائی ہو جانے سے یہ دعوے کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں علم و فہم اور عقل و خرد کی تضحیک اور رسوائی نہیں تو اور کیا ہے۔ کنویں کے مینڈک کی مثال شاید ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی اور پر کبھی صادق نہ آئی ہو۔ حال ہی میں ایک تازہ بیان کسی سائنسدان کا نظر سے گزرا تھا کہ دور دراز سیاروں سے آگے ایک لامحدود خلاء ہے جس کو پاٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ الغرض ایک چاند تو

کیا تمام سیارے بھی ہماری کمند میں آجائیں تو کسی اسلامی تحقیق اور آسمانوں کے وجود کے بارہ میں اسلام کے کسی دعویٰ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

اسلام نے کبھی بھی سائنسی اور مادی ترقیات سے نہیں روکا

کائنات کی ان لامحدود وسعتوں میں غیر اقوام کی ترک تازیوں کو دیکھ کر یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا بہت سے لوگ اس میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی کا الزام بے چارے اسلام کے سر تھوپنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود اس طبقہ کی ذہنی پستی اور فکری غلامی کا نتیجہ ہے جسے وہ بڑی عیاری اور چالاکی سے اب اس اسلام کا سر مونڈھنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ وہ اپنا ذہنی و فکری اور عملی رشتہ صدیوں ہوئیں کاٹ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام نے سائنسی اور مادی ترقی اور تسخیری کوششوں سے ہمیں کب روکا تھا؟ اسلام کی ترجمانی کرنے والے علماء اور راسخین نے کب آپ کا ہاتھ روکا ہے؟ اسلام ان بے مایہ ادیان اور مذاہب، عیسائیت اور پاپائیت جیسا نہ تھا کہ ان میں عصری تقاضوں اور سائنسی انقلاب کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی اور یورپی اقوام کو سائنسی انقلاب کے لئے اپنے مذاہب کے ہاتھوں آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا بلکہ وہ ہر دور کے چیلنج کا مجسم جواب رہا اور قیامت تک رہے گا۔ پھر کیا ایک بھی مثال اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ سے پیش کی جا سکتی ہے کہ اس نے علم و تحقیق ایجاد و اختراع اور مادی ترقی کو پابجولاں کر دیا ہو۔ یہ سیاہ تصویر اگر ہے تو یورپ کے کلیسائی نظام کی ہے اسلام کی نہیں۔

مسلمانوں کے تخلف کے اصل ذمہ دار

پس طبیعاتی علوم میں مسلمانوں کا تخلف اگر ہے تو اس کی ذمہ دار یورپ کی وہ اندھی تقلید ہے جو ہماری نظر انتخاب صرف وہاں کی فحاشی، عیاشی اور دیگر خرابیوں پر ہی ڈالتی ہے مگر علم و تحقیق اور سائنس کے میدان میں ہاتھ پاؤں توڑ کر اور کاسہ گدائی لے کر ہم صرف ان نوالوں کے چبانے اور اگلنے پر اکتفا کرتے ہیں جنہیں آقایان مغرب اگل کر ہمارے سامنے [illegible] ہیں۔ اگر مذہب دافعی ہمیں ان ترقیات سے

روک سکتا ہے تو جن لوگوں نے صدیوں سے حاملین مذہب کو از کار رفتہ قرار دے کر مذہب کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے اور دو ڈھائی سو سال سے اپنی ساری فکری اور علمی قوتیں مغربی نظام تعلیم میں کھپا رہے ہیں۔ انہوں نے سائنس کے میدان میں کونسا تیر مارا ہے۔ اس میدان میں ان کی رسائی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مغرب کے بنائے ہوئے اوزار اور ایجادات کا کچھ استعمال سیکھ سکیں تو درحقیقت ہماری پسماندگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے یورپ کے خراد پر اپنا مذہب، اپنا ورثہ اور اپنی فکری قوتیں بھی چڑھا دیں اور اس کے بدلے میں مغرب سے ایک ناقص اور جامد نظام تعلیم قبول کر لیا جس کے نتیجہ میں ہمیں سوائے ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کے کلرکوں، مسٹروں اور اس کی تہذیب و معاشرت میں نقالی کرنے والے بہروپیوں کے اور کچھ نہ ملا۔ اس نظام تعلیم سے ہمیں ذہنی آوارگی یورپ کی مرعوبیت، مذہب سے گریز کی دولت تو مل گئی مگر ایجاد و اختراع، تحقیق اور دریافت کی کنجیاں انہوں نے اپنے پاس ہی رکھیں۔

تسخیری جدوجہد کے ہولناک نتائج

آخر میں اگر اعلیٰ انسانی اقدار کی روشنی میں امریکہ اور روس کے اس مقابلہ اور مسلسل جدوجہد کے محرکات و اسباب کا جائزہ لیں تو ہمیں اور بھی مایوسی ہوگی۔ ان تسخیری قوتوں سے انسان کی کونسی مشکلات ختم ہو جائیں گی اس کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا مگر اس سلسلہ میں اب تک جتنی ایجادات ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ ان اقوام کی انسان دشمنی، حیوانیت اور درندگی کی وجہ سے ان میں سے اکثر انسان کی فلاح و بہبود کی بجائے اس کی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بنی ہیں۔ عالمی لڑائیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ تسخیر قمر کی اس جدوجہد کی پشت پر بھی یقیناً یہی حیوانی جذبات کارفرما ہیں یہ لوگ ایک ایک تجربہ پر کئی کھرب روپے پھونک رہے ہیں مگر روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں بھوکے ننگے سردی اور دھوپ میں جھلنے والے اور حبنگ کی بھٹیوں میں جلنے والے انسانوں کے امن و سکون اور بنیادی ضروریات فراہم کرنے کے لئے سائنس کے پاس وہ کونسا

نسخہ کیمیا ہے جسے اب ستاروں اور آسمانوں پر آزمایا جا رہا ہے۔ پھر اس دوڑ دھوپ کا مقصد ایک دوسرے پر بالادستی اور برتری ہے تو اس وسیع اور لامحدود کائنات اور ریت کے ذرات کے برابر ستاروں کے ہوتے ہوئے یہ مقابلہ اور ریس آخر کہاں جا کر ختم ہوگا؟ کوئی مانے یا نہ مانے مگر انسانیت کی فلاح کامیابی اور امن وسکون کا حل صرف مذہب کے پاس تھا اور یورپ نے بڑی عیاری سے اس کا رخ ایک نہ ختم ہونے والی مادی عیاشی کی طرف موڑ دیا ہے تاکہ جلد از جلد یہ عالم اپنے انجام تک پہنچ جائے۔ گویا خدا کی دی ہوئی شہادت اب پوری ہوا ہی چاہتی ہے کہ اقتربت الساعۃ وانشق القمر اور قریب ہے کہ وقت موعود کسی بھی وقت انسانوں کے اوپر پھٹ پڑے۔
لا یجلیہا لوقتہا الا ہو ثقلت فی السموات والارض لا تاتیکم الا بغتۃ۔

(جولائی ۱۹۶۹ء)

چاند تک انسان کی رسائی

چند شبہات کا ازالہ

چاند تک انسان کی رسائی کے بارہ میں دارالافتاء اور ماہنامہ الحق کے دفتر میں بیشمار خطوط موصول ہوئے، اس مسئلہ پر جولائی راگست ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں مفصل روشنی ڈالی گئی، بعض خطوط میں کچھ لوگوں نے اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے، دارالعلوم کے دارالافتاء نے اس مضمون میں ان شبہات کے ازالہ کی کوشش کی جسے ماہنامہ الحق نے شائع کیا تھا۔ اب یہاں بھی بغرض افادۂ عام شامل فتاویٰ کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

(الف) اولاً چند بنیادی باتیں عرض ہیں۔ واضح رہے کہ تمام اہلِ اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اس سارے عالم کا بنانے والا صرف اللہ ہی ہے اور وہ اس عالم کے تمام ذرّات اور تمام ان قوتوں سے جو کہ عالم میں ودیعت کی گئی ہیں بخوبی عالم اور واقف ہے۔ پس جو حقائق اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بیان کیے ہیں ان میں غلطی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر سائنس اور وحی میں اگر تصادم محسوس ہو تو یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ سائنسدانوں نے پوری تحقیق نہیں کی ہے ورنہ ان کی صحیح تحقیقات وحی سے کبھی متصادم نہ ہوتیں کیونکہ وحی اور سائنس (جو واقعات پر مبنی ہو) میں مخالفت اور تصادم ناممکن ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے وحی اس مقصد کے لیے نازل کی ہے کہ انسان کو تعلق مع اللہ کے حصول کے طریقے معلوم ہوں اور مرضیاتِ الٰہی غیر مرضیات سے ممتاز ہوں، وحی الٰہی کا مقصد اسلحہ سازی اور کارخانہ سازی نہیں ہے اور نہ قرآنِ کریم تاریخ یا جغرافیہ کا صحیفہ ہے، ان مقاصد کی تحصیل کے لیے نعمتِ خداداد یعنی عقل کا استعمال ضرورت کے وقت کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی میں ایسے حقائق کی طرف کوئی تعرض نہیں کیا جاتا ہے جن کا نزولِ وحی کے مقصد کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

(ج) عقلیات اور اسرائیلیات کے ساتھ اسلامی رویہ یہی چلا آیا ہے کہ ان میں سے جو امور وحی سے مخالف ہوں ان کی تکذیب کی جائے گی، اور جو مخالف نہ ہوں تو وہ دو قسم ہیں، ایک یہ کہ مشاہدہ یا دلیل سے ان کا ثبوت ہوا ہو تو ان کی تصدیق کی جائے گی، دوسرا یہ کہ مشاہدہ یا دلیل سے ان کا ثبوت نہ ہوا ہو تو ان کی نہ تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب۔

(د) قرآن اور حدیث سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کفار آسمان میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لاتفتح لھم ابواب السماء، مکذبین اور کفار کے لیے (ان کے اعمال اور ارواح اور اجساد کے لیے) آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے (سورۃ الاعراف ع ۵) لیکن آسمان تک جانے سے ممنوع نہیں ہیں، اور نہ آسمان تک جانا مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان) بلکہ شیاطین اور جنات کا آسمان تک چڑھنا اور آسمان کو چھونا نصِ قرآن سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا۔ (سورۃ جن) لہٰذا جو اشیاء آسمان سے نیچے ہیں کفار کے لیے ان پر چڑھنا ممنوع نہیں ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(ھ) چاند کے متعلق حکماء یونان (سائنسدان) کا خیال اور عقیدہ تھا کہ چاند پہلے آسمان کے ثخن میں مرکوز ہے اور بہت سے اہل اسلام بھی ان سے موافقت کرتے تھے، اس بناء پر کہ یہ عقیدہ نصوص سے متعارض نہیں تھا، اس لیے کہ قرآن وحدیث میں چاند کے متعلق صاف طور پر نہیں کہا گیا تھا کہ چاند آسمان کے ثخن میں مرکوز ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ جان آسمان و زمین کے درمیان فضاء میں ہے کیونکہ قرآن کے مقصدِ نزول کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، بیشک قرآنِ مجید میں چاند کے متعلق "فی" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: وَجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا۔ وقال اللہ تعالیٰ، جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا۔ وقال اللہ تعالیٰ: كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ مگر کلمہ "فی" کا مدلول ظرفیت ہے نہ کہ مرکوزیت، یعنی "فی" کا مدلول یہ ہے کہ اس کا مدخول کسی چیز کے لیے زمان یا مکان ہوگا، اور یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اس کے مدخول میں کوئی چیز مرکوز ہوگی۔ زید فی الدار، فی المسجد، فی السوق، فی الجنۃ سے یہ مراد نہیں ہے کہ زید ان اشیاء میں مرکوز ہے۔ (و ھٰذا مما لایخفی علیٰ من تفکّر فی الاستعمال) نہ یہ لغت کا تقاضا ہے نہ عرف کا۔ اور مزید براں یہ کہ ظرفیت سے ہمیشہ کے لیے یہ مراد نہیں ہوتا ہے کہ کلمہ "فی" کا مدخول نفس الامر اور حقیقت میں ظرف ہوگا۔

بلکہ بسا اوقات اس سے مراد بادی اور ظاہری نظر میں ظرفیت ہوتی ہے، خصوصاً ایسے مقام میں جبکہ عام اذہان کے لیے حقیقت کے سمجھنے میں مشکلات پیش ہونے کا خطرہ ہو۔ اور یہ معنی بھی فصیح اور بلیغ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وجدها تغرب فی عین حمئة۔ (ذوالقرنین نے سورج کو ایک گدلے تالاب میں ڈوبتے پایا) اس کا مقصد بھی یہی ظاہری نظر میں آنا ہے نہ کہ حقیقت میں ایسا تھا۔ تو اس تحقیق کی بناء پر یہ گنجائش بھی نکلی کہ چاند کا فی السماء ہونا بادی اور ظاہری نظر میں ہو۔

(و) یہاں یہ بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ فلک اور سماء بعض مفسرین کے نزدیک ایک ہی چیز کے نام ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ فلک مدار کو کہا جاتا ہے نہ کہ آسمان کو۔ (قال العلامة الآلوسیؒ فی تفسیرہ ج ۱۷ ص۳۰) والفلك فی الاصل کل شئ دائر و منه فلكة المغزل والمراد به هنا علیٰ ما روی عن ابن عباس والسدی رضی اللہ تعالیٰ عنهم السماء وقال اکثر المفسرین هو موج مکفوف تحت السماء یجری فیه الشمس والقمر وقال الضحاك هو لیس بجسم وانما هو مدار هذه النجوم۔ انتهیٰ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ "بیان القرآن" میں فرماتے ہیں: فلک گول چیز کو کہتے ہیں، چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر ہے اس لیے اس کے مدار کو فلک فرما دیا، خواہ وہ آسمان ہو یا فضاء بین السمائین ہو یا فضاء بین الارض والسماء ہو یا ثخن سماء ہو، کوئی نص اس میں قطعی نہیں اور اور سلف سے تفسیریں مختلف منقول ہیں۔ کما فی الدر المنثور۔ اس لیے اس کو مبہم ہی رکھنا اقرب الی الاحتیاط ہے۔ (سورۃ الانبیاء رع ۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فلک اور سماء الگ الگ چیزیں ہیں، نیز اس کی بھی تائید ہوئی کہ شمس و قمر آسمان کے ثخن میں یقینی طور پر مرکوز نہیں ہیں۔

(ز) نجوم (تاروں) کے متعلق علامہ آلوسی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں: ان النجوم قنادیل معلقة بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی ملٰئکة من نور۔ (روح المعانی جلد ۳۰ ص۵۹) یعنی ستارے آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور آسمان کے ثخن میں مرکوز نہیں ہیں ـــــ مزید فرماتے ہیں: لم یقم دلیل علیٰ ان شیئاً من الکواکب مغروز فی شیء من السمٰوٰت کالفص فی الخاتم۔ (روح المعانی جلد ۲۸ ص۴۵) حالانکہ ان کے متعلق اللہ فرماتا ہے: تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا۔ (سورۃ الفرقان ۴) اور بروج سے مراد نجوم اور تارے ہیں۔ (فی التحقیق وهو منقول عن السلف) اور فرماتے ہیں،

وَ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ - (سورۃ الملک ۵) تو جس طرح نجوم کے متعلق کلمہ "فی" استعمال ہوا اور ان کو زینتِ سماء کہا گیا ہے، اور باوجود اس کے کہ یہ آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ بادی اور ظاہری نظر پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔ اسی طرح چاند کے متعلق بھی کہا جائے گا بلکہ جب یہ تسلیم کیا جائے کہ زمین اور آسمان دونوں گول ہیں تو اسی تقدیر پر چاند اور سورج بلکہ زمین تمام کے تمام پر یہ اطلاق بلا ریب صحیح ہے کہ یہ چیزیں آسمان اور آسمانوں میں ہیں۔

اس تمہید کے بعد یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مسلمانوں کے لیے چاند اور سورج بلکہ آسمان پر اترنا ممکن ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں کی طرف مافوق الاسباب چڑھنا اس امکان کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس حکم کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ بیشک امریکہ وغیرہ کے کفار کے لیے ناممکن ہے کہ وہ آسمان میں داخل ہو جائیں لیکن جو چیزیں آسمان سے نیچے ہیں اُن پر اُترنا کفار کے لیے ناممکن اور ممنوع نہیں ہے۔ پس اگر چاند آسمان سے نیچے ہو جیسا کہ یہ اکثر مفسرین کی رائے ہے تو کفار کے لیے اس پر اُترنے میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ باقی رہا امریکہ کا یہ دعویٰ کہ:

(۱) اس نے چاند پر انسان اتارا ہے، تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ایسے دعوؤں کا وحی کے ساتھ کوئی تصادم نہیں ہے۔

(۲) آلات اور رصد گاہوں کے ذریعہ سے اس کا مشاہدہ ہوا ہے۔

(۳) روس وغیرہ جو کہ امریکہ کے مخالف ہیں انھوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

(۴) نیز شریعت میں کفار کے دنیوی اخبارات پر اعتماد کرنا جائز ہے بلکہ اس میں دینی مصالح بھی موجود ہیں خصوصاً رفعِ عیسیٰؑ اور واقعہ معراج کا ذہن نشین ہونا اور کفار پر اتمامِ حجت ہونا اور انکار کی صورت میں قرآن مجید کی تکذیب کا خطرہ ہے، خصوصاً جبکہ عام سروس شروع ہو جائے لہٰذا اس کو تسلیم کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ البتہ اس سے حکمتِ یونانی کو سخت صدمہ پہنچا کیونکہ اس کا یہ اعتقاد کہ چاند آسمان کے ثخن میں مرکوز ہے غلط ثابت ہو گیا۔

چند شبہات کا ازالہ

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے) اس سے یہ مراد نہیں کہ انسان علویات پر نہیں اتر سکتا ہے ورنہ عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کس طرح آسمان پر ٹھکانا رکھتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ عام طور پر انسان زمین پر ٹھکانا رکھے گا کیونکہ دنیوی زندگی کی ضروریات کا یہاں انتظام ہوا ہے، لہٰذا یہ ممکن

ہے کہ بعض افراد (ما فوق الاسباب یا ماتحت الاسباب) خلاف عادت علویات پر اُتر جائیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ (اس زمین میں تم کو لوٹا دیں گے) اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ انسان خلائی پرواز نہیں کر سکتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی نہ کسی وقت ضرور زمین میں لوٹایا جائے، خواہ موت کے ساتھ متصل ہو یا حشر سے پہلے ہو۔

(۳) وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (محفوظ رکھا ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے) تو اس سے مراد لمس اور آسمان تک چڑھنے سے حفاظت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد آسمان کے حالات سے خبرداری سے حفاظت ہے یا آسمان کے باشندوں کے اختلاط سے۔

(صرح بہ الآلوسی فی تفسیر ج ۱۴ ص ۲۳)

(۴) شہاب ثاقب کا حملہ اُس وقت ہوتا ہے جبکہ شیاطین استماع کرنے لگتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا۔ اور قرآن حکیم سے یہ معلوم نہیں کہ صرف چڑھنے سے یہ حملہ شروع ہوتا ہے، لہٰذا کفار کی آسمان تک رسائی میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

باب الفرق الاسلامیۃ وغیرھا

(اسلامی اور کفریہ فرقوں کے احکام و مسائل)

اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! اہل السنۃ والجماعۃ کا مصداق کون لوگ ہیں اور ان کی کیا تعریف ہے؟

الجواب:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد و احکام میں قرآن و سُنّت کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرامؓ کے مسلک کو اپنانے اور ان کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔

لما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: اہلِ سنت وجماعت وہ مسلمان ہیں جو عقائد و احکام میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک پر ہوں اور قرآن کے ساتھ سُنتِ نبویہ کو بھی حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ قال فی شرح العقائد النسفیۃ: فبھت الجبائی وترک الاشعری مذھبہ فاشتغل ھو ومن تبعہ بابطال رأی المعتزلۃ واثبات ما ورد بہ السنۃ ومضی علیہ الجماعۃ۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۱۶۹ کتاب الایمان والعقائد)

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی اور اس کی جماعت حزب اللہ کا شرعی حکم

سوال:۔ جناب مولانا صاحب! میں بسلسلہ روزگار کراچی میں مقیم ہوں، یہاں ایک نیا فرقہ "حزب اللہ" کے نام سے وجود میں آیا ہے جس کا بانی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نام کا کوئی شخص ہے، اس فرقہ کے لوگ بڑی عجیب وغریب باتیں کرتے ہیں، مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کافر کہتے ہیں، عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، توسل بالاعمال وبالذوات اور عذابِ قبر وغیرہ کے منکر ہیں، تقلید مذاہب اربعہ کو شرک کہتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتیں وعقائد ان لوگوں کے ایسے ہیں جو ہم نے آج تک اپنے علماء سے نہیں سُنی ہیں۔ تو اس فرقہ کے بانی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ نیز ان لوگوں کے ساتھ عقدِ مناکحت اور دیگر سماجی تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی بانی جماعتِ حزب اللہ سوال میں مذکور عقائد کے علاوہ بھی بہت سارے خلافِ شرع عقائد کا قائل اور داعی ہے، امتِ مسلمہ میں فتنہ اور فساد

پیدا کرنے والا شخص ہے، اس کے شائع شدہ رسائل میں امتِ مسلمہ کے متفقہ اور اجماعی عقائد سے فرار اور ایک نئے دین کی بنیاد رکھنا پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ شخص مسلمانوں کی تکفیر میں بھی ازحد جلد باز ہے، یہاں تک کہ بڑے بڑے مشائخ اور محدثین علماء کرام کو بھی معاف نہیں کرتا، اس لیے ڈاکٹر عثمانی اور اس کے متبعین ضال (گمراہ) اور مضل (گمراہ کرنے والے) ہیں، انکے ساتھ رشتہ ناطہ کے علاوہ بھی کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے اور ان لوگوں کی صحبت سے اجتناب کیا جائے۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! حضرات علماء دیوبند محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کیا یہ لوگ کافر ہیں یا مسلمان؟

الجواب:۔ محمد بن عبدالوہاب النجدی ایک متشدد قسم کا مذہبی آدمی تھا اور اس کے پیروکار بھی اس کے نظریات کی روشنی میں لوگوں کی تکفیر میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں، حضرات علماء دیوبند اس کے عقائد اور نظریات سے اتفاق نہیں رکھتے اور نہ اسکی اور اس کے پیروکاروں کی تکفیر کے قائل ہیں، عوام الناس کو اس کے عقائد و نظریات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة انور شاہ الکشمیریؒ: اما محمد بن عبدالوھاب النجدی فانہٗ کان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر ولا ینبغی ان یقتحم فی ھٰذا الوادی الا من یکون مستیقظاً متقنا عارفا بوجوہ الکفر واسبابہ۔

(فیض الباری ج ا ص۱۷۱ کتاب العلم، باب من جعل الخ) [1]

---

[1] قال العلامة خلیل احمد السھارنفوریؒ: الحکم عندنا فیھم ما قال صاحب الدر المختار وخوارج ھم قوم لھم منعة خرجوا علیہ بتاویل یرون انہٗ علی باطل کفر او معصیة توجب قتالہ بتاویلھم یستحلون دماءنا و اموالنا ویسبون نساءنا الی ان قال وحکمھم حکم البغاة ثم قال وانما لم نکفرھم لکونہ عن تاویل وان کان باطلاً۔

{المھند علی المفند ص۴۶
السوال الثانی عشر}

فرقۂ نیچریہ کا عقیدہ

سوال:۔ فرقۂ نیچریہ کے پیشوا سر سید احمد خان کو کافر کہنا درست ہے یا نہیں؟ نیز اس کے اور اس کے ہمنواؤں کے عقائد قرآن و حدیث اور اجماعِ اُمت کے موافق ہیں یا مخالف؟ عوام میں یہ بڑا قابلِ قدر تصور کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اس کی جدوجہد کی بدولت ملی ہے، اس بارہ میں علماءِ حق کی کیا رائے ہے؟

الجواب:۔ ایک شخص کے عقائد و نظریات اس کی تحریر کردہ کتابوں اور دیگر لٹریچر سے معلوم ہو سکتے ہیں جن میں وہ اپنے عقیدہ اور نظریہ کا کھلے لفظوں میں ذکر کرتا ہے، فرقۂ نیچریہ کا رئیس سر سید احمد خان اور اس کے ہم خیال لوگوں کے عقائد و نظریات خود ان کی تحریر کردہ کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں بعض تو صراحتاً قرآن و حدیث اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہیں اور بعض بدعت و ضلالت ہیں، بطورِ مثال چند وہ عقائد جو صراحتاً شریعتِ محمدی کے متضاد ہیں ذکر کئے جاتے ہیں:۔ انکارِ حقیقتِ ملائکہ و شیاطین و شجرۃ الجنۃ، عذابِ قبر کا انکار، وجودِ جنت وجہنم کا انکار، قیامت، حشر ونشر اسی طرح عذاب و ثواب اور حور و غلمان کا انکار، معجزہ وکرامت کا انکار، خمر و خنزیر کا حلال سمجھنا وغیرہ ذلک۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے عقائد ہیں جو اجماعِ امت کے متصادم ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "امداد الفتاویٰ" میں اس فرقۂ محدثہ کے تمام اقوال و عقائد پر مفصل بحث کی ہے اور ان کے تمام عقائدِ باطلہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مردود اور قرآن و حدیث کے خلاف قرار دیا ہے اور بہت سے علماءِ دین کے فتاویٰ جو اس کے کفر و ارتداد پر مبنی تھے نقل کیے لیکن خود بوجہ ادعاءِ اسلام کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا البتہ یہ فرمایا کہ (سر سید) اعلیٰ درجہ کا ضال و مُضل اور مبتدع ضرور ہے لہٰذا ایسا شخص جس کے عقائد قرآن و حدیث کے مخالف ہوں ہرگز مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کی آزادی کا فکر مند نہیں بن سکتا ہے بلکہ یہ عوام کالانعام کی لاعلمی اور خوش عقیدتی ہے کہ اس کو اپنا خیر خواہ مانتے ہیں۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ (سورۃ النساء آیت ۱۳۶)

وقال اللہ تعالیٰ ایضاً: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ

اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۶)

وقال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث جبریل: وسوالہ للنبیّ صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان: فقال ان تؤمن باللہ و ملٰئکتہ و کتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرّہ ۔ (رواہ البخاری فی صحیحہ کتاب الایمان باب ۳۷)

[ومسلم فی صحیحہ کتاب الایمان ۔ باب ۱-۲ ۔۔۔ وابوداؤد، کتاب السنۃ باب ۱۵-۱۶ ۔۔۔ والنسائی کتاب الاشربۃ / باب ۴۸ ۔۔۔ وابن ماجۃ مقدمۃ / باب ۹ ۔]

فہٰذہ الاصول التی اتفقت علیہا الانبیاء والرسل صلوٰت اللہ علیہم ولم یؤمن بہا حقیقۃ الایمان الاتباع الرسل[1]

---

[1] وقال اللہ تبارک وتعالیٰ: اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْہَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۔ (سورۃ المؤمن آیت ۴۶)

وقال وَحُوْرٌ عِیْنٌ کَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَکْنُوْنِ ۔ وَیَطُوْفُ عَلَیْہِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۔ (سورۃ الدھر آیت ۱۹) ۔ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۔ (سورۃ الرحمٰن آیت ۷۲)

وَقال العلّامۃ مُلّا علی القاری رحمہ اللہ: والجنّۃ والنّار حق مخلوقتان الیوم لا تفنیان ابدًا ...... وفی شرحہ وفی نسخۃ ولا تموت الحور العین ابدًا ولا یفنی عتاب اللہ ولا ثوابہ سرمدًا ۔۔۔ وقال الامام الاعظم فی کتاب الوصیۃ"..... والجنۃ والنّار حق وھما مخلوقتان ولا فناء لہما ولا اھلہما لقولہ تعالیٰ فی حق اھل الجنۃ: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ" وفی حق اھل النّار" اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ" خلقہما للثواب والعقاب ۔ وقال ایضًا: فی الوصیۃ واھل الجنّۃ فی الجنّۃ خالدون واھل النّار فی النّار خالدون ۔ لقولہ تعالیٰ فی حق المؤمنین اولٰئک اصحاب الجنّۃ ھم فیہا خٰلدون و فی حق الکفار اولٰئک اصحاب النّار ھم فیہا خالدون ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۴۳ بحث حوض النبی صلی اللہ علیہ وسلم حق والجنّۃ والنّار مخلوقتان الیوم) ۔

وَمِثْلُہٗ فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص۴۷۶ ان اللہ خلق للجنۃ اھلًا ۔

پرویزی فرقہ کے عقائد ونظریات

سوال:۔ ایک شخص پرویزی عقائد ونظریات کا معتقد ہے اور پرویزیت کی نشر واشاعت کرتا ہے نیز اس مذہب کے اثبات اور حقانیت پر لوگوں کے ساتھ بحث مباحثہ کرتا ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس کی نماز جنازہ میں مسلمانوں کو شرکت کرنا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پرویزی اصل میں منکرین حدیث کہلاتا ہے، اس فرقہ کے پیروکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کو غیر معتبر کہتے ہیں، دراصل یہ فرقہ بظاہر اسلام کا نام لے کر اسلامی تعلیمات کی بیخ کنی میں مصروفِ عمل ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کا بیشتر حصہ احادیثِ نبوی پر مشتمل ہے اور احادیث مبارکہ قرآنِ پاک کے مطلب اور مراد کے لیے مظہر اور مبیّن ہے احادیثِ مبارکہ کی حُجیّت چونکہ قرآنِ پاک ہی سے ثابت ہے اس لیے احادیثِ نبویہ کا انکار کرنا قرآنِ پاک کے انکار کے مترادف ہے، لہٰذا اس قسم کا عقیدہ رکھنا دینِ محمدی کے خلاف ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا، ان کے جنازہ وغیرہ میں شرکت کرنا جائز نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (هود ۱۱۳)

قال الله تعالىٰ: هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (سورۃ الجمعۃ آیت ۲)

قال ابو عبد الله محمد بن یوسف فی تفسیر هذه الآية: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ هو القرآن والمعنى انه يفهمهم ويلقى اليهم معانيه والحكمة الشريعة وبيان الاحكام وقال قتادة الحكمة السنة وبيان النبى الشرائع الى غير ذلك۔ (البحر المحيط ج ۸ ص ۲۹۳/۲۹۲ وبهامشه الحكمة وهى السنة التى لم تكن فى الكتٰب)۔

قال الله تعالىٰ: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى ۝ (سورۃ النجم ۳) [1]

---

[1] لما ورد فى الحديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا انى اوتيت القرآن ومثله معه الا يوشك رجل شبعان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فاحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول الله كما حرم الله الخ

(رواه ابو داود بحواله مشكوٰة ص ۲۹ باب الاعتصام الخ)

وَمِثْلُهٗ فى المرقاة شرح المشكوٰة مفصلاً ج ۱ ص ۲۰۰ باب الاعتصام بالكتاب والسنة۔

گستاخِ رسول سلمان رشدی کی سزا کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل سلمان رشدی کی مخالفت میں اس کی بدنام زمانہ کتاب "شیطانی آیات" کی وجہ سے عالمِ اسلام خصوصاً پاک و ہند اور ایران میں مظاہرے جاری ہیں، ان مظاہروں کے دوران ایک عالمِ دین نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ (سلمان رشدی) مرتد ہے اور اس کی سزا قتل ہے، اور شاتم النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قتل چونکہ حداً ہے لہٰذا بعد از توبہ بھی قتل کیا جائے گا، اس بارہ میں وضاحت فرمادیں؟

الجواب :- جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالیہ میں گالی بکے تو بلاشک و شبہ وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے، اگر اپنے فعلِ شنیع پر مُصر رہے تو اس کی سزا قتل ہے البتہ اگر صدقِ دل سے توبہ کرے کہ آئندہ ایسی بکواس نہیں بکوں گا تو محققین علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے لیکن صاحبِ بزازیہ اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک ایسے شخص کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ توبہ کرے یا نہ کرے، تاہم ایسا شخص جس کی خباثت پورے عالمِ اسلام میں پھیل رہی ہو اور اسے رہا کرنے کی صورت میں دوسروں کو بھی جرأت ملتی ہو تو ایسے گستاخ کے ناپاک وجود کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة ابن بزاز الكردري: الا اذا سبّ الرسول عليه السلام او واحداً من الانبياء عليهم السلام فانه يقتل حدًا ولا توبة له اصلاً سواء بعد القدرة عليه والشهادة او جاء تائبًا من قبل نفسه كالزنديق لانه حد وجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين۔ (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۲۱ الثالث فيما يتعلق بالانبياء) [1]

---

[1] وقال العلامة الحصكفي: والكافر بسبب النبي من الانبياء فانه يقتل حدًا ولا يقبل توبته مطلقًا، ولو سبّ الله تعالى قبلت لانه حق الله والاول حق عبد لا يزول بالتوبة ومن شك في عذابه وكفره كفر۔

(الدر المختار على صدر ردّ المحتار ج ۴ ص ۲۳۱ باب المرتد)

وَمِثْلُهٗ في خلاصة الفتاوى ج ۳، ۴ ص ۳۸۶ كتاب الفاظ الكفر ويتصل بهذا۔

فرقۂ آغاخانی کے عقائد ونظریات

سوال:۔ فرقۂ اسماعیلیہ آغاخانی جو پرنس عبدالکریم آغاخان کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس فرقہ کے لوگ مؤمن ہیں یا کافر؟

الجواب:۔ فرقہ اسماعیلیہ آغاخانی کے تمام عقائد ونظریات قرآن و حدیث کے بالکل خلاف اور متصادم ہیں، اسی طرح اُن کے فروعی مسائل صلوٰۃ، صیام، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا طریقہ بھی اسلامی تعلیمات کے یکسر مخالف ہے، ان لوگوں نے اپنا مذہب خود ہی ایجاد کیا ہے، ان کا کوئی بھی مسئلہ (اصولی ہو یا فروعی) اسلامی تعلیمات کے ساتھ موافق نہیں ہے، یہ لوگ انتہائی گمراہ کن عقائد رکھتے ہیں، مثلاً آغاخانی امام کی تصویر کی پرستش، تسمیہ کے موقع پر بجائے بسم اللہ کے لفظ "ادم" ذکر کرنا، نماز، ذکر اذکار اور دعاء کا طریقہ بھی بڑا عجیب ہے، ان کا سلام "یا علی مدد" اور سلام کا جواب مولا علی مدد، کلمہ شہادت اَشْہَدُ اَنَّ عَلِیٌّ اللہ ہے، وضو کو یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے کہتے ہیں کہ ہمارے دل کا وضو ہے اور روزہ کان، زبان اور آنکھ کا ہوتا ہے کھانے پینے سے نہیں ٹوٹتا، زکوٰۃ کی بجائے دوآنہ جماعت خانہ کو دیتے ہیں، حج ان کا اپنے حاضر امام کا دیدار کرنا ہے، یہ سب امور موجب کفر اور لغویات ہیں، اسلامی تعلیمات جو ہمیں ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دیکر گئے اُن کے ساتھ ذرہ بھر بھی ان عقائد کا واسطہ نہیں ہے لہٰذا یہ فرقہ اسلام سے کوسوں دور کفر وارتداد کی شدید ظلمات میں گھرا ہوا ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: والكفر لغة الستر وشرعاً تكذيبه صلى الله عليه وسلم في شيء مما جاء به من الدين ضرورة والفاظه تعرف في الفتاوى۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۴ ص۲۲۳ باب المرتد) [1]

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ: قوله تكذيبه صلى الله عليه وسلم المراد بالتكذيب عدم التصديق الذي اي عدم الاذعان والقبول لما علم مجيئه به صلى الله عليه وسلم ضرورةً اي علماً ضرورياً لا يتوقف على نظر واستدلال وليس المراد التصريح بانه كاذب في كذا لان مجرد نسبة الكذب اليه صلى الله عليه وسلم كفر وظاهر كلامه تخصيص الكفر بجحد الضروري فقط مع ان الشرط عندنا ثبوته على وجه القطع وان لم يكن ضرورياً۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۳ باب المرتد، قبيل مطلب في منكر الاجماع)

ومثله في البحر الرائق ج ۵ ص۱۱۹ باب احكام المرتدين۔

شیعہ کے کفر اور اسلام کی تحقیق

سوال: کیا شیعہ عقائد و نظریات رکھنے والے لوگ مسلمان ہیں یا کافر؟ نیز ان کے ساتھ میل جول اور تعلقات قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شیعہ کے مختلف فرقے ہیں اور ہر فرقہ کے عقائد و نظریات ایک دوسرے سے جُدا ہیں، اسی وجہ سے ان کی تکفیر میں سلفاً خلفاً اختلاف چلا آرہا ہے، البتہ ان میں سے جو فرقہ ضروریاتِ دین کا منکر ہو اس کی تکفیر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ مثلاً جو گروہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت کا قائل ہے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت اور خلافت کا منکر ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا ہے اور ان کو نبی آخر الزمان تسلیم کر کے حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق وحی لانے میں غلطی کا معتقد ہے یا قرآنِ کریم میں تغیّر و تبدّل کا قائل ہے تو اس فرقے کے کفر میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں اس سے تعلقات رکھنا، اٹھنا بیٹھنا، رشتہ ناطہ قائم کرنا، ان کے جنازہ وغیرہ میں شرکت کرنا ناجائز ہے۔ اور اس کے علاوہ عقیدہ رکھنے والے گروہ مستبدع ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها او انكر صحبة الصديق رضي الله عنه او اعتقد الالوهية في علي رضي الله عنه او ان جبرئيل عليه السلام غلط في الوحي او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۲۳۷ باب المرتد) [1]

---

[1] قال العلامة ابن البزازؒ: واكفار الروافض في قولهم برجعة الاموات الى الدنيا وبتناسخ الارواح وانتقال روح الاله الى الائمة وان الائمة الهة وفي قولهم بخروج امام ناطق بالحق وانقطاع الامر والنهي الى ان يخرج وبقولهم ان جبرئيل عليه السلام غلط في الوحي الى محمد صلى الله عليه وسلم دون علي رضي الله عنه واحكام هؤلاء احكام المرتدين ومن انكر خلافة ابي بكر رضي الله عنه فهو كافر في الصحيح ومنكر خلافة عمر رضي الله عنه فهو كافر في الاصح ويجب اكفار الخوارج في اكفارهم جميع الامة سواهم ويجب اكفارهم باكفار عثمان وعلي وطلحة والزبير وعائشة رضي الله عنهم۔ (البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۱۸ باب احكام المرتدين)

ومثله في الهندية ج ۲ ص ۲۶۴ الباب التاسع في احكام المرتدين۔

فرقۂ اثناء عشریہ کی ختمِ نبوت کے متعلق تاویلِ فاسدہ

سوال :۔ شیعہ فرقہ اثناء عشریہ جو کہ بارہ اماموں کو مانتا ہے اور ان کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ مامُور من اللہ، مفترض الطاعۃ اور معصوم عن الخطاء ہوتے ہوتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک بنیادی عقیدہ اور اصولِ دین میں سے ہے۔ کیا یہ عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے منافی تو نہیں ؟

الجواب :۔ شیعوں کے مختلف فرقے ہیں، ان میں سے بعض صراحتاً ضروریاتِ دین کا انکار کرتے ہیں وہ تو کافر و مرتد ہیں، اور بعض اپنے کفر و ضلالت کو چھپانے کے لیے کسی امر اجماعی (ما ثبت فی الدین بالضرورۃ) کی تاویلِ بعید کرتے ہیں جو کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ اور اجماعِ امت کے خلاف ہوتی ہے، تو ایسے لوگ زندیق کہلاتے ہیں اور ان کا کفر زیادہ قریب الی الشر ہوتا ہے، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کی تاویلِ بعید کرکے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تو ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی کا نام نہیں دیا جائے گا اور نبوت بایں معنیٰ کہ کسی انسان کا مخلوق کی طرف مبعوث ہونا جس کی اطاعت مخلوق پر فرض ہو، معصوم من الذنوب ہو، یہ صفات تمام کی تمام ائمہ اثنا عشرہ میں موجود اور باقی ہیں، لہٰذا اس قسم کی تاویلات کرنے والا جو قرآن و حدیث اور اجماعِ امت کے مخالف ہو زندیق اور اس کا دم ھدر ہے۔

لما قال الشاہ ولی اللہ بن عبد الرحیمؒ : او قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ ولکن معنیٰ ھٰذہ الکلام انہٗ لا یجوز ان یسمّٰی بعدہٗ احد بالنبی و اما معنی النبوۃ وھو کون الانسان مبعوثاً من اللہ الی الخلق مفترض الطاعۃ معصوم من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فی ما یریٰ فھو موجود فی الائمۃ بعدہ فذٰلک الزندیق۔ وقد اتفق جماہیر الحنفیۃ والشافعیۃ علیٰ قتل من یجری ھٰذا المجریٰ۔

(مسویٰ علی الموطا ج ۲ ص ۱۰۹ مطبوعہ دھلی)[۱]

---

[۱] قال العلامۃ التفتازانیؒ : وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظہار شرائع الاسلام یبطن عقائد ھی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۶۸)
ومِثلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۴ ص ۲۴۱ باب المرتد۔

شیعہ کے بعض کفریہ عقائد

سوال: اگر کوئی شخص حضرت علیؓ کی الوہیت، جبریل امین کا غلطی کرنا اور دیگر تمام امور کو امام مہدی کے ظہور تک معطل سمجھنے کا عقیدہ رکھے تو از روئے شریعت اس شخص پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

الجواب: مندرجہ بالا عقائد مکمل طور پر صریح شرک اور کفر پر مبنی ہیں، جو شخص یا گروہ ان عقائد کا حامل ہو تو اجماع اُمت سے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے ان کے ساتھ مسلمانوں سا سلوک نہیں کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: نعم لا شك فی تکفیر من قذف السیدة عائشةؓ او انکر الصحبة الصدیقؓ او اعتقد الوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۳۷ باب المرتد)[1]

بہائی مذہب اختیار کرنا کفر ہے

سوال: ایک شخص نے اسلام چھوڑ کر بہائی مذہب اختیار کر لیا ہے اور اس کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہے، دلائل سے وضاحت فرمائیں کہ دینِ اسلام چھوڑ کر بہائی مذہب اختیار کرنے سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: فرقۂ بہائیہ چونکہ ضروریاتِ دین کا منکر ہے، مثلاً روزِ قیامت، دخولِ جنت وجہنم سے انکار، اللہ تعالیٰ کا کسی کے جسم میں حلول کرنے کا اعتقاد رکھنا، ختم نبوت سے انکار، میراث میں مرد وعورت کی مساوات، عدت سے انکار وغیرہ، یہ تمام عقائد ضروریاتِ دین میں ہیں اور پوری امتِ مسلمہ کا ان پر اجماع ہے لہٰذا ان میں سے کسی ایک سے انکار کرنا یا کسی کے جسم میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا عقیدہ رکھنا موجب کفر اور ارتداد ہے، اسلام میں داخل ہونے کے لیے کل ما ثبت بالضرورة کا یقین اور اقرار کرنا ضروری ہے، کسی ایک حقیقت کا انکار بھی موجبِ کفر بن سکتا ہے، اس لیے بہائی مذہب اختیار کرنے والا کافر، مرتد اور

---

[1] قال العلامة ملا علی القاریؒ: لو استحل السب والقتل فهو کافر لا محالة..... ففی شرح العقائد سب الصحابة والطعن فیهم ان کان مما یخالف الادلة القطعیة فکفر کقذف عائشة رضی الله عنها۔

(شرح الفقه الاکبر ص ۸۲ الکبیرة لا تخرج المؤمن عن الایمان)

ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۱۸ باب احکام المرتدین۔

خارج عن الاسلام ہے۔

لما قال العلامة مُلا علی القاریؒ: فالتحقیق ان الایمان هو تصدیق النبی صلی الله علیه وسلم بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورة مجیئه به من عند الله اجمالاً...... ثم المراد من المعلوم ضرورة کونه من الدین بحیث یعلم العامة من غیر افتقار الی النظر والاستدلال کوحدة الصانع ووجوب الصلوٰة وحرمة الخمر ونحوها وانما قید بها لان منکر الاجتهادات لا یکفر اجماعًا وامامن یؤول النصوص الواردة فی حشر الاجساد وحدوث العالم وعلم الباری بالجزئیات فانه یکفر لما علم قطعًا من الدین انها علی ظواهرها۔ الخ (شرح الفقه الاکبر ص۸۶ الایمان هو الاقرار والتصدیق)

ختمِ نبوّت کے وقت کے تعیّن کی تحقیق

سوال:- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین کس وقت سے تسلیم کرنا چاہیئے؟ ولادت کے بعد سے یا نبوت ملنے کے بعد سے یا بعد الوفات؟ مقصد یہ ہے کہ وحی کا دروازہ کس وقت سے بند تصوّر کیا جائے؟

الجواب:- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے امر سے ہی خاتم النبیّین ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس منصب مبارک کے لیے ازل سے ہی منتخب فرما دیا تھا۔ مشکوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپؐ کو نبوّت کب ملی، ارشاد فرمایا "جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت بھی نہیں ہوئی تھی۔" البتہ عالم اجساد میں آپ سب انبیاء کے بعد آئے اور جب عمر مبارک چالیس برس ہوئی تو نبوت ملی اور وحی کا نزول شروع ہوا، آپؐ کو نئی شریعت

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ: المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذی مرّ ای عدم الاذعان والقبول بما علم مجیئه به صلی الله علیه وسلم ضرورة ای علمًا ضروریًا لا یتوقف علی نظر واستدلال ولیس المراد التصریح بانه کاذب فی کذا لان مجرد نسبة الکذب الیه صلی الله علیه وسلم کفر وظاهر کلامه تخصیص الکفر بجحد الضروری فقط مع ان الشرط عندنا ثبوته علی وجه القطع وان لم یکن ضروریًا۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۳ باب احکام المرتد)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۴ ص۲۲۳ باب احکام المرتد۔

اور نئی کتاب ملی جو تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں کے لیے ناسخ بنا دی گئی، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کر دے، تاہم نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں اور قیامت کے نزول فرمائیں گے اور شریعتِ محمدی کا احیاء اور اس کی اتباع کریں گے، اور احادیثِ صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؑ پر وحی بھی آئے گی لیکن یہ وحی شریعتِ مصطفیٰ کو بدلنے کے لیے نہ ہوگی بلکہ اس وقت کے ضروری امور کے متعلق ہوگی، گویا انقطاعِ وحی سے مراد وہ وحی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے۔

لما ورد فی الحدیث: قال ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ: قالوا یا رسول اللہ متٰی وجبت لك النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد۔ (رواہ الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص۵۱۳ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الثانی)

قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ فی شرح ھٰذا الحدیث: وجبت لی النبوۃ والحال ان آدم بین الروح والجسد یعنی وانہ مطروح علی الارض بلا روح والمعنٰی انہ قبل تعلق روحہ بجسدہ ...... وروی ابو نعیم فی الدلائل وغیرہ من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعاً کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث (مرقاۃ المصابیح ج ۱۱ ص۵۸)

وقال العلامۃ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ: فبینما ھو کذلك اوحی اللہ الٰی عیسٰی بن مریم علیہ السلام انی قد اخرجت عباداً لی لا یدان لاحد بقتالھم فحرز عبادی الی الطور ویبعث اللہ یاجوج وماجوج (الحدیث) ..... فذلك صریح من انہ وحی حقیقی لا وحی الھام ان ما توھمہ ھٰذا الزاعم من تعذر الوحی الحقیقی فاسد لان عیسٰی علیہ السلام نبی فای مانع من نزول الوحی علیہ؟ فان تخیل لنفسہ ان عیسٰی علیہ السلام قد ذھب عنہ وصف النبوۃ فھٰذا قول یقارب الکفر لان النبی لا یذھب عنہ وصف النبوۃ ابداً حتٰی بعد موتہ وان تخیل اختصاص الوحی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بزمن دون زمن فھو قول لا دلیل علیہ ویبطلہ ثبوت الدلیل علٰی خلافہ۔ (نزول عیسٰی بن مریم آخر الزمان ص۴۸-۵۲) [1]

---

[1] ومثلہٗ فی اشعۃ اللمعات ج ۴ ص۴۹۹ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

قادیانیوں کا کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں

سوال: - قادیانی جو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احمدی سچا مذہب ہے باقی سب مذاہب باطل ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ واقعی احمدی سچا مذہب ہے اور قرآن و حدیث کے موافق ہے یا مخالف؟ بصورتِ دیگر ان کے ساتھ میل جول، رشتہ ناطہ کرنا کرانا کیسا ہے؟

الجواب: - تمام امتِ مسلمہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، نزولِ عیسیٰ ابن مریمؑ سے انکار نہیں اسلیئے کہ ان کی نبوت اور پیغمبری آپؐ سے پہلے تھی لہٰذا اُن کا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں نازل ہونا آپؐ کی ختمِ نبوت پر اثر انداز نہیں ہوگا، بہر حال ختمِ نبوّت کا عقیدہ تمام امتِ مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے، ایسے مُسلّمہ عقائد سے انکار کرنے والا کافر و مُرتد ہے، اسلام اور مسلمانوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اور مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام دعوے نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کی رُو سے بالکل جھوٹ اور بکواس پر مبنی ہیں لہٰذا اس کے ان جھوٹے دعوؤں کی بنیاد پر اس کے ماننے والے کافر اور مُرتد ہیں۔ جب ایک مسلمان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص قادیانی ہے اور سمجھانے بجھانے پر بھی وہ باز نہیں آتا تو اس کے ساتھ اسلامی طریقہ پر علیک سلیک اور اٹھنا بیٹھنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (هود ۱۱۳) جمہور علماءِ اسلام جب قادیانی عقائد و نظریات پر مطلع ہوئے تو سب نے ان کے کفر و ارتداد کے فتوے دیئے جن کی بناء پر وہ لوگ جو باوجود ان عقائد کے معلوم ہونے کے قادیانیوں کو مسلمان سمجھیں خواہ وہ مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہوں یا مسیحِ ظلّی یا بروزی) بہر حال کافر اور مرتد ہیں۔ مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو "تکفیرِ قادیانی" نامی رسالہ کا مطالعہ کریں جس میں سینکڑوں معتمد علیہ علماء کے دستخط ثبت ہیں۔

قال الله تبارك وتعالى: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰) [1]

---

[1] قال العلامة الحافظ ابن كثيرؒ (تحت قوله وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ) فهذه الآية نص فى انه لا نبى بعده واذا كان لا نبى بعده فلا رسول بعده بالطريق الاولى والاخرى لان مقام الرسالة اخص من مقام النبوة - فان كل رسول نبى ولا ينعكس وبذلك وردت الاحاديث المتواترة عن رسول الله من حديث جماعة من الصحابة - (تفسير القرآن العظيم ج ۳ ص ۴۹۳)

وَمِثْلُهٗ فى الجامع لاحكام القرآن - جلد ۱۴ ص ۱۲۷ سورة الاحزاب -

قادیانیوں کے دلائل اور ان کے جوابات

سوال :- ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے نبوت اور حقانیت کے لیے مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتا ہے :-

قادیانی کے دلائل : مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (سورة الاحزاب آیت ۴۰)

ہمارا عقیدہ :- واضح ہو کہ یہ قرآنِ پاک کی آیت ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے کُل یا جُز سے انکار کرنا ہمارے نزدیک موجبِ کفر ہے، پس ہم جماعتِ احمدیہ والے سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتے ہیں اور جو آپؐ کو خاتم النبیین نہ مانے وہ ہمارے نزدیک مسلمان ہی نہیں۔ لیکن لفظ خاتم کا حقیقی معنیٰ و مفہوم سمجھنا ضروری ہے، یہ ہمارا دعوٰی ہے کہ دنیا کی کسی بھی لُغت میں لفظ ختم مقامِ درج میں آکر خاتم کا معنیٰ بند کرنے والا یا روکنے والا نہیں ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا محاورہ یا عرب کا مقولہ یا کسی عرب شاعر کا کوئی شعر تمام عربی لٹریچر میں موجود نہیں اور نہ ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی عربی کتاب میں خاتم کا لفظ بند کرنے اور روکنے کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوا ہے، چنانچہ لُغات کی چند مشہور کتابیں ملاحظہ ہوں :-

لفظ	معنیٰ	نام کتاب لُغت
۱۔ خاتم	نگینہ، مُہر، جس پر نام وغیرہ کندہ کئے جاتے ہیں۔	لسان العرب، تاج العروس، صحاح قاموس جوہری۔
۲۔ خاتم	انگشتری: مثل خاتم الذہب یعنی سونے کی انگوٹھی	،، ، ،، ، ،، ، ،،
۳۔ خاتم	گھوڑے کے جو تھوڑی سی سفیدی ہوتی ہے	قاموس، تاج العروس، منتہی الادب
۴۔ خاتم	گھوڑی کے نتھنوں کے پاس کا حلقہ بھی خاتم کہلاتا ہے	،، ، ،، ، ،، ، ،،
۵۔ خاتم	گدی کے نیچے جو گڑھا ہوتا ہے اس کو بھی خاتم کہتے ہیں	،، ، ،، ، ،، ، ،،
۶۔ خاتم	مُہر کا نقش جو کاغذ پر اتر آتا ہے	لسان العرب وغیرہ
۷۔ خاتم النبیین	نبیوں کی زینت اور رونق	مجمع البحرین جلد ۱

(۱) اسی طرح ملا علی قاریؒ "موضوعات کبیر ص۴۹" میں خاتم النبیین کا یہ معنی کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپؐ کے دین کو منسوخ کرے اور آپؐ کی امت سے نہ ہو۔

(۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "تفہیمات الٰہیہ" میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبیوں کے ختم ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شارع نبی بنا کر بھیجے۔

(۳) "مجمع البحار" مصنفہ شیخ محمد طاہرؒ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لیکن یہ نہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۴) "تفسیر صافی" میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علیؓ! میں خاتم الانبیاء ہوں اور تو خاتم الاولیاء ہے۔ تو کیا اس سے مراد یہ لیا جائے کہ حضرت علیؓ کے بعد کوئی ولی نہیں ہوگا؟

(۵) "دیلمیؒ" کی حدیث ہے کہ میں فقراء المؤمنین کے ساتھ سب سے پہلے جنت میں جاؤں گا اور میں اپنے سے پہلے اور بعد کے سب نبیوں کا سردار ہوں۔

(۶) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو خاتم المہاجرین کہا ہے، تو کیا حضرت عباسؓ کے بعد کسی نے ہجرت نہیں کی؟

(۷) سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم بمعنی مہر کے ہیں اور مہر کا کام تصدیق کرنا ہے، ایک سرکاری ملازم اس لیے مہر لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ رقم یا تنخواہ میں نے وصول کی ہے نہ کہ کسی اور نے۔

(۸) ایک عدالت کا حاکم اس لیے مہر لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ نوشتہ یا پروانہ میرے علم اور حکم سے جاری ہوا ہے۔

(۹) ایک بادشاہ اس لیے مہر لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ فرمان یا تحریر میرے علم اور حکم سے لکھا یا جاری ہوا۔

(۱۰) ایک ڈاکخانہ خط پر اس لیے مہر لگاتا ہے کہ تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ خط فلاں مقام سے فلاں تاریخ اور وقت پر روانہ ہوا یا پہنچا۔

(۱۱) ایک اپیل نویس اپنی مہر اس واسطے لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ وثیقہ کی

عبارت میری تحریر کردہ ہے۔

(۱۲) کسی پارسل، لوئل یا بند خط پر مہر اس لیے لگائی جاتی ہے کہ یہ چیزیں میں نے بند کی ہیں اگر مہر سلامت نہ رہے تو اس کے اندر کی چیز کے سلامت ہونے کا اعتبار جاتا رہتا ہے

(۱۳) کسی مہر کے واسطہ یہ ضروری ہے کہ وہ کسی تحریر کے لازماً آخر میں ہو، خواہ آغاز پر خواہ انجام پر، مراد اس سے مہر کنندہ کی تصدیق ہوتی ہے نہ کہ اس تحریر کا بند ہونا اور بند کرنا۔

یہ تو قادیانی کے دلائل تھے، آپ حضرات سے استدعا ہے کہ ان دلائل کے دندان شکن جوابات تحریر فرما کر اس نو پید فتنہ کا قلع قمع کرنے میں تعاون فرمائیں۔

الجواب: - تمام امتِ مسلمہ کا یہ اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ ہے کہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا سوائے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے، وہ قرب قیامت میں آسمانوں سے نزول فرمائیں گے اور دینِ محمدی کی احیاء اور تجدید کریں گے اور شریعتِ محمدی کے تابع ہوں گے۔ باقی قادیانی بدبخت اس اجماعی عقیدہ کو چھوڑ کر لفظِ خاتم کے غیر مرادی اور غیر معتبر معانی کے پیچھے لگ گئے اور خاتم النبیین کا جو اجماعی معنیٰ ہے جس پر تمام امت کا اتفاق ہے، جو آنحضرتؐ نے خود سمجھایا اور صحابہ کرام نے سمجھا تھا اور امت کے تمام محققین، محدثین، مفسرین، ائمہ کرام اور علماءِ حق کا اسی پر اتفاق ہے، لیکن بدبخت قادیانیوں نے ان کا سمجھا ہوا معنیٰ جھٹلایا اور خود اپنے من گھڑت معنیٰ کو معتبر قرار دیا۔

قال اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا - (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدِيْ ــــ یہ کئی احادیث کا مجموعہ ہے اور یہ مضمون کئی احادیث میں وارد ہوا ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۴ ص ۴۹۴) ـ لا نفی جنس ہے، جب یہ اپنے مدخول پر آجاتا ہے تو اس کا بیخ نکال جاتا ہے، یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کا معنیٰ نبیوں کا خاتمہ کرنے کا لیا، اسی لیے فرمایا لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ الخ کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، نہ تشریعی نہ ظلی نہ بروزی ــــ مگر قادیانی بدبختوں علیہم ما علیہم نے خاتم النبیین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لیا ہوا معنیٰ چھوڑ کر اور خود بھی لغت کے تمام

معنوں کو چھوڑ کر صرف تصدیق اور مہر کا معنیٰ لیا جو تمام کے لیے ہوئے معنیٰ سے مخالف اور متضاد ہے۔

ملا علی قاریؒ نے جو "موضوعات کبیر" میں آیت خاتم النبیین کا معنیٰ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں آئے گا جو آپؐ کے دین کو منسوخ کر دے اور آپؐ کی امت سے نہ ہو" تو یہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف اشارہ ہے کہ آئیں گے مگر شرعی نبی نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے دین کے حامی بن کر آئیں گے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا قول "تفہیمات الٰہیہ" میں بھی بالکل ٹھیک ہے قادیانی اس پر عمل نہیں کرتے کیونکہ وہ پھر نئے نبی کے آنے کے قائل ہیں۔

ضروری انتباہ:۔ قادیانیوں کی تحریرات میں سب دھوکہ ہے، سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ سے بے دینی کی طرف مائل کرتے ہیں، خاتم النبیین اور ختم نبوت کے اجماعی عقیدہ کے یہ لوگ منکر ہیں، لوگوں میں خود کو مسلمان ظاہر کرنے اور عوام الناس کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے اس قسم کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں تاکہ ان سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دے سکیں، ان کے پلید مذہب کی حقیقت خود ان کی اپنی تحریر کردہ کتابوں سے واضح ہوتی ہے، اگر آپ قادیانی مذہب کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل کتابیں منگوا کر مطالعہ کریں تاکہ ایمان بھی تازہ ہو اور دین و ایمان کے ڈاکوؤں کے فریب سے بھی نجات ملے۔ (۱) عشرۃ کاملہ (۲) ختم نبوت (۳) تحقیق الظفر والایمان بآیات القرآن (۴) دعاوی مرزا (۵) مسیح موعود کی پہچان (۶) قادیانیوں کے کفر پر علماء اسلام کا فتویٰ۔ یہ کتابیں طبع شدہ ہیں اور عام ملتی ہیں، کسی بھی مشہور کتب خانہ سے منگوا کر ضرور مطالعہ کریں۔

لفظ خاتم کی لغوی تحقیق:۔ خاتم کا معنیٰ لغت کی رو سے: (۱) مراح ص ۲۸۸ میں ہے: "ختم کردن، مہر کردن، ختمت الشئ فھو مختوم، ختم شدہ و تمام گردانیدن یقال خَتَمَ اللّٰہُ لَہٗ بِالْخَیْرِ، اتمام خواندن قرآن، اختتام بپایان بردن، نقیض الافتتاح، خاتم بفتح التاء وکسرہا، ختام بالتاء خاتام بالالف انگشتری جمع خواتیم، خاتم الشئ آخرہ، و محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء بالفتح صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہم اجمعین: گلے و موم مہر کنندہ وقولہ تعالیٰ: خِتَامُہٗ مِسْکٌ" (۲) اور "غیاث" ص ۱۵۳ پر: ختام بکسر موم و گل وغیرہ کہ بر آں مہر کنندہ (۳) المنجد ص ۱۶۵ الختم ما یختم بہ الختام الطین او کل ما یختم بہ علی الشئ

جمع ختم الختم كل ما يتختم به الخاتم جمع خواتيم، الختام ما يتختم به وعاقبت كل شئ، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے۔ (۴) مفردات القرآن لامام راغب اصفہانی ص ۱۴۲ پر ہے: وخاتم النبيين لانه ختم النبوة اى ختمها بمجيئه۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ خاتم ختم کرنے اور منتہی الشئ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اور خبیث قادیانی کے دھوکہ کو دیکھو کہ یہ لفظ کہیں بھی ختم کرنے اور انتہاء و اختتام الشئ کے معنیٰ میں نہیں لایا، خاص کر امام راغب اصفہانیؒ کی صرح کے الفاظ۔ المنجد کا مصنف تو عیسائی ہے مسلمان نہیں، اس عیسائی کے الفاظ دیکھیں کہتا ہے عاقبت کل الشئ، اور یہ معنیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے اگر بالفرض کسی لغت میں لفظ خاتم بمعنیٰ ختم کرنے والا نہ بھی ہو تب بھی ہمارے مُدعا اور اجماعی عقیدہ پر اثر انداز نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ہمارے نزدیک لُغات کی کتابیں معتبر ہی نہیں ہیں اور نہ ہم اپنے مدعا کے ثبوت کے لیے ان سے استدلال کرنے کے پابند ہیں، بلکہ ہمارا یہ دعویٰ قرآنِ پاک کے قطعی اور یقینی نصوص، احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے، قرآن و حدیث کو چھوڑ کر لغات کی کتابوں سے استدلال کرنے والا حد درجہ کا زندیق اور ملحد ہے، اسلام سے کوسوں دور ارتداد کی شدید ظلمات میں پڑا ہوا ہے، اسلامی حکومت پر واجب کہ جو شخص قادیانی مذہب اختیار کرے تو عدم رجوع کی صورت میں اُسے سزائے موت دے۔

قال اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

قال الحافظ ابن کثیرؒ: تحت هٰذه الآية فهٰذه الآية نص فى انه لانبى بعده واذا كان لانبى بعده فلا رسول بعده بالطريق الاُولىٰ والاخرىٰ لان مقام الرسالة اخص من مقام النبوة فان كل رسول نبى ولا ينعكس وبذٰلك وردت الاحاديث المتواترة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديث جماعة من الصحابة۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۳ ص ۴۹۳) [1]

---

[1] قال العلامة القرطبيؒ: قال ابن عطية هٰذه الالفاظ عند جماعة علماء الامة خلفًا وسلفًا متلقاة على العموم التام مقتضية نصًا انه لانبى بعد صلى الله عليه وسلم۔ (احكام القرآن ج ۱۴ ص ۱۹۶ سورة الاحزاب)

مرزائیوں کا لاہوری فرقہ بھی کافر ہے

سوال: ۔ مرزائیوں کا لاہوری فرقہ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتا اور بظاہر اس کے نبی ہونے سے برأت کا اظہار کرتے ہیں لیکن حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا، اسی طرح یہ فرقہ حضرت عیسٰیؑ کے رفع الی السماء کا بھی منکر ہے ۔ کیا یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ مسلمان ہیں یا قادیانی مرزائیوں کی طرح کافر و مُرتد ؟

الجواب: ۔ مرزائیوں کا لاہوری فرقہ اگرچہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نبی اور غیر نبی ہونے میں متردد ہے لیکن دیگر عقائد قطعیہ مثلاً حضرت عیسٰی ابن مریم علیہ السلام کا بغیر باپ پیدا ہونے سے انکار، اسی طرح ان کے رفع الی السماء سے بھی انکار کرنا (صرح به محمد علی لاہوری فی تفسیر بیان القرآن جلد ۱ صـ۳۱۳) یا حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یوسف نجار کا بیٹا ماننا، اس قسم کا عقیدہ رکھنا قرآنی آیات، صحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف ہے لہٰذا مرزائیوں کا یہ (لاہوری) فرقہ بھی اپنی تاویلاتِ فاسدہ کی وجہ سے مسلمان نہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہے ۔

قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عن مریم : قَالَتْ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ قَالَتْ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ أَكُ بَغِيًّا ○ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ○ (سورۃ مریم آیت ۱۸ تا ۲۱)

وقال اللہ تعالیٰ : وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ○ (سورۃ التحریم آیت ۱۲) [1]

---

[1] وقال ابوعبداللہ محمد بن احمد رحمہ اللہ فی تفسیرہ : وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ای بنکاح وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ای زانیۃ وذکرت ھٰذا تاکیدًا لاقولھا لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ یشمل الحلال والحرام...... وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً ای دلالۃ علی عجیبۃ ۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ صـ۹۱ سورۃ مریم)

وَمِثْلُهٗ فی التفسیر القرآن العظیم ج ۳ صـ۱۸۲ سورۃ مریم ۔

لاہوری مرزائی بھی کافر اور خارج اسلام ہیں

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کل مورخہ ۸ ستمبر ۱۹ء بوقت ۲ ۱/۴ بجے دن سابق امام مسجد وو کنگ مسجد محمد طفیل متعلقہ مرزائی لاہوری فرقہ کی ساس کا جنازہ مسجد ہذا میں لایا گیا اور یہاں کے سرکاری امام خواجہ قمر الدین جو کہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، مرزائی سابق امام محمد طفیل کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی، جبکہ چند معززین نے ان کی اس حرکت کا محاسبہ کیا تو خواجہ قمر الدین سرکاری امام وو کنگ مسجد نے یہ دلیل پیش کی کہ میں نے اس لیے جنازہ میں شرکت کی ہے کیونکہ مرزا محمد طفیل بسا اوقات میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے ہیں، اور دوسری دلیل یہ پیش کی کہ میں لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو صرف مجدد تسلیم کرتے ہیں اور ہم کو کافر نہیں سمجھتے، لہٰذا آپ مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے شخص کے متعلق شرعی فتویٰ سے کما حقہٗ مطلع فرمائیں۔

عینی شاہدوں کے دستخط مندرجہ ذیل ہیں

الجواب :۔ مرزا غلام احمد قادیانی بوجہ اپنے دعاویٔ باطلہ کے قرآن و سنت کی واضح اور بدیہی نصوص اور اجماع امت کی بناء پر قطعی کافر اور مرتد ہے، انہی وجوہات کی وجہ سے مرزا کے ایسے معتقدات کو اپنانے والے یا اس کی اتباع کرنے والے یا اس کی تصدیق و تائید یا کسی طرح تاویل کرنے والے بھی قطعی کافر اور مرتد ہیں۔

متنبی کذاب مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد ان کے متبعین کی ایک جماعت نے (جو لاہوری مرزائی جماعت کہلاتی ہے اور جس کی قیادت مولوی محمد علی لاہوری نے کی) مرزا کے واضح بدیہی اور غیر مبہم دعاوی کے باوجود اس کی تکفیر کرنے کی بجائے (جو ہر مسلمان کا لازمی عقیدہ ہونا چاہیے) ایسے تمام دعاوی اور اقوال کفریہ کی تاویل شروع کر دی جبکہ وہ خود اپنے دعوؤں میں پکار پکار کر کہتا ہے کہ میں نبی ہوں تشریعی بھی اور غیر تشریعی بھی، سارے انبیاءؑ بشمول حضور خاتم النبیین ﷺ پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتا رہا، اپنے منکر تمام مسلمانوں کو جہنمی اور کافر قرار دیتا رہا۔ مگر مولوی محمد علی لاہوری اور اس کی پارٹی نے مرزا صاحب کو کافر سمجھنے کی بجائے چودھویں صدی کا مجدد اعظم مصلح اکبر اور اس سے بڑھ کر مسیح موعود تک مانا۔ (ملاحظہ ہو اس کی تفسیر بیان القرآن حصہ اول ص ۲۱۷، ریویو آف ریلیجز جلد ۵ ص ۲۱۲، جلد ۱۲ ص ۴۶۵ وغیرہ) اس نے اپنی تفسیر میں بیشمار مقامات پر تحریف معنوی اور ایسے تلاعب سے کام لیا جو کہ الحاد کا دروازہ کھولتا ہے پھر نبوت مرزا سے

انکار اور مصلح و مجدد کہنے کا بھی راستہ جان بوجھ کر نفاق و تلبیس اور مسلمانوں کو فریب دینے کیلئے اختیار کیا گیا ورنہ درحقیقت لاہوری اور قادیانی ہر دو پارٹیوں کے معتقدات میں کوئی فرق نہیں۔ ملاحظہ ہو پیغام صلح ۷ ستمبر ۱۹۱۳ء جو کہ لاہوری پارٹی کا ترجمان ہے اس میں مرزا قادیانی کو رسول ماننے کا اعلان موجود ہے۔ اپنے رسالہ ریویو جلد ۳ ص۱۱، ص۱۱۱ میں مرزا کو نہ صرف رسول اللہ اور نبی بلکہ سارے رسولوں سے افضل کہا۔ بہر حال اگر حقیقت حال یہ ہوتی کہ وہ مرزا کو صرف مصلح و مجدد سمجھتے تب بھی ان کی تکفیر میں کوئی پس و پیش نہ ہوتی۔ برصغیر کے محقق علما خصوصاً علامہ سید انورشاہ کشمیریؒ نے اس فریب و نفاق کا پردہ بھی قطعی دلائل سے چاک کیا اور لاہوری گروپ کی تکفیر ہی کے ضمن میں "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" جیسی معرکۃ الآراء کتاب لکھی جس میں واضح فرمایا کہ قطعی یقینی اور متواتر عقائد اور ضروریات دین میں تاویل و تحریف و انکار قطعی کفر ہے اگرچہ ایسا کرنے والا خود اپنے آپ کو مسلمان کہے اور اپنے کو اہل قبلہ میں سے سمجھے اور سارے ارکان اسلام عبادات وغیرہ بھی ادا کیوں نہ کرے۔

مسلمانوں کیلئے تو مرزائیوں کا لاہوری فرقہ قادیانی اور ربوائی جماعت سے بھی بڑھ کر خطرناک ہے کہ عام مسلمان انہیں نمازوں وغیرہ میں شرکت کرتے دیکھ کر ان پر حسن ظن کر لیتے ہیں اور بالآخر ان کے مکائد اور خباثت کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانی مرزا قادیانی کے محامد اور محاسن سن سنکر اس کے بارہ میں بھی خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں جو ضیاع دین و ایمان بن کر رہ جاتا ہے۔

الحاصل لاہوری مرزائی بھی قادیانی مرزائیوں کی طرح قطعی کافر ہیں، نہ تو کسی مسلمان کے پیچھے ان کا نماز پڑھنا ان کے مسلمان ہونے کی دلیل بن سکتا ہے نہ ان کا یہ کہنا کہ ہم تو مسلمانوں کو کافر نہیں سمجھتے! اور اب تو قادیانیوں کی ربوہ جماعت کے امام نے بھی از راہ تقیہ مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب دینے کی خاطر اپنے متبعین کو مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے اور معاشرتی و سماجی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دیدی ہے، کیا ان کا اس طرح کرنے سے وہ مسلمان کہلا سکیں گے؟ اگر مرزائی ہم مسلمانوں کو کافر نہ بھی کہیں تو کیا وہ دائرہ کفر سے نکل سکیں گے؟ ہرگز نہیں! بلکہ جب تک وہ مرزا کے بارے میں اپنے کفریہ عقائد سے رجوع نہ کریں اسلام انہیں کافر مرتد، واجب القتل اور جہنمی قرار دے گا۔ آپ نے اپنے سوال میں جس شخص (سرکاری امام خواجہ قمرالدین) کا ذکر کیا ہے اگر اس نے غلط فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے لاہوری مرزائی کی اقتداء کی یا اسے مسلمان سمجھتا رہا تو اسے نادم اور تائب ہو کر اپنے موقف سے رجوع کرنا چاہیئے، اور اگر اب بھی وہ لاہوری مرزائیوں کے بارہ میں اپنی رائے پر مصر ہے تو اسے منصب امامت سے ہٹانا اور معزول کرانا ضروری ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

شیعہ مذہب اختیار کرنے سے نکاح پر اثرات

سوال: ایک لڑکے نے اپنے آپ کو سُنی ظاہر کرکے ایک سنی المسلک خاندان کی لڑکی سے شادی کرلی جبکہ حقیقت میں وہ شیعہ مذہب اور شیعیت کا ہمخیال ہے، اور اب بیوی کو بھی شیعہ مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے لیکن لڑکی شیعہ مذہب اختیار کرنے پر رضامند نہیں اور نہ وہ اس کے پاس آباد رہنے کے لیے تیار ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعتِ محمدی کی رو سے شیعہ مذہب اختیار کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور ایک سنی المسلک خاتون کا کسی شیعہ مرد کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکے نے شیعہ مذہب کے وہ عقائد اپنا رکھے ہیں جو ضروریاتِ دین کے مخالف اور متضاد ہیں، جیسے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگانا، سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت اور آپ کی خلافتِ حقہ کا انکار کرنا، اسی طرح قرآنِ پاک کے محرف ہونے کا عقیدہ رکھنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہونا یا آپ کو نبی آخرالزمان ماننا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی اور حضرت علی رض کی بجائے جناب محمد بن عبداللہ رصلی اللہ علیہ وسلم پر اُتاری وغیرہ وغیرہ، یہ تمام صورتیں موجبِ کفر وارتداد ہیں۔ لہٰذا اگر مذکورہ شوہر اس قسم کے نظریات رکھتا ہے تو بلا شبہ وہ مُرتد اور کافر ہے، اور شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے شوہر کے مرتد ہوجانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور عورت اگر مدخول بہا ہو تو وہ عدّت گذارنے کے بعد دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے اور پورے حق مہر کی حقدار ہے اور اگر غیر مدخول بہا ہے تو عدّت بھی واجب نہیں اور آدھا مہر ملے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: وارتد احدهما ای الزوجین - فسخ - (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۶۰۶ باب نکاح الکافر)

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: لاشك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها او انکر الصحبة الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه او اعتقد الالوهیة فی علی رضی الله عنه او ان جبرئیل علیه السلام

غلط فی الوحی او نحو ذٰلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن ۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۲۳۷ باب المرتد مطلب مہم فی سب الشیخین) [1]

ذکری فرقے کے کفر کا حکم

سوال:۔ ذکری فرقہ جو ضلع تربت، مکران (بلوچستان) میں وقوع پذیر ہے، اس فرقہ کے تمام مذہبی طور طریقے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، ان کا کلمہ الگ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے انکار، خانہ کعبہ کو قبلہ ماننے سے انکار وغیرہ، اس کے باوجود اس فرقہ کے پیروکار اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، تو کیا صرف اسلام کا دعویٰ کرنے سے آدمی مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ فرقہ محمد جونپوری یا محمد اٹکی کو اپنا رسول مانتا ہے، جیسا کہ اہلِ اسلام کے کلمہ کے برعکس اپنے ایجاد کردہ کلمہ سے وہ اپنے آپ کو رسول ظاہر کرتا ہے، اس فرقہ کا کلمہ لا الٰہ الّا اللہ نور پاک محمد مھدی رسول اللہ ہے۔ بایں وجہ یہ فرقہ ختم نبوت کے متفقہ و مسلّمہ عقیدہ کا بھی منکر ہے، دوسرا یہ فرقہ اسلام کے بنیادی ارکان نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جو قطعی الثبوت دلائل سے ثابت ہیں اور ان پر اسلام کی بناء رکھی گئی ہے کا منکر ہے، اسی طرح کعبۃ اللہ کے علاوہ کسی دوسری جہت کی طرف منہ کرنا یعنی اس کو قبلہ گاہ بنانا بھی موجبِ کفر ہے۔ لہٰذا جس شخص کے بھی یہ عقائد ہوں وہ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا ہے چاہے اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے ہزار بار "میں مسلمان ہوں، میں مسلمان ہوں" کی رٹ

---

[1] قال العلامۃ ابن البزاز الکردری: واکفار الروافض فی قولہم برجعۃ الاموات الی الدنیا وبتسخ الارواح وانتقال الروح الالٰہ الی الائمۃ وان الائمۃ الٰہۃ وفی قولہم بخروج امام ناطق بالحق وانقطاع الامر والنہی الیٰ ان یخرج وبقولہم ان جبرئیل علیہ السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون علیٍ رضی اللہ عنہ واحکام ھٰؤلاء احکام المرتدین ومن انکر خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ فہو کافر فی الاصح ویجب اکفار الخوارج فی اکفارھم جمیع الامۃ سواھم ویجب اکفارھم باکفار عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ وطلحۃ والزبیر وعائشۃ رضی اللہ عنہم ۔ (البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۶ ص ۳۱۸ باب احکام المرتد)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۲ باب احکام المرتدین ۔

لگا تا پھرے، اس لیے کہ فقہاء اور متکلمین نے لکھا ہے کہ مسلمان ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان تمام ضروریاتِ دین کا اقرار اور تصدیق کرے جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، اور دین کے کسی ضروری امر کا انکار نہ کرے، لہٰذا ذکری فرقہ اسلام کی ان بنیادی ضروریات کے انکار کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: والایمان التصدیق بجمیع ما جاء به النبی صلی الله علیه وسلم عن الله تبارك وتعالیٰ مما علم مجیئه به ضرورة وهل هو فقط او هو مع الاقرار قولان فاکثر الحنفیة علی الثانی والمحققون علی الاول والاقرار شرط اجراء احکام الدنیا بعد الاتفاق علیٰ انه یعتقد متیٰ طولب به اتی به فان طولب به فلم یقرأ فهو کفر عناد والکفر لغةً الستر وشرعاً تکذیب محمد صلی الله علیه وسلم فی شیٔ مما ثبت عنه ادعاه ضرورة۔ (البحر الرائق ج ۵ ص۱۱۹ باب احکام المرتدین)[1]

بریلوی فرقہ کا تذکرہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بریلوی فرقہ کا بانی کون تھا اور اس کے عقائد و نظریات کیا تھے؟ اس کے اور اس کے پیروکاروں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بریلوی فرقہ کا بانی احمد رضا خان تھا، اس نے اکابر علماء دیوبند اور دیگر علماء کرام کے بارے میں بہت کچھ غلط الفاظ استعمال کیے جن کو زبان و قلم پر لانا بھی مشکل ہے، اس کے علاوہ اس نے علماء دیوبند کی عبارات کو کاٹ چھانٹ کر علماء حرمین سے ان پر کفر کے فتوے حاصل کیے جن کی وجہ سے بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو علماء حق سے متنفر کیا اور ان میں مختلف قسم کی بدعات و رسومات کو رواج دیا، لیکن اس سب کے باوجود علماء حق نے اس فرقہ کے بانی اور اس کے پیروکاروں کی تکفیر نہیں کی، تاہم کسی بھی غیر اللہ کو مافوق الاسباب حاجت روا ماننا اور اس کے لیے علمِ غیب کلی اور حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا موجب کفر ضرور ہے۔

---

[1] قال العلامة ملا علی القاریؒ: وکذا مخالفة ما اجمع علیه وانکاره بعد العلم به یعنی من امور الدین۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۵۲ استحلال المعصیة کفر)
ومثلهٗ فی رد المحتار ج ۴ ص۲۲۳ باب احکام المرتدین۔

لما قال اللہ تعالیٰ لحبیبہ : قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۔ (سورۃ الکہف آیت ۱۱۰)

وقال ایضاً : قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (سورۃ الاسراء ۹۳)

لما فی الحدیث : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا بشر مثلکم اذا امرتکم بشئ من امر دینکم فخذوہ بہ واذا امرتکم بشئ من رائی فانما انا بشر ۔

(مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۲۸ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ : فلیس لی اطلاع علی المغیبات انما ذلک شئ قلتہ بحسب الظن ۔ (مرقاۃ ج ۱ ص۲۲ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)[۱]

مولانا پنج پیر اور انکے پیروکاروں کو کافر کہنا صحیح نہیں

سوال :۔ مولانا پنج پیر اور ان کے متبعین کو انکے عقائد و نظریات سے اختلاف کی بناء پر کافر کہنا کیسا ہے؟ نیز ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ مولانا پنج پیر اور ان کے متبعین کا عقیدہ صحیح اور درست ہے اور وہ اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں، اگرچہ بعض مسائل میں شدت سے کام لیتے ہیں جو کہ راہِ اعتدال سے تجاوز کرچکی ہے، اس سختی اور بے جا فتویٰ بازی کی وجہ سے علماء حقانیین نے ان کی جماعت میں شامل ہونے سے منع فرمایا ہے لیکن ان کو کافر اور مرتد کہنا صحیح نہیں، علماء کرام نے تکفیر کے فتویٰ میں بڑی احتیاط کا حکم دیا ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے سے ان کے ساتھ مسلمانوں والے تعلقات قائم کرنا صحیح اور درست ہے، کسی بھی مسلمان کو

---

[۱] قال العلامۃ ملا علی القاریؒ : ثم اعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ تعالیٰ احیاناً وذکر الحنفیۃ تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ : قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۱ حکم تصدیق الکاھن)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۲ ص۲۶۶ الباب التاسع فی احکام المرتدین ومنھا ما یتعلق بالانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ۔

بلا وجہ کافر کہنا موجبِ تعزیر ہے ۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ : وقد ذکروا ان المسئلة المتعلقة بالکفر اذا کان لہا تسعة وتسعون احتمال الکفر واحتمال واحد فی نفسہ فالاولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لان الخطاء فی الف کافر اھون من الخطاء فی افناء مسلم واحد۔ الخ

(شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۹ تکفیر اھل الکبائر) [1]

مودودی صاحب اور ان کے ہمخیالوں کے جدت پسند نظریات

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! بعض علماء دین کا کہنا ہے کہ عقائدِ مودودیہ گمراہ کن اور اجماعِ اُمت کے مخالف ہیں، مودودی صاحب خود ضال ومضل ہیں ، ان کی کتابوں کا مطالعہ بغیر عالمِ دین کے عوام الناس کے لیے ناجائز اور سخت مُضر ہے، اس جماعت کے ساتھ میل ملاپ اور اس کی حمایت کرنا ناجائز ہے ، اس بارہ میں آپ اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں ؟

الجواب :۔ مودودی صاحب کے عقائد ونظریات پر اکابر علماء دیوبند نے کافی حد تک روشنی ڈالی ہے اور ان کے تمام یکطرفہ نظریات کو جمع کرکے قرآن وحدیث اور اجماعِ اُمت کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ امتِ مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا ہے ، تاہم مختصراً یہاں بھی عرض کیا جاتا ہے کہ مودودی صاحب کی تالیفات اور اُن کی جماعت کے بعض ذمہ دار حضرات کے مضامین وخیالات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب ایک آزاد خیال انسان ہیں جو اپنی تحقیق وریسرچ اور بزعمِ خود اجتہاد واستنباط کے شوق میں ائمہ اربعہ تو کیا بسا اوقات جمہور اہلِ سنت والجماعت کے مسلمہ مسلک اور حدود سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء انصاریؒ : یجب ان یعلم انہ اذا کان فی المسئلة وجوہ توجب الکفر ووجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۵ ص۴۵۸ فی کتاب احکام المرتدین)

لما قال العلامة المرغینانیؒ : اذا قذف مسلماً بغیر الزناء فقال یا فاسق او یا کافر او یا خبیث فوجب التعزیر۔ (الھدایة ج۲ ص۵۴۰ کتاب الحدود۔ فصل فی التعزیر) وَمِثْلُہٗ فی ردالمحتار ج۴ ص۲۲۴ فی باب المرتد۔

مودودی صاحب کی ان طبع آزمائیوں کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ان سے متاثرہ افراد کے دلوں میں بھی سلف صالحین کی وقعت اور ان کی علمی اور فقہی تحقیقات اور کارناموں سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ جمہور کے مسلک اور قطعی منصوص مسائل سے بے اعتنائی اور مخالفت کی چند مثالیں ہماری معلومات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں تاکہ مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں کا تعارف سامنے آجائے۔

(۱) تنقید سے صحابۂ کرامؓ کو مستثنیٰ نہ کرنا اور نہ انہیں معیارِ حق سمجھنا۔ (دستور صـ۱۴)

حالانکہ صحابۂ کرامؓ کا عادل ہونا اُن قطعی مسلمات میں سے ہے جن پر دین کی بنیاد قائم ہے، کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کی بے شمار نصوص ان کے معیارِ حق اور میزانِ عدل ہونے پر ناطق اور شاہد ہیں۔ اور بقول علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ "جو کوئی بھی صحابۂ کرامؓ کی تنقیص و تنقید کو جائز سمجھتا ہے وہ دراصل قرآن وحدیث کی ابطال و تنقیص کرتا ہے اور ایسا شخص زندیق ہے۔" (الاصابۃ)

اور بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ: "اگر معاذ اللہ یہ اولین اساتذۂ اسلام غیر ناقابلِ اعتماد ہوں گے تو دین کی تمام عمارت گر جائے گی اور اس دروازۂ تنقید اور جرح کے کھلنے سے تمام دینی اصول و فروع ناقابلِ اعتماد ہو جاتے ہیں۔"

(مکتوبات ج ۲ صـ۲۶۳)

(۲) ایسی ہی عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق ذاتی رائے اور انوکھا اجتہاد۔ (تفہیمات ۲/۴۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق (رسائل ومسائل ۱/۳۱) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق (تفہیمات ۲/۴۲) اسی طرح دیگر انبیاء، حضرت ابراہیم علیہ السلام (تفہیم القرآن ۱/۵۵۸) حضرت یونس علیہ السلام (تفہیم القرآن ۲/حاشیہ ۳۱۲-۳۱۳) وغیرہ کے بارہ میں گستاخانہ الفاظ اور ان کی شانِ نبوت میں غفلت و بے پرواہی سے ایسے انداز میں ان پر تبصرے کیے کہ جن سے بے ادبی واضح طور پر محسوس ہوتی ہے۔ یا مثلاً حدودِ شرعیہ کے متعلق ظلم اور بے انصافی کا خیال ظاہر کرنا۔ (تفہیمات صـ۲۷) یا مثلاً دجّال وغیرہ کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو قیاسات اور ظن و تخمین قرار دے کر انہیں افسانے کہنا (   ) یا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ جسمانی الی السماء کے مُسلّمہ و متفقہ عقیدہ میں انکار و تردد کرنا (تفہیم القرآن) ـــــ اور اسی طرح کے دیگر خیالاتِ فاسدہ

جو کہ نصوصِ قطعیہ کے یکسر خلاف ہیں۔

اس کے علاوہ مودودی صاحب کی تحریرات میں مسلمانوں اور ملّتِ بیضاء کے مسلّمات مثلاً رُشد و ہدایت اور تصوّف کے طریقوں، مجددین و مصلحین کے خصوصی امتیازات اور تجدیدی کارناموں کی تضحیک و تحقیر کرنا موجود ہیں جس کی وجہ سے ان کے روشن خیال اور خالی الذہن متبعین کے دلوں میں ملت اسلامیہ کے صحیح راہنماؤں، فقہاء و ائمہ کرام، مشائخ عظام اور ان کے طریقۂ دعوت و عزیمت اور تجدیدِ دین کی مساعی اور کوششوں کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے اور عزت و احترام کے جذبات بالکل معدوم ہو جاتے ہیں اور ان لوگوں کو تجدید و دعوتِ اجتہاد و امامت کے لیے ہمہ جہت اور جامع الصفات شخصیت صرف مودودی صاحب ہی نظر آتے ہیں ـــ اس قسم کی تحریرات کا نمونہ ان کی "تجدید اور احیاء دین" نامی کتاب میں موجود ہے جس کے صفحہ ۴۵، ۴۸، ۴۷ پر امام غزالی، امام ابنِ تیمیہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی، شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ وغیرہ پر کڑی تنقید کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ آئے دن فقہی مسائل میں انوکھے اجتہادات سے مسلمانوں میں تشویش اور انتشار پیدا کرنے کے لیے تمام قوتیں بروئے کار لائی گئیں، اس کی چند مثالیں خود انکی تحریروں کی روشنی میں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) اِضطراری حالت میں جوازِ مُتعہ کی فرضی صورت۔

(۲) مسنون داڑھی سے انکار اور لطیف حیلوں سے اس کی مقدار و عظمت کو گھٹانے کی کوشش۔ (ترجمان القرآن)

(۳) خلع اور اس کی عدت میں ذاتی رائے۔ (حقوق الزوجین)

(۴) بے وضو سجدۂ تلاوت کرنا۔ (تفہیم القرآن ۲/۶ ۱۱ سورۃ الاعراف)

(۵) روزہ دار کے لیے بعد از طلوعِ فجر کھانے پینے کا جواز۔ (تفہیم القرآن ج ۱ ۱۴۵ سورۃ البقرۃ) جس کے لیے کسی شاذ و نادر قولِ تابعی وغیرہ کا سہارا لے کر جمہور کے مسلک کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دین، اہلِ دین اور مسائلِ دین کے بارے میں بے ادبی اور بے احتیاطی اور اپنے مذعومہ نظریات اور آراء پر گھمنڈ ان کی آراء اور تحقیقات کا قدرِ مشترک ہے اور

اس طرح مودودی صاحب اپنی جدت پسند طبیعت، جدید اور قدیم امتزاج سے ایک نئے مسلک اور دین کی داغ بیل ڈالتے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ ملتِ بیضاء (مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ) سے جدا ہو کر دین کے بارے میں ایک ایسے شخص کو معتمد علیہ سمجھنا ہے جس میں اجتہاد، امامت اور تحقیق و استنباط کی شرائط اور لوازم کسی حال میں موجود نہیں اور جو اپنی تحقیق کے گھمنڈ میں اجماعیات تک سے چشم پوشی کر جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ مصلحت اور ضرورت سمجھے تو دین کے مسلّمہ عقائد اور اصول تک میں بھی حکمتِ عملی کے نام سے ترمیم و تبدیلی کر سکتا ہے۔

مذکورۃ الصدر بعض وہ اشارات ہیں جن پر اکابر علماء دیوبند نے تحقیق اور تفصیل سے انکے تفردات اور غلط و گمراہ کن نظریات پر روشنی ڈالی ہے اور الگ الگ مضامین و رسائل لکھے ہیں، اس بارہ میں اپنی تحقیق سے زیادہ ہمارا اعتماد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی حضرت مولانا احمد علی لاہوری، حضرت مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ تعالیٰ اور پاک و ہند کے دیگر علماء کرام اور ارباب فتویٰ کے فتاویٰ پر ہے جو پورے اخلاص و للّٰہیت اور جذبۂ دینی و خیر خواہی مسلمین اور بصیرتِ باطنی کی روشنی میں مودودی صاحب کو بحیثیتِ مجموعی ایک گمراہ اور ان کی جماعت کو ایک گمراہ کن جماعت سمجھتے ہیں، ان حضرات کی اتباع اور تقلید اور پھر اپنی ذاتی رائے کی بناء پر ہم بھی مودودی صاحب کو مسلمانوں کے حق میں ناپسندیدہ، مُضر اور ان کے نظریات و آراء سے اجتناب کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مودودی صاحب کے نظریات و عقائد کی تردید اہلِ سنت والجماعت کی معتبر کتابوں سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح قرآنِ پاک میں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف کی گئی ہے اور قرآنِ پاک میں جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا اوّلین مصداق حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں، ان حضرات کو ہم اہل سنت والجماعت معصوم نہیں سمجھتے لیکن تمام اُمت میں بہترین اور افضل ترین سمجھتے ہیں، صحابۂ کرام رضؓ کو موضوعِ تنقید و تردید بنانا حد درجہ کی ضلالت و گمراہی ہے، اور یہ تمام اہلِ سُنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دین کی نشر و اشاعت میں بالکل عدول ہیں اور اس میں انہوں نے کسی قسم کی کمی بیشی، کوتاہی یا غفلت اور ذاتیات کو شامل نہیں کیا اور مِن و عَن سارا دین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اُمت تک پہنچایا ہے۔ اسی طرح تمام

انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہیں نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی، یہ بھی تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ٥

(سورۃ الانفال آیت ۷۴)

لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مُدّ احدھم ولا نصیفہ۔ متفقٌ علیہ

(مشکوٰۃ ص۵۵۳ فی باب مناقب الصحابۃ۔ فی الفصل الاوّل)

وقال العلامۃ ملا علی القاریؒ: الصحابۃ کلھم عدول مطلقاً لظواھر الکتاب والسنۃ واجماع من یعتمد علیہ۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱۰ ص۲۵۵) [1]

قادیانیوں کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات قائم کرنا ناجائز ہے

سوال: ہمارے علاقہ میں کچھ قادیانی رہتے ہیں، تو کن امور میں ہم مسلمانوں کو ان کے ساتھ تعلق رکھنا چاہیئے اور کن امور میں قطع تعلق کرنا چاہیئے؟

الجواب: - قادیانیوں کے تمام دعوے جھوٹ اور لغویات پر مبنی ہیں، باجماع اُمت یہ لوگ کافر اور مرتد ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات (مناکحت، مواکلت، مشاربت وغیرہ) قائم کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

لما قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (سورۃ ھود آیت ۱۱۳) [2]

---

[1] وقال العلامۃ ملا علی القاریؒ وامام ابوحنیفۃؒ: والانبیاء کلھم منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح وقد کانت منھم زلات وخطیئات۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۸۹)

[2] وقال الامام ابوعبداللہ محمد بن احمدؒ: تحت قولہ تعالیٰ: الی الذین ظلموا قیل اھل الشرک وقیل عامۃ فیھم وفی العصاۃ..... وھذا ھو الصحیح فی معنی الآیۃ وانھا دالۃ علی ھجران اھل الکفر والمعاصی من اھل البدع وغیرھم فان صحبتھم کفر او معصیۃ اذ الصحبۃ لا تکون الا عن مودۃ۔ (وقد قال حکیم) عن المرء لا تسأل وسل عن قرینہ۔ فکل قرین بالمقارن یقتدی

(احکام القرآن ج ۹ ص۱۰۸ سورۃ الھود)

علامہ عنایت اللہ مشرقی کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام علامہ مشرقی کے بارے میں کہ،

(۱) یہ کیسے آدمی تھے؟ کیونکہ ہم نے سُنا ہے کہ علامہ مشرقی دشمن اسلام اور قرآن و حدیث کے خلاف سخت مذہب رکھتا تھا، چنانچہ مؤرخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۹ء / ۹ رجب ۱۳۵۸ھ کو علامہ ابو الحسنات قادری خطیب مسجد وزیر خان لاہور نے علامہ مشرقی کے متعلق چھپوا کر شائع کیا تھا اور اس پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اور علماء پنجاب لاہور، علماء ہند دہلی نے بھی علامہ مشرقی کو اسلام سے خارج قرار دیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابو الحسنات قادری نے اپنے رسالہ "خاکساری مذہب اور اسلام" میں لکھا ہے کہ علامہ مشرقی نے اپنے تذکرہ اور اشارات میں تحریر کیا ہے کہ مشرقی عقیدہ میں پنجوقتہ نماز فرض نہیں اور مشرقی عقیدہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک نہ تو کوئی سچا مذہب ہو سکا نہ خدا کا وجود کسی دلیل سے ثابت ہوا۔ مشرقی عقیدہ کے مطابق مصلاؤں پر بیٹھ کر مثل اولیاء کرام اللہ اللہ کرنا کوئی عبادت نہیں بلکہ ریاکاری، مکاری اور شرک و کفر ہے ــــ کیا یہ کفر آمیز مضامین علامہ مشرقی کے "تذکرہ اشارات" میں لکھے ہوئے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر لکھے ہوئے ہیں تو کیا علامہ مشرقی اپنی تحریرات اور کفریہ مضامین سے بعد میں تائب ہو گئے تھے یا حالتِ کفر پر ہی ان کا انتقال ہوا ہے؟

(۳) اگر علامہ مشرقی "تذکرہ" میں درج خرافات اور کفریات سے تائب نہیں ہوئے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اکثر لوگ مشرقی کو اچھا اور نیک آدمی جانتے ہیں اور بڑے بڑے عالم اس کے جنازہ میں شریک ہوئے اور نماز جنازہ بادشاہی مسجد لاہور میں ادا کی گئی۔

(۴) جو لوگ علامہ مشرقی کو اچھا اور نیک آدمی جانتے ہیں اور خاکساری مذہب رکھتے ہیں عند الشرع کافر ہیں یا فاسق؟

(۵) جن لوگوں نے علامہ مشرقی کا جنازہ پڑھا ہے ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۶) مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور مجبوری کی حالت میں بھی جائز

ہے یا نہیں؟ اور امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد میں جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب :۔ آپ کے سوالوں کے نمبر وار جواب بتوفیقِ الٰہی حاضر ہیں :۔

(۱) واقعی مشرقی کا "تذکرہ" ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو نہ صرف یہ کہ اسلام کے منصوصہ احکام کے صریح خلاف ہیں بلکہ قرآن کریم کے مضامین میں صریح تحریف بھی کی گئی ہے ۔ یہی وہ خلافِ شرع مضامین ہیں جن کی وجہ سے تمام علماءِ اسلام کے حلقہ میں علامہ مشرقی کو دین اور مذہب وملّت کے لیے انتہائی خطرناک آدمی سمجھا گیا اور علماءِ ربّانی نے کبھی بھی اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

(۲) ہمیں علامہ مشرقی کی یہ حالت معلوم نہیں ہے، اس کا علم اللہ تعالےٰ ہی کو ہو سکتا ہے یا پھر مشرقی کو۔ (کہ وہ اپنے ان کفریہ عقائد ونظریات سے تائب ہوا تھا یا نہیں؟)

(۳) اس کی وجہ تو ان لوگوں سے پوچھنی چاہیئے جو علامہ مشرقی کو اچھا اور نیک آدمی جانتے ہیں اور اس کے جنازے میں شریک ہوئے یا ان لوگوں سے جنہوں نے اس کا جنازہ پڑھا ہے، ہم سے یہ باتیں پوچھنا مناسب نہیں ۔

(۴) ہم ایسے لوگوں کو کافر تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے عقائد کا ہمیں یقینی علم نہیں ہے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی عبارتوں میں تاویل کی گنجائش ہو، البتہ اسے (مشرقی کو) فاسق ضرور کہیں گے کیونکہ موجباتِ فسق امور اس کے عقائد ونظریات میں ضرور پائے جاتے ہیں۔

(۵) جب ہم خود مشرقی پر کفر کا حکم نہیں لگا سکتے تو جن لوگوں نے اس کا جنازہ پڑھا ہے ان پر بھی ہم کوئی حکم نہیں لگا سکتے ۔

(۶) ہمارے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں مکروہ ہے جبکہ دوسرے ائمہؒ جواز بلا کراہت کے قائل ہیں۔

فقط واللہ اعلم

مودودی صاحب کے عقائد کے بارے میں استفسار کا جواب

سوال: یہاں پر بعض علماء نے مندرجہ ذیل مضمون کا شائع کیا ہے "یہ امر مسلمہ ہے کہ عقائد مودودیہ گمراہ کن ہیں قرآن و حدیث سے مخالف ہیں۔ ائمہ اربعہ سے مخالف ہیں۔ مودودی ضال مضل ہے۔ مودودی عقائد والے مولوی کے پیچھے نماز پڑھنا حرام ہے ان سے میل ملاپ حرام ہے ان کی کتابوں کا مطالعہ بغیر عالم دین عوام کے لیے حرام ہے اس جماعت کا حمایت کرنا حرام ہے" کیا دارالافتاء کو مولانا مودودی صاحب کی عقائد اور ان کی کتابوں کے بارہ میں کچھ معلومات نہیں؟ کیا آپ اس فتویٰ سے اتفاق رکھتے نہیں۔ اگر واقعی مودودی گمراہ کن ہے تو براے کرم ہماری رہنمائی فرمادیں۔ اگر نہیں تو بھی رہنمائی فرمادیں۔

الجواب: نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد۔ اس وقت مودودی صاحب کے بارہ میں کچھ لکھنے کی فرصت نہیں مگر جو کچھ اپنے مطالعہ اور پھر اپنے اکثر علماء دیوبند خصوصاً سیدی وسندی شیخی ومرشدی مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی تحقیق اور مودودی جماعت کے بعض درون خانہ حضرات کے مضامین وخیالات سے معلوم ہوا تو یہی کہ مودودی صاحب ایک آزاد خیال انسان ہے جو اپنے تحقیق وریسرچ اور بزعم خود اجتہاد واستنباط کے شوق میں ائمہ اربعہؒ تو کیا بسا اوقات جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلمہ مسلک اور حدود سے بھی باہر نکل جاتے ہیں مودودی صاحب کے ان طبع آزمائیوں کا لازمی اور طبعی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ان سے متاثر افراد کے دلوں سے بھی سلف کی وقعت اور سلف صالحین کے علمی و فقہی تحقیقات اور کارناموں سے اعتماد اٹھ جاتا ہے جمہور کے مسلک اور قطعی اور منصوص مسائل سے بے اعتنائی اور مخالفت کی چند مثالیں ہمارے ان معلومات کے ثبوت وتائید کے لیے کافی ہیں۔ ۱؎ تنقید سے صحابہؓ کو بھی مستثنیٰ نہ کرنا اور نہ انہیں معیار حق سمجھنا (دستور ص ۱۲) حالاں کہ صحابہ کرام کا عدول ہونا ان قطعی مسلمات میں سے ہے جن پر دین کا بنیاد قائم ہے کتاب وسنت کے بے شمار نصوص ان کے معیار حق اور میزان عدل ہونے پر ناطق وشاہد ہیں۔ اور بقول حافظ ابن حجر العسقلانیؒ جو کوئی بھی صحابہ کرام کی تنقیص وتنقید کو جائز سمجھے وہ "اہل قرآن وسنت کی ابطال وتنقیص کرتا ہے اور ایسا شخص زندیق ہے (الاصابہ) اور بقول شیخ الاسلام حضرت الاستاد مولانا مدنیؒ اگر معاذ اللہ یہ اولیں اساتذہ اسلام غیر قابل اعتماد ہوں گے تو تمام عمارت دین بالکل ڈھا جائے گی اور اس دروازہ (تنقید وجرح) کے کھلنے سے تمام دینی اصول وفروغ ملیامیٹ ہوجاتے ہیں (مکتوبات ج ۲ ص ۲۶۳) ۲؎ اسی طرح مسئلہ عصمت انبیاء کے بارہ میں ذاتی رائے اور انوکھا اجتہاد (تفہیمات ج ۲ ص ۴۳) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام (رسائل ومسائل

حصہ اول ص ۱۳۱) (ب) حضرت داؤد علیہ السلام (تفہیمات ج ۲ ص ۴۲) (ج) حضرت ابراہیم علیہ السلام (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۵۵۸) (د) حضرت یونس علیہ السلام (تفہیم القرآن ج ۲ حاشیہ ص ۳۱۲ و ۳۱۴) وغیرہ کے بارہ میں گستاخانہ ریمارک اور ان کے شان نبوت سے غفلت و بے پرواہی میں ایسے انداز سے ان پر تبصرے جن سے شان بے ادبی نمایاں ہے۔ ۳ یا مثلاً حدود شرعیہ کے قیام کے بارہ میں ظلم و بے انصافی کا خیال ظاہر کرنا (تفہیمات ص) ۴ یا مثلاً کانا دجال وغیرہ کے بارہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیشنگوئیوں کو قیاسات اور ظن و تخمین قرار دے کر انہیں افسانے کہنا ۵ یا مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی الی السماء کے مسلمہ و متفقہ عقیدہ میں انکار و تردد (تفہیم القرآن) اور اس قسم کے دیگر مزعومات فاسدہ جو منصوصات قطعیہ کے یکسر خلاف ہیں، نیز مودودی صاحب کے تحریرات میں مسلمانوں اور ملت بیضا کے مسلمہ اقدار مثلاً رشد و ہدایت اور تصوف کے طریقوں مجددین و مصلحین کے خصوصی امتیازات اور تجدیدی کارناموں کی تضحیک و تحقیر کا پہلو موجود ہے جس کی وجہ سے ان کے روشن خیال خالی الذہن متبعین کے دلوں میں ملت کے صحیح رہنماؤں۔ فقہاء عظام مشائخ کرام اور ان کے طرق دعوت و عزیمت اور تجدید دین کے مساعی اور کوششوں کی قیمت گھٹ جاتی اور احترام کے جذبات یکسر معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو تجدید دعوت اجتہاد و امامت کے لیے ہمہ جہت جامع الصفات شخصیت صرف مودودی صاحب ہی نظر آنے لگتا ہے۔ اس قسم کے تحریرات کا نمونہ ان کے کتاب تجدید و احیائے دین میں موجود ہے جس کے صفحات ص ۵۴، ص ۸۴ ص ۷۴، ص ۷۴ وغیرہ پر امام غزالیؒ امام ابن تیمیہؒ مجدد الف ثانیؒ شاہ ولی اللہؒ شاہ اسمعیل شہیدؒ وغیرہ پر کھڑی تنقید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آئے دن فقہی مسائل میں انوکھے اجتہادات سے مسلمانوں میں تشویش و انتشار پیدا کرنے کے لیے چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۱ اضطراری حالت میں جواز متعہ کی فرضی صورت ۲ مسنون داڑھی سے انکار اور لطائف اطیل سے اس کی مقدار و عظمت کو گھٹانے کی کوشش (ترجمان القرآن) ۳ قلع اور اس کی عدت میں ذاتی رائے (حقوق الزوجین) بے وضوء سجدۂ تلاوت (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۱۶) صائم کے لیے بعد از طلوع فجر کھانے پینے کی جواز (تفہیم ج ۱ ص ۱۴۵) جس کے لیے کسی شاذ اور نادر قول تابعیؒ وغیرہ کا سہارا لے کر جمہور کے مسلک کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دین و اہل دین اور مسائل دین کے بارہ میں بے ادبی اور بے احتیاطی اور اپنے فرعومہ نظریات و آراء پر گھمنڈ ان کے آراء و تحقیقات کا قدر مشترک ہے اور اس طرح مودودی صاحب کی جدت پسند طبیعت جدید و قدیم امتزاج سے ایک نئے مسلک و دین کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کا لازمی نتیجہ۔ سنت بیضاء (ما انا علیہ واصحابی) سے کٹ کر دین کے بارہ میں ایک ایسے شخص کو معتمد علیہ سمجھنا ہے، جس میں

اجتہاد وامامت، تحقیق واستنباط کے شرائط اور لوازم کسی حال میں موجود نہیں اور جو اپنے تحقیق کے گھمنڈ میں اجماعیات تک سے چشم پوش کر جاتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے مصلحت اور ضرورت سمجھے تو دین کے مسلمہ عقائد اور اصول تک میں بھی حکمت عملی کے نام سے ترمیم وتبدیل کر سکتا ہے۔ مذکورۃ الصدر بعض اشارات ہیں۔ جن کی تفصیل وتشریح میں اکابر علماء نے تحقیق وتفصیل سے ان کے متفردات اور غلط وگمراہ کن نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور الگ الگ رسائل ومضامین لکھے ہیں۔ اس بارہ میں اپنی تحقیق سے زیادہ ہمارا اعتماد حضرت شیخ مدنی قدس سرہ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ۔ حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ اور پاک و ہند کے دیگر اہل علم وارباب فتویٰ کے فتووں پر ہے جو پورے اخلاص وللّٰہیت اور جذبہ دینی وخیر خواہی مسلمین اور بصیرت باطنی کی روشنی میں مودودی صاحب کو بحیثیت مجموعی ایک گمراہ اور اس کی جماعت کو ایک گمراہ کن جماعت سمجھتی ہے۔ ان حضرات کے اتباع وتقلید اور پھر اپنی ذاتی رائے جو پورے دردمندی اور خلوص پر مبنی ہے کے بنا پر مودودی صاحب کو مسلمانوں کے حق میں ناپسندیدہ اور مضر اور ان کے نظریات وآراء سے اجتناب ضروری سمجھتا ہوں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم وبیدہ الباطن والا رابعہ ان اردنا الا الا صلاح ما استطعنا وما التوفیق الا باللہ العلی العظیم۔

یہود کا ذکر قرآن میں

حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم زرولوی سابق صدرالمدرسین جامعہ دارالعلوم حقانیہ

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کو مٹھی بھر یہودیوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس سے بعض اذہان میں اس شبہ کا ابھرنا ایک فطری امر تھا کہ یہود جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ۔ اور اسی طرح کئی دیگر مواقع اور مقامات پر کتاب اللہ نے ان کی ملعونیت اور مغضوبیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے تو ان کو تمام عالم عرب پر فتح کیسے حاصل ہو گئی؟ مندرجہ ذیل مقالہ میں حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم زرولویؒ نے اس شبہ کا جواب قرآن کریم کی روشنی میں دیا ہے جس سے اس کے علاوہ دیگر شبہات کا بھی ازالہ ہوتا ہے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مؤقر جریدے ماہنامہ الحق نے اس پرمغز مضمون کو شائع کیا کتاب العقائد کے بارے الفرق کے ساتھ مناسبت کی بنا پر فتاویٰ حقانیہ میں افادہ کے لئے شامل کیا گیا (مرتب)

مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں پر یہود کی طرف سے جو مصیبت عظمیٰ آپڑی ہے۔ اس سے غیر مسلم اقوام کو مسلمانوں کا مذاق اور تمسخر اڑانے کا موقع مل گیا۔ اور طعنہ دینے کا سامان بہم پہنچا ہے۔ کہ مٹھی بھر یہودیوں سے تیرہ کروڑ مسلمانوں کو شکست فاش دیدی حالانکہ یہ قوم دنیا بھر میں خصوصا مسلمانوں کے نزدیک ذلیل ترین ہے۔ نہ تو مسلمانوں کو عظیم کثرت نے شکست سے بچایا اور نہ امداد غیبی ان کے شامل ہوئی جس کا مسلمان عموماً دعویٰ کرتے ہیں کہ نصرت خداوندی ہمیشہ ہماری شامل حال رہتی ہے۔ اسی طرح اس سے بعض اذہان میں وسوسہ پیدا ہو گیا ہے۔ کہ یہود کی حکومت اور غلبہ اور عزت قرآنی نصوص کے خلاف ہے مثلاً آیت ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ (البقرۃ) وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (آل عمران) وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ (الاعراف)

تو یہود کی موجودہ عزت اور حکومت بلکہ مسلمانوں پر تسلط کیسے وقوع میں آیا اور نصرت خداوندی کا وعدہ (وکان حقا علینا نصر المؤمنین) کیوں وقوع پذیر نہ ہوا! یہ تمام شبہات زیادہ تر قلت تدبر اور سوء فہم پر مبنی ہیں۔ یہاں اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ امداد غیبی کا وعدہ مشروط ہے ایمان و اطاعت اور عہد وفاداری پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے اور اشاعت دین کی جدوجہد کرنے پر۔۔۔۔۔۔۔۔والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلَنَا وان اللہ لمع المحسنین۔۔۔۔ ولینصرنّ اللہ من یَنصرہ ـ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ـــ وحقّا علینا نصر المؤمنین۔

آیات مذکورہ بالا اور اسی قسم کے دوسرے بے شمار نصوص آیات اور احادیث امداد و نصرت خداوندی کی بنیادی شرائط پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ بغاوت اور اطاعت سے انحراف اور عام بے عملی فسق و فجور کے ارتکاب شعائر اسلام کی بے حرمتی کی صورت میں عذاب اور تباہی کے مستحق بننے کی وعیدیں بھی وارد ہوتی ہیں مثلاً

۱۔ واتّقوا فتنۃً لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصّۃ۔	اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر۔
۲۔ وما کان ربک لیھلک القریٰ واھلھا مصلحون۔	تیرے پروردگار کی شان نہیں کہ بستیوں کو تباہ کر دے حالانکہ ان کے بسنے والے نیک کردار ہوں۔
۳۔ انّ اللہَ لَا یُغیّرُ مَا بقومٍ حتی یغیّروا ما بأنفسِہم۔	اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔
۔ واذا اردنا ان نھلک قریۃً امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحقّ علیھا القول فدمّرناھا تدمیرًا۔	اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیجا اسکے عیش کرنیوالوں کو پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں تب ثابت ہوگئی ان پر بات۔ پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر۔

عصر حاضر کے مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر عہد و پیمان توڑ کر عام بغاوت اور بے عملی کا ارتکاب شروع کر دیا ہے۔ کوئی عیب ایسا نہیں جو ان میں نہیں پایا جاتا۔ دنیا میں کوئی حکومت مسلمانوں کی ایسی نہیں جس میں اسلامی احکام پورے طور پر نافذ ہوں۔ اکثریت پر مغربیت اور دہریت مسلط ہے اسلام کی سیاست مدنی، تدبیر منزل، تہذیب، اخلاق، معاملات، عبادات، معاشرات اور ایمانیات سے عام ناواقفی بلکہ اسلامی اصولِ حیات کو "ملائیت" اور رجعت پسندی "کہہ کر حقارت دیکھنے

لگے تو نصرت خداوندی سے محروم ہوکر وعید الٰہی کو زبان حال دعوت دینے لگے۔ چنانچہ نتیجہ میں اپنے کردار کے عواقب برداشت کرنے لگے۔ اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی تھی۔ حرف بہ حرف واقع ہوکر رہی۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

(۱) یوشك ان تداعی علیکم الامم کما تداعی الاکلۃ علی القصعۃ فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ قال انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابۃ ولیقذفن فی قلوبکم الوھن قال قائل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما الوھن قال حب الدنیا و کراھیۃ الموت۔ (مشکوٰۃ)

عنقریب متعدد اقوام تمہارے کھانے اور ختم کرنے کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دیں گے جس طرح کہ کھانے والوں کے کاسہ میں رکھے ہوئے طعام کے لئے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کسی نے کہا کہ ہم اس وقت قلت میں ہوں گے۔ فرمایا نہیں تم اس وقت بہت زیادہ ہوگے لیکن تمہاری حالت اس وقت مانند سیلاب کی جھاگ کی ہوگی اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ضعف پیدا کردے گا یعنی دنیا کی محبت اور موت کی ناگواری۔

(لفظ امم کے عموم میں یہود بھی شامل ہیں)

(۲) عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبر ذراعاً بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب لتبعتموھم قیل یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن؟ (مشکوٰۃ)

تم ضرور امم سابقہ کے طور طریقوں پر چلتے رہوگے بالشت بہ بالشت دست بدست (یعنی برابر کے برابر بلا فرق) یہاں تک کہ اگر وہ داخل ہوئے ہوں سانڈے کے سوراخ میں تم بھی ان کا اتباع کروگے۔

(۳) عن المرداس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذھب الصالحون الاول فالاول وتبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر لا یبالیھم اللہ بالۃ (مشکوٰۃ)

اچھے لوگ ختم ہو جاویں گے یکے بعد دیگرے اور رہ جاویں گے ایسے لوگ جن کی کوئی حیثیت نہ ہوبے قدر ہوں مانند جو کے بھوسہ کے اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہ کرے گا یعنی جس طرح سے ان پر مصیبت پڑجائے کوئی امداد نہ فرما دے گا نہ فریاد کی شنوائی ہوگی۔

قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مسلمانوں کے ہر دور کی تاریخ اور ان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرکے ان آیات واحادیث وعدووعید کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو یہ شبہ کبھی

پیدا نہیں ہوسکتا کہ امت مسلمہ کے ساتھ وعدہ وعید میں کوئی فرق آیا ہے۔ یا ان کو ناکردہ گنا ہوں کی سزا ملی ہے۔ وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔ خدا کی شان یہ نہیں کہ ان پر ظلم کرے لیکن وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔ یہود کی موجودہ دور میں عارضی حکومت اور وقتی تفوق جس کو قرآنی نصوص کے خلاف سمجھا جارہا ہے۔ تو اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے چند معروضات پیش کرنا ضروری ہے۔

(۱) عالم اسباب میں محدثات کا اجتماع اور حوادث کا تعاقب محض بخت واتفاق کی بنا پر نہیں۔ بلکہ خالق کائنات نے ان کے درمیان باہمی ارتباط اور تعلق پیدا کر کے بعض کو اسباب اور بعض کو مسببات قرار دیا ہے۔ اسباب مہیا اور موجود ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق مسببات ان پر مرتب ہو کر وجود میں آتے ہیں۔

(۲) تحقق اسباب کے بعد ترتیب مسببات لزوماً ہوتا ہے۔ اس کا تخلف نہیں ہوتا الاّ نادراً جس کو خرق عادت یا خلاف عادت الہٰیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً سورج کے طلوع کے بعد دن ضرور وجود میں آتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ سورج طلوع ہو کر رات قائم ہو جاتی ہے۔ مہلک مقدار میں زہر کھانے کے بعد موت طاری ہو جاتی ہے۔ چاہے حکیم کھائے چاہے جاہل، پانی پینے اور کھانا کھانے کے بعد پیاس بھوک کا ازالہ ہو جاتا ہے یہ ظاہر اور بدیہی امور ہیں۔

(۳) اقوام کے عروج و زوال اور آزادی و غلامی کے لئے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ مانند دوسرے حوادث کے یہ اسباب دو قسم کے ہیں ۱۔ سماوی یعنی امداد غیبی اور ۲۔ مادی یعنی عادی اسباب، قسم اول کے متعلق پہلے عرض کیا گیا کہ وہ مشروط بالایمان والطاعۃ ہیں۔ ہاں کبھی قانون مجازات کے مطابق کافروں کو دوسرے کافروں یا مسلمانوں پر مسلط کر لیتا ہے کما قال تعالیٰ و نذیق بعضھم بأس بعض۔ اور ہم چکھاتے ہیں بعض کو دوسروں کی شدت جیسا کہ یہودیوں پر جالوت، بخت نصر، طیطوس رومی اور ہٹلر وغیرہ کو مسلط کرادیا۔ اور مسلمانوں پر سزائے جرم کی پاداش میں یا تنبیہہ اور عبرت حاصل کرنے کیلئے مختلف ادوار میں نصاریٰ یا تاتاری وغیرہ کا تسلط ہوا۔

(۴) مادی اسباب عروج و آزادی کے عادی اسباب جب کوئی قوم پورے طور پر مہیا کرے (مثلاً اتفاق باہمی، مواسات، قربانی، راعی اور رعایا میں تعاون، طاعت اور اعتماد، مدافعت اور تسلط کے مطابق ہر زمانہ میں ہر نوع اسلحہ کی فراہمی، جفاکشی، ایثار، یعنی سیاست مدنی و ملکی کیلئے شریعت مصطفویہ نے بہ تفصیل تمام جو چیزیں بیان کی ہیں) تو حکومت اور غلبہ حاصل ہوگا۔ کفرا

کے لئے مانع ہوگا ۔ آج کل امریکہ اور روس کو جو فوقیت حاصل ہے وہ انہی اسباب مادیہ کی بناء پر ہے نہ کہ وہ کلمہ گو ہیں ۔

(۵) کسی قوم کو آزاد یا غلام حاکم یا محکوم کہنا کہ فلاں قوم آزاد یا حکمران ہے من حیث القوم باعتبار مجموعہ افراد یا اکثریت کے کہا جا سکتا ہے ۔ اگر کسی قوم کے کروڑوں افراد میں سے صد ہزار یا لاکھ کسی گوشہ میں حاکمیت اور آزادی حاصل کریں ۔ تو اس بناء پر قوم من حیث القوم کو آزاد یا حکمران اور باعزت نہیں کہا جا سکتا ۔

(۶) اسی طرح اگر ہزاروں سال کے اندر کسی قوم کو عارضی طور پر چند سال کے لئے حکومت ملے تو عارضی حکومت چند روزہ کالعدم قرار پاکر مجموعہ یا اکثر اجزائے زمانہ کے اعتبار سے ان کو ذلیل و غلام کہا جاوے گا ۔ چنانچہ احادیث سے صراحۃً ثابت ہے کہ دجال یہودی کو عام دنیا پر سوائے حرمین شریفین کی پوری حکومت حاصل ہوگی ۔ اس کے باوجود وہ ضربت علیھم الذلۃ کے مصداق ہیں

(۷) اگر کوئی قوم دینی آزادی اور حکمرانی غلبہ میں مستقل ہو ۔ کسی دوسری قوم کی دست نگر نہ ہو تو ان کی طرف اقتدار اور حکومت کی نسبت حقیقۃً صحیح ہوگی ، اور اگر کسی دوسری قوم کے لئے آلہ کار ہو ۔ اور ان کی تمام طاقت دوسری قوم کے اغراض اور سیاسی مقاصد کی تکمیل کیلئے ہو ۔ تو اسی قوم کی طرف حکومت اور تسلیط کی نسبت حقیقۃً صحیح نہ ہوگی ۔ بلکہ حاکمیت اور تسلط اس دوسری قوم کے لئے ہے ۔ جس قوم کی یہ آلہ کار اور غلام ہے ۔

اس تمہید کے بعد موجودہ دور میں ان سامراج کی ایجنسیوں یعنی یہود کی حکومت اور غلبہ اور اس کے وجود میں آنے کے عوامل و مبادی پر غور کرنا چاہیئے ۔ تاکہ اس کی حقیقت اچھی طرح سے بے نقاب ہو کر کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے ۔ اگرچہ سابقہ معروضات بھی ازالہ شبہ کیلئے اجمالاً کافی ہیں

۱۹۴۰ء کی جنگ عظیم میں جبکہ ان مغضوب علیھم پر قدرت کی طرف سے ہٹلر مجسم تازیانہ غضب بن کر مسلط ہوا ۔ تو اس نے ممالک مفتوحہ میں حکم جاری کیا کہ جس یہودی کو جان بچانا منظور ہو وہ ان ملکوں سے اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر نکل جائے ورنہ اس کی جان کی خیر نہ ہوگی ۔ جرمنی کے سقوط سے پہلے جتنے یہود نکل گئے وہ جان بچانے میں کامیاب ہوئے ، جو نہ نکل سکے ان سب کو قید کر کے زندہ جلا دیا اور کسی کو سمندر میں ڈبو دیا اور اکثر قتل کر دئے گئے ۔ یہ داستان کسی پر مخفی نہیں کہ بچنے والے جو کثیر تعداد میں مختلف ممالک میں منتشر ہوئے تھے ۔ سامراجیوں نے ان کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے آلہ کار بنا کر عرب کے قلب لینے کے لئے فلسطین میں لاکر بسایا ۔ اور

فلسطینیوں کو جلا وطن کر دیا ۔ عرب ممالک اپنی کمزوری اور بے اتفاقی کی بناء پر دیکھتے رہے اور کچھ نہ کر سکے ۔ ابتداء میں تھوڑی مقدار میں آئے ۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھتی رہی ۔ اور سامراجیوں نے بیس سال کے اندر ان کو طاقتور بنانے اور سیاسی غلبہ حاصل کرنے کیلئے انہیں بھرپور امداد دی۔ مدافعت اور جارحیت کے لئے انہیں ہر قسم کے جدید اسلحہ سے پوری طرح مسلح کر دیا ۔ کامیاب اجتماعی زندگی کیلئے جن ذرائع اور وسائل کی ضرورت تھی، سب کو پورا کر دیا ۔ یہود جو قریبی مدت میں انتہائی مظالم و مصائب برداشت کر چکے تھے ۔ موقع کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اُٹھانے لگے ۔ اور باہمی اتفاق مواساۃ، قربانی، جفاکشی، تضییع مال سے گریز غرض معاشرہ اور نوعیت کی اصلاح اور کامیابی کے لئے جو اخلاقی اور مادی کارنامے درکار تھے، ان کی تحصیل میں ہمہ تن لگ گئے ۔ اب قانون ربط اسباب بالمسببات کی رُو سے ان کو حکومت اور طاقت حاصل ہونا مطابق عدد تھا اور عرب حریف پر جو بے اتفاقی، بیداری عیاشی، عام بے عملی اور احکام خداوندی سے بغاوت کے شکار ہوئے تھے ۔ ان کا غالب ہونا غیر متوقع نہ تھا ۔ اور عجب نہیں کہ قدرت کو ان ذلیل ترین یہودیوں کے ہاتھ مطابق قانون مجازات کے عرب کو بالخصوص اور عام مسلمانوں کو بالعموم تنبیہ اور تازیانۂ عبرت منظور ہو ۔ بلکہ ظاہر بھی ہے وما کان ربك ليهلك القرى واهلها مصلحون تیرے پروردگار کی یہ شان نہیں کہ بستیوں کو تباہ کر دے اور اس کے بسنے والے نیک کردار ہوں ۔ آج امریکہ اور اس کی ہمنوا طاقتوں کے علاوہ ساری دنیا کہہ رہی ہے ۔ کہ یہ یہود سامراجیوں کے پروردہ کہتے ہیں ۔ اور انہوں نے انہیں اپنی سیاسی اغراض کے لئے عربوں پر مسلط کیا ہے ۔ ورنہ ان کی کوئی پوزیشن نہیں ۔ اس روشن حقیقت کے بعد کوئی عاقل اس حکومت اور طاقت کو ان کی طرف حقیقۃً منسوب نہیں کر سکتا ۔ بلکہ یہ ساری حکومت اور طاقت سامراجیوں کی ہے ۔ یہودی ان کے غلام بن کر حق غلامی ادا کر رہے ہیں ۔ یہود کی موجودہ حکومت کو پیش نظر رکھ کر حسب ذیل آیت سراپا صداقت کے معنی پر غور کر کے معلوم ہو جائے کہ یہ اس کی تصدیق ہے نہ کہ خلاف کجا کہ اس پر شبہ کیا جائے ۔ ضربت عليهم الذلة اينما ثقفوا الا بحبل من الله وحبل من الناس ۔ (الآیۃ) ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جاویں سوائے دستاویز اللہ کے اور دستاویز لوگوں کے قرآن کریم کی صداقت غیر متزلزل سے کسی شبہ کی اس میں گنجائش نہیں قصور ہمارے فہم کا ہے ۔

لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد ۔ نہیں آسکتا اس کو

جھوٹ اور باطل سامنے نہ پیچھے سے نازل کی گئی ہے۔ حکمت والے اور ستائش کئے گئے قدرت کی طرف سے۔ اسی قسم کی آیت آل عمران کی آیت سے پہلے یہود کے تذکرہ میں سورۃ بقرہ میں بھی وارد ہوئی۔ وضربت علیهم الذلة والمسکنة وباؤوا بغضب من الله ذلك بانهم كانوا يكفرون بايت الله ويقتلون النبيّن بغير الحق ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون ہ ترجمہ: جمادی گئی ان پر ذلّت اور پستی اور مستحق ہوگئے۔ غضب الٰہی کے یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ منکر ہوجاتے تھے۔ احکام الٰہیہ کے اور قتل کردیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق اور یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور عقل وشرع کے دائرہ سے نکل جاتے تھے۔

۱۔ یہاں اینما ثقفوا کی قید نہیں اور نہ استثناء ہے لیکن القرآن یفسر بعضہ بعضًا کی بناء پر دونوں یہاں بھی مراد ہے۔ آل عمران کی آیت اگرچہ اہل کتاب کے تذکرہ میں آئی ہے۔ لیکن مراد اس سے خاص یہود ہیں بدلیل سابق۔

۲۔ ذلّت خلاف عزّت وقوت کو کہتے ہیں۔ جس میں جان ومال کا غیر معصوم ہونا اور محکومیت و غلامی شامل۔ مسکنت بمعنی ضعف وفقر اور پستی کے ہے اور الا بحبل استثناء ہے عموم احوال سے یعنی فی عامة الاحوال الا معتصمين الا بحبل من الله و متلبسين بذمته۔ (بیضاوی)

۳۔ حبل متعدد معانی میں مستعمل ہے۔ کتاب اللہ، حدیث میں ہے کتاب الله حبل ممدود من السماء الى الارض۔ بحبل الله ای کتابه۔ حبل بمعنی عہد ومیثاق۔ حبل بمعنی ذمہ وامان کے بمعنی دین اور سبب کے (مجمع البحار) یہاں حبل اللہ سے ہر ایک معنی مراد لیا جاسکتا ہے اور حبل من الناس سے صرف ذمہ اور امان یعنی عہد وپیمان مراد ہیں یعنی ضربت علیهم الذلة اینما ثقفوا فی عامة الاحوال الا معتصمين او متلبّسین بکتاب الله ودینه وذمته وعهده او بعهده او بعهده وذمته وامان من الناس ترجمہ:۔ جمادی گئی ہے ان پر ذلّت جہاں بھی پائے جاویں ہر حال میں الا اعتصام بکتاب اللہ اور بدین اللہ کریں۔ اس کے ذمہ امان اور عہد میں داخل ہوجائیں۔ (جس کا حاصل اسلام میں داخل ہونا ہے) یا لوگوں کے ذمہ امان عہد میں داخل ہوجائیں۔ یعنی مسلمانوں کے ساتھ مصالحت ہو یا جزیہ قبول کر کے ذمی بن جاویں۔ یا کسی دوسری قوم کے عہد و ذمہ اور امان میں داخل ہوں یعنی نصاریٰ۔ یہاں لفظ ناس عام ہے۔ نصاریٰ کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ آیت وجاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا الى يوم القيمة۔ (آل عمران) میں وعدہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کہ تیرے متبعین کو قیامت تک یہود پر فوقیت حاصل ہوگی۔ اور اتباع سے مراد

اس کے ساتھ اعتقاد نبوت ہے۔ اور اس میں مسلمان نصاریٰ دونوں شریک ہیں۔ اور واقعات بھی اس کے شاہد ہیں۔ کہ یہود ہمیشہ کیلئے مسلمان یا نصاریٰ کے محکوم آئے ہیں۔ اور اس وقت بھی یہی حال ہے۔ کہ ساری دنیا میں یہود دوسری اقوام کے زیر اثر وحکومت ہیں۔ قران کریم نے اس ذلت ولپستی کی جو علت بیان کی ہے۔ قتل انبیا علیہم السلا، حدود شرع وعقل سے تجاوز نافرمانی، انکار آیات، دنائیت طبع کی بنا پر نعمتوں کی ناشکری اور نفیس کو خسیس اشیاء سے استبدال، انبیاء کی سرکردگی میں جہاد سے انکار وغیرہ، قبائح انکا اثر لازم ذلت وھوان ہے ہاں کبھی دنی اور شریر بالطبع مجازات ومکافات سے تنگ آکر عارضی اور وقتی طور پر راہ راست پر آجاتا ہے۔ جیساکہ یہود نے بھی عمالقہ کے پے درپے قتل وغارتگری سے تنگ آکر اپنے نبیؑ سے بادشاہ کا مطالبہ کیا۔ تاکہ اس کی سرکردگی میں جہاد کرکے شاید کامیاب ہوکر کچھ اطمینان کا سانس لیں۔ اذ قالوا لنبی لهم ابعث لنا ملكاً نقاتل فی سبيل الله۔ مگر بادشاہ طالوت کے تقرر پر بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ اور پھر بھی کثیر تعداد میں قتال سے انکار کر بیٹھے۔ الحاصل یہود کا موجودہ غلبہ بحبل من الناس کا مصداق ہے۔ اس طرح سطحی اذہان میں آیت واذ تاذن ربك ليبعثن عليهم الی يوم القيٰمة من يسومهم سوء العذاب۔ ترجمہ:۔ اور اس وقت کو یاد کرو جب خبر دی تھی تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہوں گا۔ یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے ان کو بڑا عذاب۔ ——— سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں یہود کی قیامت تک مقہوریت اور محکومیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ حالانکہ موجودہ وقت وہ قاہر وحاکم ہیں۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے معروض مذکورہ کافی ہے۔ لیکن مزید وضاحت کے لئے آیت کی تفسیر مناسب ہوگی۔ یہ آیت سورۃ اعراف کی ہے۔ جو یہود کے تذکرہ میں وارد ہے۔ اس سے اوپر کی آیات میں یہود کے قبائح اور شرارتوں کا بیان ہوا ہے۔ آگے اس آیت میں ان کے قبائح کا دنیا میں علاوہ سزائے آخرت کے انجام بد مذکور ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے پختہ اعلان کردیا گیا تھا کہ اگر یہود احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑدیں گے۔ توحق تعالیٰ قرب قیامت تک وقتاً فوقتاً ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتے رہے گا۔ جو ان کو برے عذاب میں مبتلا رکھیں۔ برا عذاب یہاں محکومانہ زندگی، جان ومال کا غیر معصوم ہونا جزیہ دینا وغیرہ ہے۔ چنانچہ قوم یہود سلیمان علیہ السلام کے بعد کبھی یونانی کبھی کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی ہے۔ کبھی بخت نصر اور رومیوں کے شدائد کا تختہ مشق بنی۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک مجوسیوں کی

باجگذار رہی۔ پھر مسلمان حکمرانوں کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔ غرض اس وقت سے آج تک ان کو من حیث القوم عزت اور آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں کہیں رہے اکثر ملوک وحکام کی طرف سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اُٹھاتے رہے۔ ان کی مال و دولت وغیرہ کوئی چیز انہیں اس غلامی و محکومیت کی لعنت سے نجات نہ دے سکی۔ ابھی مشرق وسطیٰ کی لڑائی میں جب یہود نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ تو ان کے وزیر اشکول نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر اس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے خود اعتراف کیا۔ کہ تین ہزار سال کے بعد ہم کو بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوا۔ اس عرصہ دراز میں ہماری قوم نے نہایت سخت مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ اور در بدر کی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سورۃ ابراہیم؏ میں بنی اسرائیل کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کا خطاب اپنی قوم کو نقل فرمایا ہے۔ جو کہ مذکورہ بالا آیت کے مضمون کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور موسیٰؑ نے اپنی قوم سے واذ تأذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا۔ کہ اگر احسان مانو گے اور زیادہ نعمتیں ملیں گی۔ ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت۔ یعنی موجودہ نعمتیں تم سے سلب کرلی جائیں گی۔ اور ناشکری کی مزید سزا ملے گی۔ خدا کی ناشکری اس کی روحانی اور جسمانی نعمتوں کی بے قدری اور نازل کردہ احکام کی نافرمانی ہے۔

تو اسی آیت اور آیت مذکورہ بالا کی سیاق سے واضح ہے کہ محکومیت اور غلامی کی سزا ان کی نافرمانیوں اور ناشکری کی پاداش میں ہے۔ اور قرب قیامت کی قید اس لئے لگا دی۔ کہ روایات صریحہ سے ثابت ہے۔ کہ آخر زمانہ میں دجّال یہودی چند روزہ حکومت کریگا۔ لیکن یہ چند روزہ حکومت کو عرصہ دراز کی غلامی کی بہ نسبت کالعدم قرار دیکر الی یوم القیامۃ کہا گیا۔ اسی طرح اس عرصہ دراز کے درمیان میں بھی ایسا معمولی وقفہ آیا ہے۔ ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددنٰکم باموال وبنین وجعلنٰکم اکثر نفیرا۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر۔ بابل کا گورنر بخت نصر نے یہود پر مسلط ہو کر ان کو تباہ و قتل کر دیا تھا۔ تقریباً سو سال کے بہمن بن اسفندیار نے یہود پر رحم کھا کر ان کے قیدیوں کو آزاد کر کے ان پر دانیال کو بادشاہ مقرر کیا۔ اور چند روزہ آزادی ان کو حاصل ہوئی مگر تھوڑے عرصہ کے بعد رومیوں کے ہاتھ سے ان کی تباہی ہوئی اور آزادی سلب ہو گئی۔ تو اس معمولی وقفہ آزادی کی نسبت تین ہزار سال بلکہ اس

سے بھی زائد زمانہ غلامی کی طرف کچھ بھی نہیں۔ اسی کو استغراق اور استیعاب عرفی کہتے ہیں خطابات اور محاورات میں یہی استیعاب اور استغراق مکمل ہے۔ اس کی مثالیں حدیث لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق حتی یأتی امر الله۔ یعنی قیامت برپا نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ کوئی دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا ہے لیکن یہ عرصہ چونکہ بہ نسبت زمانہ ظہور حق بہت کم ہے۔ اس لئے اس کو کالعدم قرار دیکر حتی یأتی امر الله۔ یعنی قیامت تک کہہ دیا گیا...... لہٰذا یہود کا یہ معمول وقفہ آزادی آیتِ بالا کے عموم پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

قومی اسمبلی کا تاریخی فیصلہ

سفارشات اور آئین میں ترمیم کا بل

تحریر...... مولانا سمیع الحق، مدیر ماہنامہ الحق

الحق اپنی نویں منزل کے اختتام پر یعنی ستمبر میں قادیانی مسئلہ کے آئینی حل کی شکل میں دنیا بھر کے مسلمانوں کیساتھ فتح و شادمانی اور قرب و وصالِ حق کی ایک ایسی نعمت سے سرشار ہوا جس کا شکر یہ کسی بھی ناتواں مخلوق کے بس میں نہیں اور نہ ہی اس نعمت کی حلاوت و مسرت کبھی زائل ہو سکتی ہے، انشاء اللہ العزیز اس راہ میں الحق کی ناچیز کوششیں بھی رائیگاں نہیں گئی ہوں گی۔ دسویں سال کے آغاز میں اس نعمت کے شکریہ کے طور پر ہم آقائے نامدار رحمۃ للعالمین خاتم النبیین کی بارگاہ اقدس میں تاج و تختِ ختمِ نبوت اور ناموسِ ختم المرسلین کے آئینی تحفظ کی تقریب میں ایک حقیر سا نذرانۂ عقیدت پیش کر رہے ہیں اور وہ قادیانی مسئلہ مشاہیر علم و فضل اور زعماء ملک و ملت کے جذبات و تاثرات کا حسین گلدستہ ہے۔ اس امید پر کہ کیا عجب ان گلہائے عقیدت کو پیش کرنے والے اور اس کے مرتبین ادارہ الحق اور تمام قارئین الحق کے لیے قیامت کے دن شافع محشر کی شفاعت و خوشنودی کا ذریعہ بن جائے اور یہی بضاعۃ مزجاۃ بارگاہ ایزدی سے پروانہ نجات نصیب ہونے کا وسیلہ بن جائے کہ یہی امید ہی زادِ راہ اور سرمایۂ آخرت ہے، بہرحال الحق کا یہ خصوصی حصہ بارگاہ ختم المرسلین میں اس التجا کے ساتھ پیش ہے کہ وجئنا ببضاعۃ مزجاۃ فاوف لنا الکیل وتصدق علینا ان اللہ یحب المتصدقین۔

خراجِ عقیدت کے اس بابرکت ہدیہ میں کوئی بخل کیے بغیر ہم نے بلالحاظِ مشرب و مسلک، ملک و ملت اور علم و فضل سے تعلق رکھنے والے مختلف مکاتبِ فکر کے زعماء، علماء، اہلِ قلم اور اربابِ فکر کو اظہارِ خیال کی دعوت دی، حزبِ اقتدار اور اختلاف میں تفریق کی نہ اپنوں اور غیروں میں کہ ہر ایک رحمتِ کائنات کی رحمتِ کریمانہ کا امیدوار اور طلبگار ہے اور تقریباً سب نے ہی مسئلہ ختم نبوت میں حتی المقدور حصہ لیا۔ ہمیں خوشی ہے اور ہم خلوصِ دل سے ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے گوناگوں مشاغل اور عوارض کے باوجود ہمیں اپنے احساسات اور تجاویز سے نوازا۔

قادیانی اقلیت کے آئینی فیصلہ پر اس مضمون میں صرف جذباتِ مسرت نہیں بلکہ اندیشے بھی ہیں، ذمہ داریوں کا احساس بھی دلایا، خطرات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اور اس پہلو پر بھی مختلف حضرات نے سیر حاصل روشنی ڈالی ہے کہ آئینی فتح کے بعد ہم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ اس مسئلے کے ذیلی تقاضے اور بڑھ گئے ہیں جو فوری طور پر حل طلب ہیں اس ضمن میں حکومت کی ذمہ داریوں، مسلمانوں، علماء بالخصوص مجلس عمل کے غور و فکر کیلئے اتنے مسائل کی نشاندہی ہو گئی ہے جس پر مزید کچھ اضافہ کیے بغیر ہم ملتِ مسلمہ کے تمام طبقات حکومت، عوام اور دنیا بھر کے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان نکات پر فوری غور و فکر کر کے انہیں عملی شکل دینے کیلئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں ورنہ کہیں خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ اس فتح مبین سے حاصل ہونے والے شاندار نتائج ہماری غفلتوں کی وجہ سے شکست سے زیادہ خطرناک صورت سے نہ بدل جائیں۔ (سمیع الحق ستمبر ۱۹۷۴ء / رمضان ۱۳۹۴ھ)

⊕ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ ماننے والا یا نبوت کا دعویٰ کرنے والے یا مدعی نبوت کو نبی یا مصلح ماننے والا مسلمان نہیں۔

- قادیانیوں کے دونوں گروپوں (لاہوری و قادیانی) کو آئندہ انتخابی فہرستوں یا رجسٹریشن فارم میں غیر مسلم لکھا جائے گا۔
- کوئی شخص ختم نبوت کے عقیدے کے خلاف پرچار نہیں کر سکے گا، خلاف ورزی قابلِ تعزیر جرم ہوگی۔

۷ستمبر ۱۹۷۴ء ہماری تاریخ کا نہایت تابناک اور تاریخی دن تھا جب اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اس دن اپنے الگ الگ اجلاسوں میں آئین میں ترمیم کا ایک تاریخی بل اتفاق رائے سے منظور کر لیا جس کے تحت پاکستان میں قادیانیوں کے دونوں گروپوں (لاہوری اور قادیانی) کو غیر مسلم آقلیت قرار دیدیا گیا ہے۔ آئین کی دفعات ۱۰۶ اور ۲۶۰ میں ترمیم کر کے یہ قرار دیا گیا ہے کہ ایسا کوئی شخص جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر ایمان نہ رکھتا ہو یا خود کو کسی بھی صورت میں نبی یا مصلح ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا ایسے کسی بھی کاذب کو نبی مانتا ہو تو وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ نیز یہ بھی قرار دیا گیا کہ قادیانی اور لاہوری احمدی فرقے کے تمام ارکان کو آئینی قانونی طور پر پاکستان میں بسنے والے دیگر غیر مسلموں کی مانند سمجھا جائے گا اور عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بودھوں، پارسیوں اور شیڈول کاسٹس کی طرح ان کے لیے بھی اسمبلیوں میں اضافی نشستیں ہوا کریں گی۔

آئین میں یہ ترمیم قومی اسمبلی کے پورے ایوان پر مشتمل کمیٹی کی سفارشات کو قبول کرتے ہوئے کی گئی۔ یہ سفارشات قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے ایک متفقہ قرار داد کی صورت میں منظور کیں، ان کے تحت امتِ مسلمہ کے نظریۂ ختم نبوت کو جو آئینی تحفظ دیا گیا ہے اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جاسکے گی۔ قانون سازی کے ذریعے تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف کے بعد ۲۹۵ ب کا اضافہ کیا جائے گا۔ جس کے تحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے عقیدہ کے منافی کسی بھی قسم کا پرچار قابلِ تعزیر جرم ہوگا، سفارشات کے تحت آئندہ انتخابی فہرستوں میں قادیانیوں کا اندراج بھی غیر مسلموں کے زمرے میں ہوا کرے گا۔

آئینِ پاکستان کی متعلقہ دفعات میں ترمیم کی صورت

قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو فیصلہ کیا ہے اس کی روشنی میں آئینِ پاکستان کی متعلقہ دفعات کی ترمیم کے بعد یہ صورت ہوگی۔

آرٹیکل نمبر ۲۶ | جو شخص خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی نبوت یا مذہبی مصلح پر ایمان لاتا ہے وہ از روئے آئین و قانون مسلمان نہیں ہے۔

آرٹیکل نمبر ۱۰۶ کلاز ۳ | آرٹیکل نمبر ۱۰۶ کی کلاز نمبر ۳ میں مذکور طبقوں کے لفظ کے بعد قادیانی یا لاہوری گروپ کے اشخاص جو خود کو "احمدی" کہلاتے ہیں، کے جملے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اضافہ کے بعد کلاز نمبر ۳ کی صورت یہ ہوگی | صوبائی اسمبلیوں، بلوچستان، پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کی کلاز نمبر ۱ میں دی گئی نشستوں کے علاوہ ان اسمبلیوں میں عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بدھوں، پارسیوں اور قادیانیوں یا شیڈول کاسٹس کے لیے اضافی نشستیں ہوں گی۔

آئین میں دوسری ترمیم کے بل کا متن | یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازیں درج اغراض کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم کی جائے لہٰذا بذریعہ ہٰذا حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

مختصر عنوان اور آغاز نفاذ | (۱) یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ایکٹ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔

(۲) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

آئین کی دفعہ نمبر ۱۰۶ میں ترمیم | اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین جسے بعد ازیں آئین کہا جائے گا، دفعہ نمبر ۱۰۶ کی شق ۳ میں لفظ "اشخاص" کے بعد الفاظ اور قوسین اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) درج کیے جائیں گے۔

آئین کی دفعہ نمبر ۲۶۰ میں ترمیم | آئین کی دفعہ نمبر ۲۶۰ میں شق ۲ کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی:-

(۳) جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو کہ آخری نبی ہیں، کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہے۔

بیان و اغراض | جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے کہ اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے اُسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔ (عبد الحفیظ پیرزادہ وزیر انچارج)

تاریخی قرارداد کا متن

قومی اسمبلی کے پورے ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی نے متفقہ طور پر جو قرارداد طے کی ہے اور جس کی سفارشات کو قومی اسمبلی نے منظور کیا ہے وہ یہ ہے:۔

- قومی اسمبلی کے کُل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی متفقہ طور پر طے کرتی ہے کہ حسب ذیل سفارشات قومی اسمبلی کو غور اور منظوری کے لیے بھیجی جائیں۔
- کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی اپنی راہنما کمیٹی اور ذیلی کمیٹی کی مدد سے اس کے سامنے پیش یا قومی اسمبلی کی طرف سے اس کو بھیجی گئی قرارداد دں پر غور کرتے اور دستاویزات کا مطالعہ کرتے اور گواہوں بشمول سربراہان انجمن احمدیہ ربوہ و انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور کی شہادتوں اور جرح پر غور کرنے کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو حسب ذیل سفارشات پیش کرتی ہے:۔

(الف) یہ کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے:

(اوّل) دفعہ ۱۰۶ (۳) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے۔

(دوم) دفعہ ۱۰۶ میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی تعریف درج کی جائے۔

مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لیے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودۂ قانون منسلک ہے۔

(ب) یہ کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں مندرجہ ذیل تشریح درج کی جائے۔

تشریح: کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ کی شق ۳ کی تشریحات کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔

(ج) یہ کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء منتخبہ قانونی اور ضابطہ کی ترمیمات کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں ، کی جان و مال ، آزادی ، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا۔

(۱) عبدالحفیظ پیرزادہ (۲) مولانا مفتی محمود

(۳) مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی (۴) پروفیسر غفور احمد

(۵) غلام فاروق (۶) چوہدری ظہور الہٰی

(۷) سردار مولا بخش سومرو۔
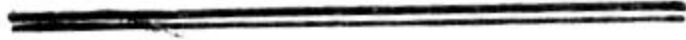
قادیانیوں کے بارہ میں صدارتی آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۴ء کا مکمل متن

۱۹۷۴ء میں آئین میں ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے تقریباً دس سال بعد جنرل ضیاء الحق مرحوم نے مجلسِ شوریٰ میں شامل مولانا سمیع الحق صاحب اور دیگر ممبران مجلس کی کوششوں سے صدارتی آرڈیننس کے ذریعے قانون سازی کی، ذیل میں اس آرڈیننس کا مکمل متن پیش کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں کو اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوّث ہونے سے روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کرنے کے لیے آرڈیننس۔ چونکہ یہ ضروری ہے کہ قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں کو اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوّث ہونے سے روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کی جائے۔ اور چونکہ صدر اس بات سے مطمئن ہیں کہ ایسے حالات موجود ہیں جن کے تحت فوری کاروائی کرنا ضروری ہے، اس لیے اب ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے فرمان کے تحت اور اس سلسلے میں تمام اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے صدر مندرجہ ذیل آرڈیننس کا اجراء کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں:

حصہ ابتدائیہ

مختصر عنوان اور آغاز

(۱) اس آرڈیننس کو قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں (ممانعت اور سزا) کا آرڈیننس ۱۹۸۴ء کہا جائے گا۔

(۲) یہ فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

(۳) آرڈیننس کو عدالتوں کے احکامات اور فیصلوں پر فوقیت ہوگی، اس آرڈیننس کی دفعات کسی بھی عدالت کے حکم یا فیصلے کے باوجود مؤثر ہوں گی۔

حصہ دوم (II) تعزیرات پاکستان (۱۸۶۰ء کا قانون) میں ترمیم

<u>تعزیراتِ پاکستان میں دفعہ ۲۹۸ب اور ۲۹۸ج کا اضافہ</u> : تعزیراتِ پاکستان کے پندرہویں باب میں دفعہ ۲۹۸ الف کے بعد درج ذیل نئی دفعات شامل کی گئی ہیں :۔

<u>۲۹۸ب : مقدس شخصیتوں اور مقامات کے لیے مخصوص اصطلاحات کا غلط استعمال۔</u>

(۱) قادیانی گروپ یا لاہوری (جو اپنے آپ کو احمدی یا کوئی اور نام دیتے ہیں) کا کوئی شخص جو زبانی یا تحریری الفاظ یا ظاہری واضح طریقے کے ذریعے (الف) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو "امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، صحابی یا رضی اللہ عنہ" کہتا ہے یا اس نام سے مخاطب کرتا ہے۔ (ب) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے علاوہ کسی دوسری عورت کو "ام المؤمنین" کے نام سے مخاطب کرتا ہے یا کہتا ہے۔ (ج) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "اہلبیت" کے علاوہ کسی اور شخص کو اہلبیت کہتا ہے یا مخاطب کرتا ہے، یا (د) اپنی عبادت گاہ کو "مسجد" کا نام دیتا ہے۔

اُسے تین سال قید کی سزا دی جائے گی اور جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

(۲) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں یا کوئی بھی دوسرا نام دیتے ہیں) کا کوئی شخص لفظوں کے ذریعہ بول کر یا لکھ کر اپنے عقیدے میں اختیار کیے گئے عبادت کی خاطر بلانے کے طریقہ کار کو اذان کہے گا یا مسلمانوں کی طرح اذان دے گا تو اسے تین سال تک قید کی سزا دی جائے گی اور جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

<u>۲۹۸ج : قادیانی گروپ وغیرہ کا شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کرتا ہو</u> : قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں یا کوئی بھی دوسرا نام دیتے ہیں) کا کوئی شخص جو اپنے آپ کو براہ راست یا بالواسطہ طور پر مسلمان ظاہر کرے گا یا بولے گا یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کرے گا یا لفظوں کے ذریعہ بول کر یا لکھ کر یا کسی بھی دوسرے نمایاں طریقے سے دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے گا جس سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو تو اسے تین سال تک قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

(۳) آرڈیننس کے ذریعے مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۹۹ الف میں بھی ترمیم کی گئی ہے جس کے ذریعے صوبائی حکومتوں کو کسی ایسے اخبار، کتاب یا دیگر دستاویز کو ضبط کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جو مجموعہ تعزیراتِ پاکستان میں شامل کردہ نئی دفعات کی خلاف ورزی میں

چھاپی گئی ہو، آرڈی ننس کے ذریعے مغربی پاکستان پریس اور پبلی کیشنز آرڈی ننس ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۴ میں کی ترمیم کے ذریعے صوبائی حکومت کو اختیار مل جائے گا کہ وہ مجموعہ تعزیرات پاکستان میں شامل کردہ نئی دفعات کی خلاف ورزی کرنے والی کسی کتاب یا دستاویز کی طباعت یا اشاعت کے لیے استعمال ہونے والے پریس کو بند کر دے، اُس اخبار کے ڈیکلریشن کو منسوخ کر دے جو ان دفعات کی خلاف ورزی کرے اور کسی ایسی کتاب یا دستاویز کو ضبط کرے جس میں ایسا مواد شامل ہو جس کی طباعت یا اشاعت مذکورہ دفعات کی رُو سے ممنوع قرار دی گئی ہے۔

قادیانی مسئلہ میں مسلمانوں کی فتح مبین

علماء کرام کی جد وجہد اور مسلمانوں کے پُرزور مطالبہ سے مجبور ہو کر جب حکومت نے قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے ۱۲ ستمبر ۱۹۷۴ء کو خطبۃ جمعۃ المبارک میں طویل اور مفصل خطاب فرمایا تھا، جسے اب قادیانیت کی مناسبت سے فتاویٰ میں شامل کیا جا رہا ہے ——— (مرتب)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۝
قال اللہ تبارک وتعالیٰ: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

میرے محترم بھائیو! اللہ جل جلالہٗ کا پاکستان اور ساری دنیا کے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے اور ایک فتح عظیم اللہ نے مسلمانوں کو دی ہے۔ ہمارے جسم کا ایک ایک رواں بھی اگر سربسجود ہو کر اُس احسان اور نعمت کا جو اللہ نے ہم پر فرمائی ہے شکر ادا کرنا چاہے تو ادا نہیں کر سکے گا۔

قصرِ نبوت کی حفاظت

بھائیو! ہم اور آپ اپنی جان، اپنے مال، اپنے بچوں کا انتظام کرتے ہیں، ہر شخص اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق ایک گھر بناتا ہے، چار دیواری کھینچتا ہے، دروازے لگاتا ہے صرف اسلئے کہ میرا گھر اور بال بچے چوروں، ڈاکوؤں اور دوسرے خطرات سے محفوظ رہیں، اور جب گھر کی ہر طرح حفاظت ہو جائے تو سب کی خوشی کا باعث ہوتا ہے ——— دنیا میں ہر قوم اپنے ملک کی حفاظت کرتی ہے ——— پاکستان ہمارا ملک ہے ہم اسکی سرحدات کی حفاظت کرتے ہیں، ملک میں کسی قسم کی خلفشار برداشت نہیں کرتے۔ ہر ملک کے حکمران اپنے بجٹ میں اربوں روپے رکھتے ہیں، پولیس داخلی خلفشار کو روکتی ہے، فوج بیرونی حملوں سے حفاظت کرتی ہے، ملکی سرحدات کی حفاظت کیلئے ہزاروں لاکھوں لوگ قربان ہو جاتے ہیں، اور جب ملک محفوظ ہو جائے تو قوم فتح کی خوشی مناتی ہے ——— تو جیسا کہ اپنی جان و مال، عزت و آبرو، ماں باپ اور اولاد کی حفاظت ہو جانے سے ہمیں خوشی ہوتی ہے روح کو اطمینان ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس

ان سب چیزوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ تو جب حضورؐ کی عزت و ناموس، ان کی شانِ رفیع، ان کے بلند مرتبہ مقام کی حفاظت ایک چور اور ڈاکو سے ہو جائے تو کتنی خوشی ہو گی؟

بیوی بچوں اور ماں باپ کی حفاظت سے زیادہ اس پر خوشی ہوتی ہے۔ ملک کی حفاظت ہو جائے وہ بھی خوشی کی بات ہے، مگر اس سب سے بڑھ کر مسرت یہ ہے کہ دینِ اسلام محفوظ ہو، اور حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی ناموس، عزت و مرتبت کو خداوند تعالیٰ محفوظ فرما دے۔

ختمِ نبوت ۴

میرے محترم بزرگو! اللہ جل مجدہٗ نے مسلمانانِ پاکستان اور عالمِ اسلام پر بہت بڑی مہربانی ۷ ستمبر کی تاریخ کو فرمائی۔ اس لیے کہ قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت جو اپنے کو احمدی کہلاتے ہیں، ان کا پیشوا ــــ مرزا غلام احمد قادیانی ــــ وہ نقب لگا رہا تھا خاتم النبوۃ کے قلعہ میں اور اس تاجِ عظیم میں دست اندازی کر رہا تھا جو ختمِ نبوت کی شکل میں اللہ جل مجدہٗ نے حضورؐ کے سر پر رکھا تھا۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ آپؐ کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو درجۂ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ اور دیکھئے ہر چیز کی دنیا میں ایک انتہا ہوتی ہے سوائے خدائے حی و قیوم کے کہ وہ سرمدی، ابدی، ازلی، دائمی ہیں، ان کے علاوہ ہر چیز کی ایک ابتداء ہوتی ہے اور ایک انتہاء، ایک آغاز ہوتا ہے اور ایک کمال، انسان ہی کو لیجئے پہلے بچہ ہوتا ہے پھر ترقی کرتے کرتے ۴۰ سال میں کمال کو پہنچتا ہے، پھر زوال پھر ختم ہوتا ہے اور قبر میں جاتا ہے۔

یہی حالت ہر چیز کی ہے، نبوت کا سلسلہ اللہ جل مجدہٗ نے حضرت آدمؑ سے شروع فرمایا اور نبی کریمؐ کی ذاتِ بابرکات پر اسے کمال اور عروج تک پہنچا دیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ اس مقام و مرتبہ پر اللہ نے حضورِ اقدسؐ کو فائز فرمایا۔

متنبئ کذاب اور توہینِ انبیاءؑ

مرزا غلام احمد قادیانی نے ختمِ نبوت سے انکار کیا اور خود نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا، ایک شخص جب بے حیاء ہو جائے تو اس کے لیے پھر کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ اذا لم تستحي فافعل ما شئت جیسے دنیاوی چور ہوتے ہیں پہلے چوری چھپے معمولی معمولی چیزیں چراتے ہیں پھر بڑھتے بڑھتے بالکل جری ہو جاتے ہیں، بالکل اسی طرح مرزا قادیانی نے بھی پہلے یہ کہا کہ میں آدم ہوں، نوح ہوں، ابراہیم ہوں، موسیٰ اور عیسیٰ ہوں، پھر یہاں تک کہا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں بلکہ سب انبیاء سے بھی افضل ہوں ــــ ایک اور جگہ اس نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ میری شکل میں آج آئے ــــ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ بھی کہا کہ حضورِ اقدسؐ پہلی رات کے چاند ہیں تو میں چودھویں صدی میں آیا ہوں تو میں بدر (چودھویں کا چاند) ہوں ــــ یہ مرزا کی وہ باتیں

ہیں جن کا اسمبلی میں بھی مرزا ناصر سے انکار نہیں ہو سکا۔ اس نے اپنے آپ کو بدرِ کامل اور حضور افضل الانبیاءؑ والمرسلین کو پہلی رات کا چاند کہا، اُس نے صرف ایک نبی کی توہین نہیں کی بلکہ سیدا لکائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور تمام انبیاء کی بھی توہین کی ہے۔ کہتا ہے کہ عیسٰی ابنِ مریمؑ کون ہے جو میرے منبر پر قدم بھی رکھ سکے؟

مسلمانوں کی تکفیر

بھائیو! یہ ایک کذّاب اور بہت بڑا چالاک شخص تھا، اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کا امتحان کرانا تھا، اور مسلمانوں کا ایمان ہے کہ حضور اکرمؐ آخری نبی ہیں، آپؐ کے بعد قیامت تک نیا نبی نہ مبعوث ہوگا نہ آسکتا ہے، نہ کوئی ظلّی نہ بروزی۔ اور مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نجات و فلاح دنیا کی ہو یا آخرت کی صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے۔ جنت بھی آپؐ کے اتباع سے ہی ملے گی۔ مگر مرزا قادیانی کہتا ہے کہ جس نے میری پیروی نہ کی اور مجھے نبی نہ مانا، خواہ اس نے میرا نام بھی نہ سُنا ہو، پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتا ہو لیکن مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج اور پکا کافر ہے۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور جنّت ہمیں اُس نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ سے دے گا جو حضور اقدسؐ نے ہمیں بتلائے لیکن مرزا کہتا ہے کہ نہیں جو میں کہوں گا حلال و حرام اس کی بھی پیروی کرنا ہوگی۔

نسخ جہاد

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ: الجنۃ تحت ظلال السیوف، جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ جو مسلمان اللہ کی رضا کے لیے، ملک و قوم اور اسلام کی حفاظت کے لیے جہاد کرتا ہے اُسے جنّت نصیب ہوگی۔ وہ انگریز سے، سکھ سے، ہندو سے جہاد کرتا ہے تو اگر اس پر تلوار کا سایہ بھی پڑ گیا تو بلا حساب کتاب کے جنت میں جائے گا۔ ہمارا یہ عقیدہ بھی ہے کہ الجہاد ماض الی یوم القیٰمۃ، جہاد قیامت تک جاری رہے گا، منسوخ نہ ہُوا ہے نہ ہوگا۔ ہر دور میں جب کفر کا مقابلہ آیا ہم جہاد کریں گے، حتیٰ کہ حضور اقدسؐ فرماتے ہیں کہ تمہارا امیر اور تمہارا حاکم بدکردار اور بدعمل ہے اور تم اس سے ناراض بھی ہو مگر جب اس نے جہاد کا نعرہ بلند کیا تو اس کا ساتھ دینا پڑے گا۔

ایوب خان سے کون خوش تھا؟ مگر جب اس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ کر جہاد کا نعرہ بلند کیا تو سب کو معلوم ہے کہ منبر و محراب سے آواز اُٹھی کہ آگے بڑھو، یہ نہ دیکھا کہ ایوب خان سے لوگ خوش ہیں یا نہیں! یحییٰ خان شرابی زانی ہے یا نہیں؟ جو بھی ہے مگر اب وقت ہے جہاد کا ـــ تو جہاد کی اتنی اہمیت ہے، جہاد قیامت تک رہے گا، حقیقت یہ ہے کہ جس قوم سے جہاد اٹھ گیا تو وہ قوم بے عزّت ہو کر رہ گئی، اصل زندگی جہاد ہی میں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے، وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتٌ

بَلْ اَحْيَاۤءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ہ

انگریز کی اطاعت

مرزا قادیانی کہتا ہے کہ اب جہاد حرام ہے، قطعی حرام ہے اور جس مسلمان کے دل میں انگریز کی مخالفت کا خیال گذرے تو وہ بھی جہنمی ہے۔

مرزا قادیانی نے اپنی امت کو جو پانچ بنیادی اصول اپنی دعوت کے بتلائے اور وہ مرزائی مذہب کی بنیاد ہے، جیسا کہ ہم مسلمانوں کے پانچ اصول کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ہیں ___ تو مرزا قادیانی کے بنیادی اسباق میں یہ ہے کہ برطانیہ اور حکومتِ انگلشیہ کی وفاداری اور اطاعت و تابعداری کرنا ہوگی ___ اور ہم نے یہ بھی اسمبلی میں مرزا ناصر احمد سے تسلیم کروالیا کہ یہ تو تمہارے مذہب کی بنیاد ہے ___ ایک وقت آئے گا کہ یہ سب مباحث قوم کے سامنے بھی آجائیں گے۔ انشاءاللہ

جہاد کو مرزا نے بالکل حرام کہا، عراق جب انگریزوں نے فتح کیا تو ان لوگوں نے قادیان میں چراغاں کیا، لوگوں نے کہا کہ مسلمان تو رو رہے ہیں کہ انگریز نے ایک اسلامی ملک پر قبضہ کرلیا ہے اور تم چراغاں کرکے خوشیاں منا رہے ہو؟ کہا ہاں ٹھیک ہے، اس لیے کہ یہ انگریز تو ہماری تلوار ہے اور یہ تلوار جہاں جہاں پہنچے گی وہاں مرزائیوں کی فوج بھی جائے گی۔ چنانچہ فرنگی نے عراق کا پہلا گورنر ایک قادیانی کو مقرر کیا، ترکوں سے لڑائی میں انگریزوں کو فتح ہوئی تو مرزائیوں نے انہیں مبارکباد دی کہ شکر ہے کہ خدا نے انگریز کو کامیاب کیا۔

ملک اور قوم سے غدّاری

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ان لوگوں کا کردار کیا ہے اور عزائم اور محرکات کیا ہیں؟ پاکستان بننے کے بعد پہلے تو ان کا یہ ارادہ تھا کہ کشمیر کو قادیانی ریاست بنا دیا جائے، مگر جب مسلمان سمجھ گئے تو انہوں نے جیلیں بھر دیں اور ان کے عزائم ناکام بنا دیئے۔ اس کے بعد مرزا بشیر الدین نے اپنے لوگوں کو تلقین کی کہ بلوچستان کا رقبہ بہت وسیع ہے مگر مسلمانوں کی مردم شماری کم ہے اس لیے قلتِ تعداد کی بناء پر اس کو قادیانی ریاست بنانا بہت آسان ہے، اگرچہ وہ غیر آباد رقبہ ہے مگر جب اپنا ایک الگ صوبہ ہوگا تو ایک حیثیت ہوگی۔ یہ بات بھی اسمبلی کی بحث میں مرزا ناصر سے منوائی گئی، انکار کیسے ہوسکتا تھا کہ تحریرات، حوالے، کتابیں موجود تھیں یہ بھی ثابت کرا دیا کہ تقسیمِ ہند کے وقت تحصیل گورداسپور جہاں قادیان ہے، انہوں نے خود یہ درخواست دی ۲۸ برس پیشتر کہ ہم ایک الگ فرقہ ہیں۔ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو کہا کہ ہمیں بھی دیگر اقلیتوں عیسائیوں وغیرہ کی طرح الگ نشستیں مقرر کرادی جائیں، اگر اُس وقت یہ درخواست نہ دی ہوتی تو یہ مسلمانوں میں شمار ہوجاتے اور شاید یہ علاقہ پاکستان کے ہاتھ میں ہوتا اور کشمیر بھی نہ نکلتا، یہ تقسیم آخر میں پاکستان کے ساتھ غداری تھی، تو گویا ۲۸ سال پہلے ان کی جو درخواست تھی وائسرائے ہند کے نام، وہ ۷، ستمبر کو اسمبلی کے ذریعے منظور ہوئی۔

اسمبلی میں اتمامِ حجت

یہ بھی یاد رہے کہ اسمبلی یا پاکستان نے انہیں کافر نہیں بنایا وہ خود تقریباً ۹۰ سال سے تمام مسلمانوں کو کافر اور پکے کافر کہہ رہے ہیں کہ پکے کافر ہیں کچے بھی نہیں ۔

جب اسمبلی میں مرزا ناصر سے یہ پوچھا گیا کہ مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہو؟ تو نظر نیچی کر کے کہا کہ ہاں مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ تو ہم نے مرزا غلام احمد اور مرزا بشیر الدین کی ایسی عبارتیں پیش کیں کہ وہ تو کافر کہتے ہیں۔ کہا کافر ہیں مگر کچی قسم کے کافر ہیں، معمولی قسم کے کافر ہیں ۔ تو ہم نے کہا اچھا وہ تو اسی عبارت میں کہتا ہے کہ کافر ہیں اور پکے کافر ہیں، تو اب پکے کافر کچے کیسے ہو گئے؟ والد اور دادا تو ہم سب کو کافر کہتا ہے، سمجھتا ہے، تم کیسے مسلمان کہہ سکتے ہو؟ تو خاموش ۔ پھر ہم نے دوسرا نکتہ یہ اٹھایا کہ اچھا مسلمانوں کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہو یا نہیں؟ اور جب مسلمانوں کے قائدِ اعظم وفات پا گئے اور ان کے تو مرزائیوں اور ظفر اللہ پر بڑے احسانات تھے کہ ظفر اللہ کو وزیرِ خارجہ مقرر کیا، اور یہ جو پھیلے ہیں تو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں پھیلے ہیں کہ وزارتِ خارجہ کے ذریعہ سفارتخانے قادیانیوں سے بھر دیئے گئے، جتنا بھی خرچ ہوتا رہا اس کی کوئی پوچھ گچھ نہ تھی، یہ کتنا بڑا احسان تھا قائدِ اعظم کا، جب ان کا انتقال ہوا تو ظفر اللہ نے اپنے بڑے محسن پر بھی نمازِ جنازہ نہ پڑھی ۔ کیونکہ ان کا جنازہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھایا اور شاید قائدِ اعظمؒ کی وصیت بھی تھی کہ میرا جنازہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پڑھائیں گے۔ الغرض انکی اقتداء میں نمازِ جنازہ نہ پڑھنا اگر عذر تھا تو ہمارے وکیل نے کہا کہ اچھا اس ملک میں تو قائدِ اعظم کی غائبانہ نمازِ جنازہ بھی پڑھی گئی، وکیل نے کہا کہ میں ان دنوں لندن میں تھا وہاں بھی مسلمانوں کے اکثر فرقے جمع ہوئے اور قائدِ اعظم کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی تو کیا کسی غائبانہ نمازِ جنازہ میں بھی کوئی قادیانی شریک ہوا تھا؟ کہا مجھے نہیں معلوم ۔ وکیل نے کہا کہ ہر جگہ تو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نہیں تھے؟ بلکہ وجہ خود ظفر اللہ نے بیان کر دی تھی کہ میں اپنے آپ کو کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھتا ہوں یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم، یعنی ملازم پر یہ ضروری نہیں کہ جنازے بھی پڑھے۔

انگریز کی مدح سرائیاں

الغرض مرزائیوں کو غیر مسلم سمجھنے کے ہزاروں شواہد اور دلائل ہمارے پاس موجود ہیں اور ان کی کتابیں ایسی تحریروں سے بھری پڑی ہیں۔

مرزا قادیانی نے انگریز کی مدح سرائی میں کہا کہ میں نے پچاس الماریاں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین پر لکھی ہیں۔ انگریز لیفٹیننٹ گورنر کو مرزا نے لکھا کہ میں تو انگریز کا خود ساختہ پودا ہوں، اب اس خود ساختہ پودے کی آبیاری بھی تم کرو گے، اور مجھ پر اور میری جماعت پر خصوصی عنایت بھی کرنا ہو گی، ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں مستقل کتاب لکھی، تحفہ قیصریہ کے نام سے اُسے منسوب کیا ۔

الغرض انسان حیران رہ جاتا ہے مرزا کی خوشامد اور جی حضوری کو دیکھ کر۔ ہم تو اسمبلی میں دو چار مولوی ہیں، انگریزی خوان طبقہ بھی جو اسمبلی کے ارکان کا تھا وہ بھی انگریز کی اتنی حمد و ستائش سن کر حیران رہ گیا اور کہا کہ نبی تو کجا ایسا شخص تو کوئی شریف انسان بھی نہیں کہلا سکتا، نبی ہونا تو بڑی بات ہے، اتنی چاپلوسی کا تصور تو ہم انگریزی خوانوں سے بھی نہیں ہو سکتا۔ ملکہ وکٹوریہ کو دام اقبالہا کہنا، اور یہ کہ تیرا یہ تخت اقبال ہمیشہ باقی رہے، تو ظل اللہ ہے اور وہ مسلمان ملعون ہے، بدقسمت ہے جو تیری حکومت کے خلاف خیال کو بھی دل میں جگہ دے ۔۔۔ تو اتنی چاپلوسی تو کوئی بھنگی بھی نہیں کر سکتا، پھر ایک کافر حکومت کی، انگریز کی ۔

اور یہ حقیقت ہے کہ جب انگریز نے ہندوستان میں آکر قدم جمایا تو اس وقت انگریز کے خلاف شاہ عبدالعزیزؒ اور دیگر اکابر نے جہاد کا فتویٰ دیا، جہاد کی تحریک اٹھی، سینکڑوں مسلمان پھانسی ہوئے اور جہاد کا نعرہ بلند ہوا تو مسلمان جہاد کے لیے جان و مال قربان کرنے پر تیار ہو گئے، انگریز کو اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کو غلام رکھنے کا علاج سوائے اس کے نہیں کہ ان کے دلوں سے جہاد کا کا جذبہ نکال دیا جائے، اور اس کے لیے ایک فرضی نبی کھڑا کر دیا جائے اور وہ جہاد کو حرام قرار دے۔ یہی تو وہ خود کاشتہ پودا ہوتا تھا جس کا اقرار مرزا نے اپنی تحریروں میں کیا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں بھی میرے والد نے پچاس سوار گھوڑوں سمیت انگریز کو پیش کیے۔

بہر حال مرزائی ہم مسلمانوں کو ۹۰ سال سے کافر کہتے آ رہے تھے اور جب یہی چیز اسمبلی میں پیش ہوئی تو اپنی مطلب برآری کے لیے اس کا انکار کرنے لگے، تو جب وہ عبارتیں پیش ہوئیں کہ تم نے تو مرزا کو نہ ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج، کافر اور پکا کافر کہا ہے۔ تو کہا کافر تو ہیں مگر ملت میں داخل ہیں اور ملت کے تین دائرے ہیں، ایک اسلام، ایک اسلام سے نیچے اور ایک تیسرا درجہ ہے۔ رانا حنیف صاحب مرکزی وزیر ہیں اسمبلی سے باہر ملے، بیمار پڑے ہوئے تھے میں نے کہا وزیر صاحب! کیا حال ہے؟ ہنس کر کہا مولانا! ابھی تک تو تیسرے دائرے میں پھر رہا ہوں، پتہ نہیں اس سے بھی کب نکالتے ہیں۔

معاشرتی تعلقات سے ممانعت

مرزا ناصر سے کہا گیا کہ مسلمانوں کے معصوم بچوں پر جنازہ کا کیا حکم ہے، آپ کے بڑوں نے تو کہا تھا کہ بالکل ناجائز ہے اور جس طرح تم ہندو، سکھ، عیسائی بچوں پر جنازہ نہیں پڑھ سکتے اسی طرح غیر مرزائی مسلمان بچوں کا حکم ہے اس لیے کہ کافر کا بچہ کافر کا تابع ہے، مسلمان کافر تو اس کا بچہ بھی کافر ہی ہو گا۔

نکاح کے بارہ میں کہا کہ کیا کوئی مسلمان عورت فرنگی یا ہندو یا سکھ سے نکاح کرسکتی ہے ؟ اگر نہیں تو کسی مرزائی عورت کا بھی مسلمان مرد سے نکاح جائز نہیں البتہ مرزائی مسلمانوں کی لڑکیاں اپنے عقد میں لے سکتے ہیں جیسے کہ اہلِ کتاب کی ـــ یہ تھا نکاح کے بارے میں ان کا عقیدہ۔

الغرض بھائیو! اسمبلی میں (قادیانیوں پر) جرح کے لیے سینکڑوں سوالات داخل کیے گئے جن میں سے چند کا انتخاب ہوا اور جرح و بحث کا محور زیادہ تر دو چار اصولی باتیں رہیں۔ الحمدللہ پاکستان کے آئین میں جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا ذکر پہلے بھی موجود تھا، صدر اور وزیرِ اعظم کے حلف کی عبارت میں تو ختمِ نبوت کا جھگڑا طے شدہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہوگا جو حضور اقدسؐ کو اللہ کا آخری نبی مانتا ہو، یہاں کمیٹی کی بحث میں یہ طے کرانا تھا کہ کیا مرزا نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا یا نہیں؟ اور کیا اس کے پیروکار اس کو نبی مانتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا ان کے نزدیک ان کے نہ ماننے والے غیر مرزائی مسلمان ہیں یا کافر؟ تو ربوہ والوں نے اور لاہوری مرزائیوں نے بھی یہ سب چیزیں مانی ہیں اور اقرار کیا کہ وہ الگ اُمت اور گروہ ہیں۔

لاہوری فرقہ کی منافقت

اور لاہوریوں کا ربوہ والوں سے جھگڑا تو محض خلافت اور گدی نشینی کا تھا لیکن وہ بھی منافقت سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے مسلمانوں کو مسلمان کہنے لگے، جرح کے دوران لاہوریوں نے بھی اقرار کیا کہ تم لوگ حقیقی مسلمان تو نہیں ہو البتہ مجازی مسلمان ہو۔ اور جب مرزائیوں سے اس دورنگی کردار کے بارے میں پوچھا گیا کہ مسلمانوں کو کافر بھی سمجھتے ہو اور ان کے لیے مسلمان کا نام بھی استعمال کرتے ہو؟ تو جواب دیا کہ حقیقی مسلمان تو نہیں ہو البتہ دنیا میں ایک قوم مسلمان کے نام سے معروف ہے اس لیے ہم بھی عرفاً تمہیں مسلمان کہتے ہیں ـــ یہود وہ قوم تھی جو حضرت موسیٰ پر ایمان تو لائی مگر حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر ان کا انکار کرنے کے بعد کافر ہو گئے مگر معروف ابھی تک یہودی نام سے ہیں، عیسائی حضور نبی کریمؐ کی آمد کے بعد آپؐ کی نبوت کا انکار کرنے سے کافر ہو گئے عیسائی نہ رہے مگر کہلاتے اب بھی عیسائی ہیں، اور جس طرح عبداللہ نامی شخص اللہ کی سرکشی اور نافرمانی کے باوجود عبداللہ کہلاتا ہے حقیقی نہیں صرف نام کی شہرت کی وجہ سے، اسی طرح ہم نے بھی کہیں کہیں مسلمانوں کو مسلمان کہا ہوگا۔

لاہوری مرزائیوں نے حدیثِ نبویؐ سینزل نبی اللہ عیسیٰ بن مریم کے ضمن میں اعتراف کیا کہ مرزا نبی تھا۔ الغرض جب نوّے سال سے وہ خود ہمیں کافر کہتے رہے، سمجھتے رہے اور اپنے آپ کو الگ اُمت اور گروہ، مگر اب انہیں اپنے نہ ماننے والے "ان کافروں" میں شرکت پر اصرار محض مفاد حاصل کرنے اور درپردہ مارِ آستین

بنے رہنے کے لیے ہے۔ اس برِصغیر میں ہندو مسلم، سکھ، عیسائی بنتے مگر ہندو زیادہ تھے اور مسلمان کم، تو اقلیت کو نقصان ہوتا ہے۔

اسلام کے نام پر اسلام دشمنی

اب مرزائیوں نے یہ چاہا کہ شامل تو مسلمانوں میں رہیں اور اسی نام سے اختیارات اور حقوق پر قابض ہوں اور کاروائی ان کے ساتھ غیر مسلموں جیسی ہو۔ حالانکہ کسی بھی مسلمان کی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ ہندو، سکھ یا عیسائی اکثریت میں محسوب رہے، اور یہ مرزائی طبقہ انتہائے غیرت ہے کہ ہم مسلمان تو ان کے نزدیک ہندو اور سکھ سے بھی بڑھ کر کافر، مگر ان "کافروں" میں شرکت پر ان کا ہمیشہ اصرار رہا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا ہو جانے سے مفادات پر ضرب پڑے گی اور سازشیں نہیں کر سکیں گے۔

تقسیمِ ہند کے وقت تحصیل گورداسپور صرف ان کی وجہ سے بھارت میں شامل ہوئی کہ انہوں نے مردم شماری میں اپنے آپ کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے پیش کرنا چاہا، اُس وقت اپنے آپ کو غیر مسلموں میں شمار کر کے مسلم آبادی کی تعداد کم کرا دی گئی۔ یہ بات بھی اسمبلی میں ثابت کر دی گئی اور یہی پھر کشمیر کے ہاتھ سے جانے کا بھی پیش خیمہ بنی۔

اسرائیل سے تعلقات

اسرائیل سارے عالم کا دشمن ہے، سارے مسلمانوں کے تعلقات اس سے نہیں، مگر مرزائی ہیں کہ ان کے مشن وہاں قائم ہیں، یہ مسلمانوں میں گھل مل کر اور ان کے اعتماد اور بھروسہ سے غلط فائدہ اٹھا کر سارے راز ایسے مشنوں کے ذریعہ دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ تو یہ لوگ مذہبی طور پر تو تھے ہی دشمنِ اسلام مگر سیاسی طور پر بھی پاکستان اور عالمِ اسلام کی جڑیں کاٹتے رہے، یہ تو اللہ نے فضل کیا کہ ربوہ ریلوے اسٹیشن کا سانحہ ظاہر ہو گیا ورنہ اسی سال یا بہت جلد ان کے ہاتھوں ملک انقلاب اور خانہ جنگی کا نشانہ بن سکتا تھا، خداوند تعالیٰ کو اس ملک کی، اس حکومت کی، اس قوم کی مدد کرنی تھی، ورنہ یہ تو پاکستان کی سیاست پر، افواج پر، پاکستان کی اقتصادیات اور کلیدی عہدوں پر قابض ہوتے چلے جا رہے تھے۔

اسمبلی کا متفقہ فیصلہ

اور مذہبی طور پر تو پہلے ہی روز سے تھے ہی غیر مسلم اور کافر، مگر قومی اسمبلی نے بھی متفقہ طور پر آئین میں ان کی اس حیثیت کو شامل کر لیا، اسمبلی میں انگریزی خوانوں کی اکثریت تھی، تو یہ صرف علماء کا فیصلہ نہیں، نئی دنیا تو منبر و محراب سے اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنی کہ پارلیمنٹوں اور اسمبلیوں سے، اور الحمد للہ کہ وہاں اسمبلی میں تمام ارکان نے، ہر پارٹی کے ارکان نے، سب نے سو فیصد متفق ہو کر فیصلہ دیدیا، سب ارکان مسئلہ کی گہرائیوں اور حقیقت کو سمجھ گئے ــــ وہاں طالب علموں کی طرح

ل ان تعلقات کی تفصیل جاننے کیلئے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی شائع کردہ کتاب "قادیان سے اسرائیل تک" کا مطالعہ ضروری ہے۔ (مرتب)

بحث و مباحثہ کا دور دورہ رہا، تو یقین و بصیرت کے ساتھ اور بڑی مسرتوں کے ساتھ سب کے سب ارکان نے آئین میں یہ ترمیمیں کریں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس شخص نے جس نوع سے بھی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور جو اس پر ایمان لایا، اسے مذہبی مصلح سمجھا وہ غیر مسلم ہوگا اور مرزائی قادیانی، لاہوری جو خود کو احمدی کہلاتے ہیں غیر مسلم اقلیت ہیں۔ اب قیامت تک اس ملک میں انشاء اللہ کوئی بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کر سکے گا۔ اور جہاں تک اقلیتوں کے تحفظ کا مسئلہ ہے تو ہمارے ہاں ہندو، سکھ، عیسائی سب ہیں مگر مسلمان ان سب کا تحفظ کرتے ہیں، قوانین موجود ہیں، اسلام کی تعلیمات ہیں، ہم ان (مرزائیوں) کا بھی تحفظ کریں گے۔ مسلمان دیہات میں ہندو، سکھ، عیسائی سے بھی سودا سلف خریدتے ہیں مگر وہ انہیں غیر مسلم جانتے ہیں، یہ خطرہ نہیں: مذہبی طور پر دھوکہ ہو سکے اور مار آستین بن جائیں، مگر اب ساری دنیا پر قادیانیوں کی حقیقت آشکارا ہو جانے کے بعد یہ خطرہ کم ہوگا کہ یہ سانپ ڈس لے گا۔ تو یہ پروردگار کا بڑے سے بڑا کرم اور انعام ہے کہ قوم کا، ملک کا، دین کا تحفظ ہو گیا۔ ہمارے دیگر مطالبات بھی اصولاً وزیر اعظم نے مان لیے ہیں۔ اب کلیدی عہدوں پر ان کو فائز رکھنا اپنے آپ سے دشمنی کرنا ہے۔ اب ہمارے سارے راز فاش کرنے اور ہر طرح دشمنی کرنے سے یہ لوگ کوئی دریغ نہیں کریں گے، نہ بھٹو سے نہ قوم سے بھلائی کریں گے، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں جلد از جلد کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا جائے، پاکستان کے اندر ربوہ کے نام سے قائم قادیانی ریاست ختم کر دی جائے، اسے مفتوح کر لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے، اپنے دین کی حفاظت فرمائی، نشتر میڈیکل کالج ملتان کے مسلمان طالب علم بلاوجہ مرزائیوں کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے، ساری قوم اٹھی، ملازم، تجار، علماء، عوام، طلباء سب نے جرأت ایمانی کا ثبوت دیا، ابتدائی تین دن تک تحریک کی مرکزی قیادت نہ تھی تو کچھ گڑبڑ ہوئی، پھر مجلس عمل کی تشکیل ہو گئی اور ساری جماعتیں اس میں شامل ہو گئیں، سب نے حلف اٹھایا کہ اس مسئلہ میں سیاست بازی نہ ہوگی، سب حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور اسلام کی خاطر اس تحریک کو چلائیں گے۔ بہت بڑے دو چار افسروں نے مجھے لاہور میں ایک میٹنگ کے بعد کہا کہ کیا کرنا ہے، ہم صرف ۷ ستمبر تک منتظر رہیں گے، میں نے پوچھا پھر کیا کرو گے؟ کہا پھر آپ سب کو اور ساری دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ اسلام آباد کے تمام ملازموں نے ایمان و عزیمت کے عجیب مظاہرے کیے، اللہ تعالیٰ نے ساری قوم کو متفق کر دیا، مجلس عمل نے تدبر سے کام لیکر مسلمانوں کی قیادت سنبھالی، پھر اسمبلی میں حزب اختلاف کے علماء اور جماعتوں نے مجلس عمل کی راہنمائی میں کام کیا۔ پھر پوری قومی اسمبلی، کیا حزب اقتدار اور کیا حزب اختلاف اس جہاد میں شریک ہو گئی

اور اس کو فتح نصیب ہوئی، اور اتنی آسانی اور اللہ کے کرم سے فتح ہوئی کہ ہم ہے، تو حضور نبی کریمؐ کا حق ادا نہ ہوسکا۔ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں ہزاروں صحابہؓ نے جان کی قربانی دی، ۲۸ ہزار کافر اور مرتد تہ تیغ کیے گئے اور یہ تو محض اللہ کا فضل وکرم ہے کہ یہاں مسیلمہ پنجاب کے مقابلہ میں صرف چند مسلمان شہید ہوئے، ساری قوم کو ذرا سی محنت کرنی پڑی اور فتح عظیم حاصل ہوگئی۔ اگر اس راہ میں پوری مسلمان قوم شہید ہوجاتی اور ناموسِ ختم نبوت محفوظ ہوجاتی تو پھر بھی بہت بڑی فتح ہوجاتی۔

اب ماشاءاللہ، اللہ تعالیٰ اس ملک اور قوم کو اس مسئلہ کی بدولت اپنے فضل وکرم سے مالامال کر دے گا، اس مسئلہ کا کریڈٹ پوری مسلم قوم اور ساری اسمبلی کو پہنچتا ہے۔ ہم علماء کا تو کام ہی یہی ہے موضوع ہی توحید و رسالت ہے بلکہ بحث و تحقیق کے سلسلہ میں ہر رکنِ قومی اسمبلی تعاون کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کرتا رہا کہ کوئی شبہ نہ رہے۔ الحمدللہ آج پاکستانیوں سمیت پوری مسلم امہ خوشی منا رہی ہے، پون صدی کے اکابر کی قربانیاں رنگ لائیں، ہر جگہ خوشی میں مٹھائی تقسیم ہو رہی ہے، ایک دوسرے کو مبارکباد دی جا رہی ہے، آج نماز جمعہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دو رکعت شکرانہ کی پڑھی جائیں۔

البتہ ابھی غافل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی سے ان پر نظر رکھنی ہوگی، کیونکہ قادیانی انتہائی منظم ہیں، ان کی پشت پر امریکہ، برطانیہ اور صیہونی طاقتیں ہیں۔ اگر یہ لوگ ذمی بن کر پرامن ہو کر رہتے ہیں تو ان کی حیثیت دوسری ہوگی، اور اگر متحارب بنیں، ذمہ وعہد کا پاس نہ کریں، مسلمانوں اور عالمِ اسلام کے خلاف کام کریں تو پھر مسلمانوں کو بھی مناسب طرزِ عمل اختیار کرنا پڑے گا، ان کا سیاسی احتساب کرنا ہوگا۔۔۔ اب اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں شامل رکھے اور شعائر اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت قیامت تک بلند ہوتی رہے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

مسلمانوں کی فتح مبین

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے قادیانیوں کے بارہ میں جاری کردہ صدارتی آرڈیننس پر مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ کا طویل اور پُر مغز تبصرہ ماہنامہ الحق سے پیش خدمت ہے ——— (مُرتب)

قادیانیوں کے بارہ میں صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی جانب سے جاری کردہ تازہ آرڈیننس کے ذریعہ مسیلمۂ پنجاب، متبنی کذاب مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں (قادیانی اور لاہوری دونوں گروپوں) کو ہر طرح کی خلافِ اسلام سرگرمیوں سے روک دیا گیا ہے۔ اور تعزیراتِ پاکستان میں ایک نئی دفعہ ۲۹۸ ب شامل کر دی گئی ہے جس کی رُو سے قادیانی اسلام اور مسلمانوں کی مخصوص اصطلاحات استعمال نہیں کر سکیں گے، نہ اذان دے سکیں گے، نہ اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہہ سکیں گے، نہ اپنے آپ کو بالواسطہ مسلمان ظاہر کر سکیں گے اور نہ ہی اپنے مذہب کو اسلام کا نام دے کر اس کی تبلیغ و تشہیر کر سکیں گے، نہ کسی ایسی حرکت کے مجاز ہوں گے جس سے مسلمانوں کے احساسات و جذبات مجروح ہوں۔

یہ فیصلہ (آرڈیننس) کتنا اہم، نہایت ضروری، معقول اور قابلِ تحسین و تبریک ہے؟ اور کتنی گہرائی اور دُور رس نتائج کا حامل ہے؟ اس کا اندازہ وہ لوگ کر سکیں گے جن کی نظر مرزائیت کی تاریخ، پس منظر، محرکات و عزائم اور ملّتِ مسلمہ کے خلاف اس جماعت کی ریشہ دوانیوں، گھناؤنی سازشوں اور اسلام دشمنی کے منظم اور مربوط و ہمہ گیر منصوبوں پر ہے۔ مسلمانوں کے جن حساس، عاقبت اندیش اور اسلامی درد سے سرشار قائدین اور زعماء کو اللہ تعالیٰ نے مرزائیت کے بارہ میں دلِ بینا اور دولتِ شرح صدر سے نوازا تھا انہوں نے اس صدی کے آغاز ہی سے علمی، فکری، سیاسی اور عوامی محاذ پر اور پورے تشدد و مد سے اس کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی خطرات سے مسلمانوں کو اور برصغیر کی حکومتوں کو آگاہ کرنا اپنا اوّلین فریضہ سمجھا۔ وہ نازک اور پُرخطر حالات میں بھی علَمِ جہاد لہراتے رہے، انہیں للکارتے رہے اور مسلمانوں کو اس مارِ آستین سے بچنے کے لیے جھنجھوڑتے رہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ، پیر صاحب گولڑہ شریفؒ، مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کی پوری

جماعت مولانا ظفر علی خانؒ، شورش کاشمیریؒ، علامہ یوسف بنوریؒ اور ایسے ہزاروں علماء، مفکرین، زعماء اور مصنفین، مناظر، صحافی اور مبلغ تھے جن کی زندگی کا اہم ترین مشن ان غداران خاتم النبیین اور سارقین تاج و تخت ختم نبوت کا محاسبہ اور تعاقب رہا، جنہوں نے خواجۂ یثربؐ کی ناموس ختم نبوت کی حفاظت کی جدوجہد میں اپنی زندگیاں تج دیں، اور کتنے سعادتمند تھے جو اس راہ میں کٹ مر کر خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے اور شفاعت آقائے دو جہاں اور خوشنودئ نبی اوّلین و آخرینؐ کی ابدی سعادت سے مالا مال ہوئے۔

ان تمام قربانیوں کے نتیجے میں اور ملت مسلمہ کے مومنانہ جہاد و جدوجہد اور اتحاد کے ثمرہ میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء میں عوامی دباؤ سے مجبور و بے بس ہو کر اس وقت کی بے دین حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور دستور میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، یہ قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کی اوّلین فتح تھی۔ مگر اُس وقت کی حکومت، علماء اور مسلمانوں کے مسلسل مطالبہ کے باوجود اس دستور کے عملی تقاضوں کو یکسر نظر انداز کرتی رہی اور قادیانیوں کے بارہ میں کسی قسم کی قانون سازی سے گریز ہوتا رہا، یہاں تک کہ موجودہ حکومت کا دور آیا مگر بات وہاں کی وہاں ہی رہی، مسلمانوں کی یہ دستوری فتح عملی تقاضوں کی تکمیل نہ ہو سکنے کی وجہ سے کاغذی اور رسمی فتح رہی، نتیجتاً دشمن اپنی پوشیدہ اور اعلانیہ داخلی اور خارجی سرگرمیوں میں منہمک رہا۔ ادھر مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی کی لہریں اٹھ اٹھ کر دبتی رہیں، لاوا پکتا رہا، آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی، دبی ہوئی چنگاریاں بھڑکنے ہی والی تھیں کہ خداوند قدوس نے مجلس تحفظ ختم نبوت اور اس کی کل جماعتی مجلس عمل کے بروقت احساس اور خالص دینی و مذہبی غیر سیاسی تحریک کے نتیجہ میں موجودہ حکومت اور اس کے سربراہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو توفیق دی کہ وہ اس شجرۂ خبیثہ پر اس آرڈیننس کی شکل میں کاری ضرب لگا دیں اور نفاق کے لبادہ میں ملبوس کفر و ارتداد کے اس بے لگام گھوڑے کو لگام لگ جائے۔

یہ فیصلہ ایک ایسا جرأتمندانہ اور مومنانہ فیصلہ ہے جس سے ہمارے اکابر کی پچھلی ایک صدی کی قربانیاں ٹھکانے لگ گئی ہیں اور جہد و عمل کا ایک طویل سفر منزل آشنا ہو گیا ہے۔ عالم اسلام کو صرف اور صرف ذہنی انتشار اور فکری اضطراب میں مبتلا کر دینے والے دشمنان اسلام منافقین قادیان کا پردۂ نفاق چاک کر دیا گیا، اور گویا ایک صدی سے مسلمانوں کے لیے سوہان روح بنا ہوا مسئلہ کافی حد تک حل ہو گیا ہے۔

بلاشبہ یہ ایک ایسا روح پرور اور ایمان افزا فیصلہ ہے جس کے نور سے ساری کائنات منور اور جس کی خوشبو سے فضائے بسیط معطر ہے، ملاءِ اعلیٰ میں بہار آ گئی ہے اور عالمِ علّیین میں علامہ کشمیریؒ، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، علامہ اقبالؒ اور حضرت بنوریؒ کی ارواح کی آسودگیوں میں اضافہ ہو گیا ہے اور دوسری طرف کفر بھنّا اُٹھا ہے۔ نفاق کی مسجدِ ضرار زمین بوس ہو گئی اور دجّالی قصرِ نبوت کے کنگرے پیوندِ خاک ہو گئے ہیں، باطل لرز اٹھا ہے اور جعلی نبوت کے ظلمت کدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی ہے، شفیع المذنبین کے نام لیوا اور شفاعتِ کبریٰ کے امیدوار اسے حرارتِ ایمانی اور حمیّتِ ناموسِ رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ قرار دیتے ہیں، ایک ایسا فیصلہ جسے ملّتِ اسلامیہ کی تاریخ میں ہمیشہ جلی اور سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

اس عظیم خوشی میں بدقسمتی سے اگر شریک نہیں ہیں تو چند ایسے طالع آزما سیاستدان ہیں جو "بغضِ معاویہ" میں اس حد تک مبتلا ہیں کہ جب تک وہ لیلائے مقصود حکومت و اقتدار سے ہمکنار نہ ہوں نہ اُن کی آنکھیں کھل سکیں گی نہ دلوں پہ پڑے ہوئے دبیز پردے ہٹ سکیں گے، ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ جن کے قلب و ذہن میں ایمان اور مذہب کی کوئی کرن پڑتی ہی نہیں کہ وہ لبرل ازم، لادینیت اور سیکولرازم کی ظلمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور کچھ وہ جو نام نہاد مغربی جمہوریت کے عشق و محبّت میں ہر دوسرا مسئلہ ثانوی اور ضمنی خیال کرتے ہیں خواہ وہ نفاذِ اسلام کا ہو یا تحفظِ ختمِ نبوت کا یا قوم کی فکری، اخلاقی تطہیر اور معاشی استحکام اور معاشرتی امن و سکون کا، انہیں اگر کوئی سروکار ہے تو جمہوریت اور الیکشنوں سے، خواہ اس کے نتیجے میں پوری قوم نئے سرے سے فکری انتشار، باہمی افتراق و اختلاف، خانہ جنگی، اباحیت اور طوائف الملوکی کا شکار کیوں نہ ہو جائے۔ اس لحاظ سے اس فیصلہ کا یہ پہلو خاص طور سے مسلمانوں کو دعوتِ فکر دے رہا ہے کہ سیاست و جمہوریت کے علمبردار اکثر لیڈر بالخصوص وہ جو سیکولرازم کے داعی یا ان کے اتحادی ہیں وہ نہ صرف اس فیصلہ پر مُہر بہ لب رہے بلکہ بعض اخباری نمائندوں کی چھیڑ چھاڑ سے ان کے دلوں میں قادیانیوں کے لیے نرم گوشے سامنے آ گئے اور کچھ نے تو بدقسمتی سے اس فیصلہ کو بلاوجہ بدگمانیوں کا نشانہ بنایا، اسے معمولی، بے اثر اور بے وقعت بنانے کی کوشش کی، اس میں مین میخ نکال کر قادیانیوں کو خوش کرنے کی سعی بھی کی۔ بلاشبہ "بغضِ معاویہ" میں اندھے ہو جانے کی یہ عبرتناک مثالیں ہیں، خطرہ ہے کہ اس ردِعمل اور طرزِ عمل کے نتیجہ میں قادیانی فرقہ اب اپنے آپ کو ایسے سیاسی عناصر کی گود میں ڈالے گا اور لادینی سیاسی عناصر اور طالع آزما سیاستدانوں کا اتحاد آ گے

چل کر مرزائیوں کی سیاسی پناہ گاہ اور حصار بن سکے گا۔

بہرحال اب اس انقلابی اقدام کے کچھ لازمی اور منطقی تقاضے ہیں جو حکومت وقت نے فوری طور پر پورے کرنے ہیں، جبکہ بدقسمتی سے اس کا اندازِ کار عام طور پر وقت کو ٹالنا اور مسائل کو ٹرخاتے رہنا ہے کہ گاڑی کسی نہ کسی طرح چلتی رہے اور کوئی ناراض نہ ہو۔ جس پالیسی کی وجہ سے اسلامی نظام کی گاڑی ایک ایسی بند گلی میں پھنس کر رہ گئی ہے کہ نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے، چاروں پہیے چل تو رہے ہیں مگر سفر کٹھن اور منزل دور ہوتی جا رہی ہے، لیکن مرزائیوں کے بارہ میں یہ آرڈی ننس جاری کر کے اس نے ایک زہریلے سانپ کو مارا نہیں بلکہ صرف زخمی کیا ہے اور جب یہ سانپ بلبلا اٹھا ہے تو وہ کوئی بھی لمحہ ملتِ مسلمہ اور پاکستان کو ڈسنے کا ضائع نہیں کرے گا۔ وہ کوئی معمولی دشمن نہیں بلکہ وہ عالمی سامراجیت کا خود کاشتہ پودا اور صیہونیت اور برطانیہ کے بعد اب امریکی سامراج کا پروردہ ہے، وہ عالمِ اسلام کے تیقظ اور جہاد کے خلاف سامراجیوں کا خفیہ ہتھیار ہے، وہ اسرائیل کا گماشتہ ہے (جس کی پوری سیاسی سرگرمیاں اور محرکات اور منصوبوں کی تفصیلات ہماری شائع کردہ کتاب "قادیان سے اسرائیل تک" میں پڑھی جا سکتی ہیں) اور وہ ابتداء ہی سے اپنے درپردہ منصوبوں میں مثالی بیدار مغزی، نظم وضبط، ہمہ گیر اور گہرے طریقِ کار کا ثبوت دے رہا ہے۔ پاکستان تو تقسیم پنجاب اور پھر سقوطِ مشرقی پاکستان اور عالمِ عرب قیامِ اسرائیل کی شکل میں اس کا خمیازہ بھگت چکا ہے۔ عوامی ہمدردیاں حاصل کرنا، سیاسی لابیوں سے اپنے مفادات کا حصول، ملکی نظام کے لیے رجالِ کار کی تیاری اور کلیدی مناصب پر کنٹرول حاصل کرنا عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے مخصوص سامراجی ہتھکنڈے ہیں، وہ ہوشیاری سے ایسا ہاتھ مارتا ہے کہ پوری قوم سیاسی اور معاشی سطح پر تلملا اٹھتی ہے مگر عیّار و مکّار دشمن پھر بھی نگاہوں سے غائب رہتا ہے۔ اب ایسے دشمن پر موجودہ آرڈیننس کی شکل میں کاری ضرب لگانے کے بعد اگر روایتی تساہل، درگذر، وسیع النظری اور رواداری سے کام لیا گیا تو یقیناً نہ تو یہ اس ملک کی بقاء و استحکام کے لیے مفید ہو گا اور نہ اس آرڈیننس کو جاری کرنے والے سربراہِ مملکت کے لیے کہ وہ اب ان دونوں پر بھرپور وار کرے گا، اس لیے وقت کا اوّلین تقاضا ہے کہ فوری طور پر:۔

۱۔ تمام کلیدی بالخصوص فوج کے اہم مناصب سے قادیانیوں کو برطرف کیا جائے۔

۲۔ ملک کے اندر اس کی تنظیموں، سرگرمیوں، مراکز، دفاتر بالخصوص ہیڈ کوارٹر ربوہ پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔

۳۔ اس کے تمام تحریری دستاویزات اور لٹریچر کی پڑتال کی جائے اور اس آرڈیننس کی زد میں آنے والی ہر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریر کو ضبط کر لیا جائے۔

۴۔ بیرونِ ملک پورے عالمِ اسلام کو اس اقدام کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے اور عالمِ اسلام سے ایسے ہی اقدامات اور تقاضوں کی تکمیل کی اپیل کی جائے۔

۵۔ ساری دنیا میں پاکستانی سفارتخانوں اور خارجہ امور سے وابستہ اداروں سے قادیانیوں کی مکمل تطہیر کی جائے۔

۶۔ اپنے سفارتخانوں اور علمی و دینی تنظیموں کے ذریعے غیر مسلم دُنیا میں اس فرقہ کی سرگرمیوں اور منصوبوں اور ہر طرح کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔

۷۔ اس فیصلے کے خلاف بیرونی دنیا کو گمراہ کرنے والے قادیانی اور مغربی پروپیگنڈہ کا مؤثر اور بھرپور جواب دینے کے انتظامات کیے جائیں۔

۸۔ مرزائیوں کی درپردہ نیم فوجی قسم کی تنظیموں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔

۹۔ قومی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں مذہب کی نشاندہی کے فوری انتظامات کئے جائیں تاکہ کوئی قادیانی "مسلمان" کے روپ میں عالمِ اسلام بالخصوص عالمِ عرب کو ملازمتوں کے سہارے قادیانی ریشہ دوانیوں کا مرکز نہ بنا سکے اور اگر کوئی قادیانی ہے تو قادیانی تشخص کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

۱۰۔ آئندہ کے لیے کفر و ارتداد کے اس سلسلۂ خبیثہ کے تدارک کے لیے لازمی ہے کہ اسلام کی سزائے ارتداد نافذ کی جائے۔

۱۱۔ اس بات کے خود قادیانی لٹریچر سے تحریری شواہد موجود ہیں کہ قادیانی مرکز اسرائیل میں قائم ہے اور اس کے روابط ربوہ سے ہیں۔ قادیانی "مُبلّغین" اسرائیل جاتے ہیں، اگر براہ راست نہیں تو یہاں سے برطانیہ، ماریشس، جزائر فجی، نائیجیریا اور دیگر افریقی ریاستوں اور یورپی ممالک کے نام پر اور وہاں سے اسرائیل چلے جاتے ہیں۔ ایسے نام نہاد "مبلّغین" کے تبلیغی، دعوتی اسفار پر مکمل پابندی لگائی جائے۔ یہ کتنے شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ایک اسلامی جمہوری ملک کا زرمبادلہ لیکر وہ باہر جائیں اسلام اور نبوتِ محمدیہ کے خلاف بغاوت پھیلائیں اور اسلام دشمن عقائد کا پرچار کر کے بے خبر مسلمانوں کو اپنے دجل و فریب کے دامِ تزویر میں پھنساتے رہیں، اور پاکستانی زرمبادلہ سے وہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالمِ عرب کے خلاف اسلام دشمنی کا دھندہ جاری رکھیں۔

۱۲۔ ربوہ کی مرزائی تحریک کی معاشی عمارت سادہ لوح اور خوش عقیدگی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے

پیرو کاروں کے مالی اور اقتصادی استحصال پر قائم ہے وہ ایسے جال میں پھنسے ہوئے ہیں کہ اپنے خون پسینہ کی کمائی لازماً مرزائی پاپائیت کی نذر کرنا پڑتی ہے، بسا اوقات اس استحصالی شکنجہ اور معاشی و سماجی ڈھانچہ سے رہائی ان مجبور و بےبس پیرو کاروں کے لیے ناممکن ہوتی ہے وہ مجبوراً اپنی آمدنی کا دسواں حصہ اور بعد از مرگ ساری جائیداد کا دسواں حصہ صدر انجمن احمدیہ کے نام منتقل کرتے رہتے ہیں۔ ایسی بہت بڑی جائیداد مرزائی سربراہ کے نام ہے، اور یہاں کی معاشی افراتفری میں اس معاملے کا بہت بڑا عمل دخل ہے ــــ یہ مرزائیوں کے استحصالی ہتھکنڈے ہیں جن پر از سرِ نو نظر ڈالنے کی ضرورت ہے، اس سے نہ صرف مسلمان مطمئن ہوں گے بلکہ قادیانی استحصال کا شکار قادیانی فرقے کے لوگ بھی نجات پا کر اپنے مذہب اور عقیدہ کے بارہ میں از سرِ نو آزادانہ فیصلہ کر سکیں گے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

□ □ □

قادیانیت کے بارے میں قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ اور اسکے ذیلی تقاضے

ایڈیٹر ماہنامہ الحق کا سوالنامہ اور مشاہیر علم و فضل، زعماءِ ملک و ملت کے جوابات

سوالنامہ

(۱) آئینی فیصلہ کے بارہ میں آپ کے تاثرات اور خدمات کیا ہیں؟
(۲) کیا اس فیصلہ کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہو گئی ہے؟
(۳) ملک و بیرونِ ملک قادیانی فتنہ کے سیاسی اور دینی اثرات کیا ہیں؟
(۴) ایسے مہلک اثرات کے تعاقب کا طریقۂ کار اور لائحۂ عمل کیا ہو سکتا ہے؟

(مولانا) سمیع الحق ایڈیٹر ماہنامہ الحق

الشیخ محمد صالح القزاز
سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

حضرۃ المکرم الفاضل الشیخ عبدالحق المحترم، پشاور، الباکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تسلمت رسالتکم الکریمۃ رقم ۹۲۳۷ وتاریخ ۱۷ ستمبر ۱۹۷۴ء التی اعربتم فیھا عن ابتھاجکم وابتھاج اخواننا المسلمین بما قررتہ الجمعیۃ الوطنیۃ بشأن الطائفۃ القادیانیۃ واعتبارھا اقلیۃ غیر الاسلامیۃ۔

والواقع ان ذلک فضل من اللہ حیث جاء الحق وزھق الباطل لان ھذہ الفئۃ عاشت فی الارض فسادًا ونشرت رعایتھا الضالۃ زھاء تسعۃ وتسعین عاما وسیطرت علی افکار کثیر من المسلمین فی اوربا وافریقیا حیث وقعوا فی شراک ضلالھا۔

واسأل اللہ تعالیٰ علی ما اصاب ھذہ الطائفۃ الضالۃ من خزی وقد افتضح امرھا وما بثتہ من عوامل الفرقۃ بین المسلمین فی السیاسۃ والمجتمع علی السواء ونرجو اللہ الا تقوم لھا قائمۃ بعد الآن وان یتنبہ اخواننا المسلمون الی دسائسھا ونوایاھا السیئۃ

ومکایدھا التی ‏ یرھا منہ المسلمین الحقیقیین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الامین العام۔ محمد صالح القزاز (۱۳/۹/۹۴ھ)

(ترجمہ) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بارہ میں قومی اسمبلی کے شاندار فیصلے پر آپ کی اور تمام مسلمانوں کی مسرتوں کی غمازی کرنے والا گرامی نامہ موصول ہوا۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل وکرم ہے کہ حق غالب ہوا اور باطل مٹ گیا، اسلئے کہ اس فرقہ ضالہ نے زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا، اور اس کی گمراہ کن جھوٹی دعوت تقریباً ۹۹ تک پھیلتی رہی جو یورپ اور افریقہ میں بہت سے مسلمانوں کی فکری گمراہی اور کجروی کا ذریعہ بنی، آج ہم اس فرقہ ضالہ کی رسوائی اور مسلمانوں میں اس کی سیاسی اور اجتماعی اور تفرقہ انگیزیوں اور ریشہ دوانیوں کی قلعی کھل جانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد ادا کرتے ہیں اور اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس کے بعد اس فرقہ کے قدم کہیں نہ جم سکیں گے۔ ہمیں توقع ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی ان لوگوں کی سازشوں، خفیہ مذموم منصوبوں اور ان فریب کاریوں پر گہری نظر رکھیں گے جو یہ لوگ سچے اور حقیقی مسلمانوں کے خلاف بروئے کار لاتے رہتے ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، (سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی محمد صالح القزاز ۱۳/۹/۹۴ھ)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیۃ علماء اسلام شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ ومن اعزّ جندہٗ۔

پاکستان کی پارلیمنٹ نے عقیدہ ختم نبوت کو دستوری تحفظ دے کر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا، یقیناً یہ ایک تاریخی فیصلہ ہے، اس سلسلے میں پوری قوم اور پاکستانی ملت اور جملہ ارکانِ پارلیمنٹ مبارکباد کے مستحق ہیں، مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت کے اراکین خصوصیت سے مستحقِ تبریک ہیں جنہوں نے تین ماہ کی طویل جدوجہد میں قید وبند کی صعوبتیں جھیل کر اور حکومت کے ہر تشدد کا نشانہ بن کر اس تحریک کو کامیاب بنایا، بہت سے مقامات پر پولیس نے وحشیانہ لاٹھی چارج کیا اور مساجد میں جوتوں سمیت داخل ہو کر بیگناہ نہتے مسلمانوں پر ناروا ظلم کیا، تھانوں میں فدائیانِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض جگہ ایسی دلخراش حرکتیں روا رکھی گئی ہیں کہ جن کا ذکر بھی کسی شریف انسان کے لیے ممکن نہیں، بعض مقامات پر شہیدوں نے خون کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ بہر حال جن حضرات نے بھی اس سلسلہ میں کوئی خدمت، محنت اور قربانی حسنِ نیت اور خلوص سے پیش کی ہے میرا عقیدہ ہے کہ اس کی نجاتِ اُخروی کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض سنجیدہ قسم کے لوگوں کے متعلق یہ سنکر سخت تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ ختم نبوت کے اس حل کا سہرا صرف اور صرف

وزیر اعظم بھٹو کے سر باندھنے کی سعی نامشکور میں مصروف ہیں، مسٹر بھٹو نے عوامی جدوجہد کے سامنے مجبور ہو کر اس فیصلہ کی تصدیق کی ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اسمبلی کے اندر اور باہر انہیں کن مشکلات کا سامنا ہوا، جس کے بعد انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔ ہم جب پوری قوم کو مبارکباد دیتے ہیں تو ہم نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا بلکہ پوری قوم کو انہیں اور ان کی قوم کو مستثنیٰ کیے بغیر ہدیۂ تبریک پیش کیا ہے۔ نہ ہم نے اپنی جماعت کے لیے کریڈٹ لینے کی کوشش کی ہے نہ ہم اس خالص مذہبی مسئلے کو سیاسی فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، ہم تو صرف یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس جدوجہد کو قبول فرما کر ہر ایک شریکِ کار کو اس کا ثمرہ دنیا اور آخرت میں عطا فرمائے۔

برصغیر پاک و ہند کے لوگوں نے برطانوی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے آزادی کا مطالبہ کیا، جدوجہد کی، آخر جدوجہد کامیاب ہوئی اور برطانیہ لیبر پارٹی کی گورنمنٹ اور اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر اٹیلے نے بامر مجبوری ہمارا مطالبہ تسلیم کر کے ہمیں آزادی دی۔ تو کیا ہندوستان کی آزادی کے لیے مسٹر اٹیلے اور لیبر پارٹی کی برطانوی گورنمنٹ کے نعرے لگائے جائیں یا مجاہدینِ تحریکِ آزادی کو زندہ باد کہا جائے؟

تازہ واقعہ ہے کہ الجزائر نے فرانس کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے سات لاکھ سے دس لاکھ تک مجاہدین کا خون پیش کیا، آخر کار فرانس کی حکومت کو آزادی کا عوامی مطالبہ تسلیم کر کے الجزائر کو آزاد کرنا پڑا۔ تو کیا اب فرانس اور جنرل ڈیگال مبارکباد کے مستحق ہیں یا الجزائر کے شہداء و مجاہدین؟

انڈونیشی عوام نے سوئیکارنو کی زیرِ قیادت طویل جدوجہد کے بعد "ڈچ" قوم سے آزادی حاصل کی، ڈچ قوم نے مطالبہ مانا، اب کون مبارکباد کا مستحق ہے؟ ڈچ قوم یا انڈونیشی عوام؟

بہر حال ختمِ نبوت کی تحریک کے مجاہدین کے خلاف ظلم و تشدد، خونریزی اور بربریت کا جرم جس کے کھاتے میں بھی پڑتا ہے کم از کم تحریک کی کامیابی کا سہرا ایسے لوگوں کے سروں پر تو نہیں باندھا جا سکتا، پیپلز پارٹی ہی ایک ایسی پارٹی ہے جس کے ارکان نے انفرادی یا اجتماعی طور پر قوم کے اس عظیم مطالبے اور تحریک کا ساتھ نہیں دیا اور الگ تھلگ رہ کر عملاً ثابت کر دیا کہ ان کا اس مطالبہ اور تحریک سے کوئی تعلق نہیں، پھر پیپلز پارٹی یا اس کے چیئرمین ہی کو مدار المہام کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ فیا للعجب!

الغرض مجموعی طور پر قوم اور اس کے نمائندوں نے ایک تاریخی فیصلہ صادر فرما کر دستوری طور پر مرزائیوں کے دونوں گروپوں کو خارج از اسلام قرار دیدیا اور انہیں پارسی، سکھ، ہندو، عیسائی

بدھسٹ، شیڈول کاسٹ (اچھوت، جوہڑے چماروں) کی صف میں لا کھڑا کیا اور یہ طے کر لیا کہ :۔

(۱) جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو کسی قسم کی نبوت کسی بھی شکل کسی خیال کے مطابق ملتی ہے وہ غیر مسلم ہے ۔

(۲) جو شخص ایسی کسی نبوت کا اپنے لیے دعویٰ کرتا ہے وہ غیر مسلم ہے ۔

(۳) جو ایسے مُدعی نبوت کو نبی مانتا ہے وہ بھی غیر مسلم ہے ۔

(۴) جو شخص ایسے مدعی نبوت کو مذہبی مصلح مانتا ہے وہ غیر مسلم ہے، یہ بھی طے ہُوا کہ جو مرزائی منافق بن کر خود کو مسلمان کہلائے وہ ختمِ نبوت کے خلاف تبلیغ نہیں کر سکے گا، اگر کرے گا تو سزا کا مستوجب ہوگا جو دو سال قید بامشقت تک ہو سکتی ہے ۔

جو مرزائی اپنے کو کافر تسلیم کرے تو وہ دستور کے مطابق اپنے مذہب کی تبلیغ قانون اور امنِ عامہ کے دائرہ میں کرے گا۔ اگرچہ ایسے واضح غیر مسلم شخص کی تبلیغ کا کسی پر اثر پڑنے کا کوئی خاص خطرہ نہیں ہے لیکن مسلمانوں کو ان فیصلوں سے خوش ہو کر غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔ ابھی اس مسئلہ سے متعلق بہت سے ذیلی مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کا حل بھی ضروری ہے۔ عنقریب میں اس سلسلے میں حکومت کے نمائندوں سے مل کر ان چند مسائل کے حل کو تلاش کرنے کی بھر پور کوشش کروں گا، اللہ توفیق دے ۔

بظاہر ذیلی مسائل یہ ہیں :۔

(۱) مرزائیوں کے دونوں گروپوں کے اوقاف کو حکومت اپنی تحویل میں لے تاکہ اسلام کی اشاعت کے لیے لوگوں نے جو جائدادیں وقف کی ہیں ان کی آمدنی کسی غیر اسلامی مذہب کی اشاعت پر صرف نہ ہوں ۔

(۲) ربوہ میں واقع سفید زمین کو مسلمانوں میں فوراً تقسیم کر کے اسے کھلا شہر قرار دینے کی عملی صورت پیدا کی جائے ۔

(۳) مرزائیوں کے لاہوری گروہ نے ایک انجمن بنائی ہے جو کہ انجمن اشاعتِ اسلام کے نام سے موسوم ہے انہیں یہ نام قانوناً تبدیل کرنا ہوگا، اس لیے کہ اب وہ اسلام کی اشاعت کا کام نہیں کر رہی ۔

(۴) مرزائی اپنی تبلیغ اسلام کے نام سے نہیں کر سکیں گے، ان پر قانونی پابندی عائد کرنی ہوگی اس لیے کہ ان کا مذہب اب قانوناً اسلام نہیں رہا ۔

(۵) اسلام کی مخصوص اصطلاحات جو صرف اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مختص ہیں ان کے استعمال

سے انہیں قانوناً روکنا ہوگا، مثلاً مسجد، امیرالمؤمنین، خلیفہ، صحابی، ام المؤمنین وغیرہ وغیرہ۔
یہ اور اس قسم کے دیگر امور ہمارے دستوری فیصلے کے لازمی نتائج ہیں جب تک ان نتائج کو بروئے کار نہیں لایا جاتا دستوری فیصلہ صرف کاغذی فیصلہ کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔
اعاذنا اللہ وجمیع المسلمین فی بلادھم من ھذہ الفتنۃ الداھیۃ۔

حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہ، خلیفہ حضرت تھانویؒ
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار سندھ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ! رمضان کی وجہ سے جواب میں دیر ہوئی، آج ۳۰ رمضان کو جواب دے رہا ہوں۔

(۱) قادیانی مسئلہ کا جو حل وزیر اعظم پاکستان اور ان کی کابینہ نے کیا ہے میں نے اس پر وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو دلی مبارکباد دی ہے کہ یہ فیصلہ شریعت کے مطابق اور عام اہلِ اسلام کے جذبات کے موافق ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزا۔

(۲) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد حکومت کا فرض ہے کہ ان کو کلیدی عہدوں سے الگ کریں اور افواجِ پاکستان سے تو بالکل الگ کرے کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مذہب میں جہاد منسوخ ہو گیا ہے اسلئے اس کے ماننے والوں میں جذبۂ جہاد نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ عام مسلمانوں کو ان کے ساتھ اسلامی تعلقات نہ رکھنے چاہئیں، جو خود قادیانی بنا ہے وہ مرتد ہے جس کو تین دن کی مہلت دے کر (اگر وہ ان تین دنوں میں قادیانیت سے توبہ نہیں کرتا تو) اسے قتل کر دینا حکومت کا فرض ہے، اور جو خود مُرتد نہیں ہوا بلکہ مرتد کی اولاد ہے، وہ اگر دوسروں کو مرتد بناتا ہے تو اس کی بھی یہی سزا ہے اور جو مرتد نہ بناتا ہو اس سے اسلامی تعلقات نہ رکھے جائیں۔

(۳) اور جو قادیانی توبہ کرنا چاہے اس کی توبہ قبول کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر مرتد مانے، اسی طرح جو اس کو نبی مانتے ہیں ان کو بھی کافر و مرتد مانے۔

والسلام: ظفر احمد عثمانی ۳۰ رمضان ۱۳۹۴ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان
بانی وصدر دارالعلوم کراچی

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد! قادیانی مسئلہ کے حل پر ہر مسلمان کے احساسات اور جذبات ایک ہی قسم کے ہیں، عرصۂ دراز کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی سچی

مسرت نصیب کی ہے جس پر عالمِ اسلام کا ہر گوشہ مسرور اور شاداں و فرحاں نظر آتا ہے۔ یہ اس طویل جدّو جہد کا ایک کامیاب مرحلہ ہے جو مسلمانوں اور علمائے اسلام نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں شروع کی تھی، میں اُس قافلے کا ایک ادنیٰ رفیق رہا ہوں جو امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی قیادت میں فتنۂ قادیانیت کے سدِّ باب کے لیے روانہ ہوا تھا۔ مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب استاذِ مکرم حضرت شاہ صاحبؒ اس گمراہی کے اثر و نفوذ سے ہر لحہ بے چین رہتے تھے اور ان کے دل کو کسی طرح قرار نہیں تھا، انگریز کی حکومت تھی جس کی مکمل سرپرستی قادیانیوں کو حاصل تھی اس لیے مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہوگیا تھا، اور مسلمانوں کی جدّو جہد کو قدم قدم پر حوصلہ شکن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب بہاولپور کے مقدّمے میں کام کرنے کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ نے ہم خدّام کو بہاولپور میں جمع کیا، اور جب اس چھوٹے سے مقدّمے میں مسلمانوں کو فتح مبین عطا ہوئی تو اس وقت شکستہ دل مسلمانوں کی مسرّت قابلِ دید تھی کیونکہ اس مقدمے میں پہلی بار عدالتی سطح پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

آج اگر حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے کاروانِ حق کے دوسرے رُفقاء موجود ہوتے تو ان کی مسرّت کا کیا عالم ہوتا؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ باطل کو کبھی نہ کبھی سرنگوں ضرور ہی ہونا پڑتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرسکتا کہ یہ وقت میری زندگی ہی میں آگیا اور اُس قافلے کے ایک ادنیٰ خادم کو یہ مسرت اپنی آنکھوں سے دیکھنی نصیب ہوگئی فللہ الحمد کلہ، ولہ الشکر کلہ۔

اس مسرت کے ساتھ میں مملکتِ پاکستان کے وجود پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرسکتا کیونکہ اگر یہ ملک نہ بنا ہوتا تو یہ کام انجام نہیں پاسکتا تھا، اللہ تعالیٰ اس ملک کو قائم و دائم رکھے اور اسے دینِ حق کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس کامیابی کے بعد اہم ترین سوال یہ ہے کہ اب مسلمانوں کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے؟ جو لوگ اس کامیابی کے نشے میں اس اہم سوال کو پسِ پشت ڈال دیں گے یا اس کے جواب میں سنجیدگی، ہوشمندی اور اخلاصِ عمل پر کاربند نہیں ہوں گے وہ اس کامیابی کے تمام اثرات پر پانی پھیر دینے کے مرتکب ہوں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ قادیانیت کے سلسلے میں اس کامیابی سے اس مہم کا صرف ایک منفی مرحلہ طے ہوا ہے، اس مرحلے کا مقصد یہ تھا کہ حق و باطل اور اسلام و کفر میں ایک واضح خطِ امتیاز قائم ہو جائے

اور دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ اس مذہب کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، لیکن اس مرحلے کے طے ہو جانے کے بعد اب مثبت کام سارا باقی ہے۔

اور وہ کام سب سے پہلے یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے راہِ حق سے بھٹک کر قادیانیت کے دامِ تزویر میں پھنسے ہوئے ہیں انہیں انتہائی حکمت، دردمندی، دلسوزی اور پیغمبرانہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے واپس لانے کی کوشش کی جائے۔

قادیانی مذہب کے بہت سے متبعین ایسے ہیں جنہیں یہ مذہب اپنے ماں باپ یا ماحول سے ورثے میں ملا ہے اور انہیں اس کی سنگین گمراہیوں سے آگاہ ہی نہیں ہونے دیا گیا اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس مذہب کو ایک فرقہ وارانہ مسلک سمجھ کر کسی دنیوی مفاد کی خاطر اس مذہب کے پیرو ہو گئے ہیں، ایسے لوگوں کو ہمدردی، ملاطفت اور مخلصانہ دعوت کے ذریعہ حقیقتِ حال سے آگاہ کرنے اور خدا کا خوف دلانے کی ضرورت ہے، ان کے سامنے اس مذہب اور اس کے بانی کی وہ باتیں نرمی اور خیر خواہی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے جن سے قادیانیت کی اصلیت واضح ہوتی ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اسلام اور اس کے علوم سے ناواقفیت کے سبب واقعۃً غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں انہیں بھی دلائل و براہین اور تبلیغ و دعوت کے ذریعے اس گمراہی سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر حکمت، اخلاص اور سچے جذبۂ دعوت کے ساتھ یہ کام کیا گیا تو اللہ تعالےٰ کی ذات سے امید ہے کہ قادیانیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو سکے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہماری اس دعوت کے ذریعے راہِ حق سے ہمکنار کر دے تو اس سے بڑھ کر ہماری سعادت کوئی نہیں۔

یہ کام یوں تو ہر مسلمان کے کرنے کا ہے، جو شخص جہاں ہے وہ اپنے ماحول میں ایسے لوگوں پر کام کرے لیکن خاص طور سے اہلِ علم حضرات، دینی جماعتوں اور اداروں کو اس غرض کیلئے اپنے اپنے حالات اور وسعت کے مطابق خصوصی طریقِ کار طے کرنا چاہیئے۔ قادیانیت کے موضوع پر لٹریچر کی کمی نہیں لیکن ان میں سے مختلف مدارج کے لٹریچر کا انتخاب کر کے اور مزید مختصر رسالے تیار کر کے انہیں منظم طور سے شائع کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے، جس مقام پر قادیانی زیادہ تعداد میں آباد ہیں وہاں اس موضوع پر عبور رکھنے والے حضرات تبلیغی وفود کی شکل میں ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور انہیں راہِ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

دوسری طرف حکومت کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے اور ان کی وہ تمام رعائتیں ختم کرے جو ماضی میں انہوں نے ناجائز طور پر حاصل کی تھیں، ملازمتوں میں ان کی آبادی کے تناسب کو ملحوظ رکھے، انہیں بحیثیت مسلمان تبلیغ کرنے سے روکے اور غیر ممالک میں سفارتخانوں کے ذریعے ایسا لٹریچر تقسیم کرائے جو پارلیمنٹ کے حالیہ بل کی تشریحات پر مشتمل ہوتا کہ بیرونی ممالک اس بل کے مضمرات سے آگاہ ہوسکیں، اور قادیانیوں کی طرف سے اپنی نام نہاد مظلومیت کا جو پروپیگنڈا کیاجارہا ہے اس کا سدِ باب ہوسکے۔ واللہ سبحانہ' وتعالیٰ ھادی الصواب۔

عزیز القدر الحاج مولانا مولوی سمیع الحق صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' آپ کا اخلاص نامہ دربارۂ تاثرات	**حضرت العلامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی** سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند وجامعہ اسلامیہ بہاولپور

حلِ فیصلۂ قادیانی موصول ہوا۔ دور حاضر میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے جو فیصلہ حکومت نے کیا وہ انتہائی مسلمانہ وجرأتمندانہ اقدام ہے جس کی جرأت سابق پاکستانی حکمران نہ کرسکے، اس دور میں اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں تھا۔

لا الٰہ الا اللہ[1] ـــ محمد رسول اللہ[2] ـــ ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین[3]

(۱) اسلام توحید الٰہی کی صورت میں خداشناسی کی اصلی روح ہے، رسالتِ محمدی کے ذریعہ اس کی حقیقی تشخیص وتشکیل ہوتی ہے، اس لحاظ سے حقیقی خداشناسی کے لیے رسالت شناسی اپنی اصلی شکل میں لازمی ہے جو ختمِ نبوت ہے، اگر وصف ختمِ نبوت انکار کی زد میں آجائے تو رسالت کا حقیقی نشہ ختم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ توحید[1]، رسالتِ محمدی[2]، ختمِ نبوت[3]۔ یہ اسلام کی ایسی تین بنیادی کڑیاں ہیں جو یقین کے درجے میں ایسے مربوط ہیں کہ ثالث کے انکار سے ثانی اور ثانی کے انکار سے اول کا حقیقی یقین بھی ختم ہوجاتا ہے۔

(۲) تجویز ولائحہ کار برائے مستقبل | دنیا میں سب بڑی طاقت آواز کی طاقت ہے، فرعون کے تاج وتخت اور جبروت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ختم کیا، قیصر وکسریٰ کی عظیم حکومتیں آوازِ محمدی کے ابلاغ سے پیوند زمین ہوگئیں، زارِ روس کے راج کو لینن کی آواز نے ختم کیا، اس اصول کے تحت مرزائی تنظیم اور اس کے اثرات کو صرف آواز ہی ختم کرسکتی ہے، یہ حکومت کے بس کی بات نہیں حکومت نے اپنا حق ادا کردیا، اب آواز یعنی تحریری وتقریری تبلیغ کے ذریعہ ہر مسلمان ہر مرزائی کو اخلاص کے ساتھ تبلیغ کرنے کو اپنے اوپر لازم کرلے، تاجر تاجر سے ملتا ہے، ملازم ملازم سے

تصنیفات اور ہزاروں تقریریں نہ انجام دے سکتیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام اور تبلیغ اسلام کے نام سے "احمدیت" کی تبلیغ کا جو کام کیا جاتا تھا وہ بے اثر اور بے بنیاد ہو گیا۔

(۲) اس فیصلہ کی اثر انگیزی اور انقلاب آفرینی کے باوجود علماء کی ذمہ داری کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھ گئی ہے مسئلہ کا فیصلہ اگرچہ حکومتی اور انتظامی سطح پر ہو گیا ہے لیکن علمی اور فکری سطح پر بھی اس کو مختتم کرنے کیلئے ختم نبوت کے موضوع پر بلند پایہ اور یقین آفرین سنجیدہ اور محققانہ کتابوں اور مضامین کی ضرورت ہے۔ کم سے کم عربی، اردو اور انگریزی زبانوں میں اور بڑی قابلِ قدر اور فاضلانہ کتابوں کی موجودگی ہیں۔ جو اس وقت تک تصنیف ہوئی ہیں، اب بھی اس کی ضرورت ہے۔

حضرت والد ماجد کی خدمت میں سلام کہیئے اور دعا کی درخواست کیجئے۔ (۸ نومبر ۱۹۷۴ء)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند تقسیمِ ملک سے برسہا برس پہلے بالاتفاق علماء برصغیر ختمِ نبوت کے بنیادی اور قطعی اسلامی عقیدہ سے انکار پر قادیانی فرقہ کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دے چکا ہے۔ انگریز کے پیدا کردہ اس جھوٹے نبی اور اس کے ذریعہ مذہب حق اسلام کے برخلاف مذہبی رنگ کی اس ذلیل ترین اور خطرناک بین الاقوامی سازش کا آج بحمد اللہ دنیائے اسلام نے طویل مہلتِ اصلاح دینے کے بعد پردہ چاک کر دیا ہے اور ممالکِ اسلامیہ کی ۳۲ اسلامی تنظیموں کے سربراہوں کی کانفرنس (منعقدہ اپریل ۱۹۷۳ء جدہ) نے بالاتفاق یہ صحیح ترین اور تاریخی اعلان کیا کہ قادیانی فرقہ غیر مشروط طریقہ پر خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کی ختمِ نبوت کو نہ ماننے اور انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے کی وجہ سے قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ عالمِ اسلام کے اس متفقہ اور تاریخی اعلانِ حق نے اہلِ حق کو نہ صرف قوت بخشی ہے بلکہ قادیانیوں کے مرتد ہونے کے بارے میں قرآن و حدیث پر مبنی اہلِ حق کے دینی موقف کو عظیم مضبوطی عطا کی ہے۔

عالمِ اسلام کے اس متفقہ فیصلے کے بعد پاکستان کے علماء حق اور عامۃ المسلمین مستحق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے قادیانی فرقہ کے ارتداد کے بارے میں اپنے اور تمام مسلمانانِ عالم کے موقفِ حق کی حکومتی سطح پر تائید و توثیق حاصل کرنے میں پہل کی ہے۔ توقع ہے کہ دیگر ممالکِ اسلامیہ کے علماء اور عامۃ المسلمین بھی فتنۂ قادیانیت کے بالکلیہ انسداد کو اسلامی حمیت کے تحت ہر ممکن تقویت و تائید پہنچانے میں دریغ نہ کر کے عند اللہ ماجور اور عند المسلمین مشکور ہوں گے۔

اور ہر ایک اپنے پاس والے ملازم کو نرم اور ہمدردانہ طور پہ روزانہ جب موقع ملے تبلیغ شروع کرے اور تبلیغ کے لیے متعلقہ کتب اور علماء کرام سے امداد حاصل کرتے رہا کریں اور ان سے رابطہ جاری رکھیں۔ (۸ رشوال ۱۳۹۴ھ)

یادگارِ سلف اسیرِ مالٹا و تلمیذِ خاص حضرت شیخ الہند
حضرت مولانا میاں عزیر گل صاحب دامت برکاتہم

برادرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زاد اللہ معالیکم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اما بعد

نوازش نامہ باعثِ سرفرازی ہوا، حسنِ ظن کا شکریہ، اگرچہ میں اس کا مستحق نہیں۔

(۱) مجلسِ عمل نے جو کام کیا قابلِ صد آفرین ہے۔

(۲) کام کی ابتداء ہوئی ختم نہیں ہوا۔ ایک کام حکومت کا ہے دوسرا رعایا کا۔ رعایا کا کام تعمیلِ حکم مجلسِ عمل ہے۔ بندہ کے پاس کوئی خاص تجویز نہیں، میں نے قصداً جواب دینے کی کوشش نہیں کی، مگر جناب کے دوبارہ نوازش نامہ نے مجبور کردیا، یہ عریضہ اس قابل نہیں کہ مشتہر کیا جائے۔ والد صاحب کو سلامِ مسنونہ عرض ہے۔ (یکم نومبر ۱۹۷۴ء)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ
سربراہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

محب گرامی منزلت زید لطفہٗ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
گرامی نامہ محررہ ۲۴ راکتوبر کل ۷ رنومبر کو ملا عرصہ کے بعد آپ کا اسمِ گرامی اور رسالہ کا نام دیکھ کر مسرت ہوئی، آنکھیں ہمسایہ ملک کے دوستوں اور بزرگوں کے خطوط اور تحریروں کو ترس گئی تھیں اور کسی کسی وقت تو یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید اب زندگی میں براہِ راست خط و کتابت نہ ہو سکے گی۔ نہایت عدیم الفرصتی میں یہ دو سطریں رفعِ انتظار کیلئے لکھوا رہا ہوں۔

(۱) دنیا کے مسلمانوں کو عموماً اور اس تحتی برِاعظم کے مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ پاکستان کے اس فیصلہ سے جو مسرت ہو اس کو بہتر طریقہ پر اس شعر کے ذریعہ ادا کیا جا سکتا ہے جو ایک شاعر نے بیت المقدس کی فتح پر اپنے اس قصیدہ میں کہا تھا جو اس نے صلاح الدین ایوبیؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا ؎

هٰذا الذی کانت الایام منتظر   فلیوف للّٰه اقوام بما نذروا

(ترجمہ) یہ وہ مبارک موقع ہے جس کا زمانہ عرصۂ دراز سے منتظر تھا، ایسے لوگ اپنی وہ منتیں پوری کریں جو انہوں نے اس وقت کے لیے مان رکھی تھیں

اس ایک فیصلہ نے افہام و تفہیم اور اطمینانِ قلب کی وہ خدمت انجام دی جو علماء کی سینکڑوں

بلاشبہ عالمِ اسلام کا یہ فیصلہ اور اس کی تائید و توثیق قادیانی فرقہ کی تلبیس کاریوں سے مسلمانانِ عالم کو بچانے کا ایک اہم ترین ذریعہ ثابت ہوگا۔ اس لیے عموماً تمام علماء اور مسلمانانِ ہندوپاک اور خصوصاً علماء دیوبند اسلام کے تحفظ کے اس بین الاقوامی فیصلہ کرنے والوں کو ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس آخری (اور ابدی) دین کو زیادہ سے زیادہ غیبی نصرت و تائید مرحمت فرمائے، آمین۔

اکابر اساتذہ دارالعلوم دیوبند

مولانا فخرالحسن صاحب، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا محمد شریف حسن، مولانا معراج الحق، مولانا نصیر احمد

محترم و مکرم مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہٗ
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

نامۂ کرم نے مشرف فرمایا۔ قادیانیت کے مسئلے کے حل کے لیے ماہنامہ مؤقرہ "الحق" کی اشاعتِ خاص کی اطلاع سے جہاں قلبی مسرت ہوئی وہیں یہ خبر اس لحاظ سے موجبِ تأسف بھی بنی کہ مسئلہ سوالات بعجلت جوابات ارسال کرنے کی ہدایت پر مشتمل مکتوبِ گرامی ایسے وقت میں موصول ہوا کہ جبکہ حضرت مکتوب الیہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ جنوبی ہند کے طویل سفر پر تھے، اور واپس ہوئے تو دو تین روز میں اہم مصروفیات سے فارغ ہو کر فوراً ہی عازمِ حج بیت اللہ ہو گئے، سفر گو ہوائی جہاز سے ہوا ہے اس لیے واپسی ۲۰ جنوری تک متوقع بھی ہے، لیکن یہ وقفہ بھی مکتوبِ گرامی کی وقتی میں زیادہ ہی محسوس ہوا۔ مکتوبِ گرامی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی خدمت میں بعد واپسی پیش ضرور کیا جائے گا، لیکن ایماءِ تعجیل پر نظر کرتے ہوئے مناسب سمجھا گیا کہ یہ مکتوب حضرات اکابر دارالعلوم دیوبند کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ مکتوبِ گرامی کے استفسارات کے بارے میں منجانب اکابر دارالعلوم دیوبند مختصر جوابات مرسلِ خدمت ہیں:۔

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیوں کو پیہم ذلت ناک تاریخی شکستوں کے بعد بڑی حد تک عیسائیت کی عالمی زمامِ قیادت بخت و وقت نے انگریزوں کے ہاتھ میں دے دی، اس قیادتِ کبریٰ کا حق ادا کرنے کے لیے انگریز نے اپنی فطری اور عیارانہ صلاحیتوں کو ملتِ اسلامیہ سے انتقام لینے کے محور پر مرکوز کر دیا، اور قومی شرافت اور انسانی اخلاقیت کی قربانی دے کر اس اعزازِ قیادت کو اس قوم نے کوئی مہنگا سودا نہیں سمجھا۔ چنانچہ طویل فکر و تدبر کے بعد ملتِ اسلامیہ

کے برخلاف انگریز نے اپنی انتقامی بساطِ سیاست کو بین الاقوامی سطح پر دو زہر آلود منصوبوں سے آراستہ کیا۔

(۱) پہلے منصوبہ کا محور مسلمانوں کی اجتماعی شوکت اور سیاسی وحدت کو تاخت و تاراج کرنا تھا جس کا سرچشمہ خلافتِ اسلامیہ تھی، اس کے لیے ترک و عرب میں انفرادی مفاد پر اجتماعی بہبود کو قربان کر دینے والے ہوس کار جعفر و صادق تلاش کر لیے گئے اور خلافت کے فطری ثمرے کے طور پر حاصل شدہ اسلامی وحدت کو دسیسہ کارانِ فرنگ نے وطنی کثرتوں میں تبدیل کر کے ملّت کو اپنی عظمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

(۲) دوسرے منصوبہ کا مقصد ملّتِ اسلامیہ کی "دینی وحدت" کو پارہ پارہ کرنا تھا جس کا ناقابلِ اختلاف مرکزی نقطۂ اتحاد ہزاروں اختلافات کے باوجود "عقیدۂ ختمِ نبوت" ہے۔ اس قابلِ نفرت منصوبے کے ذریعہ ملّتِ اسلامیہ کے اس منصوص اور قطعی عقیدے کو اس طرح مجروح کرنا تھا کہ اگر وہ بالکلیہ ختم نہ بھی ہو تو تردّد و اختلاف کا نشانہ بن کر کم از کم نقطۂ اتحاد نہ رہے۔

اس کے لیے کذابِ ازلی مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کی خاندانی بے ضمیری اور ایمان فروشی کو بھانپ کر انگریز نے اسے نبی بنا کر عقیدۂ ختمِ نبوّت پر کاری وار کیا۔

پھر جس طرح مذہبی زندہ قدروں کو انسانیت و شرافت سوز سیاست کا ہدف بنانے پر تاریخ کا حرف حرف انگریزی دنائت پر گواہ رہے گا، ٹھیک اسی طرح اس ناقابلِ تردید حقیقت پر بھی تاریخ کا حرف حرف ہمیشہ شاہدِ عدل رہے گا کہ انگریز کی اس بدنہاد انتقامی سیاست کے دونوں منصوبوں کے اوّلین مرحلے پر ان کی گہرائیوں تک پہنچنے اور ان دُوررس فتنوں سے ملّی تحفظ کی تدابیر کو بقدر بساط بروئے عمل لانے میں بتوفیقِ خداوندی حضرات علماءِ کرام ہی نے پہل کی اور آج سے اسّی سال قبل کذابِ قادیان اور اس کے متبعین کے بارے میں مرتد اور خارج از اسلام ہونے کا فیصلہ اکابر علماءِ دیوبند نے اپنی بصیرتِ دینی اور فراستِ ایمانی سے فرمایا۔

ان مخلصین کی مساعی مشکور ہوئیں اور دُعائیں مستجاب کہ آج پورے عالمِ اسلام نے بیک زبان کذابِ اعظم مرزائے قادیان اور اس کے حاشیہ برداروں کے بارے میں الحمدللہ شرعی فیصلہ کو "اجتماعی فیصلہ" بنا دیا۔

اور اس "اجتماعی فیصلے" کو آئینی اور دستوری حیثیت دلانے کی اوّلیت کا شرف حاصل کر کے ارضِ پاک علماءِ کرام اور عامۃ المسلمین اس دُعا کے ساتھ مستحقِ تہنیت و تبریک ہیں کہ اللّٰھم اعزّ الاسلام والمسلمین

وانصرهم علی عدوك وعدوهم ۔

چونکہ قادیانی کی یہ نبوتِ کاذبہ انگریز کے انتقامی ذہن کی پیداوار تھی اس لیے اس کا آغاز ہی بین الاقوامی سطح پر کیا گیا تھا اس لیے اس کے اثرات کا بین الاقوامی سطح پر وسعت اختیار کر لینا تعجب خیز تو نہیں البتہ فکر انگیز ضرور ہے ۔

دستوری کامیابی کے بعد بلاغ وابلاغ کی عظیم تر ذمہ داریوں کا مکمل شعور واحساس تقاضائے فراست ودیانت تو ہے ہی لیکن مدمقابل کے راسخ العداوت ہوجانے کی وجہ سے اس فرض کی ادائیگی تقاضائے ضرورت وسیاست بھی بن گئی ہے جس میں ان تمام وسائل وذرائع کا متاقباً سدِ باب بنیادی اہمیت کا حامل ہوگیا ہے کہ جن کو فریقِ مخالف اپنی عصری تعلیمی برتری، ناجائز اقتصادی فارغ البالی ، بین الاقوامی سطح پر عمومی تعارف، مؤثر ومفکر اور متقدر شخصیات کی تائید اور فکری جدت اور عددی قلت کی وجہ سے اجتماعی نظم وضبط کے ساتھ استعمال کررہا ہے اور آئندہ بھی کرے گا ۔

البتہ اس بارے میں داعیانِ باطل کے بالمقابل جہاں "اشداء" پر عملدرآمد ضروری معلوم ہوتا ہے سادہ لوحی کی وجہ سے مبتلائے ضلال ہوجانے والوں کے سامنے "رحماء" کی عملی تفسیر پیش کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری فریضۂ وقت محسوس ہوتا ہے ۔ عہدِ رفتہ میں اربابِ علم ودین کا مؤقف دفاعی رہا، جو بذاتِ خود توسع اور ہمہ گیری کا طالب نہیں ہے لیکن فیصلے نے مؤقفِ اہلِ علم کو دفاع کے بجائے اقدام میں تبدیل کردیا ہے ۔ اور اقدام وسعت وہمہ گیری سے اگر عاری ہو تو وہ اقدام باقی نہیں رہتا ۔

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست　　　　ما زندہ از آنیم کہ آرام نہ گیریم

لائحہ عمل کی ترتیب میں مقامی مؤثرات وعوامل کو ملحوظ رکھنا، اور خارجی مؤثرات وعوامل تک اپنی رسائی کا اندازہ کرنا منجملہ لوازم ہوتا ہے، اس لیے اس بارے میں اہلِ خبر سے اہلِ مشاہدہ کی بصیرت ہی زیادہ قابلِ اعتماد ہونی چاہیئے ۔　　　　والسلام

مولانا سید ازہر شاہ قیصر
مدیر ماھنامہ "دارالعلوم" دیوبند

گرامی محترم ، سلام مسنون !

مجھے آپ کا پہلا خط نہیں ملا، دوسرا خط محررہ ۱۲ر دسمبر آج مؤرخہ ۲۴ر دسمبر کو ملا، پاکستانی ڈاک میں بے حد گڑبڑ ہے، کوئی بھی خط پندرہ دن سے پہلے نہیں پہنچتا ۔

آپ کے رسالہ "الحق" کے تازہ شمارہ میں قادیانیت کے مسئلہ پر پاکستانی علماء اکابر کے

تاثرات بھی پڑھے ۔ اس مسئلہ پر میرا تاثر یہ ہے کہ یہ صرف پاکستانی عوام کی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کی بڑی کامیابی ہے کہ پاکستانی حکومت نے قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ قادیانی مارِ آستین بن کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے، اب پوری دنیا میں ان کو دینِ اسلام سے خارج قرار دینے میں سہولت ہوگئی، مگر یہ بھی ضروری ہے کہ ایک غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے پاکستان میں ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی پوری حفاظت کی جائے، انہیں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کسی بھی اسلامی ملک میں ان کی عزت و آبرو اور شہری حقوق پائمال کیے جائیں۔

علمی میدان میں قادیانیت کے خلاف مثبت انداز میں کام کرنے کا دروازہ اب کھلا ہے، علماء کا فرض ہے کہ وہ ایسا تعمیری لٹریچر تیار کریں جس میں خود قادیانیوں کو ختمِ نبوت، نزولِ مسیح وغیرہ مسائل کی حقیقت سمجھائی جائے اور مرزا غلام احمد قادیانی کے متضاد، لغو اور غیر عقلمندانہ دعاوی کو واشگاف کیا جائے۔ یہ تبلیغ و تحریک جتنے مثبت انداز میں اور جتنے تعمیری رنگ میں ہوگی اتنی ہی کامیاب ہوگی، خود قادیانیوں میں بھی تبلیغ کی جائے اور مفکرانہ انداز میں اس حصار کو توڑ کر جو قادیانی لیڈروں نے اپنے فرقے کے ارد گرد قائم کر رکھا ہے، نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اس فرقۂ ضالہ کو اسلام کے قریب لایا جائے، خصوصیت سے ایک کوشش ضرور ہونی چاہیئے کہ قادیانی حضرات کو ملک کے کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا جائے، انہوں نے پچھلے دنوں آپ کے ملک کو جو نقصان پہنچایا ہے اس سے آپ ناواقف نہیں ہوں گے۔ مگر ہٹائے جانے والے لوگوں کو بھی متبادل روزگار مہیا کرنا حکومت کا فرض ہوگا۔ کاش وقت میں گنجائش ہوتی اور میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات عرض کر سکتا۔ والسلام

حضرت العلامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنوری صدر مجلسِ عمل	برادرِ محترم مولانا سمیع الحق صاحب زادکم اللہ توفیقاً اِلَی الخیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

نہ معلوم نامۂ کرم کب آیا اور کہاں ہے لیکن عزیزم محمد بنوری سلمہ سے یہ معلوم ہوا کہ جواب کا انتظار کر رہے ہیں اور اشاعت رکی ہوئی ہے، اس لیے چند حروف لکھ رہا ہوں، تفصیل کی نہ حاجت نہ فرصت نہ ہمت، اختصار بلکہ ایمان سے عرض ہے کہ آئینی فیصلہ نہایت صحیح اور باصواب ہے اگرچہ بعد از وقت ہے اور بعد از خرابی بسیار، وزیرِ اعظم صاحب نے خود اخبارات میں یہ اعتراف فرمایا ہے کہ "قادیانی مسئلہ کے حل ہونے سے

صاحب نے یہ اعلان فرمایا کہ "پاکستان آج پاکستان کو سیاسی استحکام حاصل ہوگیا ہے" اور صحیح معنوں میں پاکستان بنا" ان دونوں سیاستدانوں کے اس اعلان سے حقیقت واضح ہوجاتی ہے اور یہ بھی کہ یہ کام کتنا عرصہ پہلے ہونا چاہیئے تھا؟

یہاں ہماری ذمہ داری ختم نہیں ہوئی بلکہ ان آئینی نقوش کو جب تک عملی جامہ نہ پہنایا جائے اُس وقت تک مقصد ناتمام ہے "مسلمان درگور و مسلمانی در کتاب" والا معاملہ ہوگا۔ اندرونِ ملک قادیانیوں کا کچھ ردِ عمل ہے وہ تذبذب ہے، مایوسی ہے اور زیادہ سے زیادہ گیدڑ بھبکی ہے اور کچھ نہیں۔ باہر ملک میں حتیٰ کہ انگلستان میں بھی اس کے اچھے اثرات مرتب ہورہے ہیں، لیکن افریقہ کے ممالک میں اس آئینی فیصلہ کی اشاعت اور عام کرنے کی بڑی ضرورت باقی ہے، حکومت کو اپنا بین الاقوامی دامن بچانے کے لیے ضرورت ہے کہ عربی، انگریزی، فرانسیسی زبانوں میں اس فیصلہ کی اشاعت کو اپنے سفیروں کے ذریعے تمام عالم میں عام کرے۔

اس وقت حکومت کی جو کچھ پالیسی ہے اس میں تسامح، تغافل، تذبذب بلکہ ایک گونہ نفاق ہے اس نے عملی صورت میں کوئی اقدام نہیں کیا، نہ ان قیدیوں کو رہا کیا نہ ربوہ کو باقاعدہ تحصیل کی شکل دی ہے، ہوسکتا ہے کہ مرکز سے زیادہ پنجاب گورنمنٹ کی دوغلی پالیسی یا طرف دارانہ پالیسی کا نتیجہ ہو۔

بہر حال حالات اگر مایوس کن نہیں تو زیادہ امید افزا بھی نہیں ہیں، بس اس وقت زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں تفصیلات بہت کچھ ہیں۔ والسلام

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہ

برادرم مولانا سمیع الحق صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گرامی نامہ موصول ہوا۔ مرزائیت کا اللہ تعالیٰ نے خاتمہ کر دیا ہے، اب ان کا معاملہ دوسرے کافروں کی طرح ہے۔ یہ سکھ، پارسی، عیسائی اور ہندو کی طرح ہو چکے ہیں، نکاح وغیرہ کے مسائل حل ہو گئے۔ ہمارے ٹکٹ پر یہ ممبر نہیں بن سکیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ باقی مسائل کے بارہ میں بھی ہم کو امید رکھنی چاہیئے کہ جلد حل ہو جائیں گے۔ میں اس بات کے سخت خلاف ہوں کہ بعض خود غرض اور اقتدار پسند افراد یہ کہتے پھرتے تھے کہ حکومت مرزائی ہوگئی ہے، مرزائی نواز ہے، ٹال رہی ہے۔ میرے بھائی! یہ کافی ہے، باقی میں سمجھتا ہوں کہ مرزائیت کا مسئلہ ختم ہوگیا ہے، کم از کم اس مسئلے کو ہم اپنی وجاہت کا مسئلہ نہیں بنا سکتے، جیسے دینی ضرورت پیش آئے گی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ فقط (۱۸ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
بانیٔ جماعتِ اسلامی پاکستان

محترمی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
آپ کا عنایت نامہ ملا جس میں آپ نے قادیانی مسئلے سے متعلق چند سوالات دریافت کئے ہیں۔ آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ قادیانی مسئلے کے حل پر آپ کے احساسات کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس مسئلے کے حل سے آپ کی مراد قومی اسمبلی کا حالیہ فیصلہ ہے۔ بلاشبہ اسمبلی اور حکومت کا یہ فیصلہ نہایت مستحسن اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے مسرت انگیز ہے، اور اس پر ہم جتنی بھی خوشی منائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں بالکل بجا ہوگا، لیکن ہماری حکومت، نیشنل اسمبلی اور عامۃ المسلمین کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ اس سلسلے میں ان کی ذمہ داری اب ختم ہو گئی ہے اور اس فیصلے سے قادیانی مسئلہ پورے کا پورا حل ہو گیا ہے، اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف پہلا قدم ہے جو صحیح سمت میں اٹھایا گیا ہے اور ابھی تک بہت سے ضروری اقدامات ایسے باقی ہیں جن کے بغیر یہ قضیہ جوں کا توں رہے گا بلکہ خدشہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدانخواستہ مزید پیچیدگیاں نہ پیدا ہو جائیں اور ہم اس اہم فیصلے کے فوائد سے محروم نہ ہو جائیں۔ آپ کا ایک عنایت نامہ پہلے آچکا تھا، اب یاددہانی اور تقاضے کا دوسرا خط آیا ہے جس میں آپ نے جلد جواب مانگا ہے، تو چند ضروری کرنے کے کام جو اس وقت ذہن میں آرہے ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) ۷ستمبر کو قومی اسمبلی نے آئینی ترمیم کے علاوہ ایک قرارداد یہ بھی منظور کی ہے کہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ الف کے بعد ب کا اضافہ کیا جائے جس میں یہ درج ہو کہ:۔

"ایک مسلمان جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے مفہوم مندرجہ آئینِ پاکستان دفعہ ۲۶۰ شق ۳ کے خلاف عقیدے کا اعلان یا اس کے خلاف عمل یا تبلیغ کرے وہ قابلِ سزا و تعزیر ہوگا۔"

یہ قرارداد غالباً عجلت میں مرتب اور پاس کی گئی ہے اور اس کی ابتدا میں "مسلمان" کا لفظ رکھنے کی وجہ سے اس میں ابہام اور اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس جرمِ شنیع کا مرتکب ہوگا اور مرتکب ہونے کے بعد وہ مسلمان کہلانے کا مستحق رہ سکے گا؟ خود دستوری ترمیم ہی نے یہ طے کر دیا ہے کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگا خواہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ چنانچہ ان الفاظ کے ساتھ اس سزا کے اطلاق میں دشواری کا سامنا ہوگا۔ لہٰذا تعزیراتِ پاکستان میں اس مجوزہ ترمیم کو واضح اور غیر مبہم بنانے اور اس کے مقصد

تنفیذ کو آسان بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا آغاز ایک مسلمان (MUSLIM) کی بجائے ایک مدعیٔ اسلام (A PERSON (PREACHER (TO BE A MUSLIM) سے کیا جائے تاکہ کوئی فرد بشر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے ختم نبوت کے مسلّم عقیدہ و مفہوم کے خلاف کسی قول و عمل کا اظہار نہ کر سکے۔

(۲) نیشنل اسمبلی کے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے کچھ مزید قانون سازی بھی بالکل ناگزیر ہے۔ مثال کے طور پر انتخابی قوانین میں ایسی ترمیم ہونی چاہیے جس کے مطابق ووٹروں کے فارم میں نام درج کراتے وقت ہر لاہوری اور ربوی مرزائی پر قانوناً یہ لازم کر دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو غیر مسلموں کے خانے میں مرزائی یا احمدی لکھوائے، اور ان دونوں گروہوں کا اپنے آپ کو مسلم لکھوانا جرم ہوگا جس کی کم سے کم سزا حق رائے دہی سے محرومی ہوگی۔ رجسٹریشن ایکٹ کے تحت شناختی کارڈ بن رہے ہیں ان میں بھی ترمیم ہونی چاہیے جس کی رُو سے شناختی کارڈ میں بھی ایسی تصریح لازم اور غلط بیانی موجب سزا ہوگی۔

(۳) اسی طرح ہر ملازم حکومت پر بھی یہ لازم ہونا چاہیے کہ اگر وہ قادیانیوں کے ان دونو گروہوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا ہے تو وہ اس کی باقاعدہ اطلاع اپنے محکمہ کے توسط سے حکومت کو دے اور جو ایسا نہ کرے یا غلط اطلاع دے تو اسے ملازمت کے لیے نااہل قرار دیا جائے، پاسپورٹ میں بھی اسی قسم کا اندراج اور اس کی خلاف ورزی پر سزا از روئے قانون لازم ہونی چاہیے۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت کے بعض محکموں میں قادیانیوں کی فہرستیں تیار ہو رہی ہیں لیکن ان میں بعض قادیانیوں کا نام درج نہیں ہو رہا یا اندراج ہو جانے کے بعد اسے حذف کرا دیا گیا ہے لیکن اس پر کسی قادیانی کے خلاف کوئی باز پرس یا تادیبی کارروائی نہیں ہو رہی کیونکہ قانون اور قواعد و ضوابط میں ایسی گنجائش موجود نہیں ہے۔

(۴) قادیانیوں نے جس طرح سول اور بالخصوص فوجی ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق پر غاصبانہ اور ناروا قبضہ کر رکھا ہے اس کا تدارک اور تلافی بھی ضروری ہے۔ جس طرح صدارت اور وزارتِ عظمیٰ کے لیے مسلمان ہونا لازمی شرط ہے اسی طرح بعض دوسرے کلیدی مناصب مثلاً آرمی چیف آف دی سٹاف، عدالت ہائے عالیہ کے چیف جسٹس، اسمبلیوں اسپیکر، سفراء، صوبوں کے گورنر، وزرائے اعلیٰ اور پبلک سروس کمیشن کے صدر کے لیے بھی مسلمان ہونا قانوناً لازم قرار دیا جائے۔ اسی طرح بعض حکومتی اور نیم حکومتی اداروں میں داخلے کے لیے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا کوٹہ الگ الگ

مقرر کیا جاتا ہے، وہاں بھی قادیانی امیدواروں کے لیے اپنے مذہب کا اعلان داخلے کے وقت لازم اور خلاف ورزی موجبِ سزا ہونی چاہیئے۔

(۵) قادیانی یہ بات علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ قومی اسمبلی کے فیصلے کے باوجود وہ مسلمان ہیں، وہ اسلام کے نام پر اپنے عقائد کو اسلامی عقائد کہہ کر ملک کے اندر اور باہر برابر ان کی تبلیغ و تلقین کر رہے ہیں، مرزا غلام احمد کو وہ اب تک نبی، مسیح موعود، مہدی معہود، اس کے ماننے والوں کو صحابۂ کرام اور اس کے خلیفہ کو خلیفۃ المسیح کہہ رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں، یہ مسئلہ بڑا سنگین اور حکومت اور عامۃ المسلمین کے لیے صد درجہ غور طلب ہے۔ یہ دستور کی بھی خلاف ورزی ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے باعثِ دل آزاری و اشتعال انگیزی بھی ہے۔ جس گروہ کو قانوناً اور شرعاً دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جا چکا ہو اُسے اسلامی اصطلاحات کرنے اور اسلام کا مُدعی و مبلغ ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اگر یہ لوگ اسی طرح مسلمانوں کے سینے پر مونگ دلتے رہے تو ان کے اور مسلمانوں کے مابین کبھی صلح و آشتی کی فضا قائم نہیں رہ سکے گی اور حکمران ان کی حرکتوں سے کتنا ہی اغماض کیوں نہ برتیں جب تک عام مسلمانوں میں ایمان و اسلام کی رمق بھی باقی ہے وہ ایسی سرگرمیوں کو کبھی بھی برداشت نہیں کریں گے۔

(۶) قادیانیوں کے بالمقابل مسلمانوں نے جس بے مثال اتفاق و اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا ہے اُسے دائمًا قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے، جزوی اختلافات اگر ہوں تو انہیں مناسب حدود کے اندر رکھنا چاہیئے اور ان کے اظہار کا طریقہ علمی اور سنجیدہ ہونا چاہیئے، اختلاف کو مخالفت کا رنگ دینے سے اجتناب کرنا چاہیئے اور ہر اختلاف کو حق و باطل اور کفر و اسلام کا اختلاف نہیں بنا لینا چاہیئے ورنہ اس کا فائدہ قادیانیوں ہی کو پہنچے گا جیسا کہ پہلے پہنچتا رہا ہے۔

(۷) قادیانیوں کی دستوری تکفیر کے بعد ایک ضروری کام کرنے کا یہ بھی ہے کہ قادیانیوں کو حکمت اور موعظۂ حسنہ کے اسلوب و انداز میں قادیانیت سے تائب ہونے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے، جن لوگوں کے ہاتھ میں قادیانیوں کی قیادت و سیادت ہے اور جن کے مفادات ان قائدین سے وابستہ ہیں ممکن ہے کہ وہ اسلام لانے میں تامل و تذبذب سے کام لیں اور پاکستان چھوڑ جانے کو ترجیح دیں، لیکن عام قادیانی جو قصرِ خلافت کے قریب نہیں بلکہ مسلمانوں کی عام آبادیوں میں مقیم ہیں اُن کے سامنے اگر اسلام کی اصل تعلیمات کو صحیح طریق پر پیش کیا جائے اور قادیانیت کے حقیقی خدوخال بھی ان پر اچھی طرح واضح کیے جائیں تو وہ ان شاء اللہ دائرۂ اسلام میں داخل

ہونے میں پس و پیش نہیں کریں گے۔ ان میں بہت سے لوگ ہم نے ایسے دیکھے ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے لڑکوں کی بہت سی تحریروں سے واقف ہی نہیں ہیں اور جب ان کے سامنے پہلی مرتبہ وہ تحریریں آئیں تو وہ حیران و ششدر اور دم بخود ہو کر رہ گئے اور قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔

(۸) اس سلسلے میں حکومت سے ہمارا ایک مطالبہ یہ بھی مسلسل ہونا چاہیئے کہ صمدانی رپورٹ کو من و عن شائع کیا جائے اور جو لوگ اس رپورٹ کی رُو سے مجرم ہیں ان کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے نیز جو مزید سیاسی و انتظامی اقدامات اس رپورٹ کی روشنی میں ناگزیر ہوں ان کو فوراً عمل میں لایا جائے۔ اگر ہماری حکومت اور عوام الناس نے غفلت و تساہل سے کام لیا تو خدشہ ہے کہ اس سازشی گروہ کے ہاتھوں ہمیں مزید زخم نہ کھانے پڑ جائیں۔ لاقدر اللہ۔

والسلام (۶ نومبر ۱۹۷۴ء)

حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی کراچی

مکرم و محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نامہ ملفوفہ مجھے بعد از رمضان مل گیا تھا، آج کارڈ بھی موصول ہوا۔ جواب میں تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ میں علیل ہو گیا تھا اور اب بھی قلب کی تکلیف باقی ہے جس کی وجہ سے بہت سے کام ملتوی کرنے پڑے، آج سے تھوڑا تھوڑا کام شروع کر دیا ہے جوابات درج ذیل ہیں:۔

(۱) قادیانیوں کا کافر ہونا تو مسلّمات میں سے ہے، حکومت تسلیم کرتی یا نہ کرتی اُمّتِ مُسلمہ انہیں کافر ہی سمجھتی، اس اعتبار سے حکومت کے اس رویئے کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، تاہم اسکی خوشی ہے کہ حکومت نے حقیقت کا اعتراف کر لیا اور قادیانی سیاسی اعتبار سے بھی کافر سمجھے جانے لگے، مزید مسرت اس کی یہ ہے کہ اب تقریباً پوری دنیائے اسلام انہیں کافر سمجھنے پر متفق ہو گئی۔ اظہارِ مسرت کے بعد یہ بھی عرض کر دوں کہ میری خوشی محدود ہے، یعنی میں اتنی مسرت محسوس نہیں کرتا جتنی عام طور پر لوگ محسوس کرتے ہیں۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میں صرف اس اقدام کو مسئلہ قادیانیت کا حل نہیں سمجھتا۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ قادیانیت کی وجہ سے جو دینی و دنیاوی نقصانات امتِ مسلمہ کو پہنچ رہے ہیں ان سے حفاظت ہو۔ اس کی شکل یہی ہے کہ سیاسی اعتبار سے ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو کسی غیر مسلم اقلیت کے ساتھ ہونا چاہیئے، انہیں ملازمتوں وغیرہ میں ان کی آبادی کے تناسب سے جگہ دی جائے اور کلیدی عہدوں پر ان کا تقرر نہ کیا جائے، باطل کی اشاعت اور ناواقف مسلمانوں کو

مبتلائے فریب کرنے سے انہیں روکا جائے، ربوہ کو مرکز بنا کر جو انہوں نے سلطنت در سلطنت قائم کر رکھی ہے اس صورتحال کو کلیتہً ختم کیا جائے اور ربوہ کو بھی اسی طرح کا شہر سمجھا جائے جیسے پاکستان کے دوسرے شہر ہیں۔ جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مسئلہ قادیانیت حل ہو گیا ہے؟ اور ہمیں کامل مسرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ مجلس عمل میں شیعوں کو شامل کرنا شدید غلطی تھی جس سے شدید دینی و سیاسی نقصانات پہنچے اور آئندہ بھی پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے، ان نقصانات پر نظر کرنے اور نفع و نقصان کا مقابلہ کرنے کے بعد خوشی کی مقدار اور بھی کم ہو جاتی ہے۔

(۲) قادیانیت کے اثرات پوری دنیا میں پھیل تو نہیں سکے مگر تقریباً ساری دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔ یہ اثرات دو قسم کے ہیں، ایک تو خود کامل قادیانیت، اس کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہے اگرچہ قادیانی اس کی وسعت کا پروپیگنڈہ بہت کرتے ہیں۔ اس کا دوسرا اثر ہے تشکیک اور دین و اہل دین پر بے اعتمادی کا پیدا ہو جانا۔ عقائد خصوصاً عقیدۂ نزول مسیح اور عقیدۂ ختم نبوت میں کمزوری اور ضعف پیدا ہو جانا۔ اس اثر کی طرف ہماری توجہ بہت کم ہے، حالانکہ اس فتنہ کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور پوری دنیا میں شاید ہی کوئی مقام ایسا ہو جہاں یہ فتنہ نہ پہنچا ہو، اسے پھیلانے میں قادیانی اور شیعہ دونوں شریک و سہیم ہیں بلکہ شیعوں کا حصہ قادیانیوں سے زائد ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتوں کی سرپرستی کی وجہ سے فتنۂ قادیانیت کے سیاسی اثرات بھی نمایاں طور پر پھیل چکے ہیں خود ہمارا ملک اس کا ایک نمونہ ہے، افریقہ کی نوزائیدہ حکومتوں میں بھی ان کا خاص اثر ہے۔

(۳) جب تک فتنہ موجود ہے اس وقت تک ذمہ داری کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ بلکہ اب تو اور زیادہ ہوشیاری اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے کہیں عامۃ المسلمین اپنی ذمہ داری ختم سمجھ کر غافل نہ ہو جائیں اور اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر قادیانی نئی نسل میں گمراہی نہ پھیلا دیں۔ قادیانی اقلیت کو تحفظ ضرور حاصل ہونا چاہیئے، ان کی جان و آبرو اور ان کا مال بالکل محفوظ رہنا چاہیئے مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ مسلمانوں میں گمراہی پھیلانے کی آزادی یا اپنے جائز حقوق سے تجاوز کی اجازت دیدی جائے۔

(۴) جب تک یہ فتنہ دنیا میں موجود ہے اس وقت تک اس کا مقابلہ کرنا اور اس کے اثرات کو مٹانے کی کوشش جاری رکھنا لازم ہے۔

(۵) **طریق کار** ظاہر ہے کہ خود انہیں دین حق کی دعوت دی جائے، مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ کر کے اس کے اثرات سے بچانے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے ردِ قادیانیت اور استحکام

عقائد اہل سنت پر مناسب لٹریچر کے ساتھ مجالس وعظ و تذکیر کا انتظام بھی ہونا چاہیئے۔ بہت اہم، مؤثر اور ضروری چیز یہ ہے کہ عوام میں ایسے افراد تیار کیے جائیں جو ان میں گھل مل کر قادیانیت کا بطلان اور اسلام کی حقانیت ان کے ذہن نشین کر سکیں۔ یہی لوگ لٹریچر کے لیے بھی میدان پیدا کریں گے اور وعظ و تذکیر کے لیے بھی فضا تیار کریں گے، یہ وہ طریقہ کار ہے جس کی طرف عام طور پر ہمارے راہنما متوجہ نہیں ہیں، مزید یہ کہ ہمارا لٹریچر داعیانہ ہونا چاہیئے جس میں قوتِ استدلال کے ساتھ ساتھ دعوتی نفسیات سے بھی کام لیا جائے۔ والسلام (۱۰ر شوال ۱۳۹۴ھ)

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب
صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور

الحمد لله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده والصلوٰة والسلام على من لا نبي بعده۔ اما بعد!

محترمی و مکرمی زید مجدکم و بہادکم فی سبیل اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

قادیانی مسئلہ کے موجودہ حل کے بارے میں چند استفسارات پر مشتمل نامۂ سامی باعثِ سعادت و میمنت ہوا، گو فقیر اس کا اہل نہیں لیکن حضور انور فخر الانبیاء خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تاجِ ختمِ نبوت اور ناموسِ رسالت کے بارے میں چند الفاظ نجات و سعادت کا ذریعہ بن سکیں تو زہے قسمت:۔

(۱) ختمِ نبوت ایک مسلّمہ اور متفقہ عقیدہ ہے کہ توحید کے بعد اسلام کی بنیاد ہی اس عقیدہ کی بے غل و غش واضح تعبیر پر مبنی ہے، حضورِ انور (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کمالات و مزایا کسی نہ کسی صورت میں "ختمِ نبوت" ہی کا ثمرہ ہیں۔ آپ کی رحمۃ للعالمین شان "عمومی بعثت" دائمی رسالت، آپ کی امت کی بعثت و خیر الامم ہونا، قرآنی احکام کے دوام وغیرہ سب "ختمِ نبوت" ہی کے نتائج و مظاہر ہیں، امتِ مسلمہ کا شیرازہ ختمِ نبوت کی رسی سے بندھا ہوا ہے۔ اُمتیں "نبی" سے بنتی ہیں، اور بلا فائدہ جاوداتی امت ختمِ نبوت ہی کی برکت سے زندہ، قائم اور استوار ہے۔ اس لیے ہر دور و ہر زمانے میں امت کے ہر طبقہ اور ہر مکتبۂ فکر نے اس عقیدہ کو اسلام کی روح و جان سمجھا اور ناموسِ ختمِ نبوت کے لیے اپنا سب کچھ نثار کرنے میں اپنی فوز و کامرانی جانی، اور اگر کسی روسیاہ و بدبخت نے حریمِ نبوت میں قدم رکھنے کی جسارت کی تو اسے فوراً ختم کر کے رکھ دیا گیا، اور اُمت نے کسی بھی دور میں ختمِ نبوت سے بغاوت اور اس ابلیسی سازش کو برداشت نہیں کیا۔ چنانچہ ہم سب کے آقا و مولیٰ سیدِ دو عالم حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے سے پیشتر ہی جب چند طالع آزماؤں نے مسیلمہ کذاب

اسود عنسی کی صورت میں اپنے خبثِ باطن کا اظہار کیا تو دریائے نبوت نے ان کے انجام کی جز ایک پھونک سے ختم ہونے ہوئے ارشاد فرمادی۔

دورِ صدیقیؓ میں امت اور صحابہؓ کا پہلا اجماع اور عملی اقدام ان متنبئین سے قتال پر تھا۔ اسی طرح جس دور میں بھی کسی کو یہ منحوس خبط سوار ہوا اُمت نے اسے ختم کر کے رکھ دیا۔ یہ اس دور کی کم نصیبی، ہماری شامتِ اعمال، انگریزی استعمار و سیاست کا انتہائی دجل و فریب تھا کہ مسیلمہ پنجاب آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی اُمت کو اسلامی معاشرے میں پنپنے اور باقی رہنے کی اتنی طویل مدت میسر آگئی۔ اُمت میں ابلیس کے مبعوثہ متنبئین میں جس طرح انگریزی استعمار کا یہ خود کاشتہ پودا پیدا ہوا اور پروان چڑھا اور اپنے لٹریچر و دعوت کو پھیلاتا رہا وہ تاریخ اسلامی کا ایک اندوہناک باب ہے۔ گو مرزا قادیانی کی مشئومہ نبوت کے دعویٰ کے پہلے دن ہی سے امت کے خواص و عوام اس "شجرۂ خبیثہ" کے مہلک اثرات کو بھانپ گئے تھے اور اس کے دفاع و قلع قمع کی کوشش شروع ہو گئی تھی لیکن مرزا قادیانی اور اس کی اُمت نے انگریز و استعماری طاقتوں کے زیرِ سایہ اور ان کے ایجنٹ کی حیثیت سے ملتِ اسلامیہ کے لیے ناسور اور آکاش بیل (PERASITE) کی صورت اختیار کر لی۔ بر کوچک سے انگریز کے اخراج کے بعد ہمارے بعض راہنماؤں کی کم حوصلگی اور کوتاہ بینی نے پاکستان میں ان کے لیے ایسے مواقع فراہم کر دیئے تھے کہ قادیانیت جو ایک انتہائی قلیل و حقیر اقلیت ہے ہر سپید و سیاہ کی مالک بنی جا رہی تھی اور اپنے کفر کا اعلان کھلم کھلا کرنے لگی تھی کہ یکا یک غیرتِ حق جوش میں آئی اور ربوہ ریلوے اسٹیشن کا سانحہ پیش آگیا۔ جو حقیقت میں قادیانی سیاست و سازش کا نہایت ہی سنگین و اچھوتا اقدام تھا جو اکثریت کے جذبات و حالات معلوم کرنے کے لیے FEELKR کی حیثیت سے آزمایا گیا تھا لیکن "چاہ کن را چاہ در پیش" وہی ان کی سکرات کا سبب بنا۔ فقیر سوات میں (۲۸ مئی سے یکم جون ۱۹۷۴ء تک) حضرت الاستاذ علامہ سید محمد یوسف البنوری مدظلہ العالی کا ہمسفر تھا، غالباً ۳۰ مئی تھی کہ ہم منگورہ میں کار سے گذر رہے تھے کہ بندہ نے اخبار خریدا جس میں ربوہ کے خونچکاں سانحہ اور نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلبائے پر قادیانیوں کے حملہ کا ذکر تھا۔ بندہ نے علامہ بنوری مدظلہٗ کو خبر پڑھ کر سنائی، حضرت موصوف گہری سوچ و فکر میں پڑ گئے، ردِ عمل پوچھا تو کچھ توقف کے بعد فرمایا ؏

"عدو شرے برانگیزد کہ خیرِ ما در آن باشد

ہم متحد نہیں ہو رہے تھے ممکن ہے کہ یہ واقعہ ہمیں (مسلمانوں کو) متفق کر دے اور اس فتنہ کا سدباب ہو سکے۔"

سچ ہے ؏ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ۳ ماہ ۱۰ دن کے بعد رحمتِ حق متوجہ ہوئی اور میرے قدیر رب کی قدرت نے اندرونی اور بیرونی قوتوں، قادیانیوں کے یقین اور پیشینگوئیوں کے علی الرغم اپنے محبوب اور پیارے رسول خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے لازوال تاج پر دشمنوں کی گرد اڑانے کی نامسعود کوششوں کو ناکام بنا دیا، اور مسلمانوں کی متحدہ کوششوں اور قربانیوں کو شرفِ قبولیت سے نوازکر پاکستان کی قومی اسمبلی کو توفیق بخشی کہ وہ ایک مسلّمہ سچائی اور حقیقتِ ثابتہ کو قانون کی صورت دے کر عند اللہ و عند الناس سرخرو ہو۔

مبارک ہیں وہ حضرات جنہوں نے یہ قرار داد پیش کی اور خوش بخت ہیں وہ ممبرانِ اسمبلی جنہوں نے اسے من وعن قبول کر کے اسے قانون کی صورت بخشی، قابلِ ستائش و صد آفرین ہیں وہ جملہ افراد و طبقات جنہوں نے اسمبلی سے باہر ہر قسم کی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کر کے اس مسئلہ سے انکار کی گنجائش کو ختم کر دیا، اللہ تعالیٰ بیشمار اور لا متناہی رحمتیں بھیجے اُن شہداء کی روحوں پر جنہوں نے ناموسِ رسالت کے تحفظ میں حیاتِ جاودانی پائی، اور باری تعالیٰ اُن جملہ علماء و مشائخ اور مجاہدین کی قبروں کو اپنے نور سے منوّر کرے جو قادیانی فتنہ کی ابتداء سے اس لعنت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بحمداللہ تعالیٰ اگر قادیانی مسئلہ کے اس قومی حل پر اس کے مضمرات و مقتضیات کی روشنی میں دیانتداری و اخلاص سے عمل کیا جائے اور اس کو عملاً روبکار لایا جائے تو یہ حل مسلمانوں کی توقعات کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن یہ حل ہنوز ایک آئینی فیصلہ و تدبیر ہے، قانون کتنا ہی اچھا اور درست کیوں نہ ہو جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے اُس کے ثمرات سے متمتع نہیں ہوا جا سکتا، اس لیے ضرورت ہے کہ موجودہ فیصلہ کو الفاظ و معنی اور اس کی آئینی روح کے مطابق عملی جامہ پہنایا جائے، اور اس ضمن میں حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ کم از کم مندرجہ ذیل باتوں پر فوری عملدرآمد کیا جائے:۔

(۱) پاکستان کی نظریاتی مسلم مملکت کے جملہ اہم عہدوں سے قادیانیوں کو فوراً برطرف کیا جائے۔

(۲) عام سرکاری ملازمتوں ان کا کوٹہ ان کی آبادی کے مطابق مقرر کیا جائے اور گذشتہ ۲۷ سالوں میں انہوں نے جس قدر ملازمتوں پر اپنے حصہ رسدی سے زیادہ مسلمانوں کے حق پر قبضہ کر رکھا ہے جب تک ان کے حصہ رسدی کے مطابق نہیں ہو جاتا اس وقت تک مزید بھرتی روک دی جائے۔

(۳) ربوہ کی مستقل حیثیت کو ختم کر کے اسے کھلا شہر عملاً بنا دیا جائے اور وہاں عام مسلمانوں کو آباد کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

(۴) فرقان رجمنٹ اور قادیانیوں کی دیگر فوجی و نیم فوجی تنظیموں کو فوراً ختم کیا جائے۔

(۵) ان کے لٹریچر کی جملہ کتابوں، رسائل اور عبارات کو ضبط کیا جائے اور ان کی اشاعت پر پابندی لگائی جائے جن میں انبیاء علیہم السلام اور شعائرِ اسلام کی ہتک کی گئی ہے یا قرآن کے الفاظ و معنی میں تحریف یا ختمِ نبوّت کی من مانی تشریح کی گئی ہو۔

(۶) نیشنل اسمبلی کی قادیانی مسئلہ پر کارروائی کو منضبط کر کے شائع کیا جائے خصوصاً اسمبلی کی قرارداد[۲] کا ضمیمہ "ملّتِ اسلامیہ کا مؤقف" کتاب کو سرکاری طور پر عربی، انگریزی اور اردو میں شائع کر کے منیر رپورٹ کی طرح تمام دنیا میں پھیلایا جائے اور سفارتخانوں میں ان کی نقول بھیجی جائیں تاکہ فیصلہ کی حقانیت عالم پر ظاہر ہو۔

(۷) قادیانیوں کا اندراج مردم شماری، شناختی کارڈوں، پاسپورٹوں، ملازمت اور دیگر جملہ سرکاری کاغذات میں جہاں مذہب کا خانہ ہو، غیر مسلم کی حیثیت سے کیا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں وہ غلط بیانی سے کام لیں اور بعد از تحقیق اس کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو اسے قابلِ سزا جرم قرار دیا جائے جو پاسپورٹ کی دائمی ضبطی اور ملازمت سے اخراج وغیرہ کی صورت میں ہو۔

(۸) قادیانیوں کو مسلمانوں کی مسلّمہ شرعی اور دینی اصطلاحات کے استعمال کرنے سے روک دیا جائے، ان کی عبادت گاہوں کو مسجد کی بجائے قادیانی معبد یا کسی اور نام سے پکارا جائے، اسی طرح ان کے ذبیحہ اور شادی بیاہ وغیرہ اور جملہ اسلامی احکام جو کفار کے بارے میں ہیں ان پر نافذ کیے جائیں۔ ذمیوں کی حیثیت سے اگر وہ اپنے کو غیر مسلم اور وفادار شہری کے طور پر رہنا چاہیں تو ان کے ان حقوق کی حفاظت کی جائے جو شریعتِ اسلامیہ میں ذمیوں اور غیر مسلموں کے لیے طے کیے گئے ہیں، اور اگر وہ اس حیثیت سے انکار کریں اور اپنے کو پہلے کی طرح مسلمان سمجھ کر مراعات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں تو ان کا اقتصادی اور معاشرتی مقاطعہ کیا جائے۔

(۹) دنیا میں باطل عموماً ملک و مال کے سایہ میں یا زن، زر، زمین کے لالچ میں پھیلتا ہے یا غلط فہمی اور دجل و فریب سے سادہ لوح اشخاص کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا لیتا ہے۔ "قادیانیت" بھی دجل و فریب کا مرقع، تحریف و تلبیس اور ابلہ فریبی اور دسیسہ کاری کا پلندہ ہے جو انگریزی استعمار اور دنیاوی حرص و آز میں پیدا ہوئی اور پھلی پھولی۔ ظاہر ہے کہ بہت سے دنیا پرست یا سادہ لوح دنیاوی محبت یا تحریف کے دھوکہ میں آ کر اس لعنت کا شکار ہو گئے ہوں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری جگر سوزی اور توجہ سے ان لوگوں کو دینِ خالص اور اصل اسلام کی دعوت دی جائے اور پھر سے ان کو خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل کیا جائے تاکہ وہ اپنی گذشتہ

غلط زندگی سے تائب ہو کر تلافی مافات کر سکیں۔ اندرون ملک کے علاوہ غیر ممالک خصوصاً افریقہ و یورپ اور امریکہ کے ممالک میں جو سادہ لوح لوگ "قادیانیت" کو اسلام سمجھ کر گمراہ ہوئے ہیں انہیں صحیح اسلام سے روشناس کرانا اور اس فریب اور مغالطہ سے انہیں بچانا ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے اس سلسلے میں وفود، لٹریچر، حکومتی اور عام سطح پر جملہ تدابیر کو بروئے کار لایا جائے۔ اس بارے میں سفارتخانوں سے قادیانی عملہ کی تبدیلی ایک خوش آئند عمل ہو گا۔

خیر یہ تو سادہ لوح، گم کردہ راہ قادیانیوں کی بات ہے لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ہٹ دھرم اور اپنے غلط عقائد پر رہتے ہوئے اپنے کو "مسلمان" سمجھنے اور سمجھانے پر مُصر ہے، اس نے قومی اسمبلی کے فیصلہ کو دل سے قبول نہیں کیا، وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح موقع کی تاک میں ہے اور ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے پاکستان خصوصاً اور مسلمان عموماً امن میں نہیں ہیں، ملّت کو ان سے وہی خطرات ہیں جو کسی زمانے میں حسن ابن صباح اور باطنیوں سے مسلمانوں کو تھے۔ گو اسمبلی اور مسلمانوں کے اس متفقہ فیصلہ پر مرزا ناصر احمد اور اس کی اُمت منقار زیر پر ہے، اور ۴ ار اکتوبر کے خطبۂ جمعہ میں مرزا ناصر نے کہہ دیا ہے کہ "قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کے فیصلہ پر جنوری یا فروری سے پہلے کوئی تبصرہ نہیں کروں گا"[1] نہ معلوم مرزا صاحب کس بات کا انتظار کر رہے ہیں، تاہم مرزا صاحب اور ان کی امت کی ذہنیت مرزا ناصر کے اس خطبۂ جمعہ سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے جو آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پر کرتے ہوئے انہوں نے (نام نہاد) مسجد اقصیٰ ربوہ[2] میں دیا تھا۔ قادیانی ذہنیت کی عکاسی کے لیے اس پمفلٹ کے بعض اہم و چیدہ اقتباسات کو نقل کرتا ہوں۔ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا ناصر احمد صاحب کہتے ہیں :۔

(۱) یعنی یہ کوئی ایسا بل پاس نہیں ہوا کہ اقلیت قرار دیا جاتا ہے، بلکہ یہ ایک سفارش ہے جو آزاد کشمیر کی حکومت سے کی گئی ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے اور ان کی مذہبی تبلیغ پر پابندی لگائی جائے اور احمدی غیر مسلم اقلیت کی صورت میں نام رجسٹرڈ کروائیں۔ چنانچہ میں نے آزاد کشمیر سے بعض ذمہ دار آدمیوں کو بلایا۔ اس وقت صحیح صورتحال سامنے

---

[1] نوائے وقت راولپنڈی ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۴ء [2] یہ خطبہ الفضل ۱۳ مئی ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا، پھر نظارتِ اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ نے "آزاد کشمیر اسمبلی کی ایک قرارداد پر تبصرہ از حضرت امام جماعتِ احمدیہ" کے عنوان سے علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔

نہیں آئی تھی، اگلے دن وہ میرے پاس پہنچ گئے۔ میں نے کہا دیکھیں ایک بات میں آپ کو بنیادی ہدایت کے طور پر ابھی کہہ دیتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ قرارداد قانون کی صورت میں منظور بھی ہو جائے تو قانون یہ کہتا ہے کہ ہر وہ احمدی جو خود کو غیر مسلم سمجھتا ہے وہ اپنا نام رجسٹرڈ کروائے، ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ ہر احمدی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور خدائے علیم وخبیر کی نگاہ میں بھی مسلمان ہے اس لیے یہ قانون لاگو نہیں ہوتا۔ ایک آدمی جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے وہ غیر مسلم کی حیثیت میں نام کیسے رجسٹرڈ کروائے گا، اگر وہ ایسا کرے گا تو گویا وہ جھوٹ بول رہا ہوگا اور اسلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی۔" (پمفلٹ مذکورہ ص۳)

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی ذہنیت باوجود اپنے صریح کفر اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلی بغاوت کے اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور کہلائے جانے پر باوجود قانون کے مُصر رہے گی۔

(۲) آگے چل کر دھمکی کے انداز میں ارشاد ہوتا ہے:-

"پس اگر نو یا بارہ آدمیوں نے اس قسم کی قرارداد پاس کر دی تو خدا کی قائم کردہ جماعت پر اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے، اس کے نتیجہ میں جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ یہ نہیں کہ جماعتِ احمدیہ غیر مسلم بن جائے گی، جس جماعت کو اللہ تعالیٰ مسلمان کہے اُسے کوئی ناسمجھ انسان غیر مسلم قرار دے تو کیا فرق پڑتا ہے، اس لیے اس کا فکر نہیں، ہمیں فکر ہے تو اس بات کا کہ اگر یہ خرابی خدانخواستہ انتہاء تک پہنچ گئی تو اس قسم کے فتنہ فساد کے نتیجہ میں پاکستان قائم نہیں رہے گا۔ اس لیے ہماری دعائیں ہیں، ہماری اور ہمارے اندر حُبُ الوطنی کا یہ جذبہ موجزن کہ کسی قسم کا کوئی بھی فتنہ نہ اٹھے کہ جس سے خود پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ آخر فتنہ فساد یہی ہے نا کہ کچھ سر کٹیں گے، کچھ زخمی ہوں گے، کون ہوں گے اور کیا ہوگا، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔" (ص۴، ۵)

مندرجہ بالا عبارت میں خصوصاً خط کشیدہ عبارات کے بین السطور میں جس قسم کی دھمکیاں عیاں ہیں وہ ہر سچے پاکستانی کے لیے لمحۂ فکریہ اور قادیانی سازشی ذہن کی عکاس ہیں جس سے ہر وقت چوکنا رہنا ضروری ہے، بلکہ آگے چل کر اس سے بھی واضح الفاظ میں تعلیل اور مقابلہ کی دعوت ہے — چنانچہ مرزا صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں:-

(۳) "لیکن جہاں تک جماعتِ احمدیہ کا تعلق ہے تم گیدڑ اپنی کھوہ سے باہر نکل آئے ہو

اور سمجھتے ہو کہ تمہارے چیخنے چلّانے سے جماعتِ احمدیہ کے افراد ڈر جائیں گے، نہیں ہرگز نہیں ڈریں گے۔" (ص۱۰)

(۴) ..... "آج ان لوگوں کو جو ۱۹۵۳ء کی آڑ میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے منصوبے بنارہے ہیں عاجزانہ طور پر سمجھاتے کی کوشش کرتا ہوں کہ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، جماعتِ احمدیہ کے وہ لاکھوں بالغ افراد جو پاکستان کے باشندے ہیں اُن کو خدا کی راہ میں موت سے ایسا ہی پیار ہے جیسا کہ ایک عاشق اپنے معشوق پر مستانہ وار قربان ہونے کو تیار کھڑا ہوتا ہے..... پس جہاں ہمیں پیار سے لوگوں کے دل جیتنے کا حکم ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا۔ (الحج ۴۰)۔ (ص۱۱)

(۵) ..... " جو خدا کا ہے اُسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

تم لومڑی کا لبادہ اوڑھ کر اور گیدڑ کا لباس پہن کر نکلتے ہو اور چیختے اور چنگھاڑتے ہو کہ ہم مرعوب ہو جائیں گے۔ ہمیں تو خدا تعالیٰ نے شیر کی جرأت سے بڑھ کر جرأت عطا فرمائی ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے شیر کے رعب سے زیادہ رعب عطا فرمایا ہے، شیر کی دھاڑ سے میلوں تک بزدل جانور کانپ اٹھتے ہیں، ہمیں تو یہ وعدہ دیا گیا۔ نُصرت بالرّعب میسر شہر۔" (ص۱۳)

(۶) ..... "ہم تو ساری دنیا سے نہیں ڈرتے، جب انگریز سمجھتا تھا کہ اس کی دولتِ مشترکہ پر سورج غروب نہیں ہوتا، اُس وقت اس نے احرار کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا (چہ دلاور است دزدے۔ ناقل) اُس وقت بھی ہم نہیں ڈرے نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا، اب جب کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے حالات بدل گئے ہیں اور احمدیت پر سورج غروب نہیں ہوتا، ہم نے خدا تعالیٰ کے عظیم الشان نشان دیکھ لیے، اب ہم اللہ کے سوا کسی اور سے بھلا کیوں ڈریں گے؟ ..... ہم انوار میں رہنے والے ظلمات میں چیخنے والے گیدڑوں (یعنی مسلمانوں۔ اشرف) سے بھلا کیسے ڈر سکتے ہیں"؟ (ص۱۳)

(۷) ..... "جماعتِ احمدیہ کو قربانیاں دینی پڑیں گی، بعض افراد کو شاید جان کی قربانی دینی پڑے، بعض کو مال کی قربانی دینی پڑے، یہ تو ضرور ہو گا، لیکن جس مقصد کیلئے جماعت کو پیدا کیا گیا ہے، اس مقصد میں انشاء اللہ ناکامی نہیں ہو گی۔" (ص ـــ)

مرزا ناصر احمد صاحب کی یہ پیشینگوئیاں مرزا غلام احمد صاحب کی محمدی بیگم کی پیشینگوئی کی طرح پوری ہوتی ہیں یا نہیں لیکن ان تحریروں سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا ناصر صاحب کھلے بندوں "ھل من بارز" اور جنگ اور مقابلہ کی دعوت دے رہے ہیں، انہیں یہ ہرگز گوارا اور منظور نہیں کہ ان کے کفر کو کفر کہا جائے اور ان کے اسلام سے اخراج و بغاوت کا کھلے بندوں اظہار کیا جائے اور جن دنیاوی مصلحتوں، طالع آزما مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں، سازشوں اور غیر ملکی استعمار کا ایجنٹ بننے کیلئے انہوں نے منافقین کی طرح نام نہاد اسلام اور مسلمانی کا جامہ اوڑھ رکھا ہے اُس کی پردہ دری کی جائے اور ان کی جو اصل حقیقت ہے اس کو دنیا پر آشکارا کیا جائے۔ غرض مرزا ناصر احمد اور اس کی ملت کبھی بھی خوش دلی سے قومی اسمبلی کے فیصلہ کو نہیں مانے گی۔ ان سے خطرات کھلے اور واضح ہیں، یہاں تک کہ پاکستان کی سالمیت کے بارے میں بھی وہ دھمکیاں اور گیدڑ بھبکیاں دے رہے ہیں، اس لیے عام مسلمانوں اور حکومت کو پہلے سے زیادہ ان کی نگرانی اور ان کی نقل و حرکت کی نگہداشت کرنی چاہیئے، مبادا کہ وہ سرگودھا جیسے حالات پیدا کر کے پورے ملک کو آگ و خون میں نہ جھونک دیں۔

مندرجہ بالا سرسری گذارشات سے یہ بات ظاہر ہے کہ گو قومی اسمبلی کا فیصلہ ایک عمدہ اور اچھا عمل ہے لیکن ابھی یہ پہلا قدم ہے، ابھی ملتِ مسلمہ کو بے فکر ہو کر قادیانی فتنہ سے غافل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ملک و بیرون ملک دعوتی، دینی، سیاسی و معاشرتی غرض ہر میدان میں پورے حزم و احتیاط، ہوش و ضبط سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ حتیٰ لا تکون فتنة و یکون الدین کلہ للہ۔ کا امرِ الٰہی ظاہراً و باطناً پورا ہو جائے اور انگریزی استعمار کا یہ خود کاشتہ پودا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔

آخر میں مجلس تحفظِ ختمِ نبوت اور اس کے امیر مخدومی الاستاذ علامہ سید محمد یوسف بنوری مدظلہ، اور مجلس کے دوسرے راہنماؤں اور ان جملہ جماعتوں کو جنہوں نے اس دینی فریضہ اور فخر موجودات سید الکائنات خاتم النبیین حبیبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا، مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کا نظم و ضبط، اتحاد، صبر و ہوش اور فراست و ہمت اس فیصلہ پر پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ ہمارے لیے ۲۲ جماعتوں کا اتحاد ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ و فیض ہے۔ دشمن کھلے اور چھپے حربے استعمال کر کے اس اتحاد میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ کاش! تمام فروعی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم اسی طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد رہ سکیں تاکہ اس جہد و جہاد کے جملہ مقاصد پورے اور اس کے ثمرات ظاہر ہو سکیں بلکہ مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کا کام اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

"خاتم الشرائع" کا امن وعن نفاذ و اجراء پورے ملک بلکہ تمام دنیا میں نہیں کرا لیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں اور عام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ کر اتحاد و تنظیم وضبط، یقین و ہوش سے اپنی جملہ ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں اور حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے فیض سے پورے عالم کو بقعہ نور بنا سکیں۔ آمین

مولانا قاضی عبد الکریم صاحب مہتمم نجم المدارس کلاچی	مکرم ومحترم وفقکم اللہ تعالیٰ لما یحبہ و یرضاہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سوالنامہ اور پھر مکرر یاد دہانی موجب ممنونیت ہے۔ جواباً گذارش ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں اسلام کے بعد کسی چیز سے بھی شاید اتنی خوشی نہ ہوئی ہوتی ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے ایمانی، روحانی اور تاریخی فیصلہ کے اس اعلان سے ہوئی۔ فما فرحت بشیء بعد الاسلام فرحی بھذا الاعلان، اس لیے کہ:۔

(الف) اس میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی اور ارتداد و مرزائیت کی ذلیل ترین شکست تھی۔

(ب) اس لیے کہ پاکستان کی تاریخ میں کسی ایمانی اور اسلامی مطالبہ میں ایسی صریح اور واضح کامیابی کی مثال موجود نہیں تھی۔

(ج) ماحول کو دیکھتے ہوئے اور خود اپنی اور قوم کے ما ظہر منہا وما بطن معاصی، مظالم اور آثام کی تاریکیوں میں کبھی اپنے گناہ بھرے کانوں کو اور نہ ہی معاصی آلود آنکھوں کو اس قابل سمجھا کہ وہ عزت دین کی ایسی سامع نواز خبر سن سکیں گے یا اعزاز اسلام کا ایسا پر لطف منظر دیکھ سکیں گے۔ سبحان الحی الکریم۔

(د) اور خاص طور پر اس لیے کہ اگر فیصلہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اس کے برعکس ہوتا تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں دین سے ناواقف لکھے پڑھے پاکستانیوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا، وہ قادیانیوں اور لاہوریوں کے کفر وارتداد میں متردد ہوتے اور دنیوی مفاد حاصل کرنے یا دنیوی نقصانات سے بچنے کی خاطر حکومت کی ہاں میں ہاں ملا دیتے اور دنیا بھر کے علماء وفضلاء کے اجماع کے خلاف مرزائیوں کو مسلمان کہنے کی ناروا جسارت کرتے اور اپنا ایمان کھو بیٹھتے، الحمد للہ ثم الحمد للہ اس فیصلہ سے سب کے ایمان بچ گئے۔

اللہ والوں کے روحانی تصرفات، مجاہد اور باریک بین علماء کی شب وروز کی تگ ودو اور مخلص مسلمانوں کی پرسوز آہوں اور مخلصانہ دعاؤں سے الحمد للہ کہ عام رجحان کے علی الرغم کایا

پلٹ گئی اور یکدم پلٹ گئی اور غیر متوقع طور پر مسلمانوں کی مدتوں کی آرزو پوری ہو گئی ؎

شکر اللہ ہر آں چیز کہ خاطر می خواست　　آخر آمد و پس از پردۂ تقدیر پدید

و نعوذ باللہ من الحور بعد الکور ؎

الٰہی چوں عزیزم کردی امروز　　مکن فردا بہ پیش خلق خوارم

دوسرا سوال: آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری اس فیصلہ پر ختم ہو گئی ہے یا اس فتنہ کے مہلک اثرات کا تعاقب اور احتساب جاری رکھنا ہوگا؟

جواباً عرض ہے کہ یہ فیصلہ تو قبولِ اسلام کا اعلان ہے، اس پر اگر استقامت نہ ہوئی اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کیا گیا بلکہ اس میں تاخیر ہوئی تو اس کا حشر بھی وہی ہو گا جو پاکستان بنا دینے کے بعد نظریۂ پاکستان سے تغافل کا ہوا کہ خود پاکستان کو دھکا لگا اور اسے دو نیم ہونا پڑا، یہاں اس غلطی کا اعادہ کیا گیا تو یہ فیصلہ بھی مسلمانوں کے حق میں مفید ہونے کی بجائے معاذ اللہ اُلٹا ارتداد کے لیے زیرِ زمین راہ ہموار کرنے کا باعث بنے گا۔ لا قدرھا اللہ۔

اس سلسلہ میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں:۔

تجویز ۱۔ فیصلہ کے تقاضوں کو بروئے کار لایا جائے | میری مراد اس فیصلہ کے تقاضوں سے یہ ہے کہ اب فوری طور سے حکومتی سطح پر:۔

(۱) ان نامسلموں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹایا جائے۔

(۲) ان کے اوقاف حکومت کے قبضے میں لے لیے جائیں۔

(۳) ان کے اسلامی نام انجمن حمایتِ اسلام وغیرہ قانوناً ممنوع قرار دیئے جائیں۔ ایک غیر مسلم کا اسلام کی حمایت کے نام سے کام کرنا پرلے درجہ کا دجل نہیں تو اور کیا ہے؟

(۴) اسلامی شعائر از قسم اذان، مسجد وغیرہ کا استعمال یہ غیر مسلم ہرگز نہ کر سکیں۔

(۵) اور ان کی نیم فوجی تنظیمیں بلا کسی تاخیر کے قانوناً ممنوع قرار دی جائیں۔

ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مسلمانوں کا وہی اتحاد برقرار رہنا از حد ضروری ہے۔ جو ۲۹ مئی تا ۷ ستمبر رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کی تقطیع کا کام شروع ہو چکا ہے، شیعہ نصاب الگ کرنے کے لیے شیعہ ایجی ٹیشن کی دھمکیاں اسی کا پہلا زینہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نہ معلوم زیرِ زمین کیا کیا ہو رہا ہو گا، ۱۹۵۳ء کے بعد دیوبندی بریلوی اتحاد کو کس طرح پارہ پارہ کر کے قوم کو لڑایا گیا۔

تجویز ۲ مجلسِ عمل کے اجتماعات مسلسل ہوتے رہیں | میرے نزدیک اس کے لیے مجلسِ عمل کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر مسلسل اس کے اجتماعات ہوتے رہیں اور اکابرینِ مجلسِ عمل اپنی روحانی توجہات اور تصرفات میں کمی نہ آنے دیں اس کے بغیر جذباتی قوم میں اس اتحاد کو برقرار رکھنا ناممکن ہے ۔ والامر بید اللہ تعالیٰ ۔

تجویز ۳ پاکستان کی خارجہ پالیسی آزاد ہو | ان تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے باوجود بھی ان مرتدین کے سیاسی ناخدا ان کی پشت پناہی کرتے رہیں گے اور انہیں پاکستان اور پورے عالمِ اسلام کو خراب کرنے کے لیے استعمال کرتے رہیں گے، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان اور پورے عالمِ اسلام کی خارجہ پالیسی آزاد ہو اور حقیقتاً آزاد ہو۔ کیا آج اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ جو ممالک بھی مغربی ممالک کے تسلط سے آزاد ہیں، جو سلطنتیں امریکی بلاک کے زیرِ دست نہیں ہیں کیا ان میں بھی مرزائیت کوئی مسئلہ ہے؟ آزاد خارجہ پالیسی اپنانے سے ملک اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگا اور یہ فتنہ اپنی موت آپ مر جائے گا ۔

تجویز ۴ تبلیغی طور پر | مرزائے قادیانی کی ننگِ انسانیت زندگی کو خاص طور پر تعلیم یافتہ طبقہ میں ننگا کیا جائے ۔

تجویز ۵ | عربی مدارس میں اور نہیں تو بلا کسی تاخیر کے القادیانی والقادیانیۃ قسم کی کتابوں کو داخلِ نصاب کیا جائے، کم از کم وفاق المدارس کے امتحان میں اس کا امتحان لازمی ہو، تقابلِ ادیان کے نام سے وفاق کے امتحان میں ایک پرچہ کا اضافہ ہو، اور جب تک کوئی مستقل کتاب اس عنوان پر شائع ہو کر شریکِ نصاب نہیں کر لی جاتی جس میں مرزائیت، سبائیت، اباحیت اور اسلام کے معاشی، اقتصادی اور سیاسی نظام کے منہ آنے والے نظاموں کی اصطلاحات کو منقح کیا گیا ہو، ان کے دلائل بیان کر کے عقل و نقل سے ان کے تار و پود نہ بکھیرے گئے ہوں، اُس وقت تک صرف اسی کتاب (القادیانی والقادیانیۃ) کے امتحان پر اکتفا رہو۔ اصحابِ خیر سے اپیل کی جائے کہ اس کتاب کے حسبِ ضرورت نسخے وفاق المدارس سے منسلک درجہ علیا کے مدارس کو مفت مہیا کریں اور مدارس کے اربابِ اہتمام سے اپیل کریں کہ طلباء دورۂ حدیث شریف کو یہ کتاب یا اس کا خلاصہ پڑھا دیا جائے ۔

اس طرح تحفظِ ختمِ نبوت اور تحفظِ اسلام و آئین و نظامہائے اسلام کا کام پورے ملک میں پھیل کر حفاظتِ عقائدِ حقہ کا ذریعہ بنے گا اور وقتی نہیں ان شاء اللہ صدقۂ جاریہ اور دائمی ہوگا ۔ والامر بید اللہ ۔

(۱۸ رشوال ۱۳۹۴ھ)

حضرت مولانا امین احسن اصلاحی
ایڈیٹر ماہنامہ "میثاق" لاہور

مکرمی زاد لطفہ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
افسوس ہے کہ آپ کا سوالنامہ مجھے بڑی تاخیر سے موصول ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اب لاہور سے نقل مکان کر کے شیخوپورہ کے ایک دیہات میں آگیا ہوا اور آپ نے گرامی نامہ لاہور کے پتہ پر ارسال فرمایا، کل ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ملنے آئے تو وہ سوالنامہ ساتھ لائے ۔

قادیانی مسئلہ سے متعلق میری رائے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے رسالہ میثاق میں شائع کر دی ہے، میرے نزدیک قادیانی' اقلیت کے حقوق کے سزاوار تو نہیں تھے۔ لیکن ہمارے ملک میں چونکہ شرعی قوانین نافذ نہیں ہیں اس وجہ سے بالفعل مسئلہ کا ممکن حل یہی تھا، یہ نرم سے نرم سلوک ہے جو ان کے ساتھ کیا گیا ہے، اگر قادیانیوں نے اس کی قدر کی تو وہ اپنے لیے اس ملک میں امن کی زندگی کی گنجائش پیدا کر لیں گے اور اگر اس رعایت سے انہوں نے غلط فائدے اٹھانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج نہایت خطرناک ہو سکتے ہیں ۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ قادیانی اس رعایت سے غلط فائدے اٹھانے کی کوشش کریں گے، اور خاصا اندیشہ اس امر کا بھی موجود ہے کہ بعض غلط اندیش لوگ اقلیت کے نام پر ان کی سرپرستی کریں ۔ ان خطروں کے سدِ باب کی واحد شکل یہی ہے کہ مسلمان برابر بیدار رہیں، اگر مسلمانوں نے اس معاملے میں غفلت اور سستی کی تو اب قادیانیوں کو جو قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے اُس کی آڑ میں وہ ہمارے مذہب اور ملک دونوں کو پہلے کی نسبت زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں ۔ (۱۰ ر نومبر ۱۹۷۴ء)

مولانا محمد طاسین صاحب
ناظم مجلسِ علمی کراچی

عزیز محترم و صدیق مکرم زاد کم اللہ لطفاً و عنایۃً ۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔
شکرِ الٰہی کے جذبہ سے معمور دل سے اس نمایاں اور خاطر خواہ کامیابی پر ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہوں جو قادیانی مسئلہ کے متعلق اللہ تعالٰے نے علمائے حق کو عطا فرمائی ہے، آپ اس تبریک و تہنیت کے اس وجہ سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ نے اس میدان میں ہر طریقہ سے غیر معمولی جد و جہد فرمائی ہے ۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس مبارک مہم کے دورِ تازہ کا آغاز آپ کی ان جرأتمندانہ تحریروں سے ہوا ہے جو کچھ عرصہ پہلے ماہنامہ الحق میں منظرِ عام پر آئیں جبکہ ہر طرف عام طور پر سکوت تھا۔ بارک اللہ لکم وفیکم وشکر مساعیکم ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم کامیابی کو ہماری مستقبل کی بیشمار کامیابیوں کا ذریعہ بنائے اور ہمارا یہ ملک حقیقی اور عملی طور پر دارالاسلام بنے اور دنیا اس کی تقلید اور پیروی پر مجبور ہو۔

سوال ۱ کے متعلق میرا جواب یہ ہے کہ قادیانی مسئلہ میں جن حالات کے اندر جس طریقہ سے، جو کچھ بھی فیصلہ ہوا ہے میں سمجھتا ہوں یہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص اور عظیم فضل ہوا ہے۔ اس سے ایک طرف تو اس فتنہ کے سر پر کاری ضرب لگی اور اس کے انقلابی ۶-۱۰ ائم بلیامیٹ ہو گئے جو آگے چل کر بہت بڑی تباہی و بربادی کا موجب بنتے اور دوسری طرف اس وقت مسلمان ایک بہت بڑے خون خرابے سے بچ گئے جس سے بے اندازہ جانی و مالی نقصان پہنچتا، لہٰذا اس پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر کیا جائے کم ہو گا۔

سوال ۲ کے بارہ میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ قادیانی فتنہ کے جو اثرات پاکستان کے اندر اور باہر پھیلے ہوئے ہیں اُن کو مٹانے اور زائل کرنے کے لیے مختلف علمی و عملی طریقوں سے بڑے پیمانہ پر منظم اور مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہے، اجتماعی صلاح و مشورہ سے ایسے طریقے سوچے اور معلوم کیے جائیں جو اس کے لیے مفید اور مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں اور جن کو اختیار کرنے سے مذکورہ اثرات کا ازالہ اور خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بہرحال کسی فتنے کے اثرات کو مٹانے اور ختم کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ فتنے کے وجود کے اسباب جو ہیں ان کو صحیح طور پر سمجھا جائے اور پھر یہ دیکھا جائے کہ ان اسباب کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کے ازالہ کے بغیر نہ فتنہ مٹ سکتا ہے اور نہ اس کے اثرات ختم ہو سکتے ہیں۔

سوال ۳ کے متعلق میری حتمی اور قطعی رائے یہ ہے کہ قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو فیصلہ کیا ہے، یہ فیصلہ چونکہ اصل مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد کا ایک ذریعہ ہے، لہٰذا جب تک اصل مقصد حاصل نہیں ہو جاتا مسلمانوں کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔ اصل مقصد میں سمجھتا ہوں یہ ہونا چاہیئے کہ پاکستان میں کوئی ایسی آواز اور کوئی ایسی تحریر باقی نہ رہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص کسی بھی معنی میں نبی و رسول ہے پھر جب کہ اس کے لیے اسلام اور قرآن و حدیث کو بھی استعمال کیا جاتا ہو۔ اس کے بعد اگلی منزل یہ ہونی چاہیئے کہ مسلمانوں کے اندر سے شریعتِ محمدیہ کے سوا باقی سب غیر اسلامی قوانین ختم ہو جائیں اور ان پر صرف شریعتِ محمدیہ کی حکمرانی ہو جو اللہ تعالےٰ کے آخری نبی نے آخری طور پر پیش فرمائی ہے، کیونکہ عقیدۂ ختمِ نبوت کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ مسلمان صرف شریعتِ محمدیہ کو اپنی زندگی کا دستورِ حیات

اور لائحہ عمل بنائیں اور اس کے سوا باقی ہر قانون کو ٹھکرادیں ۔

سوال ۱۲ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں کیا آئینی ذرائع اور کیا علمی و عملی طریقے اختیار کرنے چاہئیں؟ اس کا جواب کافی تفصیل طلب ہے اور خاصا مشکل بھی، لہٰذا میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ دینی اور دنیوی علوم کی سوجھ بوجھ رکھنے والے کچھ حضرات ایک جگہ جمع ہوں اور تمام پہلوؤں پر سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد باہمی مشورہ سے یہ طے کریں کہ آج جن ذہنی و خارجی اور اندرونی و بیرونی حالات سے ہم دوچار ہیں ان میں مذکورہ مقصد کے لیے کیا طریقِ کار زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہو سکتا ہے جس کو آج عملاً اختیار کیا جائے ۔

بہر حال اس کے لیے جو بھی طریقِ کار طے کیا جائے اس میں اس ردِّ عمل کو ضرور ملحوظ رکھا جائے جو اس کے نتیجہ میں ظاہر ہو سکتا ہے، اندرونِ پاکستان بھی اور بیرونِ پاکستان بھی، تاکہ نقصان کم سے کم اور فائدہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے ۔ اندھی جذباتیت اور انتہاء پسندی سے بچنا بہر حال مفید رہے گا، جہاں تک ہو سکے عقل و شعور اور اعتدال پسندی سے کام لیا جائے ۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضٰی ۔

حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب زرولوی
صدر المدرسین دار العلوم حقانیہ

انگریزوں کے زمانے میں قادیانی مسئلہ کا حل نہایت مشکل تھا کیونکہ انگریزوں نے خود اس جماعت کو اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے پیدا کیا تھا، گذشتہ زمانہ میں بھی وہ ان کی سرپرستی کر رہے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں ۔ تو انگریزی حکومت سے قادیانیوں کے خلاف اقلیت اور کفر کا فیصلہ ان کے مقاصد کے خلاف تھا، اگرچہ جزوی طور پر بعض عدالتوں میں ان کو ملتِ مسلمہ سے خارج قرار دیا گیا تھا اور ان کے بارہ میں فسخ نکاح کا فیصلہ کیا گیا تھا ۔

پھر جبکہ انگریز ملک چھوڑنے لگا اور پاکستان کا نظریہ ظہور میں آیا تو چونکہ یہ نظریہ دوقومیت پر مبنی تھا اور متحدہ ہندوستان کی تقسیم کا دار و مدار بھی اکثریت اور اقلیت قرار دیا گیا تو کچھ لوگوں نے جن میں مسلم لیگی پیش پیش تھے، قادیانیوں کو شاید ملکی مفاد کی خاطر غیر مسلم (ہندو سکھ وغیرہ) کے مقابل شمار کیا، باوجود اس کے کہ سر ظفر اللہ نے واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ احمدی جماعت ان لوگوں کو کافر سمجھتی ہے جو مرزا کی نبوت سے انکار کر رہے ہیں ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ متعارف مسلمان نہیں ہیں، اور خود مرزائیوں نے ایک تیسری قوم کی حیثیت سے الگ ریاست حاصل کرنے کی سعی کی، اگرچہ

اس وقت بعض لیڈر اور اسلام کے بہی خواہ تنبیہ کر چکے تھے کہ احمدی جماعت اسلام سے خارج ہے ان کو مسلمانوں میں شامل کرنا ملک و ملت، دونوں کے لیے سخت مُضر ہے لیکن افسوس کہ ان کی آواز کو نظرانداز کر دیا گیا، مگر واقعات نے ظاہر کر دیا کہ وہ لوگ حق بجانب تھے۔

اب بھی وہی لوگ تحریکِ ختمِ نبوّت کے خلاف رہے جنہوں نے ان کو مسلمانوں میں شامل کیا تھا اور اس مسئلہ کو سیاسی مسئلہ کہہ کر مسلمانوں کے خیالات کو بدلنا چاہا، یہ لوگ حتیٰ الامکان اس تحریک کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں نے ۲۵ سال تک برسراقتدار رہتے ہوئے انگریز کے اس خود کاشتہ پودے اور مارِ آستین کی پوری حفاظت کی۔ عام مسلمان چونکہ یہ دیکھتے ہیں کہ مرزائی جماعت والے صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں اور مرزائی مذہب کے اصول و فروع میں قرآنی نصوص اور احادیث کے بعد التحریف استدلال کرتے ہیں بلکہ یہ تحریفات اور عقائد میں ردّ و بدل چونکہ عامیانہ فہم سے بالاتر ہے لہٰذا عوام ان کو ان کے ظاہری اعمال کی بناء پر امت میں شامل سمجھتے تھے اور ان کے خلاف تکفیر کا فتویٰ مولویانہ ضد یا احمقانہ سیاست جانتے تھے۔

الحمد للہ کہ قومی اسمبلی نے کافی غور و تامل کے بعد اس مسئلہ کا ایسا صحیح حل پیش کیا کہ ایک طرف تو دنیا کے مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہوئے اور ختمِ نبوت کے ساتھ صحیح شغف اور سرورِ کائنات کے ساتھ قلبی محبّت کا ثبوت دیا، اور دوسری طرف ان لوگوں کے خیالاتِ فاسدہ اور شبہاتِ باطلہ کو ختم کر دیا جو کہ اس تحریک کو احمقانہ سیاست اور مولویانہ ہٹ دھرمی یا کفر سازی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

لیکن مرزائی جماعت پہلے سے اسلام اور مسلمانوں کی بدترین دشمن تھی، وہ ایک زمانہ سے یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ کسی وقت وہ پاکستان پر قبضہ کر لیں گے اور جو مسلمان یا علماء ان کے خلاف تحریک چلا رہے تھے اور چلا رہے ہیں اُن کو بجبر یا لالچ دے کر مرزائی بنائیں گے یا ان کو قتل کریں گے۔ چنانچہ ان معاملات اور بیانات سے واضح ہو چکا ہے۔ اسی خاطر انہوں نے اعلیٰ فوجی عہدوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ برّی، بحری اور ہوائی فوج کے افسروں میں اکثریت ان کی ہے سول محکموں کے کلیدی مناصب ان کے ہاتھ میں ہیں، بیرونی ممالک میں حکومت کے وسائل سے اپنا مذہبی پرچار کر رہے ہیں، مسلمانوں کے خلاف جماعتی اور حکومتی ذرائع استعمال کر رہے ہیں شخصی وسائل اور اثر و رسوخ سے کام لے رہے ہیں۔ ربوہ کا بند شہر ہونا، وہاں ہر قسم کا اسلحہ جمع کرنا، وہاں متوازی حکومت قائم کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے امور ان کے ارادوں کی غمازی کر رہے ہیں اب جبکہ

ان کے خلاف قومی اسمبلی کا فیصلہ بھی صادر ہوا ہے تو ہر مسلمان کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا کہ ان کا جذبۂ انتقام اور مسلمانوں کی عداوت کا جذبہ تیز سے تیز تر ہوا ہوگا، حالاتِ حاضرہ اس کے شاہد ہیں پھر بہت سے نام کے مسلمان ان کے ہمدرد بھی ہیں جو کہ ان کی سرگرمیوں کو جائز سمجھتے ہیں۔

تو ایسی صورت میں عام مسلمانوں کا عموماً اور پاکستانی مسلمانوں کا خصوصاً فرض ہے کہ قوم و ملک اور دین کی حفاظت کے لیے پہلے سے زیادہ بیدار ہو جائیں اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں وَ اَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم پر عمل کریں اور حکومت سے بھی مطالبہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے دیرینہ مطالبات پر جلد از جلد عمل کرے اور قوم و ملک کو فتنہ سے بچانے کے لیے اپنا فرض ادا کرے۔ لینصرن اللہ من ینصرہٗ۔

حضرت مولانا محمد فرید صاحب
مفتی و مدرس دارالعلوم حقانیہ

(۱) قومی اسمبلی کے قادیانی فیصلہ سے اُن کا خارج از اسلام ہو نا تمام عوام اور تعلیمیافتہ طبقہ پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا، اس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور مجبوراً وہ اب اپنے ارادوں میں ترمیم کریں گے، اس فیصلہ سے ان کی تبلیغ و اشاعت اور عوام کو پھسلانے کے ہتھکنڈے کافی حد تک بیکار اور ختم ہو جائیں گے۔

(۲) یہ مسئلہ اگرچہ کاغذی طور پر تو حل ہو گیا ہے لیکن عملی طور پر ابھی تک حل طلب ہے۔ کیونکہ قادیانیوں نے ابھی تک اسے تسلیم نہیں کیا۔ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ حکومت سے اس فیصلے کو عملاً نافذ کرائیں ورنہ دنیا اور آخرت میں انتقام کے خطرات درپیش ہیں۔

(۳) قادیانیوں کے اثرات ختم کرنے کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس فیصلہ کی ہر زبان اور ہر حکومت میں اشاعت کی جائے، اور ہر مسلمان حکومت ان کو قانونی طور پر غیر مسلم قرار دے اور اسلامی ممالک کے مشترکہ وفود غیر مسلم حکومتوں کو خبردار کریں اور انہیں مسلمانوں سے جدا گانہ حقوق دینے کا مطالبہ کریں۔

حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ
ھفت روزہ خدام الدین لاھور

مکرمی و محترمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، اُمید ہے مزاج بخیر ہوگا۔ گرامی نامہ موصول ہوا لیکن افسوس کہ بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے آپ کی خواہش کے مطابق فوری جواب نہ دے سکا، امید ہے معذرت قبول فرمائیں گے۔ آپ کے سوالات کے جوابات کافی تفصیل طلب ہیں تاہم آپ کے اصرار و تقاضے کے پیشِ نظر

فوری طور پر مختصر جوابات تحریر کر رہا ہوں:۔

آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ قادیانی مسئلہ کے اس حل پر آپ کے احساسات و جذبات اور تاثرات کیا ہیں ؟

(۱) ایک مسلمان کی حیثیت سے پاکستان کی نیشنل اسمبلی کے اس فیصلے پر مجھے اسی طرح خوشی اور مسرت ہوئی ہے جس طرح تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو ہوئی ہے۔ لیکن میں کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کا شکار بھی نہیں ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تو ہمارے کام کی ابتداء ہوئی ہے اور عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو عموماً اور پاکستان کے مسلمانوں کو خصوصاً اب بھی اُسی اتحاد و یکجہتی کی ضرورت ہے جس کا عملی مظاہرہ انہوں نے تحریکِ ختم نبوت کے دوران کیا ہے۔

میری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ ہمیں جو تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ ملّتِ اسلامیہ کے اتحاد، اجتماعی فکر، بے لوث اور پُرخلوص جد و جہد، سر اس پائیدار لگن اور مشترکہ پلیٹ فارم کی رہینِ منت ہے۔ اگر خدانخواستہ ہم نے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی نظر انداز کر دیا تو ہمارا انتہائی خطرناک اور عیّار دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر ہمارے عظیم اسلاف کی عظیم قربانیوں، ہماری بے مایہ کوششوں اور مجاہدینِ ختمِ نبوت کے خونِ شہادت کو بے نتیجہ بنانے کی کوشش کرے گا۔

(۲) میرا خیال ہے کہ قادیانی فتنہ کے "دینی" یا سیاسی اثرات عالمگیر نہیں، لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری غفلت شعاری کی بدولت قادیانیوں نے بعض ممالک میں کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں، لیکن پاکستان کی قومی اسمبلی کے تاریخ ساز فیصلہ کے بعد اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ان کی کمر ٹوٹ گئی ہے، مگر ابھی ضربِ صدیقی کی شدید ضرورت ہے تاکہ ان کی رہی سہی قوت کو بھی توڑا جاسکے۔

(۳) مسلمانوں کی ذمہ داری کسی فتنہ کی عارضی اور وقتی بیخ کنی تک محدود نہیں، جب تک فتنہ مکمل طور پر ختم نہ ہو جائے اس وقت تک لگن و ایثار، کوشش و سعی اور اتحادِ فکر و عمل کی انتہائی ضرورت ہے، ذمہ داری اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک فتنہ کا کچھ بھی نشان باقی ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اس کے بعد بھی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، کیونکہ مسلمان اسلام کا محافظ ہے اور محافظ کو ہر وقت تیار رہنا چاہیئے، خواہ امن ہو یا جنگ۔ دشمن اور ڈاکو کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کب اور کس وقت حملہ کر دے؟ اس لیے ذمہ داری کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۴) آپ کے چوتھے سوال کا جواب میرے مذکورہ جوابات کے ضمن میں آگیا ہے۔
(۵) اب رہا یہ سوال کہ اس کا طریق کار اور لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے؟ تو گذارش یہ ہے کہ:۔
نیشنل اسمبلی کے فیصلہ کے بعد ذمہ داریاں عوامی سطح سے بڑھ کر حکومتی سطح تک پھیل جاتی ہیں۔ عوام کا کام یہ ہے کہ وہ پُرامن رہتے ہوئے اس تحریک کو اپنے آخری اور منطقی نتائج تک پہنچانے کے لیے ہر قسم کی مالی، جانی اور زبانی قربانیوں کو جاری رکھیں، علماء و طلباء اور سیاسی زعماء ستانے کی بجائے کامیابی کے آخری مراحل تک پیشقدمی جاری رکھیں اور حصولِ مقصد کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کو دور کرنے کے لیے اجتماعی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں، اور ان ممالک میں جہاں قادیانی زہر سرایت کر چکا ہے وہاں تبلیغی مشن بھیجے جائیں جو وہاں کے لوگوں کو قادیانی فتنہ کی اسلام دشمن سرگرمیوں اور عالمِ اسلام کے متعلق خطرناک عزائم سے آگاہ کریں۔

حکومت کو چاہیئے کہ وہ سفارتی سطح پر تمام دوست ممالک کو اس خطرناک تحریک کے نتائج و عواقب اور مضمرات سے باخبر کرے اور تمام اسلامی ممالک سے سفارش کرے کہ وہ قادیانیوں کو اپنے ملک میں غیر مسلم اقلیت قرار دیں اور ان کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھیں۔ اندرونِ ملک حکومت کی سب سے اہم اور پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اسلام کے نام پر قادیانیوں کی کافرانہ تبلیغ کا سدِباب کرے، ان کو شعائرِ اسلامی اور اصطلاحاتِ اسلامی کے استعمال سے روک دے اور ان کے زہریلے اور مہلک لٹریچر کو ضبط کر کے علماء کا ایک بورڈ بنائے جو قادیانیوں کے لٹریچر کے فاسدہ اثرات کو ختم کرنے کے لیے عوام کے لیے اسلامی تعلیمات کا حامل لٹریچر تیار کرے اور اس لٹریچر کو شائع کر کے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک بھیجا جائے۔ اس کے علاوہ دستور میں جہاں یہ درج ہے کہ "ایک مسلمان جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے مفہوم مندرجہ آئینِ پاکستان دفعہ نمبر ۲۶۰ شق ۳ کے خلاف عقیدے کا اعلان کرے یا اس کے خلاف تبلیغ کرے وہ قابلِ سزا و تعزیر ہوگا"۔ وہاں اس میں لفظ "ایک مسلمان" کی جگہ "جو شخص" کا لفظ درج کیا جائے، کیونکہ ایک مسلمان کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ ایسے لغو اور بیہودہ عقیدے کا اعلان یا پرچار کرے گا! "جو شخص" کا لفظ چونکہ عام ہے اس لیے اس کی موجودگی میں اگر کوئی مدعیٔ اسلام یا کوئی جدید مرشد ایسا کرے گا تو وہ مستوجبِ سزا و تعزیر ہوگا۔

حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب
ناظم ادارۂ دعوت وارشاد چنیوٹ

کافی دنوں سے گرامی نامہ موصول ہے اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے جلد تعمیلِ حکم نہ کر سکا جس کی وجہ سے معذرت خواہ ہوں۔

(۱) اس سوال کا تفصیلی جواب تو بڑا طویل ہے مختصراً میرے احساسات اور جذبات یہ ہیں کہ اس وقت راقم اپنی عمر کی تنتالیس۴۳ منزلیں طے کر چکا ہے، اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی خوشیاں نصیب فرمائی ہیں، عیدیں بھی آئیں، شادی بھی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے بچے بھی دیئے، حرمین شریفین کی زیارت سے بھی بارہا مشرف فرمایا، قادیانیوں سے بارہا مناظرے ہوئے ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کامیابی نصیب فرمائی۔ مرزا بشیر الدین محمود کو جو مباہلہ کا چیلنج دیا تھا اس میں بھی اللہ تعالےٰ نے کامرانی اور سرخروئی نصیب فرمائی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زندگی بھر کی تمام خوشیاں بھی اگر جمع کر دی جائیں تو وہ اس خوشی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو خوشی ۷ستمبر ۷۴ء کو قادیانیوں کے متعلق قومی اسمبلی کے فیصلہ سے حاصل ہوئی ہے۔ راقم خوشی کے ان احساسات کو اپنے الفاظ کے قالب میں ڈھال کر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قادیانیوں کے متعلق یہ "تاریخی فیصلہ" اس صدی کا اہم فیصلہ اور عظیم کارنامہ شمار ہوگا۔

(۲) یہ بالکل بجا ہے کہ "قادیانی فتنہ" کے دینی اور سیاسی اثرات ملک اور بیرونِ ملک پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں لیکن اب یہ اثرات اللہ کے فضل سے کم ہونے شروع ہو چکے ہیں۔ اب تو ان پر پے در پے ضربات لگ رہی ہیں، پہلی ضرب تو آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد سے لگی، دوسری سخت ضرب انہیں نیم بسمل کر دیا وہ ان کے خلاف رابطہ عالم اسلامی کی قراردادیں ہیں، اب جو کسر باقی رہ بھی وہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے "تاریخی فیصلہ" نے نکال دی ہے۔

بیرونی دنیا کو جو وہ اسلام اور پاکستان کے نام سے دھوکہ دے رہے تھے الحمدللہ اب اس کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔

(۳) جب تک اس خطرناک اور مہلک فتنہ کا بالکلیہ خاتمہ نہیں ہو جاتا مسلمانوں کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، لیکن اب آئین میں ترمیم ہو جانے کے بعد بہ نسبت عوام کے حکومت کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے کہ وہ آئین کے تقاضے پورے کر کے آئین کے احترام کو باقی رکھے۔ قوم نے تحریک کے دوران قادیانیوں سے بائیکاٹ اور آپس میں اتحاد کا جو بے نظیر مظاہرہ کیا ہے مجلسِ عمل کی سرپرستی میں

ان دو کامیاب "ہتھیاروں" کا استعمال اس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جب تک آئینی ترمیم کے تقاضے مکمل طور پر پورے نہیں ہو جاتے۔

بیرونی ممالک میں ان کے تعاقب اور احتساب کے لیے ضروری ہے کہ مجلس عمل کی طرف سے ایک مؤثر وفد اس فیصلہ کے پس منظر اور تفصیلات کی وضاحت کرنے کے لیے فوری طور پر دورہ کرے کیونکہ سر ظفر اللہ اور دیگر سربرآوردہ قادیانی بیرون ملک انتہائی خطرناک اور زہریلے پروپیگنڈے میں مصروف ہیں اس کا تدارک از حد ضروری ہے۔

مولانا ظفر احمد انصاری صاحب ایم این اے کراچی

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا ایک گرامی نامہ پہلے ملا تھا، دوسرا پرسوں ملا، جواب میں بوجوہ تاخیر ہوئی جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

جہاں تک قادیانی مسئلے کے حل کے متعلق میرے "تاثرات اور احتیاطی تدابیر و اقدامات" کے بارے میں تجاویز کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ جن اکابر نے ارباب اقتدار سے گفت و شنید اور مفاہمت کے نتیجے میں یہ فارمولا تیار کیا وہی اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ اس کے مالۂ وماعلیہ پر روشنی ڈالیں اور آئندہ کے لیے تدابیر و اقدامات بھی تجویز فرمائیں۔ فارمولے میں درج شدہ دفعات جس حد تک عملاً مؤثر ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ واضح ہو جائے گا۔ میرا اس مرحلے پر کچھ عرض کرنا بے محل معلوم ہوتا ہے بلکہ سکوت ہی انسب نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا صاحب اکوڑہ خٹک میں تشریف رکھتے ہوں تو میرا سلام عرض کر دیجیئے گا۔ (۳ر نومبر ۱۹۷۴ء)

شاعر اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری، لاہور

کرم فرما مولانا سمیع الحق صاحب! سلام مسنون قبول کریں۔ الحق کا شمارہ ستمبر ملا، مطالعہ میں آیا ہے، آپ کا مکتوب بھی ملا، جو کہ جواب طلب ہے اس لیے تعمیل کر رہا ہوں۔ آپ کے مکتوب میں چند اہم سوالات ہیں جن کا تعلق قادیانی مسئلہ کے اس حل کے بارے میں ہے جو ۷ ستمبر کی شام "اسلامی" پاکستان کی قانون ساز اسمبلی میں سے منتخبہ خاص کمیٹی کی سفارش پر متفقہ قرارداد کی صورت میں منظور کیا گیا اور اس کا اعلان موجودہ عوامی حکومت کے محترم وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے فرمایا۔

مولانا! اگر آپ کے نزدیک بھی یہ قادیانی مسئلہ کا ایسا حل ہے جس پر خوشیاں منانے اور

مطمئن ہوکر میں جی ہاں کہوں اور اس فتنہ باطنیہ کو دفن ہوچکنے والا سمجھ کر آپ سب کے ساتھ شامل ہوجاؤں تو مجھے افسوس ہے کہ میں ایسا کرنے سے قطعاً معذور ہوں۔ میں ڈرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ چاہے سمیع الحق ہی کیوں نہ ہوں وہ حق اُسی آواز کو قرار دیں گے جو خود ان کے فیصلے کی تائید میں ان کے گوش میں آئے۔ میں اس وجہ سے شاید خاموشی یعنی آپ کے سوالات کے جواب میں چُپ رہنا اختیار کرلیتا، لیکن جو احترام، احترام ہی نہیں ہم عقیدتی آپ سے اور مولانا عبدالحق صاحب سے ہے اس کی وجہ سے جواب نہ دینا بھی خلافِ آدابِ تعلقات ہے، اس لیے یہ سطور بہ تعجیل لکھ رہا ہوں۔

(۱) آپ کے اداریہ کا اوّلین کلمہ قومی اسمبلی کے فیصلے "تاریخی اسلامی فیصلہ بتاتا ہے" اس کو آپ نے عظیم اور مبارک فیصلہ قرار دیا ہے۔

میرے نزدیک یہ قادیانی مسئلے کا وہ حل نہیں ہے جو حل قرآنِ کریم و حکیم نے پہلے ہی سے کر رکھا ہے، البتہ یہ ایک فیصلہ ہے جو اسلام کی قرآنی عدالت سے نہیں انگریز کی مسلط کردہ جمہوری عدالت نے دیا۔

یہ جمہوری عدالت قابلِ تحسین ہے، اس لیے کہ جو کچھ آپ علماء صاحبان نے طلب کیا وہی آپ کو مل گیا۔ اس لیے کہ جس طرح قادیانی فتنہ کے خلاف آپ نے کروڑوں عامۃ المسلمین کہلانے والے (ہم لوگوں) کو عملی آواز کے لیے اتحاد کی دعوت دی تھی، اسی طرح حکومت پاکستان کے اس فیصلے پر آپ نے خوش ہوکر جشن منانے کی صورت بھی پیدا کر دی — یہ جشن حلِ مسئلہ کا جشن نہیں بلکہ علماء کے اس مطالبے کا جشن ہے جو انتہائی طور پر محدود بھی تھا اور غیر مآل اندیشانہ بھی۔ اور ایسا ہے کہ اب فتنۂ قادیان پاکستان ہی نہیں پوری دنیائے اسلام کو تباہ و برباد کرانے کے لیے پہلے سے زیادہ مضبوط ہوکر جو چاہے گا کرے گا۔

سرزمینِ پاکستان کے سینے میں جھنڈا گاڑے ہوئے اطمینان سے رہتے سہتے یہودیت کے اصل ہراول دونوں گروہ لاہوری ہوں یا ربوا ہی کیا اپنے مقاصدِ ملعونہ سے باز آجائیں گے؟

آپ کے پاس اب کونسا حربہ ہے جو اُن کے حربوں کو زائل کرنے کیلئے آپ استعمال فرمائینگے؟

آپ مطمئن ہوگئے، ملّت کو آپ نے مطمئن بنا دیا، آپ کی نیت درست ہے، بجا ہے، لیکن ؎

سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جاست

لہٰذا سوالات کے جوابات فی الحال بے فائدہ ہیں، ہاں میں نے یہ سطور انتہائی ادب سے

بھی ہیں۔ میں نے ان قادیانیوں کو پورے ستر برس سے جاننا شروع کیا تھا، ان کا مبلغِ اعظم ظفراللہ خان چوہدری میرے دیوار بہ دیوار برسوں پڑوسی رہ چکے، رات دن ان سے ان کے طریق تبلیغ الحاد کا ہدف رہا ہوں۔ اس لیے اب ایک مفصل کتاب ہی لکھوں گا، اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ بطفیلِ سرکارِ دوجہاںؐ مدد کرے گا۔ (۱۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

مولانا ماہرالقادری صاحب
مدیر ماہنامہ "فاران" کراچی

جنابِ مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
گرامی نامہ ملا، یادآوری کا دلی شکریہ! آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ:

(۱) قادیانی مسئلہ کے اس حل پر آپ کے احساسات، جذبات اور تاثرات کیا ہیں؟

جواب:۔ اکتوبر کے "فاران" کا اداریہ (نقشِ اوّل) میرے احساسات کا آئینہ دار اور میرے جذبات وتاثرات کا ترجمان ہے۔ اس مسئلہ کے حل ہوجانے سے ملک بہت بڑے بحران CRisis سے محفوظ ہوگیا ورنہ ختمِ نبوت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے جذبات آتشیں ہوگئے تھے اور وہ دستوری طور پر اس مسئلہ کے معلق ہوتے سے تنگ آچکے تھے۔ اربابِ اقتدار کا یہ حال ہے کہ وہ اس مسئلہ کا کریڈٹ بھی لینا چاہتے ہیں اور اس کا ذکر بھی انہیں زیادہ پسند نہیں ہے، تیر از کمان رفتہ والا معاملہ ہے۔

(۲) قادیانی فتنہ کے دینی اور سیاسی اثرات ملک وبیرونِ ملک پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں اقلیتوں کے تحفظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا مسلمانوں کی ذمہ داری اس فیصلہ پر ختم ہوگئی یا اس فتنہ کے مہلک اثرات کا تعاقب واحتساب جاری رکھنا ہوگا؟

جواب: مسلمانوں کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ گئی ہے، قادیانیوں میں تبلیغ کرنے کا یہ بہترین موقعہ ہے، ان پر اخلاق ومحبت اور ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ کام کیا جائے اور خاص طور سے مرزا قادیانی کی تحریریں انہیں پڑھوائی جائیں کہ نبی تو کجا کیا کسی شریف آدمی کے یہاں بھی ایسی متضاد اور انمل بے جوڑ باتیں مل سکتی ہیں؟ اقلیت کے حقوق کا تحفظ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے مگر مولانا مودودی کے بقول حکومت نے سانپ کو لاٹھی سے مار کر اُسے چھوڑ دیا ہے اور چوٹ کھایا ہوا سانپ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ قادیانی سیدھے سادے طور پر غیر مسلم ذمّی کی حیثیت سے پاکستان میں امن وامان کے ساتھ رہ سکتے ہیں مگر پاکستان اور ملتِ اسلامیہ کے خلاف کسی قسم کی سازش برداشت نہیں کی جا سکتی۔ یہ مسئلہ بھی بہت اہم اور خاص طور سے قابلِ غور

ہے کہ مسلمانوں کی حکومت اور مسلم معاشرے میں نبیؐ کاذب کی جھوٹی نبوت کی دعوت نہیں دی جاسکتی
یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں اور زرتشتیوں کے کفر اور کاذب نبی کی نبوت کا مؤقف ایک جیسا نہیں
ہے، یہ وہ کفر ہے جس کی تبلیغ مسلمانوں میں قانوناً ممنوع ہونی چاہیئے۔ جس طرح مسیلمہ کذاب کے
نام کے ساتھ حضرت اور علیہ السلام کے القاب گوارا نہیں کئے جاسکتے اسی طرح مرزا غلام احمد
قادیانی کے نام کے ساتھ تکریم و تعظیم اور احترام کے القاب برداشت نہیں کیے جاسکتے۔ ابوجہل
اور ابولہب کافر تھے، منکرِ نبوت تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی نبوت کے حریف اور مدِ مقابل نہیں تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ مدعیٔ نبوت ہے
اس لیے اس کا مؤقف حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حریف کا مؤقف ہے۔

(استغفر واللہ) (۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ اسلام آباد

مولانا محترم و مکرم وفقکم اللہ بما ہو رضاہ
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
گرامی نامہ نشان ۱۲۳۲ مؤرخہ ۲۹ اکتوبر
۱۹۷۴ء وصول ہوا، آپ نے اس گرامی نامہ میں جو سوالات لکھے ہیں انکے سلسلہ میں حسبِ ذیل سطور پیش ہیں۔

(۱) قادیانی مسئلہ کو جس طرح اسمبلی نے حل کیا ہے وہ ہر آئینہ قابلِ ستائش ہے، اللہ تعالیٰ اُن تمام
حضرات کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس کے لیے سعی فرمائی ہے۔ علمائے کرام اور دیندار مسلمان تو
ابتدائے فتنۂ قادیانیت ہی سے ان لوگوں کو دین و دُنیا دونوں کے لیے عظیم خطرہ قرار دے کر
ان کو خارج از دائرۂ اسلام کہتے چلے آئے تھے۔ مقامِ شکر ہے کہ دیگر ارکانِ اسمبلی کو بھی اللہ تعالیٰ
نے حق کی طرف راہنمائی فرمائی۔ میں نے اسمبلی کا فیصلہ سُنکر سجدۂ شکر ادا کیا۔

(۲) قادیانیوں نے دشمنانِ اسلام کی حمایت اور اعانت سے ساری دُنیا تو نہیں مگر بہت سے
ملکوں میں اپنے اثرات کا زہر پھیلا دیا ہے، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بھی اس زہر کا تریاق لیکر
مختلف ملکوں میں پھیل جائیں اور ان کے دینی اور سیاسی زہر کا مقابلہ کریں۔ میرے خیال میں
کرنے کا یہ ایک ضروری کام ہے، افریقہ کے دو ملکوں کو اس تریاق کی شدید ضرورت ہے، ایک
نائیجیریا اور دوسرا مشرقی افریقہ۔ اسی طرح جنوب مشرقی ایشیا کے دو ممالک ملیشیا کی طرف تو
فوری توجہ کی شدید ضرورت ہے۔

(۳) اقلیتوں کی حفاظت اور ان کے عمرانی حقوق کی صیانت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم ان

لوگوں کو کھلی چھٹی دے دیں جو نہ تو وطن کے وفادار ہیں اور نہ دینِ حق کے۔ مسلمانوں سے زیادہ اقلیتوں کے حق میں نرم اور وسیع الصدر دُنیا کی کوئی دوسری قوم نہیں ہے، لیکن کسی اقلیت کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ فتنۂ اختلاف پیدا کرے اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کے خلاف دشمنانِ دین سے مل کر سازشیں کرتی رہے۔ اور نہ اسکی اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ ملک کے کسی حصہ میں اپنی الگ آبادی بسا کر متوازی حکومت قائم کرے یا بعض دین سے ناواقف افسران کی ملی بھگت سے نظمِ حکومت و معیشت کو متاثر کرتی رہے۔

ہمارا یہ مذہبی فریضہ ہے کہ ہم ان تمام بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کریں اور اس طرح سے اصلاح کریں کہ قادیانیوں کو مسلمان بن کر ریشہ دوانیوں سے باز رکھنے کی ہر مناسب تدبیر اختیار کریں، ان کے شناختی کارڈوں پر ان کا دین واضح طور پر لکھ دیا جائے اور ان کے پاسپورٹوں پر بھی ان کا دین ظاہر کر دیا جائے تاکہ تلبیس و التباس کا سدِ باب ہو جائے۔

(۴) مسلمانوں کو کسی پر بھی غافل نہیں ہونا چاہیئے، ہر وقت چوکتا رہنا چاہیئے، پاکستان میں قادیانیوں کے اندر سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر تبلیغِ دین کا وسیع انتظام کیا جائے۔ انشاءاللہ اس سے بہت سے قادیانی مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں گے۔ ان بیچاروں کو ہفواتِ مرزا کی خبر ہی نہیں ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پیری مریدی کے دیگر سلسلوں کی طرح یہ بھی ایک سلسلہ ہے۔ اور جب وہ یہ جان لیں گے کہ یہ اسلام نہیں بلکہ ایک بالکل علیحدہ دین و مذہب ہے تو امید ہے کہ بہت سے قادیانی تائب ہو کر ایمان لے آئیں گے، اور اس سے بہتر کیا ہوگا کہ کوئی بھٹکا ہوا انسان دینِ حق پر آجائے، اور یہی عمل دوسرے ممالک میں بھی جاری کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔ (۳۰ ر اکتوبر ۱۹۷۴ء)

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پیرس (فرانس)

محترمی زاد مجدکم! اسلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

یہاں دو ماہ سے ڈاک کی مکمل ہڑتال رہی اس لیے آپ کا ۱ر نومبر کا خط اب جنوری میں آیا ہے، شکر گذار ہوں۔ مجھے قادیانیت سے کبھی اتنی بھی دلچسپی نہ ہوئی کہ اس کے متعلق کوئی مضمون یا کتاب ہی پڑھوں۔

چونکہ دیندار لوگوں نے اس کے خلاف تن من دھن سے کام کیا ہے اس لیے اچھا ہی ہو گا، خدا انہیں اجرِ عظیم دے۔

مگر عالمِ اسلامی میں دوسرے مسائل بھی ہیں جو اس سے کم اہم نہیں بلکہ شاید اہم تر ہی ہیں۔ ہتھیار کی جگہ مستعملہ اور فرسودہ ہتھیار خرید نے پر ہم کب تک قانع رہیں گے؟ اشتراکیت اور الحاد کے مقابلہ سے کب تک سوتے رہیں گے؟

میں یہاں اپنی حقیر صلاحیت کے مطابق دوسری قسم کے علمی کاموں میں مصروف بلکہ غرق ہوں کاش احباب اس میں حارج نہ ہوں۔

آں محترم کا رسالہ آیا کرتا ہے، ممنون ہوں۔

جناب ڈاکٹر پروفیسر صغیر حسن معصومی، اسلام آباد

جناب مکرمی ایڈیٹر صاحب
ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

السلام علیکم ! آپ کے استفسار کے جواب میں یہ چند سطریں مرسل ہیں:۔

(۱) قادیانی مسئلہ کے حل پر ہم حکومت کو مبارکباد دیتے ہیں کہ نہایت عمدہ اور مناسب حل عوام اور خصوصاً علماء کرام کے مطالبے کے مطابق اسمبلی سے پاس کرالیا۔ اس حل سے اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کو خاص طور پر اور عام مسلمانوں کو عام طور پر سرخروئی عطا کی۔ فرزندانِ توحید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حکومت نے اس عقیدے کی حرمت کو قائم رکھنے میں سر توڑ کوشش کی ہے اور اس عقیدے کے مخالفین کو دشمنِ اسلام قرار دیا ہے۔

(۲) چونکہ قادیانی فتنہ چار دانگِ عالم میں پھیل چکا ہے اسلئے اس کے دینی اور سیاسی اثرات دور کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر احمدی یا قادیانی حکومت کے شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور ڈومیسائلڈ سرٹیفکیٹ پر قادیانی یا احمدی ہونے کا برملا اظہار کرے، اگر ایسی تدبیر اختیار نہ کی گئی تو یہ لوگ نفاق اختیار کر کے اور حلفیہ اپنے کو مسلمان اور ختمِ نبوت کا معتقد قرار دے کر مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکا دینے کی کوشش کریں گے اور پھر اندرون وبیرونِ ملک میں ملتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانے سے کسی طرح باز نہ آئیں گے۔

(۳) غرض اس فتنہ سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومتِ پاکستان کوئی ایکٹ پاس کر کے ہر احمدی اور قادیانی کو اپنے عقیدے کا اظہار کرنے پر مجبور کرے۔ جب ان کو قانوناً غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے تو ان کی تعداد کی مناسبت سے ان کو حقوق دیئے جائیں اور ہر شعبے میں اسی مناسبت سے ان کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔

بنا بریں عقیدہ ختمِ نبوت کے راسخین اُس وقت حقیقی مسرت محسوس کر سکتے ہیں جبکہ حکومتِ پاکستان

اپنے عملی اقدام سے دنیا پر واضح کردے کہ اہلِ نفاق احمدی وقادیانی اور صحیح العقیدہ مسلمانوں میں امتیاز و فرق نمایاں ہے، یا خود حکومت کے الفاظ میں بعض غیر مسلموں کو مسلمانوں کے حقوق و امتیازات نہیں دیئے جا رہے ہیں۔

اہلِ علم حضرات اسی وقت اطمینان کی سانس لے سکتے ہیں جبکہ اہلِ نفاق صحیح طور پر توبہ کرکے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو جائیں، ان میں گھل مل کر رہیں، ان کی مسجدوں میں آئیں اور میل و محبت سے زندگی گذاریں۔ (۲۵، اکتوبر ۱۹۷۴ء)

جنابِ محترم ڈاکٹر سیّد عبداللہ صاحب

صدر شعبۂ دائرۂ معارفِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی (لاہور)

قادیانیوں کے بارے میں اقلیتی فیصلہ ہو چکا ہے، اس طرح علماء کی وہ جدوجہد کامیاب ہوئی جس کے لیے وہ تقریباً ایک سو سال بھرپور لڑتے رہے ــــ اور مجھے یہ کہنے دیجئے کہ تنہا لڑتے رہے۔

میں جب یہ کہتا ہوں کہ یہ لڑائی تنہا علماء نے لڑی تو بالکل حقیقت بیان کر رہا ہوں، علماء کے علاوہ جو طبقے یہاں موجود ہیں ان کی بہت سی تحریریں بطور شہادت پیش کی جاسکتی ہیں کہ ان کا نقطۂ نظر بالعموم علماء کے مؤقف کے خلاف اور قادیانیوں کے حق میں رہا ہے، اور اس میں بڑے بڑے اکابر کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

تو مقصدِ گفتگو یہ ہے کہ یہ خالصتاً علماء کے مؤقف کی جیت ہے جس میں کسی سیاسی مفاد و مصلحت کو دخل نہیں، اور اب جبکہ علمائے عقیدہ کی اس جنگ میں کامیاب و بامراد اور سرخرو ہو کر باہر آ رہے ہیں تو یہ پھر علماء ہی کا فرض ہے کہ اس فیصلے کے بعد جو نتیجے نکل سکتے ہیں اُن کے بارے میں اپنے ذہن کو صاف کریں اور ایک تنظیم اور قوتِ مجتمعہ سے ان نئے فرائض کے لیے خود کو کمربستہ و مستعد کریں جو اس سلسلے میں ان پر عائد ہو سکتے ہیں کیونکہ بالآخر دین کی خدمت علماء ہی کریں گے اور وہی کر سکتے ہیں کیونکہ دین کی خاطر (نہ کہ سیاست اور مفاداتِ دنیوی کی خاطر) کام کرنے کی اصولی صلاحیت علماء ہی کے پاس ہے۔

اقلیتی فیصلے سے علماء پر یہ روشن ہو جانا چاہیئے کہ اس ملک میں (بلکہ دنیا کے ہر ملک میں) دینِ اسلام کی برکت اسی صورت میں ہر کسی پر واضح ہو سکتی ہے کہ علمائے امت میں اصولیات میں اتحاد ہو۔

آج تک اسلام کے بارے میں بے حسی اور بے رونقی جتنی بھی موجود ہے اس کا ایک بڑا سبب علماء کا باہمی اختلاف ہے۔

ہم کہنے کو تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ پاکستان اور عالم اسلام میں اسلام کا قانون اور اسلامی طرز زندگی رائج ہو، لیکن ہمیشہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ اسلامی قانون کی فروعات کو مدار کار بنا کر اختلاف کا بازار گرم ہوا اور عام مسلمان شہری کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ کس کے اسلام پر عمل کیا جائے بلکہ اس پریشان خیالی سے بچنے کے لیے عام لوگ اب یہ کہتے ہیں کہ بھائی ان لوگوں کے پاس جب کوئی متفقہ طریق کار اور دستور العمل ہی نہیں تو اس پریشانی میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

راقم الحروف دینِ اسلام میں گہرا اعتقاد رکھتا ہے اور علمائے کرام کا معتقد اور پیرو ہے لہٰذا ان باتوں کو تنقیص یا بے خیالی پر محمول نہ کیا جائے۔ یہ باتیں عام تعلیم یافتہ طبقے کے علاوہ بے علم، اَن پڑھ طبقے میں بھی پھیل چکی ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور ہو تاکہ لوگوں کی بے یقینی اور ان کا ضعفِ اعتقاد دُور ہو۔

یہ درست ہے کہ ہمارے قدیم دینی ادب میں اختلافِ فقہاء اپنی ایک مصلحت رکھتا تھا اور مصلحت یہ تھی کہ دینِ حق کی آخری جز تک یہ جستجو کی جائے کہ خدا اور خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منشا اس باب میں کیا تھا ـــ یہ سچائی اور حق کی تلاش تھی اور مضائقہ اس میں اس لیے نہ تھا کہ اُمتِ مسلمہ پر اس کا بُرا اثر نہ پڑتا تھا اور کسی کے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہ تھا، کوئی مسلم جو مسلک بھی اختیار کرے بہر حال دین سے اس کا تمسک غیر متزلزل تھا۔

مگر اب صورتحال بدل چکی ہے، اب طوفانِ مغرب عقائد کی عمارت کو ڈھا چکا ہے، دنیا داری غالب آ چکی ہے اور یورپ کی مادہ پرور سائنس نے شکوک و شبہات کے مینار کھڑے کر دیئے ہیں۔

ایسے میں ما بہ الاختلاف کی بجائے ما بہ الاشتراک پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ علماء کے سامنے اس ملک میں بہت سے اہم مسائل ہیں، ان کی خاطر علماء کا آپس میں اتحاد ـــ اور بڑے مسئلے کے بارے میں کم و بیش متفقہ یا مفاہمتی دستور العمل تیار ہونا چاہیے تاکہ عام لوگوں کو اس کے قبول کرنے یا اختیار کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

علمائے کرام اچھی طرح باخبر ہیں کہ اس وقت اسلام کے سامنے دو عظیم خطرے ہیں، ایک ہے مغرب کے افکار اور طرزِ معاشرت کا خطرہ، اور دوسرا خطرہ ہے اشتراکیت (کمیونزم، سوشلزم وغیرہ) یہ دونوں فتنے قادیانی فتنے سے کچھ کم خطرناک نہیں۔

اب جبکہ علماء اپنی قوت سے باخبر ہو چکے ہیں اور یہ بھی جان چکے ہیں کہ ان کی اصل طاقت اتحاد میں ہے، ان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آپس میں متحد ہو جائیں۔

ہمارے ملک کے بہت سے علماء ان مغربی فتنوں کی مضرت کو اس لیے کم اور معمولی سمجھتے ہیں کہ ان کے پیچیدہ نظامِ عقائد سے باخبر نہیں، اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان مغربی عقیدوں کے ہر ہر پیچ میں کتنے کتنے خطرناک سومنات آباد ہیں تو انہیں خوب احساس ہو کہ ان کا مقابلہ کرنا صرف ضروری ہی نہیں بلکہ فرضِ عین ہے۔

لہٰذا علماء کرام پر واجب ہے کہ ان فتنوں کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچائیں اور پھر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہو جائیں، بے خبری کی صورت میں ان خطرناک فلسفوں اور عقیدوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

قادیانی فیصلے کے بعد تعلیمیافتہ لوگوں میں تین چار قسم کے مغالطے بڑی کثرت اور شدّت کے ساتھ پھیل رہے ہیں یا پھیلائے جا رہے ہیں، ایک خیال یہ پھیل رہا ہے کہ قادیانیوں کے بعد اب شیعہ اور دوسرے چھوٹے فرقوں کی باری آئے گی، دینی طور سے بھی اور سیاسی طور سے بھی، ایک مغالطہ یہ بھی پھیل رہا ہے کہ غیر اسلامی ملکوں میں تھوڑا بہت اسلام کا نام قادیانیوں کے ذریعے اور ان کے توسط سے چرچا ہو رہا تھا۔

اس فیصلے کے بعد جب تک ان ملکوں میں کوئی متبادل نظام (ہماری تبلیغ کے) موجود نہ ہوں گے اُس وقت تک اس قسم کا چرچا اب نہ رہے گا — اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علماء اپنے موجودہ اکتسابات کے ساتھ ان ممالک میں تبلیغ کی اہلیت نہیں رکھتے — اور غیر قادیانی تعلیمیافتہ طبقہ اتنا بے حس ہے کہ اسے دین کے معاملات سے کوئی دلچسپی ہی نہیں — لہٰذا خیال یہ پھیلایا جا رہا ہے کہ اس سے آخر کار اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔

میری رائے میں یہ مغالطہ ہے لیکن علماء کے لیے بہر حال یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے اور فوری توجہ کے قابل ہے۔

ایک خیال یہ بھی پھیلایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا حقیقی طرزِ معاشرت قادیانی گھرانوں میں ہے ورنہ عام تعلیمیافتہ مسلمان تو اس معاشرت سے بیزار ہی نظر آتے ہیں تعلیمیافتہ (غیر قادیانی) نوجوانوں میں پردہ داری، حیاداری، جمعہ اور جماعت کی پابندی بلکہ خود نماز کا التزام، قرآنِ مجید سے

تعلق (محض خواندگی وغیرہ کی حد تک بھی) اب بالکل مفقود ہے۔

سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی معاشرتی طریقوں کا پابند قادیانی، غیر پابند غیر قادیانی تعلیمیافتہ لوگوں پر غیر ممالک میں (بلکہ خود اپنے ملک میں بھی) کیا زیادہ با اثر نہ ہوگا، اسلام کے بنیادی مزاج سے مختلف ہے۔ جب مقصد اسلام ہے تو پھر اسلام ہی کا نام کیوں نہ لیا جائے، اسلام کے راستے سے اور اس کے ذریعے ہر مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے۔ اس خیال کی تبلیغ کے لیے بر وقت تنظیم درکار ہے۔

دوسرا مسئلہ معاشی و معاشرتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ علماء کرام محض عقیدے پر اتنا زور دیتے ہیں کہ معاشی و معاشرتی حصہ غائب ہو جاتا ہے۔ آج کے معاشی ذہن کو مدِنظر رکھ کر معاشی عدل و انصاف کے حق میں اور معاشی برائیوں کے خلاف واضح پروگرام بنا کر پُر زور کام کرنا چاہیئے ورنہ مخالف یہ مغالطہ پیدا کر دیتے ہیں کہ علماء معاشی انصاف اور غرباء کے مفادات کے مخالف ہیں۔

معاشرتی طور پر فحاشی و عریانی اور مغربیت کے خلاف منظم کام کرنے کی ضرورت ہے، معاشرت ہی سے کسی نظام یا مذہب کے خارجی فروغ و غلبہ کا پتہ چلتا ہے، سینما کے فحش اشتہارات سے اس کی ابتداء کی جا سکتی ہے۔

دینی تعلیم کے نصابات اور نصب العین پر دوبارہ غور ہونا چاہیئے، فی الحال وہ دینی لحاظ سے مکمل مگر تبلیغی لحاظ سے غیر مکمل ہیں، غیر ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لیے علماء کو دنیوی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کام کرنا چاہیئے۔

تطہیرِ نفس و تزکیۂ قلوب کے پرانے نظام کو از سرِ نو زندہ کرنا چاہیئے تاکہ افراد حرص و ہوا سے پاک ہو سکیں۔

اقلیتی فیصلے کے بعد اس بات پر نظر رکھی جائے کہ کوئی فرقہ حکومت کی رواداری یا کمزوری سے فائدہ نہ اٹھا سکے، اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ علماء خود کو اس طرح آمادہ کریں کہ کسی سیاسی مفاد کے آلۂ کار نہ بن سکیں۔ والسلام

حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری
ناظم مرکزی دفتر مجلس تحفظ ختمِ نبوت (ملتان)

اسلام دینِ فطرت ہے جس کی تکمیل فخرِ موجودات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر ہو گئی، مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں امتِ مسلمہ کے لیے اندرونی و بیرونی فتنوں کی نشاندہی فرمائی

وہاں جھوٹے مدعیانِ نبوت کے متعلق شرح وبسط کے ساتھ ارشاد فرمایا :

"فتن چاہے کتنے ہی ہمہ گیر ہوں ختم ہونے والی چیز ہیں اور باقی رہنے والا دینِ فطرت ہی ہے، طوفان چاہے کتنے ہی عظیم ہوں ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے ۔

اما الزبد فیذھب جفاءً و امّا ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ۔

فتنۂ مرزائیت امتِ مسلمہ کے لیے فتنۂ سوداء تھا اور ہے۔ مرزائیت نے دشمنِ اسلام قوتوں کا آلۂ کار بن کر عالمِ اسلام کے لیے مشکلات پیدا کیں اور اغیار کے لیے خوشی وانبساط کا سامان پیدا کیا۔ ۷ ستمبر کے فیصلہ نے اس فتنہ کی کمر توڑ دی۔ لیکن ابھی بہت کام باقی ہے جو تمام مسلمان فرقوں کے اتحاد و اتفاق سے ہی انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ مجلسِ عمل کا قائم رہنا اور اس کی تنظیم کا مضبوط سے مضبوط تر ہونا نہ صرف مرزائیت کے سیاہ فتنہ کی سرکوبی کے لیے ضروری ہے بلکہ وطنِ عزیز میں اسلامی اقدار کے احیاء کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ اگر خدانخواستہ الاکینِ مجلسِ عمل اپنے اپنے فرقوں کی تنگنائوں میں چلے گئے، درخت کی جڑوں کو سیراب کرنے کی بجائے اس کے پتوں پر پانی کے چھڑکاؤ میں مصروف ہو گئے تو نہ صرف ۷ ستمبر کا فیصلہ محض کاغذی فیصلہ ہوگا بلکہ دشمنِ ملک و ملت قوتیں اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دیں گی۔ ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا ۔

مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کا قیام ہی مسلمان فرقوں کے اتحاد اور تردیدِ مرزائیت کے لیے ہے ۔ مجلس تمام مسلمان فرقوں کے راہنماؤں سے اپیل کرتی ہے کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلہ کے اجراء، کلیدی آسامیوں سے مرزائیوں کی علیحدگی، ربوہ میں عملاً اہلِ اسلام کی سکونت کے لیے سر جوڑ کر بیٹھیں اور مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت کو ایک فعال جماعت کی حیثیت سے زندہ رکھیں ۔ (۱۸ شوال ۱۳۹۴ھ)

حضرت مولانا احمد عبد الحلیم کانپوری (کراچی)

(۱) عام طور پر سب مسلمان اس سے واقف ہیں کہ مرزا غلام احمد نے اپنے اعلانِ نبوت یا بالفاظِ دیگر اپنے کفر و ارتداد کے بعد ہی انگریزی حکومت سے اپنے اظہارِ عبودیت کے لیے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ میرے مذہب میں جہاد حرام ہے اور اس کے ساتھ ہی اس مرتدِ اعظم نے یہ بھی اعلان کیا کہ میں خونی نبی نہیں ہوں۔ (آتش بگورش) اس مردود نے "خونی" کا لفظ کہہ کر سید البشر خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر انتہائی رکیک اور کمینہ تعریض و تنقید کی ہے اور (معاذ اللہ) آپ کے دینِ مبارک کو قاتل و سفاک ٹھہرایا ہے، حالانکہ جہاد اسلام کا

پانچواں بنیادی اور ضروری رکن ہے جس کے بغیر اسلام کی حفاظت ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی لیے اس کے بارہ میں ارشادِ عالی ہے کہ "الجھاد ماضٍ الیٰ یوم القیامۃ" یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا (اور کبھی منسوخ یا معطل نہ ہوگا) وہ جانتا تھا کہ انگریز ۱۸۵۷ء کے جہاد میں شدید زک اور جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد اس سے بیحد لرزاں وترساں ہے۔ اور اسی لیے اس نے تمام اسلحہ یہانتک کہ بڑے چاقو اور چھری تک پر پابندی لگادی تھی کہ یہ آلاتِ جہاد ہیں۔ اسی لیے مرزائے مرتد نے انگریز سے اپنی وفاداری اور عبودیت کو نعوذ نبی نہ ہونے کی جاہلانہ و کافرانہ نفی سے مستحکم کیا، اس لیے ہر مرزائی قادیانی جو اس کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی بھی برضا و رغبت جہاد میں شریک نہیں ہو سکتا اور اگر ریاکاری و فریب دہی کے لیے شریک ہوگا بھی تو اس کے فرائض ادا نہ کرے گا۔ چونکہ ہماری فوج محض مجاہدین کی جماعت ہے اس لیے اس میں سے جلد از جلد انہیں خارج کر دینا چاہیئے۔

(۲) مرزائے مرتد نے قرآن مجید میں منجملہ دیگر تحریفات کے یہ تحریف بھی کی تھی کہ میری نبوت کی پیشینگوئی مسیح ابن مریم علیہما السلام سے بھی کرائی گئی تھی جس کا ذکر بحوالہ انجیل قرآن مجید میں اس طرح وارد ہے: "مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" یعنی "مسیح ابن مریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احمد نام کے ایک رسول کے آنے کی بشارت دینے والا بنایا" مرزا کہتا تھا کہ وہ احمد میں ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب تصریح قرآن محمد ہیں۔ حالانکہ کوئی پوچھتا کہ تم احمد کب ہو تم تو غلام احمد ہو؟ اور غلام بھی عیار و بے وفا — اسی مرزائی خرافات کی بناء پر اس کے متبعین اپنے کو احمدی کہتے ہیں مرزائی یا قادیانی نہیں کہتے، اس لیے ہمیں ان کی مشابہت اور ان کے کفر کی تائید سے بچنے کے لیے انہیں ہرگز احمدی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ مرزائی یا قادیانی ہی کہنا چاہیئے اسکی نظیر قرآن مجید میں بھی ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا"، یعنی اے ایمان والو! (تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے کے لیے منافقین کی طرح) راعنا نہ کہا کرو۔ گو بظاہر یہ کلمہ مراعاۃ سے مشتق ہونے کی وجہ سے ادب وتعظیم کا کلمہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری بھی رعایت فرمائیے، اور اس ضرورت کے لیے تم "اُنْظُرْنَا" کہا کرو جس کے معنی ہیں ہم پر بھی نظر فرمائیے — منافقین و یہود "رَاعِنَا" کے کسرہ کو اتنا کھینچتے تھے کہ وہ "راعینا" ہو جاتا تھا یعنی اے ہماری بکریوں کے چرواہے۔ نیز اگر وہ کسرہ کو کھینچتے نہ تھے تو اس کو راعن کا منادی بناتے تھے جو رعونت سے مشتق ہے، اور اس کے معنی تکبر اور اور اس کے روحانی مرض میں مبتلا کے ہیں یعنی

اے متکبر و مغرور ۔ اور مؤمنین جب خطاب کے لیے ان کی تقلید میں داعتا کہتے تھے تو وہ یہ سمجھ کر بہت خوش ہوتے تھے کہ ہم نے آپ کے جان نثاروں سے بھی آپ کو وہی گالی دلوا دی جو ہم دیتے ہیں ۔

(۳) اسلام میں دنیاوی کاموں کی سرکاری ملازمت کفّار اہلِ ذمہ کو دینا منع نہیں، ہاں وہ خدمات ان کو نہیں دی جائیں گی جن کا کسی نہ کسی طرح دین سے تعلق ہو گا، چونکہ فوجی نوکری جہاد کی نوکری ہے اس لیے کوئی غیر مسلم اس کا اہل نہیں ۔

(۴) ربوہ جو اس وقت خالص کفرستان ہے، اسے بھی عام پاکستانی شہروں کی طرح ہر پاکستانی کی سکونت کے لیے عام ہونا چاہیے بلکہ اسے ان کی (مرزائیوں کی) ملک سے نکال لینا چاہیے۔ پہلی حکومت نے سر ظفر اللہ کے اثر سے یہ پورا خطہ اراضی کوڑیوں کے مول ان کے ہاتھ فروخت کر کے پاکستان میں ایک کفرستان بنوا دیا تھا ۔ اس لیے یا تو اس خطہ کی سابقہ قیمت ان کو واپس کر کے اس پر قبضہ کر کے اسے پھر پاکستان میں شامل کر لینا چاہیے یا اسی طرح بلا قیمت لے لینا چاہیے جس طرح زمینداروں اور جاگیرداروں کی زائد زمینیں اور کارخانے مفت لے لیے گئے حالانکہ اسلام میں کسی کے سرمایہ یا جائیداد کی کوئی پابندی نہیں ۔ چنانچہ خود خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مسعود میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کروڑپتی تھے اور بعض صحابہؓ اتنے مفلس تھے کہ انہیں جَو کی روٹی کی بھی وسعت نہ تھی اور وہ کھجور کے باغوں کی گری ہوئی کچی کسیلی کھجوروں پر گذر بسر کرتے تھے ۔ ایسے ہی ایک مفلس و فقیر صحابیؓ کی ایک صاحبِ وسعت صحابیؓ نے کچھ خدمت کرنا چاہی تو انہوں نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ تم میری جنّت کی نعمتیں کم کرانا چاہتے ہو ——
جب کسی کے مقدارِ سرمایہ و جائیداد پر اسلام نے کوئی پابندی نہیں لگائی بشرطیکہ وہ شرعی اور جائز طریقے سے حاصل کی جائے تو اسلام کی دعویدار حکومت کو بھی اس پر پابندی نہیں لگانی چاہیے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ، یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا مَا احل اللہ لَکُمْ ۔ اے ایمان والو! ان چیزوں کو حرام نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے ۔

وما علینا الّا البلاغ ۔ والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ، واللہ المستعان ۔

جناب محترم زبیڈ اے سلہری صاحب (لاہور)

مکرمی و محترمی جناب مولانا سمیع الحق صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

معاف فرمائیے، جواب میں تاخیر ہو گئی، آپ کا رسالہ بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور اسے علم کا خزینہ سمجھتا ہوں —— میری شعوری زندگی اسی تمنا میں گذری کہ قادیانی مسئلے کے بارے میں مسلمان

اپنی پینگیں ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں۔ دراصل قادیانی ازم انگریزوں کی سنگینوں کی حفاظت میں پروان چڑھا، کسی آزاد مسلم معاشرے میں اس کا پنپنا ناممکن تھا، اس کا مقصد اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنا تھا، اور مغرب میں اس مذموم مقصد کے حصول کا ایک ہی ذریعہ قرار دیا گیا ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات کو گھٹایا جائے۔ چنانچہ وہاں صدیوں جتنا پراپیگنڈا اسلام کے خلاف ہوا ہے اس میں اسلامی عقائد کو اس قدر ہدفِ تنقید نہیں بنایا گیا جتنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو۔ مغربیوں نے اس بات کا صحیح اندازہ کر لیا کہ امتِ مسلمہ کا محور رسالت ہے۔ اگر مسلمانوں میں اس کا مرتبہ (نعوذ باللہ) گرا دیا جائے یا یورپیوں کی نظروں میں اسے بڑھنے نہ دیا جائے تو اسلام سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کا فوری مقصد تو ہندوستان میں وفادار مسلمانوں کا ایک ٹولہ پیدا کرنا تھا لیکن اس کا اصل مقصد ایسے اسلام کو ترویج دینا تھا جس کا دارومدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر نہ رہے اور جس میں حسبِ منشاء ہر قسم کا عقیدہ شامل کیا جا سکے۔ چنانچہ قادیانی ازم ہر غیر مسلم بلکہ اسلام دشمن حکومت کو بھی قبول ہوگا۔ جب تک انگریز کا راج رہا قادیانی مسئلے کا مؤثر حل مسلمانوں کی دسترس سے باہر تھا۔ انگریزوں نے سکھوں کو تو بغیر مطالبے کے ہندوؤں سے الگ اقلیت قرار دیدیا لیکن قادیانیوں کے بارے میں علامہ اقبالؒ کے مطالبے کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا، لیکن آزادی اور تخلیقِ پاکستان کے بعد اس صورتحال کا کوئی جواز نہ رہا تھا کہ قادیانی بدستور مسلمانوں کے ایک جزوِ لاینفک کے درجے پر متمکن رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ع

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اب زندگی میں ایک پاکیزگی محسوس ہوتی ہے اور درود شریف پڑھنے سے ایک گونا طمانیتِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

ذیلی مسائل کئی باقی ہیں، لیکن میرے خیال میں سب سے اہم مسئلہ بیرونِ ملک تبلیغِ اسلام کا ہے، مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے فیصلے کا پوری دنیا پر اثر ہوگا اور اسلام کے طالب اصل تعلیم کی طرف رجوع کریں گے۔ لیکن پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اس میدان کو قادیانیوں کیلئے کھلا نہ چھوڑیں، یورپ و افریقہ میں ان لوگوں نے کافی پاؤں جمائے ہوئے ہیں اور خلا میں ان کے جماعتی نظم و نسق کا کارگر ہونا دور از قیاس نہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم اسلام کی تلاش میں ہو تو قادیانی مبلغ محض اپنے مشن کی موجودگی کی وجہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، خاص طور پر جب وہ خارجہ ممالک میں اسلام کو اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے مرزا قادیانی کی "نبوت" کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو، اس سے ان کی غرض اپنی جماعت

کو مضبوط کرنا ہوتا ہے، لیکن جب آدمی ایک دفعہ ان کے سلسلے کے جال میں پھنس جاتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ اپنی کم علمی اور کم فہمی کی بناء پر ان کا ہم خیال ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ممالکِ غیر میں تبلیغ کی اشد ضرورت ہے، خصوصاً آجکل جبکہ مغربی افکار کے زوال اور روسی کمیونسٹ اقدار کے عملی انسانیت کش نتائج اظہر من الشمس ہونے کے بعد عالمی فضاء اسلام کے نفوذ کے لیے تیار ہو رہی ہے، اور دُنیا میں مسلمانوں کے لیے اعزاز حاصل کرنے کے لیے اس کے سوا اور سبیل بھی کیا ہے کہ وہ اسے اسلام کا تحفہ پیش کریں ؟

میں اس کام (تبلیغ) کو اتنا اہم جانتا ہوں کہ میری تجویز تو یہ ہے کہ مسلم ممالک تبلیغِ اسلام کو اپنی خارجہ حکمتِ عملی کا ایک جزو قرار دیں اور اجتماعی طور پر اس فریضے کی ادائیگی میں حصّہ لیں۔ یاد رکھئے کہ کمیونزم کی کامیابی کا راستہ کمیونسٹ پراپیگنڈے نے ہموار کیا تھا۔ اذہان اور قلوب پر غلبہ و سلطنت کا سب سے بڑا محاذ اور جہاد ہے، اگر مسلمان اسلام کی فکری افضلیت واضح کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو دنیا کی نعمتوں اور طاقتوں کے ماخذ خود بخود ان کے تصرف میں آجائیں گے۔

(۶۔ نومبر ۱۹۷۴ء)

مطالبۂ اقلیّت کا ایک سرسری جائزہ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

پاکستان کے نئے دستور میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت خاتم النبیّین بطور آخری نبی کے ایک حقیقت تسلیم کرلی گئی ہے۔ اس دستور کی تکمیل کے تین ہفتے بعد کشمیر کی وادیوں سے ایک روح پرور آواز اٹھی اور سارے فضائے بسیط میں پھیل گئی۔ پاکستان کی سرزمین اس آوازۂ حق سے گونج اٹھی، باطل کے در و دیوار لرز اٹھے، کفر تھرا گیا اور جعلی نبوت کے ظلمتکدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی۔ یہ آزاد کشمیر اسمبلی کی ایمان میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ یہ حرارتِ ایمانی اور حمیّت ناموسِ رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلانِ حق کیا گیا تھا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی اسلامیانِ پاکستان میں خوشی و مسرّت کی لہر دوڑ گئی ——— اس جرأت مندانہ اور مومنانہ فیصلہ پر آزاد کشمیر اسمبلی اور صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان کو بے پناہ خراجِ تحسین پیش کیا گیا کہ ایسا کرنا ایمان کا تقاضا تھا۔ مگر جن کے دل اس روشنی سے محروم تھے اور جن کا باطن ناموسِ رسالت پر مر مٹنے کے جذبات سے عاری تھا اور جو آنکھوں کے نہیں مگر دلوں کے اندھے تھے۔ ان کے خرمنِ دجل و تلبیس پر یہ قرارداد ایک صاعقہ بن کر گری۔ ان کی سازشوں کا سلسلہ تیز سے تیز تر اور گہرا ہوتا چلا گیا ——— آزاد کشمیر کی حکومت اس "جرم" کی پاداش میں معزول کی جا چکی ہوتی اگر ملّتِ مسلمہ کا جذبۂ فدائیت اور ناموسِ رسالت پر مر مٹنے والے عزائم اس منصوبے کے آڑے نہ آتے۔

جن لوگوں کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا ہے ان کی حقیقت سردار عبدالقیوم خان ہی کے ان الفاظ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ جو انہوں نے مرکزی وزیرِ داخلہ خان عبدالقیوم خان کے

نام ایک تفصیلی مکتوب میں لکھے اور کہا کہ" دراصل بات میرے خلاف الزامات کی نہیں بلکہ آپ حضرات کو تکلیف اس امر کی ہے کہ میں یہاں آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کا نفاذ تیزی سے کیوں کر رہا ہوں۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی توفیق کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔ غالباً قادیانیوں کی بھی آپ کو اتنی پریشانی نہیں جتنی اسلامی نظام کے نفاذ کی ہے"۔

بہر حال یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں صرف برِ صغیر کا نہیں نہ صرف عالمِ اسلام کا ہے، بلکہ روئے زمین پر بسنے والے محمد عربیؐ کے ہر نام لیوا امتی اور دربارِ رسالتؐ کی چوکھٹ سے نسبت رکھنے والے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا ہے "قادیانی مسلم نزاع" جتنا بھی وقتی طور پر دبا دیا جائے گا۔ اتنا ہی شدت سے یہ امت کے اساسی تصورِ ایمان اور تصورِ رسالت کی وجہ سے مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دیتا رہے گا۔ اسلام کے قطعی معتقدات قرآن و سنت کی متواتر تعلیمات، نبی کریمؐ سے عشق و محبت، رسولِ عربیؐ سے نسبتِ غلامی، اسلاف کے اجماعی فیصلے اور ملی اتحاد و یکجہتی کی حفاظت اور اس طرح کے ہزاروں ملّی، دینی، سیاسی اور معاشرتی تقاضے ہمیں مجبور کریں گے کہ ہم ایک بار اٹھ کر اس "نبوتِ کاذبہ" کے سارے نشانات ایک ایک کر کے مٹا دیں۔ اسلامی لبادہ اوڑھ کر دنیا میں پھیلنے والے اس دجالی کفر کو جب تک پوری طرح ٹھکانے نہ لگایا جائے گا قادیانیت پوری امت کے لئے ایک چیلنج بنی رہے گی، اور محمد عربیؐ کی پوری امت اپنے محبوب پیغمبر کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکے گی۔ قرآن ہمیں ایسے معاملات میں وقاتلوهم حتىٰ لا تكون فتنةٌ ويكون الدين كلّهٗ لله کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ اس بارہ میں رواداری اور وسیع النظری کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو ایسی باتوں کو تنگ نظری اور فرقہ واریت سمجھتے ہیں وہ ایمان کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور ہزار بار دعویٰ ایمان و اسلام کے باوجود خدا کی نگاہ میں ان کی وقعت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی کے پیشاب کے قطرے کے

برابر بھی نہیں جس نے نبی کریمؐ کی دلآزاری کا کفارہ اپنے وقت کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو تہ تیغ کرنے کی شکل میں دیا اور جب تک اس ملعون کو جہنم رسید نہ کیا اس وقت تک خدا کی رحمت و مغفرت کے امیدوار نہ بن سکے۔

—— تعجب ہے کہ بعض لوگ قادیانیوں کے بارہ میں مسلمانوں کے مطالبہ اقلیت پر بھی چین بجبین ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہاں مسئلہ کفر و اسلام کا نہیں اسلام اور ارتداد کا تھا اور پوری اسلامی تاریخ میں ایسے لوگوں کی سزا قتل سے کم ہرگز نہ تھی اسے مسلمانوں کی رواداری کہئے یا مجبوریاں کہ وہ قادیانیوں کے بارہ میں انہیں "اقلیت قرار دینے" کا کمتر درجہ مطالبہ کرتے ہیں۔

تو آیئے ! ہم اس اقلیت کے مطالبہ کا ایک سرسری جائزہ لیں —— جہاں تک اقلیت کا مسئلہ ہے۔

دین و دنیا کے ہر شعبے میں علیحدہ امت ہونے کا اعلان

قادیانیوں کا بحیثیت ایک ایک الگ اور متوازی امت ہونے کے یہ نہ صرف ایک بدیہی حقیقت ہے۔ بلکہ خود مرزائیت اپنی تمام تر تعلیمات و اعمال میں نہ صرف ایک متوازی امت ہونے کا اعتراف کرتی ہے بلکہ اپنے پیروؤں کو عبادات، معاملات، معاشرت دین و دنیا ہر شعبہ زندگی میں اس علیحدہ جداگانہ تشخص کی تلقین و تاکید کرتی چلی آرہی ہے۔ اور اس دائرہ سے باہر تمام غیر مرزائی مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت اور الگ گروہ کہنے اور سمجھنے کے ہزاروں شواہد ہمارے پاس موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ "ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہ کیا، وہ مسلمان نہیں ہے" —— (تشحیذ الاذہان جلد ۶ ص ۱۳۵) اور کہا کہ میری بیعت میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے (قادیانی قول و فعل الیاس برنی ص ۱۷)

ان کے خلیفہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ ـــــ مرزا کی دعوت قبول نہ کرنے والے خواہ انہوں نے مرزا کا نام تک بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں (صـــ۱۷) ان کا انکار موجب غضب الٰہی اور کفر ہے (صـــ۱۵) ایسے لوگ خدا و رسول کے نافرمان اور جہنمی ہیں (صـــ۱۶) اپنے نہ ماننے والوں کو مرزا کیسے "پاکیزہ" القاب سے نوازکر کہتا ہے: کل مومن یتقبلنی الا ذریۃ البغایا ـــــ میرے مخالف جنگلوں کے سؤر ہو گئے ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں (نجم الہدیٰ صـــ۵۳) ہماری فتح کا قائل نہ ہونے والا ولدالزنا ہے: حلال زادہ نہیں ـــ

مرزا کے خلیفہ اور فرزند محمود احمد نے قادیانیت کے نمائندہ کی حیثیت سے گورداسپور کی عدالت میں کہا: کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے (اس لئے) غیر احمدی کافر ہیں (الفضل ۲۶ جون ۱۹۲۲ء) قادیانیت کے عالمی ترجمان ظفراللہ خان کا محمد علی جناح صاحب کے نماز جنازہ کا انکار کس کو معلوم نہیں۔ اور جب پوچھا گیا تو ظفراللہ نے کہا کہ مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھئے یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم ـــــ مسٹر جناح سے بہت پہلے اسی ظفراللہ نے اپنے ایک اور محسن سر فضل حسین کے جنازہ سے بھی یہی سلوک کیا اور وہ دور ہندو سکھوں کے ساتھ الگ کھڑے رہے (قادیانی قول و فعل صـــ۲۳) یہی نہیں بلکہ جب بھی مرزائیوں کے موقف کی ترجمانی کی ضرورت ہوئی، ظفراللہ نے عدالت میں بھی اس موقف کی تائید کی کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں۔ (صـــ۱۹)

ابھی پچھلے سال ایم ایم احمد نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ میں مرزائیوں کے اسی موقف کو بڑی ڈھٹائی سے دہرایا اور جنازہ کے مسئلہ میں ظفراللہ کے موقف کی بھی تصویب کی ـــــ مسلمانوں کے بارہ میں مرزائیوں کا یہ موقف اتنا کھلا اور واضح ہے کہ ۱۹۵۳ء کی منیر انکوائری نے بھی ہزار بددیانتی اور جانبدارانہ رویہ کے باوجود اپنی رپورٹ میں لکھا ہے

کہ ـــــ ہم نے اس بارہ میں احمدیوں کے بے شمار اعلانات دیکھے ہیں اور ہمارے لئے اس کی کوئی تعبیر سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مرزا کے نہ ماننے والے ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں (رپورٹ ص۲۱۲)

یہ تو مسلمانوں کے بارہ میں ان کا اصولی طرزِ عمل ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ امت سمجھنے لگے آگے اس اصولی موقف کو قائم رکھنے کے لئے دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں مرزائیوں نے مسلمانوں سے الگ تشخص قائم رکھنے کی تلقین نہ کی ہو۔

عبادات

کہا گیا کہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت ممنوع ہے اس لئے کہ کفار کو دعائے مغفرت جائز نہیں (قادیانی قول و فعل ص۲۲) غیر احمدی کا جنازہ ہرگز جائز نہیں (ص۲۳) ایسے لوگوں کے معصوم بچوں کا جنازہ بھی جائز نہیں (ص۲۹) مرزا نے اپنے ایک بیٹے کا محض اس لئے جنازہ نہ پڑھا کہ وہ غیر احمدی (مسلمان) تھا (ص۲۳) کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا تو کیا کسی احمدی نے ایسا کیا تو اس کا جنازہ بھی جائز نہیں۔ (ص۲۴)

معاشرتی معاملات

یہ تو عبادات کا حکم تھا، معاشرتی معاملات کو دیکھئے، مرزا کا قطعی حکم ہے کہ کوئی احمدی، کسی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے (ص۲۶) البتہ ان کی لڑکیوں کو بیاہ سکتا ہے جس طرح یہودی اور عیسائی لڑکی کو (ص۲۷) خود خلیفہ مرزا کے الفاظ میں ـــــ دینی تعلیمات نماز وغیرہ دنیوی تعلقات رشتہ ناطہ وغیرہ کے بعد اب لہ کیا گیا ہے کہ ہمارے لئے ان کے ساتھ قائم رکھنا جائز ہو سلام کہنا بھی جائز نہیں (ص۲۸ بحوالہ کلمۃ الفصل) مرزا ساری عمر نہ غیر احمدیوں کی کسی انجمن کے ممبر ہوئے نہ ان کو اپنا ممبر بنایا نہ ان کو چندہ دیا (ص۲۸) مرزائیوں سے اختلاف کو فروعی اور جزئی قرار دینے والے بے حمیت "مسلمانوں"، کے منہ پر

خود مرزائیوں نے اپنا علیحدہ مقبرہ اس طرح مارا ہے کہ وہ برملا کہتے ہیں "یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات، رسول کریم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے"۔ (خطبہ مرزا بشیر الدین۔ الفضل ۳ جولائی ۱۹۳۱ء)

اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا استعمال

مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مرزا نے خود اس دعوے کی قلعی اس طرح کھول دی ہے کہ ان (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے۔ (ایضاً ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء)

مسلمانوں سے دین اور معاشرت ہر لحاظ سے علیحدگی کی تلقین کے بعد اپنی جداگانہ تشخص کن کن طریقوں سے بحیثیت ایک الگ امت کے قائم کی گئی اس کی تفصیل دیکھئے۔

۱۔ اپنے پیروؤں کو "میری امت" سے تعبیر کیا گیا۔ ۲۔ رفقاء کو صحابہ کرام کا نام دیا۔ ۳۔ بیویوں کو امہات المومنین اور سیدۃ النساء کی اصطلاح سے نوازا۔ ۴۔ مرزا کے مدفن کو گنبد خضراء کے مماثل ٹھہرایا۔ ۵۔ قادیان کو مکہ اور مدینہ کے برابر ٹھہرایا۔ ۶۔ قادیان کے سفر کو ظلی حج کا لقب دیا۔ ۷۔ سنہ ہجری کے علاوہ نئی تقویم کی بنیاد ڈالی۔ الغرض کسی دین اور امت کے لوازمات اور مناسبات کو ایک ایک کر کے اختیار کرنے کی سعی کی گئی، اپنے مقابل امتِ محمدیہ کو سیاسی سطح پر جس طرح برصغیر اور پوری دنیا میں مٹانے کی کوششیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں وہ آج کی فرصت کا موضوع نہیں۔ کبھی آئندہ اس پر مفصل گفتگو ہوگی انشاء اللہ۔ اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے جب بھی مسلمانوں کی طرف سے آواز اٹھی کہ انہیں اقلیت قرار دیا جائے تو سارے مسلمانوں کو کافر اور جہنمی کہنے والوں کی "رگِ اسلامیت"

پھڑک اٹھتی ہے اور دادیلا پڑ جاتا ہے کہ اس طرح وہ اسلامی لبادہ میں مارِ آستین بن کر مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی مفادات سے محروم ہو جائیں گے اور بدقسمتی سے اس انگریز کی پیدا کردہ "امت" کو انگریز ہی کی دیسی ذریت کی شکل میں سرپرست بھی مل جاتے ہیں۔

مسلمان اور کلمہ گو ہونے کی حقیقت

اب کے مرزائیوں نے جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے وہ اپنے ایمان اور اسلام اور مسلمان ہونے کا پروپیگنڈہ ہے۔ گھر گھر ایسے پمفلٹ اور رسائل پہنچائے جا رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، حضورؐ کو خاتم النبیین جانتے ہیں، کلمہ گو ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اس طرح بہت سی باتوں کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دہی کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں ہم ایسے دعووں کا بھی سرسری جائزہ ضروری سمجھتے ہیں۔

۱:۔ وہ حضورؐ کو ہزار بار خاتم النبیین کہیں مگر اس سے ان کی مراد امت کا متفقہ مفہوم آخری نبی نہیں ہوتا بلکہ ایسا نبی جس کی مہر (خاتم) امت کو نبی بنا دے مرزا محمود احمد دوسرے خلیفہ نے عدالت میں بیان دیا کہ لغت میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے۔ (عدالت گورداسپور میں بیان۔ شائع کردہ انجمن احمدیہ لاہور ص ۲۰)

۲:۔ مرزا کی اکثر ایسی عبارتیں ان کتابچوں میں پیش کی جا رہی ہیں جو اس کے دعوئ نبوت ۱۹۰۱ء سے قبل لکھی گئی ہیں۔ جبکہ اس زمانہ میں خود مرزا نبوت کے دعویداروں کو کاذب، کافر، بدبخت، دشمنِ قرآن، بےشرم اور کیا کیا کچھ قرار دیتے تھے۔ (ملاحظہ ہو آسمانی فیصلہ ص ۲۵ تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۲ ص ۲۳ وغیرہ) مگر جب "نبوت" کا دورہ پڑ گیا تو نہ صرف نبی بلکہ حقیقی نبی (حقیقت النبوۃ ص ۱۷۴) رسول (دافع البلاء ص ۱۰-۱۱)

مہدی اور محمد (الفضل ۲۶ رجنوری ۱۹۱۶ء) تمام انبیاء سے افضل (درثمین) بن گئے۔

۳:- مرزائی اپنے آپ کو کلمہ گو کہتے ہیں کہ ہمارا کلمہ شہادت ایک ہی ہے۔ اس کی حقیقت بھی سنئے۔ مرزائیوں کے نزدیک اس کلمہ سے مراد مرزا کی نبوت کی تصدیق اور مرزا کی ذات ہوتی ہے وہ اگر کلمہ گو ہیں تو مرزا ہی کے نہ کہ محمد عربی علیہ السلام کے۔ اس لئے کہ مرزا کہتا ہے کہ "محمد الرسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد الرسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے (الفضل ۱۵ رجولائی ۱۹۱۵ء) احمد سے مراد مرزا ہیں۔ (الفضل ۱۹ راگست ۱۹۱۸ء) قرآن میں آپ ہی کی بشارت کا ذکر ہے ——— اب (خاکم بدہن) محمد الرسول اللہ کو بھی مرزا کے اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔ (پیغام صلح جلد ۲ ص ۲۴) اس وحی اللہ میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۱۴) اس لئے مرزائیوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ——ہمیں نئے کلمے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود رسول کریم سے الگ کوئی چیز نہیں وہ (مرزا) خود محمد الرسول اللہ ہے۔ اس لئے ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت نہیں اگر محمد الرسول اللہ کی جگہ اور آتا تو ضرورت ہوتی۔ (کلمۃ الفصل رسالہ ریویو آف ریلجینز جلد ۱۴ ص ۱۵۸)

۴:- وہ اپنی موجودہ تحریرات میں مسلمانوں کو مسلمان کہتے ہیں جبکہ مذکورہ بالا حوالوں سے آپ کو اس کے خلاف معلوم ہو چکا تو لیجئے اس تقیہ اور دجل و تلبیس کی حقیقت بھی خود مرزائیوں سے سنئے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے خود یہ الجھن دور کر دی ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان سے موسوم کرتے ہیں تو محض اس لئے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اس لفظ کے بغیر پتہ نہیں چل سکتا مگر

خدا کے نزدیک مسلمان نہیں، انہیں نئے سرے سے مسلمان کرنا ہوگا۔
(مرزا بشیر احمد ص۲۱)

۵:۔ وہ اگر کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو مرزا کی اصطلاح میں "ان کا (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور۔"

۱۶:۔ **امتیں انبیاء سے بنتی ہیں** | اگر ایک شخص ہزار بار کلمہ کو کہلائے کلمۂ شہادت کو شبانہ روز ورد بنائے مگر دین کے کسی قطعی عقیدہ یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک بات کا منکر ہو تو تمام امت کے نزدیک بالاجماع کافر ہو جاتا ہے۔ یہی طرزِ عمل مرزا محمود احمد نے غیر قادیانی یعنی مسلمانوں کے بارہ میں اختیار کیا ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ کلمہ گو نہیں کہ آپ انہیں کافر کہتے ہیں، مرزا نے جواب دیا۔ بے شک وہ کلمہ گو ہیں مگر مسلم کے لئے توحید، تمام انبیاء، ملائکہ، کتب سماوی پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو ان میں سے ایک کا منکر ہو جائے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیر احمدی مرزا کی نبوت سے منکر ہو کر کفار میں شامل ہوئے (الفضل جلد ۲ جون ۱۹۲۲ء)

خود مرزا نے ایک دفعہ کھل کر جواب دیا کہ صوم و صلوٰۃ کا پابند شخص بھی اگر کسی ایک حکم کو نہ مانے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر زنا یا چوری کو جائز کہہ دے تو کافر ہو جاتا ہے۔ (البدر ۲۶ جون ۱۹۱۲ء)

پس ٹھیک یہی مؤقف مسلمانوں کا مرزائیوں کے بارہ میں ہے اگر کوئی شخص اسلام قرآن، حدیث، ارکانِ اسلام، شعائرِ اسلام نبی کریمؐ کی مدح و توصیف سے دفتر کے دفتر بھر دے مگر وہ حضور خاتم النبیینؐ کے بعد کسی بھی شخص کو کسی قسم کا نبی تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے کافر اور ملعون نہیں سمجھتا تو وہ اسلام کے قطعی فیصلہ کی رو سے کافر اور بدترین ہوگا۔ اس لئے کہ

امتیں انبیاء سے بنتی ہیں۔ عیسائی حضرت موسیٰؑ کی نبوت تورات اور تمام احکام کو تسلیم کرتے ہوئے یہودیوں کے نزدیک اس لئے نئی امت ٹھہرے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت تسلیم کرلی۔ مسلمان حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ ان کی کتابوں ان کے دین اور ان کی سچی تعلیمات کی ہزار دل وجان سے تصدیق کرتے ہیں۔ مگر وہ عیسائی اور یہودی نہیں بلکہ محمدیؐ اسلئے کہلاتے ہیں کہ وہ حضورؐ کی نبوت پر ایمان لائے جنہوں نے تسلیم نہ کیا وہ عیسائی اور یہودی رہے اس طرح مرزائی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تمام تعلیمات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مرزا غلام احمد سے ادنیٰ رابطہ اور تعلق قائم رکھنے پر بھی اسلامی اور محمدی امت ہی سے خود بخود نکل جاتے ہیں۔

"پس اگر آج یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ اقلیت قرار دے دیا جائے تو یہ دونوں جماعتوں (مسلمانوں اور مرزائیوں) کے معتقدات کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر مرزائی مسلمانوں کے اندر رہ کر سیاسی، معاشی اور معاشرتی مفادات کی خاطر نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں کہ اس طرح دینی پردے میں وہ ملتِ مسلمہ کے اتحاد پر ضربِ کاری بھی لگا سکیں گے اور مفادات بھی حاصل ہوتے رہیں گے"۔

مگر حالات جو بھی ہوں پورے پاکستان اور پورے عالمِ اسلام کے فدایانِ محمد عربی اور پوری امتِ اسلامی کا یہی مطالبہ رہے گا، جیسے آج سے کافی عرصہ قبل مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ نے انگریزی حکومت کو خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ:۔

"ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ جب قادیانی مذہبی اور

معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل ہونے کے لئے کیوں مضطرب ہیں۔؟ ملّتِ اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ ابھی قادیانی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیّت سے برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکیں ــــــــ"

(اسٹیٹسمین کے نام خط ۱۰ رجون ۱۹۳۵ء)

علّامہ اقبالؒ نے حکومتِ وقت کے طرزِ عمل کو جھنجھوڑتے ہوئے مزید فرمایا:۔

"اگر حکومت کے لئے یہ گروہ مفید ہے، تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے۔ لیکن اس ملّت کے لئے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے ــــ"

الغرض آج بھی مسلمانوں کا یہی مطالبہ ہے کہ مرزا قادیان کے جملہ متبعین کو ہندو، سکھ عیسائیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ انہیں تمام کلیدی مناصب سے ہٹا دیا جائے ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی نوع کا دعوئے نبوت اور کسی ایسے مدعی کی تصدیق و تائید کی سزا مرتد کی سزا سے ہرگز کم نہ ہو۔ (ج ۸ ش ۹ جمادی الاول ۱۳۹۳ھ جون ۱۹۷۳ء)

قادیانیت اور مکہ معظمہ کی اجماعی قرارداد

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

قادیانیت کے بارہ میں حال ہی میں مکہ معظمہ سے عالمی اسلامی تنظیموں کی متفقہ قرارداد کی شکل میں جو آواز اٹھی ہے۔ وہ قادیانیت کے بارہ میں گویا پورے عالم اسلام کے متفقہ اور تازہ اجماع کی حیثیت رکھتی ہے۔ ماخذ شریعت قرآن و سنت اور اجماع امت کی رو سے کبھی بھی قادیانیوں کا کافر مرتد اور خارج از اسلام ہونا کوئی متنازعہ بات نہیں رہی اور اس اجماع کا ظہور متفقہ قرار سے ہوتا ہے مگر حال ہی میں ۱۴ ربیع الاول سے لے کر ۵ دن تک مسلسل جاری رہنے والی تمام دنیا کی اسلامی تنظیموں کی کانفرنس کی متفقہ قرارداد سے اس فرقہ خبیثہ کے بارہ میں گویا پورے عالم اسلام کی اجتماعی طور پر بھی اجماع کی ایک صورت ظاہر ہوگئی۔

اس کانفرنس کی یہ قرارداد ملت مسلمہ کے لئے جتنی اہم ہے بدقسمتی سے حالات کی وجہ سے ہمارے ملک میں اسے اتنا ہی نظر انداز کیا گیا تاکہ کعبۃ اللہ کی چوکھٹ سے وابستہ اسلامیان پاکستان اس خبر سے باخبر نہ ہو سکیں۔ ہمیں سعودی عرب کے پریس سے اس قرارداد اور کانفرنس کی تفصیلات کا علم ہوا ہم اس قرارداد کا اصل متن اور اس کا ترجمہ شائع کرتے ہوئے حکومت پاکستان اور عالم اسلام کے مسلمانوں اور حکومتوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اس قرارداد کے مندرجات پر لبیک کہتے ہوئے ملت مسلمہ کو اور عالم اسلام کو فرقہ خبیثہ مرزائیت اور اس کی سازشوں سے بچانے کی اجتماعی تدابیر اختیار کیجائیں یہ آواز صفا کی چوٹیوں سے بلند ہوئی۔ اور ہم اس کے ایک ایک حرف سے متفق ہی نہیں بلکہ اسے اپنے دلوں کی دھڑکن سمجھتے ہیں۔ اور ناموس ختم نبوت کے پاسبان تمام مندرجہ ذیل

رابطہ عالم اسلام، شرکاء کانفرنس کو اور بالخصوص خادم الحرمین الشریفین ملک فیصل کو نہایت خلوص سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ربیع الاول ۱۳۹۴ھ بمطابق ۸ راپریل ۱۹۷۴ء کی شام کو مکہ مکرمہ کی مقدس فضاؤں اور بیت اللہ الحرام کے سایہ میں دنیا بھر کے ایک سو چوالیس ۱۴۴ علمی اور اسلامی تنظیموں کی کانفرنس شروع ہوئی۔ یہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجتماع تھا جس میں اسلامی جماعتوں اور تنظیموں کے سربراہوں، نمائندوں، علم و فضل کے لحاظ سے دنیائے اسلام کے مشاہیر علماء، ادباء، صحافی اور اہل قلم و ارباب فکر نے متفقہ طور پر عالم اسلام کے دیگر مسائل کے علاوہ علمی اور دینی لحاظ سے الحاد وارتداد کی تحریکوں اور فتنوں کو بھی موضوع بحث بنایا۔ قادیانیت، صیہونیت، بہائیت، فری میسن اور اس کی ملحقہ تنظیمیں، عیسائی مشنریاں، کمیونزم، دہریت، مغربیت، اور الحاد وغیرہ کے انسداد پر غور ہوا۔ ان غیر اسلامی اور باطل فتنوں میں سرفہرست قادیانیت کا مسئلہ تھا، جو اب بحمد اللہ عربوں کے لئے بھی لمحۂ فکریہ بنتا جا رہا ہے اور سعودی عرب کے شاہ فیصل اور رابطہ عالم اسلامی کے مساعی اس سلسلہ میں خاص طور سے قابل تحسین ہیں۔

باطل مذاہب کے بارہ میں قرار دادیں مرتب کرنے والی کمیٹی کے چیئرمین علامہ محمود نے قرار داد پیش کرنے سے قبل قادیانی فتنہ کا مفصل تعارف کرایا۔ اس کے تاسیس کے سامراجی محرکات اور غیر اسلامی افکار و آراء اور عالم اسلام اور ملت مسلمہ کے خلاف مرزائیوں کے سیاسی کردار، سازشوں اور منصوبوں کو طشت از بام کیا۔ قادیانی ازم جو یقیناً ملت مسلمہ کے اتحاد کے لئے پوری دنیا میں ایک ضرب کاری بنی ہوئی ہے کا پس منظر بیان کرنے کے بعد قرار داد نہایت جوش و خروش سے منظور کی گئی۔ قرار داد میں اسلامی حکومتوں سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔ کہ نہ صرف یہ کہ مرزائیوں سے ہر قسم کے عدم تعاون کا برتاؤ کیا جائے، بلکہ

انہیں کسی بھی اہم کلیدی منصب پر فائز ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمان مندوبین میں سے یہ تیرہ بختی اور شقاوت صرف پاکستان کے ایک مندوب ٹی۔ ایچ ہاشمی کے حصہ میں آئی جس نے قرارداد کے اس حصہ سے غیر جانبداری اختیار کر کے حق و باطل کے اس معرکہ میں ایک عالمی سٹیج پر پاکستان کیلئے ذلت و رسوائی کا سامان فراہم کیا ہم پاکستان کو رسوا کرنے والے اس شخص کی نہ صرف مذمت کرتے ہیں بلکہ اس کے اس شرمناک رویہ پر لعنت بھیجے بغیر نہیں رہ سکتے اور ساتھ ہی ایسے لوگوں کو کسی بین الاسلامی اجتماع کا مندوب منتخب کرنے پر ذمہ داران حکومت سے احتجاج کرتے ہوئے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس طرح مٹھی بھر قادیانیوں اور یہودیوں کو خوش کر کے پورے عالم اسلام کے شبہات اور خدشات مول لینا اور دنیائے عرب کے اسلامی جذبات اخوت کو مجروح کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟

بہر حال ٹی۔ ایچ ہاشمی قسم کے دینی حمیت سے عاری صرف ایک شخص کے غیر جانبدار رہنے سے قرارداد کی اہمیت اور اجماعی حیثیت اور بھی نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ علماء کی کتابوں، اہل قلم کے مضامین، خطباء کے خطبوں، اہل تحقیق کی تصانیف، مفتیوں کے فتووں، عدالت کے ججوں، اور بعض اسمبلیوں کی قراردادوں کے بعد اب مرکز اسلام ام القریٰ مکہ معظمہ میں ہونے والی اور دنیا بھر کے اسلامی فکر و نظر کی نمائندگی کرنے والی کانفرنس کی نگاہوں میں بھی قادیانیت قطعی کفر، دجل و تلبیس، اسلام اور عالم اسلام کے خلاف یہودیوں اور سامراجیوں کی کٹھ پتلی ایک اسلام دشمن تحریک ہے۔ دیکھئے اب اس اجماع کے بارہ میں مرزائیوں کے کذاب علیہم کیا کہتے ہیں؟ مگر اس سے قطع نظر اسلامیان عالم اور اس کے ذمہ دار افراد کو بیت اللہ سے اٹھنے والی یہ آواز جھنجھوڑ رہی ہے کہ تاجدار مدینہؐ کی عصمت خلعت ختم نبوت کو تار تار کرنے کی سعی ناکام کرنے والے ذلیل ہاتھ کب تک

دنیائے اسلام کی غیرت کو للکارتے رہیں گے۔

اس تاریخی قرارداد (جس کا عربی متن آگے آرہا ہے) میں قادیانیت کو عالمِ اسلام کے لئے سب سے مضر اور بدترین خطرہ قرار دیا گیا ہے اور جسے کانفرنس کے ایجنڈا میں پہلے نمبر پر جگہ دی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

قرارداد

قادیانیت ایک باطل فرقہ ہے۔ جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اغراضِ خبیثہ کی تکمیل میں مصروف ہے اسلام کے قطعی اصولوں سے اس کی مخالفت ان باتوں سے واضح ہے:۔

الف:۔ اس کے بانی کا دعویٰ نبوت کرنا۔

ب:۔ قرآنی آیات میں تحریف

ج:۔ جہاد کے باطل ہونے کے فتوے دینا۔

قادیانیت کی داغ بیل برطانوی سامراج نے رکھی اور اس نے اسے پروان چڑھایا وہ سامراج کی سرپرستی میں سرگرم عمل ہے۔ قادیانی اسلام دشمن قوتوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں کے مفادات سے غداری کرتے ہیں۔ اور ان طاقتوں کی مدد سے اسلام کے بنیادی عقائد میں تحریف و تبدیل اور بیخ کنی کے لئے کئی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں مثلاً۔

الف:۔ دنیا میں مساجد کے نام پر اسلام دشمن طاقتوں کی کفالت سے ارتداد کے اڈے قائم کرنا۔

ب:۔ مدارس، سکولوں یتیم خانوں اور امدادی کیمپوں کے نام پر غیر مسلم قوتوں کی مدد سے ان کے مقاصد کی تکمیل۔

ج :۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآنِ کریم کے تحریف شدہ نسخوں کی اشاعت وغیرہ۔

ان خطرات کے پیشِ نظر کانفرنس میں متفقہ طور پر طے پایا گیا کہ :۔

(۱) دنیا بھر کی ہر اسلامی تنظیم اور جماعتوں کا فریضہ ہے کہ وہ قادیانیت اور اس کی ہر قسم کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی ان کے معابد، مراکز، یتیم خانوں وغیرہ میں کڑی نگرانی کریں اور ان کے تمام درپردہ سیاسی سرگرمیوں کا محاسبہ کریں۔ اور اس کے بعد ان کے پھیلائے ہوئے جال، منصوبوں، سازشوں سے بچنے کے لئے عالمِ اسلام کے سامنے انہیں پوری طرح بے نقاب کیا جائے۔ نیز

(۲) اس گروہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے اور یہ کہ اس وجہ سے انہیں مقاماتِ مقدسہ حرمین وغیرہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جاسکے گی ۔

(۳) مسلمان ان لوگوں سے کسی قسم کا معاملہ نہیں کریں گے، اقتصادی، معاشرتی، اجتماعی، عائلی وغیرہ ہر میدان میں ان کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ ان سے شادی بیاہ کے ناطے نہیں کئے جائیں گے۔ نہ مسلمانوں کے مقبروں میں انہیں دفنایا جائے گا الغرض ہر طرح ان کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

(۴) کانفرنس تمام اسلامی ملکوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں ان کے تمام وسائل اور ذرائع کو ضبط کیا جائے۔ اور کسی قادیانی کو کسی اسلامی ملک میں کسی قسم کا بھی ذمہ دارانہ عہدہ نہ دیا جائے ۔

(۵) قرآن مجید میں قادیانیوں کی تحریفات سے لوگوں کو خبردار کیا جائے اور ان کے تمام تراجم قرآن کا شمار اور نشاندہی کر کے لوگوں کو ان سے متنبہ کیا جائے اور ان تراجم کی ترویج کا انسداد کیا جائے ۔

ہم اس اہم قرارداد پر ایک بار پھر جلالۃ الملک فیصل المعظم، رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ اور

کانفرنس کے تمام شرکاء اور مندوبین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور عالم اسلام بالخصوص اپنی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس قرارداد کو یہاں کے چند ملاؤں کی بڑ قرار دینے کی بجائے اس کی اہمیت، دوررسی اور گہرائی پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہے۔ (۲۲ مئی - ج ۹ - ش ۶ - ۷ مئی ۱۹۷۴ء ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ)

"رابطۂ عالم اسلامی کی قرارداد کا عربی متن"

"نداءٌ من مكّة المكرّمة تنادي المسلمين"

نحلة هدامة تتخذ من اسم الاسلام شعاراً لستر اغراضها الخبيثة ابرز مخالفاتها للاسلام:۔

(ا) ادعاء زعيمها النبوّة۔
(ب) تحريف النصوص القرآنية۔
(ج) ابطالهم للجهاد۔

القاديانية ربيبة الاستعمار البريطاني ولا تظهر الا في ظل حمايته ...

تخون القاديانية قضايا الامة الاسلامية وتقف موالية للاستعمار والصيهونية تتعاون القادنية مع القوى المناهضة للاسلام وتتخذها هذه القوى واجهة لتحطيم العقيدة الاسلامية وتحريفها وذلك بما ياتي۔

ا:۔ انشاء مساجد تحولها القوى المعادية ويتم فيها التبشير بالفكر القادياني المنحرف۔

ب:۔ فتح مدارس ومعاهد وملاجئ للايتام وفيها جميعا تمارس القاديانية نشاطها التخريبي لحساب القوى المعادية للاسلام۔

ج:۔ تقوم القاديانية بنشر ترجمات محرفه لمعاني القرآن الكريم بمختلف اللغات

العالمية والمعجات المحلية بامكانية القوى المعادية ولايقاف هذا النشاط التخريبي للاسلام يقترح مایاتی ۔

١ :۔ تقوم كل هيئة اسلامية بحصر النشاط القادياني في مساجدهم ومدارسهم وملاجئهم وكل الامكنة التي يمارسون فيها نشاطهم الهدام في منطقتها وكشف القاديانيين والتحريف بهم للعالم الاسلامی تماديا للوقوع في حبائلهم ۔

٢ :۔ اعلان كفر هذه الطائفة وخروجها على الاسلام وهي لهذا تمنع من دخول الاراضى المقدسة ۔

٣ :۔ عدم التعامل معهم ومقاطعتهم اقتصاديًا واجتماعيًا ونكاحيا وعدم التزوج منهم ودفنهم في مقابر المسلمين ومعاملتهم ككفّار ۔

٤ :۔ مطالبة الحكومات الاسلامية بمصادرة كل نشاط هذه الجماعات وتسليمه للمسلمين الحقيقيين وعدم توظيف اے قادیانی اوالسماح له بمزاولة ای عمل ۔

٥ :۔ نشر مصورات بكل التحريفات القاديانية في القران الكريم مع حصر الترجمات القاديانيه لمعاني القران والتنبيه عليها۔ (الندوة مكة المكرمة ٨۔ ابریل ۱۹۷۴ء)

بہائیت

دنیا میں جو بھی فتنہ تخریب دین کے لیے پیدا ہوا ہے اس نے اپنے ساتھ کئی دوسرے فتنوں کو بھی جنم دیا ہے۔ فتنۂ رفض (شیعت) نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اس کی کوکھ سے مزید کئی فتنے پیدا ہوئے جن میں ایک فتنہ بہائیت کا بھی ہے، اس سازشی گروہ نے مسلمانوں کے عقائد کو خراب کرنے اور ان کو نقصانات پہنچانے میں کوئی بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ذیل کی اس تحریر میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے اس فتنے کی اصلیت اور اس کے عزائم پر نہایت دلچسپ پیرائے میں روشنی ڈالی ہے "باب الفرق" کے ساتھ مناسبت کی بناء پر "فتاوی حقانیہ" میں شامل کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

قاہرہ سے عرب لیگ نے اسرائیل سے ہر شعبۂ زندگی میں بائیکاٹ کے اداروں ——— مکاتب المقاطعة العربية لاسرائيل ——— کی طرف سے اپنی ایک نہایت اہم اور قابل توجہ قرارداد نشر کی ہے جو سارے اسلامی ممالک کی فوری توجہ کی مستحق ہے۔

غیر اسلامی صیہونی فرقہ

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ بہائی فرقہ کے بارے میں ایسے قطعی شواہد مل چکے ہیں کہ وہ درپردہ عالم عرب اور مسلمانوں کے خلاف اسرائیل اور صیہونیت کا آلہ کار ہے اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعے پورے عالم عرب میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ قرارداد میں بہائیت کو قطعی غیر اسلامی صیہونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کردیا گیا ہے۔ اور عرب ممالک میں اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا کہا گیا ہے۔ عرب پریس اور علمی و سیاسی شخصیتوں نے اس قرارداد کا بجا طور پر زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ سعودی عرب اور رابطہ عالم اسلامی نے اس بروقت تنبیہ پر عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری اور بر سر پیکار عرب اداروں کو مبارکباد

دی ہے۔ اس سے قبل پچھلے سال مکہ مکرمہ میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں نے بھی اپنے اجلاس اپریل ۱۹۷۴ء میں بہائیت کے بارہ میں ایسی ہی واضح اور غیر مبہم قرارداد میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا تھا کہ بہائی تنظیم کے تمام مراکز، لٹریچر اور سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔ اس اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ان سے کلی مقاطعہ کرنے کی وہ تاریخی قرارداد بھی پاس ہوئی تھی جو لبعد میں قادیانی تحریک کے دوران مسلمانوں کے کاز کو تقویت پہنچانے کا باعث بنی۔ عرب پریس بہائیت کے بارہ میں اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اس فرقہ کی بہت سی صیہونی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے پردہ اٹھا رہی ہے۔

مذہب سے زیادہ صیہونی سیاسی جماعت

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہائی فرقہ ایک مذہب اور فرقہ ہے بھی نہیں بلکہ دراصل وہ اس پردہ میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صیہونی پروٹوکولات اور سامراجی و یہودی منصوبوں کی تکمیل ہی کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہی منصوبے ہیں جو ایک طرف تو عالمی تنظیم فری میسن روٹری کلب، لائنز کلب، غیر مسلم مشنری اداروں فحش جنسی لٹریچر اور استشراق و تحقیق کے نام نہاد اداروں کی شکل میں مسلمانوں میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تباہی، فکری انتشار و اختلاف، سیاسی ضعف و اضمحلال برپا کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف بہائیت، قادیانیت اور اس طرح کے کئی ایک فرقوں اور جماعتوں کے لبادہ میں ملت مسلمہ پر شب خون کا کام کرتے ہیں۔ بہائیت کے آغاز، محرکات، عقائد و اعمال اور سرگرمیوں میں گئے بغیر ایک سطحی نظر سے بھی اس کے اصل عزائم اور مقاصد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بہائیت کا سرچشمہ اور مقاصد

بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مرزا علی محمد باب شیرازی (۱۸۲۰ء) نے شیعی غلو محبت اور اعتقاد کی آڑ لے کر اس مذہب کو فروغ دیا اور عقائد و اعمال، اوہام و خرافات کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کر کے پیش کیا جسے اسلام سے تو کیا کسی بھی آسمانی مذہب کے دعویدار نظام ہدایت و ارشاد سے دور کا بھی تعلق نہ رہا۔ چونکہ اس کی تاسیس ہی درحقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی

عداوت پر رکھی گئی تھی تو اس کے علمبرداروں نے بھی کسی اخلاقی مجد و شرف، انسانی اقدار شرافت، عقل و فکر کی پختگی، عقیدہ و عمل کی اصابت کا لحاظ کئے بغیر اس ملغوبہ میں ہر وہ عنصر شامل کر دیا جو کسی نہ کسی طرح بھی اخلاقی و مذہبی اقدار سے باغی ابابیت زدہ انسانوں کے لئے باعث کشش بن سکے۔ اس سلسلہ میں حیا، شرافت، حلال و حرام، جائز و ناجائز، عقیدہ و اوہام، عقل اور بغاوت کا کوئی سوال نہ تھا۔ ابابیت کے مارے ہوئے یہود و نصاریٰ نے اسے اپنی تشنگی کا علاج اور صیہونیت و استعمار نے اسے مسلمانوں کے خلاف شرمناک مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا اور اس طرح وہ مغرب کے یہود و نصاریٰ، مشرق کی مجوسی اور مریض ذہنیتوں کا مرکز نقطہ بن گیا۔

اہل یورپ اس میں دھڑا دھڑ شامل ہونے لگے۔

مشہور مستشرق گولڈ زیہر کا اعتراف ہے کہ:۔

امریکہ میں قائم ہونے والی علمی اور ادبی انجمنوں نے اس کے اصول و ضوابط کے استحکام و فروغ میں نہایت بھرپور حصہ لیا۔ (انہی اصول و ضوابط کے استحکام نے ہمارے ہاں روٹری کلب اور لائنز کلب جیسی انجمنوں کا روپ دھار لیا۔ راقم) طبعی طور پر بہائیت اپنے سرپرستوں کے دیس امریکہ کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل گئی اور شکاگو کو مرکز بنا لیا گیا۔ (العقیدۃ الشرلعیۃ ص۲۵۰)

استعماری مقاصد کا آلہ کار | پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی استعمار کو عالم اسلام کی بیداری سے خطرہ لاحق ہوا تو ٹھیک یہی زمانہ دنیا میں بہائیت کے فروغ اور ترویج کے لئے نہایت سازگار ثابت ہوا۔ کافی عرصہ قبل جب حکومت مصر کے سامنے اس فرقہ کی غیر اسلامی، غیر انسانی اور صیہونی تصویر آگئی تو وہاں کے محکمۂ قضا یہاں تک کہ پارلیمنٹ اور وزارت داخلہ نے بھی اس فرقہ کو پرامن اور مسلمان شہریوں کے حقوق دینے سے انکار کر دیا۔

اسلامی حکومتوں کا فرض | اب جبکہ عالم عرب کی نہایت اہم کمان عرب لیگ نے اتنی ذمہ داری سے بہائیت سے عرب ممالک کو متنبہ کرایا ہے تو اس کے پاس قطعی اور کھلے شواہد ہوں گے۔ (گنجائش ہوتی تو ہم خود بھی اس کی نقاب کشائی میں تفصیل میں جاتے)

تو نہ صرف عالم عرب بلکہ تمام اسلامی حکومتوں کی غیرت ملی، حمیت دینی اور قومی و سیاسی مقاصد کا تقاضا ہے کہ اس قرارداد پر لبیک کہتے ہوئے بہائیت کی تمام دعوتی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا جائے۔

فری میسن روٹری اور لائنز کلب

عرب پریس میں اس قرارداد کے ساتھ فری میسن، روٹری اور لائنز کلب کا بھی ذکر آرہا ہے اور قادیانیت کی ریشہ دوانیوں کا بھی۔ اوّل الذکر پر پاکستان میں رسمی اور قانونی پابندی لگ چکی ہے۔ گو اس کی سرگرمیاں اب تک جاری اور مشتبہ ہیں۔ روٹری اور لائنز کلب کا مسئلہ بھی ۵ جولائی ۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قرارداد کے ضمن میں زیر بحث آیا تو حکومت نے انہیں علمی اور ثقافتی ادارے قرار دیتے ہوئے ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے لاعلمی کا اظہار کیا، مگر اب جبکہ ان اداروں اور فرقوں کی سرگرمیاں پورے عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ بن چکی ہیں تو حکومت کو بھی نہایت دانشمندی سے ان اداروں کے بارہ میں نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ بدقسمتی سے ہمارا ملک ان تمام ملت کش عناصر کے لئے نہایت زرخیز ثابت ہو رہا ہے اور بہائی فرقہ بھی منظم شکل میں اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اس کے مراکز ہیں اور لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے۔ کراچی، لاہور، لائلپور میں اس کی تبلیغی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ اب حکومت اور تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ ایسے تمام عناصر کا قلع قمع کر دے جو مار آستین بن کر ملک و ملت کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں۔

◆

فتنۂ رفض و انکارِ صحابہؓ

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جان نثار جماعت (صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا انتخاب کیا جو اپنی جان و مال کو اسلام کی خاطر لٹانے کے لیے ہمہ تن و ہمہ وقت تیار رہتی تھی، اس مقدس جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اطہر کو کسی بھی حال میں نہیں چھوڑا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کے ایمان کو دوسروں کے لیے نمونہ اور معیار قرار دیتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: "امنوا کما آمن الناس (الایۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشہور یہودی عبداللہ بن سبا نے اور اس کے بعد اس کی روحانی ذریت نے صحابۂ کرامؓ کے تقدس اور تعدیل کو پامال کرنے کی کوشش کی۔ علماءِ امت نے ہر زمانہ میں سبائی ٹولے کے ان ناپاک عزائم کا بھرپور تعاقب کرتے ہوئے حضرات صحابۂ کرامؓ کے ناموس کی جنگ لڑی۔ اسی سلسلہ کی ایک ... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا ذیل کا یہ مضمون بھی ہے جو دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان "ماہنامہ الحق" میں شائع ہوا۔" فتاویٰ حقانیہ" کے باب الفرق کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے برائے افادۂ عام شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

تعدیل صحابہ مدارِ دین ہے

قدوسیوں کی اس جماعت صحابہؓ کی تقدیس اور تعدیل پر ہمارے افکار و نظریات ہمارے قرآن، ہمارے سنت اور ہمارے تمام اسلامی نظام کا مدار ہے۔ وہ دین اور شریعت کی اساس ہیں۔ وہ ہمارے قرآن کی صداقت اور ہمارے پیغمبر کی حقانیت کے گواہ ہیں غیر تو غیر "اپنوں" میں سے بھی اگر کوئی اٹھ کر ان ستونوں کو گراتا ہے، ان کی عدالت مجروح کرنے کی مذموم سعی کرتا ہے۔ ان کی عظمت اور تقدس کو داغدار کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے ملی خودکشی اور اپنے دین اور اپنے پیغمبر اپنی شریعت سے دشمنی ہی سمجھیں گے اور پوری خیرخواہی، اخلاق اور خدا ترسی

سے اس ہاتھ، اس قلم اور اس زبان کو روکنے کی کوشش کریں گے کہ اگر دین کے یہ اولین محافظ (خاکم بدہن) منافق، سازشی، منافق، پالیٹکس، خود غرض یا اقربا پرور اور معاذ اللہ جابر و ظالم تھے تو جو دین اور شریعت اور جو کتاب و سنت ان کے ذریعے ہم تک پہنچی اور جس پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی۔ یہ ساری عمارت اور سارا ڈھانچہ خود بخود دھڑام سے گر پڑے گا۔ صحابہ کرام کی تقدس ثقاہت اور تعدل کا مسئلہ صرف جذبات اور نری عقیدت کا مسئلہ نہیں اور نہ اسے تعصب اور بدخواہی پر محمول کرنا چاہیے۔ یہ پوری شریعت اور پیغمبر اسلام کی صداقت اور حقانیت کا سوال ہے جن لوگوں کی جانفشانی، اخلاص، علو ہمت، ایثار و جہاد کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں اگر ہم "علم و تحقیق" یا عناد و تعصب کا تیشہ ان ہی پر چلانے لگیں تو اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بقول امام شعبیؒ (جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں نقل کیا) ہم یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ثابت ہوں گے اور یہود و نصاریٰ ہمارے مقابلہ میں زیادہ مرتبہ شناس اور قدردان کہ جب ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں زیادہ بہتر کون لوگ ہیں۔؟ تو یہود نے کہا حضرت موسیٰ کے ساتھی اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کے حواری (صحابہؓ) اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رسولؐ کے صحابہؓ کو بدترین امت ثابت کرنے لگے ــــ" کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ اس طوفان نوحہ و ماتم میں ہمارا پورا گھر (دین و شریعت) تو نہیں ڈوب رہا۔؟ اور ہماری "تحقیق و اکتشاف" کی کلہاڑی سے قصر اسلام میں شگاف تو نہیں پڑ رہے۔؟ ولا فعل اللہ ذالک فاعتبروا یا اولی الابصار

عظمتِ صحابہؓ اور شانِ عدالت پر حملے

صحابہ کرامؓ ہمارے دین کے سرکاری گواہ ہیں۔ جن کی عدالت اور صفائی خود خداوند کریم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ قرآن و سنّت اور دین و شریعت کے نام سے جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے۔ وہ اسی قدسی صفات جماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ ان

کی بے لوث قربانی اور کوششوں کے نتیجہ میں ہمیں اور ہمارے اسلاف کو کفر و شرک اور ظلم و ضلالت کی ظلمتوں کی جگہ ایمان و یقین اور عدل و انصاف کی روشنی نصیب ہوئی۔

علم و تحقیق کے نام پر پس یہ کیسی بدبختی اور شقاوت کی انتہا ہے کہ آج ہم میں سے ہی بعض ناعاقبت اندیش اور دولتِ خشیتہ خداوندی سے کورے ہاتھ انہی بنیادوں پر تیشہ چلا رہے ہیں اور وہی زبانیں جو "اقامتِ دین" اور اسلامی نظام کے احیاء کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے اپنی ساری قوتِ گویائی صحابہؓ کی تعدیل و تقدیس کو مجروح کرنے میں خرچ کر رہی ہیں۔ اور صحابہؓ جیسی بیش قیمت متاعِ دین و ایمان کی بولی اپنے جماعتی اخبارات اور رسالوں میں سرِ بازار لگائی جا رہی ہے۔ اگر علم و تحقیق کے نام پر اسلام دشمنی اور اپنے اولین محسنوں کی ناقدری کا یہ شغل جاری رہا تو دردمندانِ اسلام اور علمائے حق کا اولین فریضہ ہوگا کہ وہ متفق ہو کر اس لبادۂ عیّاری کو تار تار کر دیں۔ بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور ایسے مکّار ہاتھ شل ہو جانے چاہئیں جس کی دست درازیوں سے عثمانؓ مظلوم اور معاویہؓ مرحوم کی قبائے عصمت و تقدیس اور صحابہؓ کی شانِ عدالت و تعدیل بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ مگر جو قلم شہیدِ عثمانؓ کے اس خون سے رنگا جا رہا ہے۔ جس نے حضرت عثمانؓ کے بدن سے گرتے وقت قرآن کریم کی آیت فسیکفیکھم اللہ کی فولادی ضمانت میں پناہ لی تھی۔ کیا آج اللہ کی کفایت اس خون کے تقدس کی حفاظت و ضمانت سے مجبور و بے بس ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلا، ہرگز نہیں، یہ خون آج بھی تازہ ہے۔ عثمانؓ کی مظلومیت اور شہیدِ دار کی بیکسی تمام صحابہؓ کی عظمتوں کی قسم کھا کر زبانِ حال سے ان نام نہاد اربابِ تحقیق پر خندہ زن ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔

اظہارِ برأت عظمتِ صحابہؓ کو مجروح کرنے کی جو وبا ہمارے ہاں "خلافت و ملوکیت" کے نام سے پھیلی اور پھیلائی گئی، افسوس کہ بعض ثقہ اور متدین ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آ

گئے۔ دہلی کے معروف ادارہ "ندوۃ المصنفین" کے آرگن برہان میں پچھلے ماہ کسی کیپٹن قطب الدین نے خلافتِ راشدہ کے ضمن میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارہ میں نہایت ہرزہ سرائی کی بلکہ اصولی طور پر عدالتِ صحابہؓ پر بھی نہایت سخیف انداز میں طبع آزمائی کی۔ ندوۃ المصنفین ہمارا ہی ایک قابلِ فخر اشاعتی ادارہ ہے، پھر اس کے مدیر شہیر مولانا سعید احمد اکبر آبادی تو خود ایک ثقہ، متدین اور محقق صاحبِ قلم اور دیوبند سے وابستہ جید عالم ہیں۔ ایسے پرچہ میں اس قسم کا مضمون آنا نہایت تاسف اور حیرت کی بات تھی۔ چنانچہ مدیر برہان کو توجہ دلائی گئی جو ان دنوں علی گڑھ یونیورسٹی کے اسلامیات کے صدر اور وہاں مقیم ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ توقع کے مطابق مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنے جوابی گرامی نامہ میں اس مضمون سے اپنی اور ادارہ کی طرف سے براءت ظاہر فرمائی۔ اور برہان میں بہت جلد اس کی تلافی فرمانے کا بھی وعدہ کیا۔

دفاعِ صحابہؓ اور ہمارا فرض

قومی یک جہتی، استحکام، باہمی رواداری اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت سے کس باشعور شخص کو انکار ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں عنان اقتدار ہے ان کی طرف سے بھی ملکی سالمیت کی خاطر قومی یک جہتی، باہمی اتحاد اور حسن معاشرت پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس ملک کی غالب اکثریت اہل سنت والجماعۃ کی ہے جس کے ریشہ ریشہ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدیس کے ساتھ ساتھ اہل بیتؓ اور ائمہ اطہارؒ کی محبت بھی رچی بسی ہے۔

دفاعِ صحابہؓ سنی مسلمانوں کا فریضہ ہے

ایک ایسی اکثریت اگر اپنے اساسی نظریات دینی معتقدات و مسلمات کے تحفظ اور دفاع کے لئے کسی اقلیتی فرقہ کی ان سرگرمیوں میں قدغن کرتی ہے، جس کی زد دینی عظمت و تقدس اور دینی افکار و نظریات پر پڑ رہی ہے۔ یا جس سے ان کے مسلک و مذہب کے ان لوگوں کی عظمت مجروح ہوتی ہے جن کا وجود دین میں اعتبار ثقاہت اور اسوہ کا مقام رکھے — تو ایک اسلامی اور جمہوری ملک میں

اسے ہرگز انتشار پسندی اور تفرقہ انگیزی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس اخلاقی، سیاسی، جمہوری اور دینی استحقاق کے باوجود یہاں کی اکثریت محض قومی یک جہتی اور ملکی استحکام کی خاطر (یا اپنی دینی اقدار و مسلمات سے غفلت اور بے حسی کی وجہ سے) اقلیتی طبقوں سے جس رواداری یا مساوات اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے، چاہیئے تو یہ تھا کہ اس حسن معاشرت اور فراخدلی کا خیر مقدم کیا جاتا۔ اپنے دل آزار معتقدات کو اپنے تک محدود رکھا جاتا، نہ یہ کہ پورے ملک کے سواد اعظم پر اپنے جارحانہ عزائم اور توسیعی ارادے نافذ کرانے کی سعی کی جاتی اور اس کے لئے روش اختیار کی جاتی جو نہ تو پاکستان کی سالمیت اور بنیادی اصول سے جوڑ کھائے اور نہ اکثریت کا مسلک و مذہب اسے گوارا کر سکے۔

اہل الحاد و فتن کی سینہ زوری

مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کوئی فرقہ یا جماعت، تو کیا کوئی ایک فرد بھی اٹھ کر پورے ملک کے اعتقادات اور پاکستان کے اساسی نظریہ "اسلام" کو للکار سکتا ہے۔ اسے دین اور مذہب کے ایک ایک ستون گرانے اور اسلام کے پورے فکری نظام کو تہ و بالا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ وہ ڈنکے کی چوٹ علم و مشیخت، مدرسہ و خانقاہ مسجد و مکتب، درس و تدریس، تصنیف و مطالعہ، ارشاد و تربیت، غرض اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام مظاہر، اداروں اور شخصیتوں کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی تبلیغ کرتا ہے۔ چند افراد کا ایک گروہ جدّت اور روشن خیالی کے پندار میں پورے دین فطرت، اسلام کو ملکی ترقی کے لئے "ربڑ کا سپیڈ بریکر" سمجھتا ہے اور اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام علماء حق کو "ملائیت" کے نام پر پابند طوق و سلاسل کرنے کے مشورے دے رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو نظر و فکر۔ اگست ۱۹۶۷ء) ایک شخص (غلام احمد پرویز) اٹھ کر اسلام کے پورے "حدیثی ذخیرہ" اور پیغمبر کی تشریعی حیثیت پر ہاتھ صاف کرتا ہے مگر اس تمام جارحانہ غیر جمہوری، غیر اخلاقی اور لادینی تحریر و تقریر کو قومی یکجہتی کے خلاف اور اکثریت کی دلآزاری قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اسلام کی تحقیق و ریسرچ کے نام پر اس اسلام دشمنی اور سیکولر نوازی کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اگر اس ظلم و افراتفری کے خلاف اکثریت کوئی آواز اٹھاتی ہے تو

الٹا اسے انتشار پسند اور تفرقہ انگیز سمجھ لیا جاتا ہے۔

نبوت کاذبہ کا پرچار | جعلی نبوت کی علمبردار ایک جماعت (جسے پوری اسلامی دنیا روز اوّل سے کافر، مرتد اور خارج اسلام سمجھتی ہے) بلا روک ٹوک اپنی نبوت کاذبہ کا پرچار اور مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سالمیت کو چیلنج کرتی ہے۔ ملکی زرمبادلہ سے تبلیغ کے نام پر دیس دیس میں اس کی خلاف اسلام مساعی جاری ہیں۔ اس کا امیر پورے طمطراق اور شان بان سے اسلام کا "نمائندہ" مسلمانوں کا "خلیفہ" اور پاکستان کا "مذہبی راہنما" بن کر یورپ کے سرکاری اور عوامی محافل میں پیش ہو رہا ہے۔ عالم اسلام کے بدترین دشمن اسرائیل تک میں اس جماعت کے مشن قائم ہیں جس کا اعلان وہ بلا کسی جھجک کے اپنے گوشواروں میں کر رہی ہے۔ مگر ارتداد کی اس مہم کو نہ تو قومی یک جہتی کے منافی سمجھا جاتا ہے اور نہ مسلمانوں کے عزیز ترین اعتقادات کے لئے چیلنج جبکہ اس ملک کی اکثریت کو اپنے دین اور پیغمبرؐ سے جذباتی اور فدایانہ لگاؤ ہے۔

شیعہ معتقدات کا فروغ | اہل سنت والجماعۃ (دوسرے الفاظ میں پاکستان کی غالب اکثریت) کی "فراخ حوصلگی" سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش ہمارے شیعہ حضرات نے بھی کچھ عرصہ سے شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ایک بڑے گروہ کی جانب سے

۱۔ شیعہ مسلمانوں کے لئے الگ نصاب تعلیم و تربیت بنانے۔

۲۔ عزاداری (دوسرے الفاظ میں تبرا اور صحابہؓ کے سب و شتم) کے جلوسوں کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کرانے۔

۳۔ اور شیعوں کے لئے ایک الگ اوقاف بورڈ قائم کرنے کے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں ان مطالبات کی خاطر "میدان کربلا" کی یاد تازہ کرنے تک کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ اب تک اکثریتی طبقہ کے علمی و فطری حلقوں نے ان انتشار انگیز باتوں کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا کہ ملکی استحکام اور بقاء کو غتر بود کرنے والی ان فتنہ انگیز باتوں پر غور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

جس کی ہلاکت آفرینی کا شیعہ حضرات کے سمجھ دار اور سنجیدہ حلقوں کو بھی احساس ہوگا کہ الگ تھلگ رہنے کا یہ احساس اور علیحدگی کی یہ جدوجہد اگر ایک طرف ملک کی سالمیت پر ایک کاری ضرب ہے تو دوسری طرف عظیم اکثریت کے ردعمل کی شکل میں خود شیعوں کے لئے یہ انداز افتراق بے شمار مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ علیحدگی کے ان رجحانات کا ردعمل پھر تعلیم اور اوقاف تک محدود نہ رہے گا بلکہ کئی دیگر ایسے امور میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے، جس کا تصور بھی ملک وملت کے بہی خواہ نہیں کر سکتے۔

سرکاری نصاب سے خلافت راشدہ کا اخراج

ان وجوہات سے اہل سنت ان مطالبات کو "دیوانوں کی بڑ" سمجھتے رہے مگر بدقسمتی سے اونچی سطح پر بعض ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں جس سے اہل سنت کی خوش فہمی اور حسن ظن غلط ثابت ہونے لگا۔ مثال کے طور پر یہ المناک خبر کہ سرکاری مدارس کے نصاب اسلامیات میں سے خلافت راشدہ کا عنوان حذف کر دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر سکولوں کو ایک سرکلر کے ذریعہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ جیسے معماران اسلام کے احوال وسوانح کی تعلیم سے روک دیا گیا ہے۔ (جن کی سوانح یورپ کی بعض یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل اور ان کے لئے مشعل راہ ہے) جن کی پاکیزہ معیاری سیرت ملک اور معاشرہ کی تشکیل کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف جناب گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے شیعہ مطالبات پر غور کے لئے بورڈ کی نامزدگی کی خبریں آئیں۔ ان امور نے بجا طور پر اہل سنت کو چونکا دیا ہے اور یہ خبریں پورے ملک کے لئے لمحہ فکریہ بن چکی ہیں۔ ایک ایسی تحریک جس کے نتیجہ میں ملک وملت ہمیشہ کے لئے دو گروہوں میں بٹ جائے اور نہ ختم ہونے والے افتراق کا سلسلہ شروع ہو، کوئی معمولی سانحہ نہیں جس سے اہل سنت اور ملک کے دوسرے خیر خواہ صرف نظر کر سکیں۔

سنی کنونشن

اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ملتان میں تنظیم اہل سنت کی طرف سے سنی کنونشن کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت اور ہر لحاظ سے موزوں اقدام ہے۔ اس کنونشن میں پورے

مغربی پاکستان کے مختلف دینی عناصر نے بھاری تعداد میں شمولیت کی اور مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر غور کے بعد چند قراردادیں پاس کیں جن میں ان امور کا سختی سے محاسبہ کیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں باہمی عناد و فساد اور فرقہ وارانہ تلخی اور تصادم پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس ضمن میں اہل سنت کے مختلف مکاتیب فکر سے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے باہمی اتحاد و اتفاق کی اپیل اور شیعوں کے دلآزار مساعی جلسے جلوسوں اور صحابہ کرام کی بے حرمتی اور گستاخی پر پابندی کا مطالبہ اور نصاب میں خلفاء راشدین کی سیرت نکالنے کی سازش وغیرہ امور پر شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ یہاں ان تمام قراردادوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں —— یہ قراردادیں ملک کی خیر خواہی، دین کے تحفظ اور قومی سالمیت کی ترجمان ہیں اور ہر لحاظ سے تائید کی مستحق —— ظاہر ہے کہ نہ تو ایک مٹھی بھر جماعت کی خاطر ملک و ملت اس تشتت اور باہمی تقسیم کی متحمل ہے اور نہ اہل سنت اپنے ان بزرگوں اور مقدس اسلاف کی کھلم کھلا بے حرمتی، سب و شتم اور تبرا بازی یا معاندانہ سلوک کو گوارا کر سکتے ہیں جنہیں خلفاء راشدین یا صحابہ کرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سنی سوادِ اعظم پر صریح زیادتی

تعجب ہے کہ ایک طرف تو ملک کی اکثریت سے لاء اینڈ آرڈر قسم کے پریس نوٹوں اور آرڈیننسوں کے ذریعہ دیگر فرقوں کا تحفظ کروایا جاتا ہے اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے دینی نظریات، اعتقادات اور قطعی مسلمات کی سر راہ توہین اور تحقیر برداشت کرتے جائیں، مگر کسی قسم کا حرف شکایت زبان یا قلم پر نہ لائیں کہ اس سے دیگر فرقوں کا تحفظ مجروح ہو گا۔ مگر دوسری طرف فراخ دلی اور رواداری کا عجیب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اقلیتی فرقوں کو پورا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کے اساسی عقیدہ ختم نبوت پر کلہاڑی چلائیں۔ انبیاء اور صلحائے امت کے بارہ میں نہایت گستاخانہ الہامات اور مکاشفات کا پرچار کریں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کنجریوں اور جنگلی سوروں کی اولاد سمجھیں۔ ملت محمدیہ کے تمام امتیازات اور خصوصیات کو ایک ایک کر کے مٹائیں

اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا اپنی "ملت اور امت" کو مصداق قرار دیں۔ ان لوگوں کو آزادی ہے کہ حضور اقدسؐ کی احادیث سے انکار کی برملا دعوت دیں۔ حضورؐ کی تشریعی حیثیت کا (خاکم بدہن) مذاق اڑائیں۔ اطاعت خدا اور رسول کو من مانی معنی پہنائیں۔ انہیں کھلی چھوٹ ہو کہ وحی، نبوت، جبرئیل کی جو چاہیں تاویل کریں۔ معراج جسمانی اور عقیدہ رفع مسیح کو افسانہ سمجھیں۔ شراب، جوا، سود کو حلال قرار دیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج جیسے ارکان اسلام کی مقداروں میں کمی بیشی کریں اور چاہیں تو ڈنکے کی چوٹ اسلام کو کمیونزم یا سوشلزم کا لبادہ پہنائیں۔ انہیں تو بلا خوف احتساب یہ حق حاصل ہو کہ مسلمانوں کے مسلّمہ بزرگوں صحابہ کرامؓ اور خلافت راشدہ پر ہر قسم کی دست درازی کریں، مگر نہ تو ان لوگوں سے کوئی باز پرس ہو اور نہ ایسی حرکات سے ملک و ملت کو انتشار و افتراق کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت کے یا تو کوئی عقائد ہی نہیں اور اگر ہیں تو یہ عقائد نہ تو مجروح ہوتے ہیں اور نہ ان پر مخالفین کی دست اندازیوں کی کوئی زد پڑتی ہے۔ پھر اگر ایسا نہیں تو کیا اس ملک کے سواد اعظم کے دینی معتقدات اور مسلمات کسی تحفظ اور احترام کے لائق نہیں ہیں؟ اگر حالات و واقعات نے یہ صورت اختیار کر لی ہے تو یہ اس ملک کے ان تمام مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہو گا جنہوں نے اپنے دین و شریعت اور اپنے محبوب معتقدات کی حفاظت و ترویج اور باطل کی سرکوبی ہی کے لئے تاریخ کی لامثال قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا۔ اگر ان کے دین اور اعتقاد کو کسی غیر مسلم غالب اکثریت کے رحم و کرم پر رہنا تھا تو انہیں آگ اور خون کے دریا عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دین اور دینی اقدار کے خون ہونے کا یہ ہولناک نظارہ وہ کسی سیکولر سٹیٹ میں بھی دیکھ سکتے تھے ـــــ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی اساس کتاب و سنت اور ان کی وہی تشریح و تعبیر ہے جو چودہ سو سال سے مسلمانوں کے ہاں سند قبول و تسلیم پا چکی ہے۔ پس کیا ایک ایسا نظریہ جو کسی مملکت کے لئے ریڑھ کی ہڈی اور مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہو اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کے ماننے والوں

کو تو بے دست و پا بنا دیا جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے والوں کو کھلی چھٹی دی جائے بلکہ ان کے تحفظ اور مدافعت کا انتظام ہو۔ ایسی صورت حال سے کسی قوم یا کسی نظریاتی مملکت کا دوچار ہونا بصیرت اور تدبر کی موت، ناعاقبت اندیشی کا بیّن ثبوت اور فہم سلیم سے محرومی کی علامت ہے اور ہمارا حق ہے کہ ملک و ملت کی خیرخواہی، دینی ذمہ داری اور اور ہمارے اساسی نظریات سے وفاداری کی بنا پر اس المناک صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں۔

اختلافی معتقدات پر مبنی کلمۂ اسلام

ملک میں شیعہ سنی نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھا تو ہم نے بار بار اس فیصلہ کے قومی و ملی خطرناک عواقب پر ارباب اختیار کو تنبیہ کیا، سنجیدہ طبقوں نے اضطراب اور تشویش ظاہر کی اسمبلی میں آواز اٹھائی گئی مگر یہ سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا اور مشترکہ اور علیحدہ علیحدہ نصابوں کے ذریعہ قوم میں تفریق و انتشار کی نیو ڈالی گئی اور اب وہی کچھ سامنے آنے لگا جس کا خطرہ تھا، دینی نصاب کو متصادم خیالات اور نظریات کا ملغوبہ بنا دیا گیا اور ایک خاص گروہ کے معتقدات کو سواد اعظم کے سر منڈھنے کا آغاز ہو گیا۔ قومی ادارہ نصاب و درسی کتب وزارت تعلیم و صوبائی رابطہ اسلام آباد کی مطبوعہ کتاب رہنمائے اساتذہ اسلامیات جماعت نہم و دہم سکولوں میں آگئی، سنی مسلمانوں اور علماً کو بجا طور پر حیرت و تشویش ہوئی کہ جب انہوں نے کتاب کے حصہ سوم میں کلمہ اسلام تک کو نئے انداز میں پایا، شیعہ حضرات سے متعلق اس باب میں علیؓ ولی اللہ وصی رسول اللہ اور خلیفۃ بلافصل کے ذریعہ امامت و خلافت کے جھگڑوں کو کلمۂ اسلام کا جزو بنا دیا گیا، اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ ایسے ہی کلمہ کو اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ اور ان عقیدوں کو ذریعۂ ایمان و اسلام ملاحظہ ہو (ص۳۵) مسلک و مشرب کے امتیاز کے لئے اگر یہ لکھ دیا جاتا کہ معیار اسلام کلمۂ طیبہ ہی ہے مگر شیعہ معتقدات میں امامت و خلافتِ بلافصل کا بھی اضافہ ہوتا ہے تب بھی کچھ بات ہوتی

مگر یہاں ان اختلافی معتقدات پر مبنی مسائل کو کلمۂ اسلام قرار دینا اور یہ کہ اس کے پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہ عقلاً اور نقلاً صحیح ہے نہ ملک کے سوادِ اعظم کو تحت السطور اور اشارات و تلمیحات میں کافر قرار دینا ملک و ملت کی خیر خواہی ہے ـــــ ان حضرات کو خود بھی معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں داخلۂ اسلام کی علامت صرف کلمۂ طیبہ رہا ہے۔ اور عہدِ صحابہؓ خیر القرون میں کلمۂ طیبہ ہی کلمۂ اسلام سمجھا جاتا رہا۔ خود شیعہ روایات بھی اس باب میں بے شمار ہیں۔ اس لئے ایک ایسی بات کو جو امتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت کے ہاں نزاعی اور نا قابلِ تسلیم ہے ایک ایسے نصاب میں شامل کر دینا جو اکثریتی طبقہ کے سامنے بھی بجبر و اکراہ رکھا جا رہا ہے۔ نہایت نا عاقبت اندیشی ہے، ملک میں جگہ جگہ اس مسئلہ پر بے چینی کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ لاہور میں ایک عدالت کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھ دیا گیا ہے۔ چکوال میں تو کشیدگی کی حد ہو گئی ہے کہ مسجد کا تقدس مجروح کر کے پولیس نے داخل ہو کر نمازیوں پر ظلم کیا۔ ممتاز عالم قاضی مظہر حسین صاحب اور دیگر لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب چکوال کے واقعہ کے ضمن میں اس مسئلہ کے محرکات پر تحریکِ التواء پیش کر چکے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ نصابِ دینیات کی شکل میں جو آگ سلگ اٹھی ہے خدا را ملک و ملت کی سالمیت کی خاطر اس کے خطرناک عواقب کو سوچے اور اس کے بھڑک جانے سے پہلے اسے بجھا دینے کے اقدامات کرے! (مارچ ۷۶ء)

⌘

متجددین اور منکرین حدیث کا جاہلانہ تصور نبوت

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

اسلام میں قرآن کریم کے بعد دوسرا مقام سنت اور حدیث نبوی کا ہے۔

منصب رسالت | قرآن کریم اول تا آخر سنت نبوی کی اس اہم ترین مرکزی اور بنیادی حیثیت پر زور دیتا ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک ایسے رسول کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جو بیک وقت معلم اور مربی بھی ہیں، شارح کتاب اللہ بھی اور تمام امت کے لئے پیشوا اور نمونۂ تقلید بھی۔ وہ رسول کی اتباع اور اطاعت کو محبت خداوندی اور یوم آخرت کی امیدداری کی علامت قرار دیتا ہے اور حضور کی زندگی اور آپ کے اقوال و افعال کو اپنا اسوۂ حسنہ نہ بنانے والوں کو کافرین کے زمرہ میں شمار کراتا ہے۔ اس کی بے شمار آیتیں ناطق ہیں کہ رسول کا کام صرف "کتاب" پہنچانا نہیں بلکہ اس کی تشریح و تعبیر اور اس کی تفسیر و تبیین بھی آپ کے فریضۂ نبوت میں شامل اور منصب رسالت کا تقاضا ہے کہ وہ جگہ جگہ رسول کو بحیثیت شارع پیش کر کے انہیں تشریعی اختیارات (LEGISLATIVE POWERS) دیتا ہے اور کبھی مختلف پیرایوں میں تصریح کرتا ہے کہ رسول کریم اللہ کے مقرر کئے ہوئے حاکم، فرمانروا اور قاضی (جج) ہیں — وہ رب رسول کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہے کہ تیرے رب کی قسم جب تک یہ لوگ دل وجان سے تیرے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر دیں یہ ہرگز ہرگز مومن نہیں ہو سکتے تیری مرضی سے فیصلہ سے انکار تو کیا، اگر انہیں اپنے دلوں میں ذرا سی تنگی بھی محسوس ہو جائے تو یہ چیز متاع ایمان کے ضیاع اور دین و اسلام کی بربادی کا سبب ہو گی۔ مومنین کا شیوہ تو یہ ہے کہ جب اللہ اور رسول کی کسی بات اور فیصلہ کی طرف بلائے جائیں تو وہ دوڑتے چلے آئیں اور کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا (النور ۵۱) رہے کافر اور منافقین تو ان کا حال یہ ہے کہ ایسے موقع پر رسول سے کتنی کتراتے ہیں (النساء ۔ ۶) وہی قرآن جس کی

آڑ لے کر آج دین اور ملّتِ اسلامیہ پر شبخون کرنے والے یلغار کر رہے رہیں، اسی کتابِ مبین کا اعلان ہے کہ رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کے تشریعی منصب سے انکار خدا اور اس کی کتاب سے انکار ہے ۔ وہی کتاب کہتی ہے کہ رسولؐ کی زبان خدا کی زبان۔ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ۔ اس کا قول خدا کی وحی، اس کا عمل خدا کا منشاء اور اس کا فیصلہ خدائے بزرگ و برتر کا اٹل قانون ہوتا ہے۔

پھر آہ! ان لوگوں کی نفسانی خباثتوں اور فطری کج فہمیوں کا ماتم کن الفاظ سے کیا جائے جو قرآن کا نام لے کر رسولِ اولین و آخرین سے یہ سارے مناصب دنعاکم بدہن) چھین لینا چاہتے ہیں کہ "جو کچھ ہے کتاب اللہ میں ہے، رسولؐ کی اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، نہ اس کے ارشادات اور تشریحاتِ قرآن کو شریعت کا حصّہ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں مسلمانوں کے قانون کا ماخذ سمجھا جا سکتا ہے۔" حالانکہ سنّت کا دوسرا ماخذ قانون (SOURCE OF LAW) ہونے پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کا اجماع چلا آ رہا ہے۔ مگر اسلام میں سنت کو جتنا اہم کردار اور اساسی حیثیت دی گئی ہے، اسلام اور رسولِ اسلام کی ذاتِ اقدسؐ سے عناد رکھنے والے منافقین اور ملحدین نے سنت کی تشریعی حیثیت گھٹانے میں اتنا ہی زور لگایا ہے کہ جب رسولؐ کی تشریح اور تفسیر کو قرآنِ کریم کے احکام اور اصطلاحات سے الگ کر دیا جائے گا، تو اسلام اور قرآن کی من مانی تاویل بلکہ تحریف کے لئے راستہ کھل جائے گا۔ قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ، خوارج اور اس طرح کے بے شمار فرقِ باطلہ میں یہ چیز آپ کو قدرِ مشترک کے طور پر ملے گی، خواہ یہ لوگ دعویٰ حدیث پر عمل کرنے کا کرتے رہے یا اعلانیہ انکار۔

سنتِ رسولؐ اور مستشرقین اور تجدد زدہ طبقہ | پچھلی دو صدیوں سے یورپ کے مستشرقین اور مسلمانوں کے تجدد زدہ طبقوں کے مساعی کا محور بھی زیادہ تر "سنتِ رسولؐ" ہی رہا کبھی کھلے

الفاظ میں اسے نشانۂ تحقیق بنایا گیا اور کبھی منافقانہ لبادہ اوڑھ کر سنت کی نئی نئی تعبیرات کرنے کی شکل میں، ہمارے ہاں کے تجدد زدہ حضرات جو نہ تو اپنی علمی و فکری قوتوں کو خدا اور رسول ﷺ کی مرضیات پر چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ اور نہ مجبوری اور مصلحتوں کی وجہ سے واضح طور پر اسلام اور ایمان سے انکار کر سکتے ہیں۔ ان کے مساعی کا تعلق بھی زیادہ تر سنتِ رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت کو نقصان پہنچانے سے ہے۔ ایسے لوگ جن کی ساری علمی متاع اپنے پیشرو غیر مسلم مغربی اساتذہ کی تحقیق و ریسرچ ہے، ہمیشہ سنتِ نبوی ﷺ کے مصداق اور اس کی اہمیت و استنادی حیثیت کو مجروح اور مشکوک کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت تو کھلے بندوں احادیثِ رسول ﷺ سے انکار کی دعوت دیتی ہے۔

سنت اور حدیث کے بارہ میں منافقانہ کردار اور کچھ لوگ اعلانیہ انکار کئے بغیر سنت اور حدیث کو اپنی ملحدانہ اغراض کی بنا پر ایسے معانی پہنانا چاہتے ہیں جس سے سنت کی حقیقت تو مسخ ہو کر رہ جائے، مگر انکارِ حدیث کے الزام سے بھی ان کا دامن بچ جائے۔ اس "طرزِ تحقیق" کا سہرا سوائے عالم یہودی مستشرق پروفیسر جوزف شاخت کے سر پر ہے۔ اور ہمارے ہاں اس نظریہ کے فروغ و اشاعت کا فریضہ ان کے وفا شعار شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان کی ہمنوا جماعت بجا لا رہی ہے۔ پہلی جماعت اپنی فاسد اغراض اور خواہشات کی راہ میں سنتِ رسول ﷺ کو سنگِ گراں سمجھ کر اسے راستہ ہی سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔

نظریۂ سنتِ جاریہ و غیر جاریہ مگر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا نظریہ "سنتِ جاریہ و غیر جاریہ" وہ عیارانہ حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر آپ ہر قسم کی رندی اور عیاری پر تقوے اور پارسائی کا غلاف چڑھا سکیں گے۔ اس نظریہ کا خلاصہ فضل الرحمٰن صاحب کے الفاظ ہی میں یہ ہے کہ "سنت در حقیقت ایک "تعاملی اصطلاح" ہے۔ جس کی "تشکیل" آزاد شخصی رائے" سے ہوتی ہے۔ اور "عوام الناس" یا "رائے عامہ" کے قبول کر لینے کے بعد وہی چیز "سنت"

بن جاتی ہے اور رائے عامہ کے اس قبول کر لینے کا نام ہی "اجماع" ہے۔ جس کو وہ "آزاد اجماع" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق ملت مجموعی طور پر سنتِ نبوی کے مشمولات کی تخلیق کرنے کی مستحق ہے، ملت الفاظ پر زور نہیں دیتی بلکہ اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے[1] اور اس "تعاملی اصطلاح" کو جاری رکھنے کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف اس کا نام سنتِ جاریہ (زندہ سنت) رکھتے ہیں اور حضورؐ کی اصلی سنت کو سنتِ غیر جاریہ (مردہ سنت۔ معاذاللہ) قرار دیتے ہیں جس کی تشریح مختصراً یہ ہے کہ کتاب و سنت اور تعلیماتِ شریعت میں اتنی "توسیع" کر دی جائے کہ جدید تہذیب و تمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل اور خرا۔ بیاں عامۃ الناس کی رائے اور تعامل کی وجہ سے حسبِ خواہش سنت اور شریعت میں سمائے جا سکیں۔

پرویزی نظریہ سے مہلک | تحریف و تلبیس اور دین کی بنیادوں میں رخنہ اندازی کے لحاظ سے چودھویں صدی کی یہ تحقیق منکرینِ حدیث کے پہلے گروہ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے، تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح حضرات کی نظریں لاعلمی یا دینی بے حمیتی کی وجہ سے فضل الرحمٰن کی کی اس تکنیک پر نہیں جاتیں اور وہ "انکارِ حدیث" سے دوسری جماعت کی براءت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ فضل الرحمان یا اس کے ادارہ کی طرف سے اگر "پرویزی نظریہ" کے تعاقب میں کوئی مضمون آتا ہے تو وہ صرف اس وجہ سے کہ انہیں پرویزی اندازِ فکر مسلمانوں کے دینی احساسات اور جذبات کی وجہ سے اسلام کے حق میں کم خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ یہ لوگ قصرِ اسلام کو خاکم بدہن جلد از جلد پیوندِ خاک دیکھنا چاہتے ہیں (ولا نفعل اللہ کذلک) یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے چور اور منافق بن کر درپردہ حربوں سے اس قصر میں نقب زنی کو زیادہ مؤثر اور مفید سمجھتے ہیں۔ پرویز جیسا جارحانہ اور دو ٹوک طریقہ نہیں۔ اگر پرویزی جماعت کھلے ارتداد

---

[1] مذکورہ بالا نظریہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر، جولائی، اگست ۱۹۶۳ء، مقالہ تصورِ سنت اور دیگر مضامین

اور کفرِ صریح کا راستہ چھوڑ کر ان کی طرح نفاق اور تلبیس کا راستہ اختیار کرلے تو آج ہی یہ دونوں مکتبِ فکر گلے مل سکتے ہیں۔ پھر ان دونوں مکاتبِ فکر میں میدان الحاد و تجدد کی سیادت و قیادت کا جذبہ بھی کار فرما ہے جو انہیں ایک دوسرے کا رقیب اور حریف بنانے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ورنہ فرق باطلہ کے نفسیاتی مطالعہ اور ارشاداتِ نبوی کی روشنی میں اصل اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں سب ایک ہیں، طریقِ کار، اندازِ بیان اور تعبیرات میں فرق ہے۔

آزاد اجماع اور شخصی رائے | چودھویں صدی کے اباحیت زدہ لوگوں کو اسلامی اقدار سے فرار کے لئے مستشرقینِ یورپ، ہمارے ہاں کے اہلِ تجدد اور اسلام کے تعمیرِ نو (NEW CONSTRUCTION) کا نعرہ لگانے والوں اور اس کو حالات اور ظروف کا تابع بنانے والوں کی یہ تحقیق خوب بھائی ہے کہ ہوس زدہ عوام کی اکثریت اور دین سے عموماً بے خبر عامۃ الناس کی خواہشات اور فیصلوں کو دین میں سنتِ جاریہ، آزاد اجماع، شخصی اجتہاد وغیرہ کے نام سے حجت اور اتھارٹی کا مقام دے دو۔ پھر دیکھو کہ جو فواحش اور منکرات دین میں قطعی حرام تھے، کس طرح وہ یکایک عامۃ الناس کے اپنانے سے جائز اور حلال بلکہ قانون اور شریعت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

عوام کو فیصلہ کرنے کا حق؟ | اگر اس "آزاد اجماع" اور "شخصی رائے" کو احکام شرعیہ کا مأخذ اور "سنتِ جاریہ" مان لیا جائے تو پھر کون ہے جو سینما، بے پردگی، فحاشی، سود بنکنگ، جوا، الغرض یورپ کے تمام اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل کو اسلام سے مخالف کہہ سکے۔ کل اگر آزاد شخصی رائے سے تشکیل پائی ہوئی "سنتِ جاریہ" سوشلزم کو پسند کرے، پرسوں کمیونزم یا کیپٹلزم کو اور کچھ عرصہ بعد دجال اور اس کی لائی ہوئی یورپی تہذیب کو گلے لگالے تو ان میں سے ہر چیز کو سنتِ نبوی کا مقام حاصل ہوجائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

ذرا اور گہرائی میں جائیے تو نتیجہ کے لحاظ سے "سنت اور حدیث" سے تلاعب اور تمسخر کرنے والی دونوں جماعتیں اس نکتہ پر اکٹھی ہو جاتی ہیں کہ "اطاعتِ رسولؐ" اور شریعت کی بجائے ہر دور کے عوام کے فیصلوں کو وہی حیثیت دے دو جو رسولؐ اور اس کی سنت کو حاصل ہے۔ البتہ پرویزی مکتبِ فکر میں اس کی تعبیر "مرکزِ ملت" کے نام سے کی جاتی ہے اور متجددین کے ہاں "زندہ اور مردہ سنت" سے اور کبھی آزاد اجماع اور "اجتہاد کی آڑ میں عوام یا ان کی منتخب کردہ پارلیمنٹ (مقننہ۔ اگر اسے اسلامی نقطۂ نظر سے مقننہ کہنا جائز بھی ہو) کو ہر قسم کے فیصلوں کا حق دیا جاتا ہے۔ خواہ ان فیصلوں کا مقصد کتاب و سنت اور اس کے منصوص احکام کو "ویٹو" کرنا ہی کیوں نہ ہو، اور اس خود ساختہ اجماع سے امت کے پچھلے تمام اجماعی مسائل کا توڑ کیوں نہ ہو رہا ہو۔

جمہوریت کے نام پر اجماع وغیرہ کے بارہ میں صدر ایوب کے غلط خیالات

پھر اس غلط اور خطرناک تصورِ اجماع کا پروپیگنڈا اس زور شور سے کیا گیا ہے کہ بدقسمتی سے اور تو اور ہمارے قابلِ احترام صدرِ مملکت تک اس نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز"[1] کے گیارھویں باب "آئین اور نظریہ حیات" میں انہوں نے "اجماع" کے اسی مفہوم کو اپنا لائحہ عمل بنانا چاہا ہے۔ اور چونکہ ملکی آئین اور ضابطۂ حیات کی تشکیل میں صدرِ محترم کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انہی خطوط پر وہ ملک کی قانون سازی کو پسندیدہ سمجھتے تھے جس کے اثرات سے مستقبل میں پورے ملک کے مسلمان اکثریت کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ اجماع کا وہ تصور جو اسلاف نے کتاب و سنت کی روشنی میں ہمیں دیا ظاہر ہے کہ اس کے لئے جو اہلیت اور صلاحیت ملحوظ رکھی گئی تھی، عوام تو کیا اس دور کے خواصِ امت تک میں اس کا پایا جانا مشکل ہے۔ صدرِ محترم کے

---

[1] وقت کے صدر محمد ایوب خاں کی تصنیف جس کا اردو ترجمہ "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی" کے نام سے شائع ہوا تھا۔

خیال میں ایسے اجماع سے جمہوری قدروں کی پائمالی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قانون و شریعت پر علماء یا دینی علوم سے وابستہ کسی خاص گروہ کی اجارہ داری ناجائز سمجھتے ہیں اور زمانۂ جدید میں اجماع کا مصداق قانون ساز اداروں کی رائے ہی کو قرار دیتے ہیں۔

ملائیت یا پاپائیت نہیں | حالانکہ ظاہر ہے کہ اسلام میں "علماء اور ملاّ" کسی خاص رنگ ونسل یا کسی مخصوص پیشہ یا کسی خاص قوم ونسب سے نسبت رکھنے والی جماعت کا نام نہیں، نہ اسلام میں اس پاپائیت اور برہمنیت کی گنجائش ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں سے جو بھی چاہے بلا امتیاز رنگ ونسل اور بلا تفریق قوم وپیشہ، کتاب وسنت اور اسلامی علوم کا صحیح علم وفہم حاصل کرکے عالم بن کر منصبِ وراثت نبوت پر فائز ہو سکتا ہے۔ رنگ ونسل کا امتیاز تو کیا دین کی ترجمانی کا یہ منصبِ جلیل مسلمانوں کی عورتوں اور غلاموں تک کو نصیب ہو سکتا ہے۔ تو پھر اصل معاملہ "ملاّ" کی اجارہ داری کا کب رہ جاتا ہے؟ اس صورت میں اگر ہم "ملاّ" کا نام لے کر دین کی اجارہ داری اور تعبیر وترجمانی میں اپنے آپ کو شریک کرنا چاہیں تو درحقیقت ہم تشریع اور قانون سازی کے لئے کتاب وسنت کی بالادستی اور اجارہ داری کے روادار نہیں ہوں گے۔

جمہور کی رائے اور جمہوریت کی کہاں تک اہمیت ہے | بیشک اسلام نے جمہور امت اور مسلمانوں کے عمومی پسند اور انتخاب کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے اجماع، استحسان، عرف اور تعامل امت کے نام سے اسلامی قانون کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس نے یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ جمہور کا کوئی فیصلہ نہ تو کتاب وسنت اور خدا و رسولؐ کی مرضی اور دین کے عمومی مزاج سے متصادم ہو اور نہ کسی چیز کو اپنانے میں خواہش پرستی، نفس پروری اور دین سے گریز کا داعیہ شامل ہو۔

اجارہ داری نہیں مگر اہلیت شرط ہے | جمہوریت کے نام سے دین اور شریعت میں عوام

کو اس طرح کی آزاد قانون سازی کا حق دینا بالکل ہی ایسا ہے کہ ہم ملک کی تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں میں کسی انجنیئر کی رائے اور قابلیت سے استفادہ کی بجائے عام لوگوں کو جنہیں انجنیئرنگ کی معمولی شد بد بھی نہ ہو سارا کام سپرد کر دیں۔ کسی قابلیت اور صلاحیت کے بغیر عوام کو تربیلا اور منگلا جیسے بھاری بھر کم منصوبوں کی تعمیر و تشکیل کا کام سپرد کر دینا جمہوریت پروری نہیں بلکہ جمہور اور جمہوری اقدار سے دشمنی ہو گی۔ اسی طرح ڈاکٹری اور میڈیکل کو لیجیے، لوگوں کی صحت، بیماری اور خصوصاً اجسام انسانی کی چیر پھاڑ جیسا نازک کام عوام کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ملک کے ہر شخص کو جاں بلب مریضوں کے اپریشن کا حق اس لئے دیا جا سکتا ہے کہ اسے منع کرنا جمہوریت کی پائمالی ہو گی؟ نہیں! بلکہ سرجری کا نازک ترین کام وہی شخص انجام دے سکے گا جسے مطلوبہ قابلیت تعلیم، ڈگری اور تجربہ پورے طور پر حاصل ہو۔ اور کیا ملک کے ہر شہری کو خواہ وہ مروجہ عدالتی قوانین اور عدالتی نظام سے معمولی آگاہی بھی نہ رکھتا ہو یہ حق دیا جا سکے گا کہ وہ چیف جسٹس یا پورے عدلیہ کے فیصلوں کو چیلنج دے سکے، یا قتل جیسے مقدموں کا فیصلہ کرتا پھرے، یا اسے وکالت کا اختیار دیا جائے ـــــ پس ظاہر ہے کہ جب دنیاوی علوم میں اس قسم کی اجارہ داری کو ہم حق تلفی قرار نہیں دے سکتے تو دین، شریعت، اور زندگی پر لاگو ہونے والے قوانین کے لئے مخصوص شرائط، قیود ات' اور خاص قسم کی قابلیت اور اہلیت کے التزام کو کیوں جمہوری اقدار کی خلاف ورزی سمجھا جائے؟

اجتہاد اور اجماع | پس بلاشبہ شریعت نے ہر کس و ناقص کو نہ تو اجتہاد کا حق دیا ہے نہ شخصی رائے پر اٹھائے گئے آزاد اجماع کو وہ دین کا اصل قرار دیتا ہے۔ بلکہ اجماع ایسے لوگوں کا ہی معتبر ہو گا جو خدا ترسی، تقویٰ، خشیت، فراستِ ایمانی، بصیرتِ دینی، جذبۂ خیر خواہی و حق گوئی جیسی صفات سے مالا مال ہوں، علمی اور فنی لحاظ سے ہر طرح کامل مکمل جامع اور

عبقری شخصیتیں ہوں۔ ان کا کوئی فیصلہ تعصب، تحزب، عناد، جہل، خودغرضی اور خواہشات نفسانی پر مبنی نہ ہو اور پھر ان کے فیصلوں کے لئے اللہ، رسولؐ اور عہدِ صحابہؓ و تابعین سے کوئی قوی سند بھی موجود ہو ۔۔۔ ایسے ہی لوگ اجتہاد و استنباط کے اہل ہوں گے اور ایسے ہی تمام بزرگوں کا اتفاق "اجماع" قرار پائے گا۔ ممکن تھا کہ آج بھی ان شرائط اور قابلیتوں کے ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھولا جا سکتا۔ مگر افسوس! کہ واقعاتی دنیا میں صدیاں ہوئیں وہ کنجی گم ہو چکی ہے جسے لے کر ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ، احمد بن حنبل اور مالک رحمہم اللہ تعالےٰ جیسے اساطینِ علم و فضل یہ دروازہ کھولا کرتے تھے۔ ع

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لیکر

خلاصۂ بحث بہر تقدیر اسلام کی نظر میں اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسولؐ اور اصل مقام کتاب و سنت اور اس سے مستنبط احکام و اصول کا ہے۔ اگر امت کی اکثریت یا مسلمانوں کی منتخب کردہ کوئی پارلیمنٹ کسی غیر شرعی فیصلہ یا کسی گمراہی پر متفق ہو بھی جائے تب بھی امت میں ایک مضبوط جماعت ہمیشہ ایسی پائی جائے گی جو اس "اجماع ضلالت" کی نہ صرف مخالفت بلکہ حق کی اعلان و اشاعت کرتی رہے گی۔ مجموعی امت گمراہی پر حسبِ بشارتِ نبویؐ (لا تجتمع امتی علی الضلالۃ) ہرگز متفق نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں نہ تو مرکز ملت یا قوتِ حاکمہ کو اطاعتِ رسولؐ سمجھا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہم یورپ کے اسلام دشمن یہود و نصاریٰ سے درآمد شدہ نظریات کو سنتِ جاریہ کہہ سکتے ہیں اور نہ زنا بالرضا جیسے صریح فاحشہ کو قانونی حیثیت دینے پر اتفاق کرنے والی پارلیمنٹ کے فیصلوں کو "اجماع" قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ جس طرح دیگر دینی اصطلاحات، صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ کا ایک خاص شرعی مفہوم ہے۔ جسے نہ تو بدلا جا سکتا ہے۔ نہ ان میں "توسیع" اور ترمیم ہو سکتی ہے اور جس طرح "کتاب" سے مراد وہی قرآن ہوگا جسے امت اب تک متواتر آسمانی صحیفہ

مانی چلی آرہی ہے۔ اسی طرح سنت، اجماع، اور اجتہاد کے وہی معنی قابلِ قبول ہوں گے جو عہدِ صحابہؓ سے لے کر اب تک متواتر چلے آرہے ہیں اور جس طرح کتاب، وحی، نبوت، رسالت وغیرہ الفاظ کے شرعی مفہومات قطعی اور اس میں تحریف و تبدیل اور ظلی بروزی کی تفریق الحاد، کفر اور زندقہ ہے، اسی طرح اسلام کے اصول اربعہ کتاب و سنت، اجماع و اجتہاد کو اپنے اصلی معانی سے الگ کرنا اور اسے اپنے من مانی معانی پہنانا تحریف فی الدین اور دین سے تلاعب اور مذاق ہی سمجھا جائے گا، جسے امت کا عمومی دینی مزاج قیامت تک برداشت نہیں کرے گا۔

فتنۂ انکارِ حدیث

شریعتِ مقدسہ کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی عظمت و ہمہ گیر جامعیت کو کم کرنے کے لیے آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ سر اٹھاتا رہتا ہے کوئی ختمِ نبوت پر ڈاکہ ڈال کر نبی بننے کی ناپاک کوشش کرتا ہے تو کوئی قرآن فہمی کی آڑ میں وحی غیر متلو حدیث و سنت کی حُجیت کا انکار کر بیٹھتا ہے، عصرِ حاضر کے اس فتنہ (انکارِ حدیث) کا سرخیل غلام احمد پرویز تھا، بعض دانشور اور اہلِ قلم بھی پرویز کی ”قرآن فہمی“ سے متاثر ہوئے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے دینی فریضہ سمجھتے ہوئے دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ ”الحق“ میں اس فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا۔ ذیل کی یہ تحریر بھی ”الحق“ میں کچھ عرصہ پہلے شائع ہوئی تھی جس کی اہمیت و جامعیت کے پیشِ نظر افادۂ عام کے لیے ”فتاویٰ حقانیہ“ میں شامل کیا جارہا ہے۔

(مرتب)

منکرینِ حدیث کی بے جا وکالت

ملک کے مشہور ادیب، شاعر اور صحافی جناب شورش کاشمیری کو یکایک کیا سوجھی کہ ۱۳ رمئی کے چٹان میں انہوں نے اس ملک میں فتنۂ انکارِ حدیث کے سرغنہ جناب غلام احمد پرویز کی مدح سرائی اور وکالت کا بیڑا اٹھایا اور اس زور و شور سے کہ پرویز کو افکارِ اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی آواز اور قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت قرار دیتے ہوئے انہیں بارگاہ رسالت کی سرخروئی اور فضلائے امت کی صف میں جگہ پانے کی ”بشارتیں“ بھی دیں مزید کہا کہ جو کام ساری امت کے علماء کے بس کا نہ تھا۔ پرویز نے وہ کر دکھایا اور اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑ دی۔ پرویز کی ایک کتاب کا صرف ایک باب پڑھ کر انہوں نے ان کے بارہ میں ایک ”خوشگوار تبدیلی“ محسوس

کی اور پھر اس کے نتیجہ میں امت کے تمام مکاتیب فکر کے ہزاروں علماء، مشائخ، اصحاب علم و تقویٰ اور ارباب تحقیق و فتویٰ کو مشورہ دیا کہ اب چونکہ اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی اس لئے تمام علماء کو چاہیئے کہ وہ پرویز کے خلاف فتویٰ واپس لے لیں"۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسلام کے بارہ میں شورش صاحب پر یہ چودہ طبق کتاب کا صرف چودھواں باب پڑھ کر روشن ہو گئے معلوم نہیں ساری کتاب پڑھنے کے بعد معاملہ کہاں تک جا پہنچتا۔

جہاں تک شورش صاحب کا تعلق ہے ان سے بے شمار اختلافات اور آئے دن ان کے سیاسی اور غیر سیاسی مؤقف میں تبدیلیوں کے باوجود ہم بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو شورش کی جراًت و ہمت اور بالخصوص قادیانیوں کے بارہ میں ان کے مومنانہ جہاد اور جراًت مندانہ کردار کی وجہ سے اپنے دل میں ان کے لئے محبت اور تحسین کے جذبات پاتے ہیں اور ملک کے لاکھوں اہل علم اور دینی حلقے اس جذبہ حمیت کی وجہ سے ان "سیئات" سے درگزر کرتے ہوئے ان کے حسنات کو قابل قدر سمجھتے ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ یہ رائے شورش صاحب نے ایک ایسے شخص کی ایک کتاب کے کچھ حصے پڑھ کر قائم کی جو صرف مشتبہ و مشکوک نہیں بلکہ اساطین امت تمام اجلۂ علماء کے ہاں کافر اور مرتد ہے اور ایسے لوگوں کے تمام نظریات اور مخصوص آراء سے صرف نظر کر کے کسی ایک کتاب کی اچھائی سے رائے تبدیل نہیں کی جاتی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی با ایں ہمہ دجل و تلبیس قرآن و سنت میں تحریفات نبوت سے بغاوت کے باوجود اس کی دو ایک ایسی کتابوں کو پڑھ کر کل کوئی تمام امت کو اس کے بارہ میں اپنا موقف بدلنے کا مشورہ دے اور ان کے چند ایسے قصائد اور اشعار یا مضامین اور کتابچوں کو پڑھ کر اسے اسلام اور خاتم النبیینؐ کا سچا وفادار قرار دے جس میں عشق رسولؐ اور محبت اسلام کا اظہار کیا گیا ہے، تو کیا شورش صاحب کسی کو ایسا کرنے کا حق دے سکیں گے۔

الغرض شورش صاحب کی خدمات اور جذبات کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں منکرین حدیث

کی اس زور و شور سے یہ ترجمانی ایک ایسی بات نہیں کہ اہل علم کیا کوئی مسلمان بھی اس سے صرف نظر کر سکے اس لئے کہ یہ بالواسطہ دین کے قطعی اور طے شدہ مسلمات میں دست اندازی اور خود اپنے ہاتھوں اس ناموس نبوت کو تار تار کرنے کی ظالمانہ عبارت ہے جس کی حفاظت اور اس کی خاطر شورش صاحب سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس تبدیلی اور "خوشگوار انقلاب" میں مسلمانوں کا نہیں خود آغا صاحب کا ضیاع دین و ایمان ہے۔ اس لئے ہم ان سے خیر خواہی جذبۂ نصیحت۔ اور دینی مسئولیت کی بنا پر یہ التجا کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ دین ——— اور عقیدے کی دنیا میں خدا کی زبان میں اس بڑھیا جیسا نہ بنیں جو اپنے ہی ہاتھوں اپنے سارے کٹے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا۔

دین و عقیدہ کی راہ میں ہر اچھی بری وادی میں بھٹکتے رہنا ان شعراء کی تو جبلت ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور عشق رسول کی دولت سے محروم کیا ہوتا ہے مگر شورش صاحب تو ختم نبوت کے دفاع میں حسانی رنگ لئے ہوئے ہیں تو یہ کتنی بدقسمتی اور حسرت کی بات ہو گی کہ وہ یکایک والشعراء یتبعھم الغاؤن الم تر انھم فی کل واد یھیمون و یقولون مالا یفعلون ——— کا مصداق بن جائیں۔

دینی مسئولیت اور معاملہ کی سنگینی کا احساس نہ ہوتا تو ہم اس معاملہ میں سکوت اختیار کرتے اس لئے کہ شورش صاحب کا قادیانیوں سے عین حالت جنگ میں، اپنے آپ سے ملک کے تمام دینی و علمی طبقوں اور ناموس رسالت سے سرشار مسلمانوں کو ناراض کرنا ان کے حق میں بھی مفید نہ تھا اور شماتت اعداد کا بھی ذریعہ تھا۔ مگر افسوس یہ سامان انہوں نے خود فراہم کیا اور قادیانیت سے برسرپیکار تلوار بہت سوں کی نظروں میں کند اور غیر موثر ہو گئی اور آج وہ الحق بھی بدقسمتی سے شورش کے اس نئے موقف پر ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا جسے مرزائی تعاقب و استیصال کی وجہ سے قادیانی پریس چٹان کا ہم سفر قرار دے رہا ہے اور الحق قادیانی رسائل و مجلات کے سب و شتم برداشت کرنے میں چٹان کا برابر کا شریک ہے۔

فتنۂ انکارِ حدیث | لیکن اس تلخ فریضہ کی ادائیگی بہرحال ان تمام دینی و علمی افراد کا دینی تقاضا ہے جو انکارِ حدیث اور اس فتنہ کے سربراہ غلام احمد پرویز کی حقیقت سمجھ کر اسے اتنا ہی ناموسِ رسالت اور اسلام کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں جتنا کہ یہ لوگ خود شورش صاحب ایک دوسرے غلام احمد کے قادیانی فتنہ کو اسلام کے لئے زہر ہلاہل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ نبوت کے مقام و منصب سے بغاوت کے لحاظ سے انکارِ حدیث کی تاریخ محرکات دواعی اور عوامل پر نظر ڈالتے اور پاکستان میں اس فتنہ کے علمبردار پرویز کے پورے لٹریچر اور خیالات کو نگاہ میں رکھا ہوتا اور اسلام اور منصبِ نبوت و رسالت کے تقاضوں اور حقیقت پر پرویزی فلسفۂ فکر کو پرکھا ہوتا تو یہ حقیقت ان پر بھی منکشف ہو چکی ہوتی کہ یہ فتنہ اپنی فتنہ سامانیوں کے لحاظ سے اسلام کے لئے ان فتنوں سے کسی طرح کم نہیں ہو تاریخ کے ہر دور میں اہل الحاد و زندقہ نے اور پھر جھوٹے مدعیانِ نبوت نے منصبِ نبوت میں دجل و تلبیس کر کے اسلام کے خلاف کھڑے کئے۔

اور یہ ان تمام عجمی سازشوں سے بڑھ کر عجمی بلکہ یہودی سازش ہے جس کو اسلام کے رُخِ زیبا سے پھاڑنے کا کریڈٹ آج شورش صاحب پرویز کو دے رہے ہیں۔ برعکس ہند نام زنگی کافور عجمی سازشوں کی تاریخ اگر شورش کی نگاہ میں ہوتی تو انہیں اس تاریخ کے ہر صفحہ ہر سطر میں در پردہ انکارِ حدیث کی کارفرمائیاں نظر آتیں۔ قرامطہ، باطنیہ، خوارج معتزلہ، مجسمہ، معطلہ، محرفینِ قرآن، منکرینِ صحابہؓ اور ایسے کتنے لوگ تھے جنہوں نے ہر دور میں سنت ہی کے خلاف شکوک و شبہات اٹھا کر اپنی اسلام دشمن سازشوں کے لئے زمین ہموار کی پھر اس زمین پر عقلیت اور عجمیت کفر و الحاد، تشکیک اور زندقہ کا بیج بو دیا۔ یہ تو اسلامی لبادہ اوڑھ کر سنت اور حدیث کو نشانۂ تلبیس بنانے والوں کا حال تھا۔

فتنۂ استشراق | اسلام کے بدترین دشمن یہود و نصاریٰ جنہیں صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد اپنے دینی عصبیت اور ملی حمیت اور اس سے بڑھ کر سیاسی استعماری اور سامراجی عزائم نے مجبور کر دیا کہ وہ اسلام کے خلاف فیصلہ کن معرکہ کے لئے اپنی تدابیر اور منصوبے منظم کر لیں تو انہوں نے

مسلمانوں کے علمی و فکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین اور استشراق کے نام سے استعمال کیا جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام اور رسول اسلام کے بارہ میں ہر اس چیز میں شک، بدظنی اور ریب و تذبذب پیدا کیا جائے جس کی نسبت کسی طرح بھی اسلام کی طرف ہو یا کسی درجہ میں بھی اسلام کی عزت و افتخار میں اضافہ کا ذریعہ ہو۔ خواہ یہ چیز خود حضور کی ذات اور ان کی سیرت تھی یا ان کی تعلیمات احادیث آثار و اخبار اور مسلمانوں کے عملی و اعتقادی نظام کے لیے سرچشمہ قانون و آئین تھا۔ خواہ وہ قرآن تھا یا حدیث رسول اس مقصد کے لیے حضور کی آئینی اور تشریعی حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔ سنت کے راویوں کی وہ مقدس جماعت جو طبقہ صحابہؓ میں کیوں شامل نہ تھی۔ انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ راوی پر نکتہ چینی ہوئی۔ حدیث کے اولین مدونین کے کردار کو مشتبہ کیا گیا۔ چنانچہ مستشرقین کے سب سے بڑے گرو گولڈزیہر نے مستقل طور پر ابوہریرہؓ کی ذات اور حدیث کے مدون اول امام زہریؒ کی شخصیت کو داغدار بنانے کی سعی نامشکور کی، اسلام کے قابل فخر مشاہیر کے خلاف پروپگنڈہ کا طوفان مستشرقین ہی نے اٹھایا۔ ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ کی ایک بھیانک تصویر کھینچی۔

الغرض اسلام داعی اسلامؐ اور مسلمانوں سے جس چیز کو بھی کچھ نسبت تھی اسے مشق تحقیق بنا کر داغدار اور معیوب کرنا چاہا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے بنیادی مصدر و مآخذ قانون و شریعت سنت اور حدیث کی تشریعی اور آئینی حیثیت کو خاص طور سے نشانہ بنایا۔ اسلام کے خلاف دسیسہ کاریوں اور اسلامی تحقیق کے پردے میں دجل و تلبیس کے اس میدان میں دشمنان اسلام کے ہاں۔۔ گولڈزیہر، مارگولیتھ، شاخت اور اس جیسے کئی آئمہ ضلال والحاد کے نام سنہری حروف میں لکھے گئے ہیں۔

منکرین حدیث کی ترجمانی کرنے والوں نے مستشرقین اور اعدا اسلام کے طویل المیعاد منظم علمی منصوبوں اور اس کے محرکات اور آرا و افکار کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح ان پر عیاں ہو جاتی کہ مرزائیت کی طرح فتنہ انکار حدیث بھی سامراجی منصوبوں اور صیہونی سازشوں ہی کا ایک حصہ ہے۔ اگر وہ اپنے ہاں متجددین، روشن خیال، نام نہاد ترقی پسند اور منکرین حدیث کے افکار و نظریات کے سرچشموں کا صحیح کھوج لگاتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اسلام کے

خلاف وہی قصے چاٹ چاٹ کر بھونکتے ہیں، جو سامراجی اور اشتراکی کتنے علمی تحقیق اور مشرق دوستی کے لبادہ میں پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں سے اگل رہے ہیں۔ یہ اپنے طور پر کچھ بھی نئی بات نہیں کرتے۔ یہ تو وہ سارنگی اور طنبورے ہیں جس کی ہر سُر کسی غیر کے ہاتھوں کی مرہون ہوتی ہے۔

انکارِ حدیث اور انکارِ ختمِ نبوّت میں باہمی مماثلت

حقیقت یہ ہے کہ انکارِ ختمِ نبوت ہو یا انکارِ حدیث، دونوں یکساں طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ومقام نبوت اور ان کے لائے ہوئے دین وشریعت کے خلاف ایسی کھلی بغاوت ہیں کہ دونوں میں کسی طرح امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان وجوہ مماثلت پر ذرا بھی غور کیجئے تو دونوں غلام احمد (پرویز اور مرزائے قادیان) ایک دوسرے کے ظل اور بروز معلوم ہوں گے ؎

وعدۂ وصل بجدلیست میان من وتو   کہ رقیب آمد و پرسید نشان من وتو

اور تناسخ والوں کی زبان میں ایسا معلوم ہو گا کہ قادیانی دجال کی بدبودار روح پنجاب کے ویرانوں میں بھٹکی ہوئی اپنے ہی ایک ہم نام وہموطن غلام احمد پرویز کے غلیظ قالب میں دوبارہ نمودار ہو گئی ـــــ آیئے ذرا دونوں کے درمیان ان وجوہ مشابہت کا کچھ جائزہ لیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد نے حضورؐ اکرم کی نبوت اور اس کی تشریعی حیثیت کا زبانی اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے لئے تشریعی حیثیت کا دروازہ کھول دیا تو:۔

غلام احمد پرویز نے حضورؐ کی تشریعی اور آئینی منصب پر تو ہاتھ صاف کر دیا مگر "مرکز ملت" اور مرکزی حکومت کے اطاعت کے نام سے ہر اچھی بری حکومت کو تشریع کا حق دے دیا اور یہ کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت، تابعداری اتباع، اقتداء اور تاسی۔ یہ تمام چیزیں رسول کی نہیں مرکز ملت کی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہیں اور یہ کہ اولوالامر سے افسران بالا مراد ہیں۔

۲۔ غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کو خود ساختہ عجیب وغریب معانی پہنائے اور ظلی اور

بروزی گورکھ دھندوں میں ایک قطعی واضح اور بدیہی حقیقت کو عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرح ایک معمہ بنا دیا۔ غلام احمد پرویز نے رسالت محمدیہ ماننے کا تو دعوے کیا، مگر حیثیت خاکش بدہن صرف ایک ڈاکیہ کی تسلیم کی اور ختم نبوت کا صاف الفاظ میں یہ مطلب لیا کہ اب انسانوں کو اپنے فیصلے آپ ہی کرنے ہوں گے اور یہ کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں تصورات اور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی — دیکھئے سلیم کے نام پرویز کا خط ۱۵ صفحہ ۲۵۰ (گویا یہ تصورات اشتراکی اور لادینی کیوں نہ ہوں اور نظام کارل مارکس اور لینن کا کیوں نہ ہو سب کچھ ختم نبوت کے کھاتے میں جائے گا۔

۳۔ غلام احمد مرزا اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جھوٹی نبوت کے اثبات کے لئے خود قرآن اور حضورؐ کی ذات کا سہارا لیا تو:۔

غلام احمد پرویز اور دیگر منکرین حدیث نے کتاب اللہ اور قرآن کی آڑ لے کر قرآن اور سنت اور خدا اور رسولؐ کا باہمی تعلق کاٹنے کی سعی کی اور قرآن ہی کو اس سلسلہ میں اپنا حربہ بنایا۔

۴۔ غلام احمد متنبی نے نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی ایک قطعی اجماعی عقیدہ میں رخنہ اندازی کی اور اسے ملت کا شیرازہ اتحاد بکھیرنے کا ذریعہ بنایا تو:۔

غلام احمد پرویز نے سنت کی آئینی حیثیت سے انکار کر کے ایک ایسے متفقہ صریح اجماعی مسئلہ میں دخل اندازی کرنا چاہی جو ختم نبوت کی طرح عہد صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت کے ہاں طے شدہ مسلمات میں سے تھا۔

۵۔ غلام احمد قادیانی اور اس کا ٹولہ اپنے نبی کے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر انبیاء کی عیب جوئی اور طعن وشتم سے نہ چوکا۔ یہاں تک کہ رسول عربیؐ کی ذات میں نقص نکالنے سے بھی گریز نہ ہوا تو غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنوا بھی اپنے نظام اجتماعی اور مرکز ملت کا راستہ

نکال لینے کی خاطر سنت رسول ؐ میں عیب چینی کرنے لگے۔

۶۔ غلام احمد قادیانی نے نئے امرونہی پر مبنی شریعت کا علم اٹھایا اور پچھلے سارے دین پر خط نسخ کھینچنا چاہا یا خود کو اس میں ہر طرح تبدیلی کا مجاز ٹھہرایا تو:۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ قرآن کے تمام احکام وراثت فرضہ، لین دین، صدقات، زکوٰۃ وغیرہ سب عبوری دور سے متعلق ہیں۔ (نظام ربوبیت از پرویز ص۲۵، ص۱۶۷ وغیرہ) اور یہ کہ مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ عبادات، نماز روزہ، معاملات اخلاق غرض جس چیز میں چاہے ردوبدل کر دے (مقام حدیث ج ۱ ص۳۹۱، ص۳۹۲، ۳۹۴) جبکہ عبادات پر اتنی ڈھٹائی سے ان کے پیش رو مرزا نے بھی چھرا نہیں چلایا تھا۔

۷۔ متنبی کذاب مرزا قادیانی نے شریعت کی تمام اصطلاحات کو تحریف کا نشانہ بنایا تو غلام احمد پرویز نے امت کے متفقہ و مسلمہ مصطلحات شریعت کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے من گھڑت مفہوم و مطالب پڑھائے اور ان کے ہاں آخرت سے مراد مستقبل ہے۔ (سلیم کے نام ج ۱ ص۱۲۱) جنت و دوزخ مقامات نہیں انسانی کیفیات ہیں (لغات القرآن از پرویز ج ۱ ص۴۴۹) فرشتے نفسانی محرکات ہیں اور ایمان بالملائکہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوتیں انسان کے آگے جھکی رہنی چاہییں۔ (ابلیس و آدم از پرویز ص۱۹۵ لغات القرآن ج ۱ ص۲۴۴)

جبریل انکشاف حقیقت کی روشنی کو کہتے ہیں۔ (ابلیس و آدم ص۳۸۳) آدم کسی وجود شخصی کا نہیں بنی نوع انسانی کا نام ہے۔ اور یہ کہ انسانی پیدائش ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے (لغات ج ۱ ص۲۱۲) نماز سے مراد نظام ربوبیت ہے (نظام ربوبیت ص۸۰) زکوٰۃ، صدقات واجبہ کا مطلب ٹیکس ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۳۷، ص۱۲) ثواب اور وزن اعمال کا عقیدہ ایک افیون ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۶۷)

تقدیر کا عقیدہ مجوسیوں کا داخل کیا ہوا ہے (ص۱۹) صدقہ فطر ڈاک کے ٹکٹ ہیں۔ حج بین الملی کانفرنس اور قربانی صرف اس کانفرنس کے لئے راشن مہیا کرنے کا انتظام ہے۔

تلاوت قرآن جادو منتر کے دور کی نشانی ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن رسالہ قربانی، قرآنی فیصلے وغیرہ)

۸۔ غلام احمد قادیانی نے اپنے متبعین کے علاوہ سارے مسلمانوں کی تکفیر کی۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ اس وقت دین کے ہر گوشے میں تحریف ہو چکی ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۴۶) اور اب قرآن کے رو سے سارے مسلمان کافر ہو چکے ہیں۔ (سلیم کے نام خط ۲۷ ج ۳ ص ۱۹۸ تا ص ۱۹۹) موجودہ مسلمان تو یہ ہمو سماجی مسلمان ہیں۔ (سلیم کے نام خط ج ۲ ص ۱۸، ۱۵)

۹۔ غلام احمد قادیانی کی نئی شریعت میں حلال بھی ہے، حرام بھی یعنی یہ حق اسے حاصل ہے کہ جسے چاہے حلال کہہ دے جسے چاہے حرام۔ غلام احمد پرویز کی نگاہ میں بھی حلال وحرام کی جو طولانی فہرستیں ہیں، وہ سب انسانوں کے خود ساختہ ہیں اور پرویزی شریعت میں صرف چار چیزیں حرام ہیں۔ (طلوع اسلام مئی ۵۲ء ص ۶۹)

۱۰۔ غلام محمد کی وحی اور الہام — "ییں ولدییں" قسم کے ہذیانات سے بھرپور ہے تو غلام احمد پرویز کے تفسیری نکات میں آپ کو ویسٹلونک عن المحیض — کا مطلب سرمایہ دارانہ معاشی نظام جیسے قرآن دانی جیسے شاہکار ملیں گے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

اس وقت ہم صفحات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان چند مثالوں سے دونوں کی باہمی مماثلت ومشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منکرین حدیث کی وکالت کرنے والوں بالخصوص شورش صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیسا جذبہ ناموس رسالت اور حمیت دینی ہے اور ایسا کیوں ہے کہ ایک غلام احمد کے بارے میں تو آپ کی رائے بالکل صحیح رخ اختیار کرتی ہے مگر دوسرے میں آپ کو حسین رضؓ کی مظلومیت اور فضلائے امت کی عبقریت نظر آنے لگتی ہے۔

جہاں تک کسی حدیث کا بظاہر قرآن سے مخالفت یا آئمہ حدیث امام بخاری ومسلم وغیرہ کا لاکھوں حدیث سے چند ہزار کا انتخاب اور اس جیسی دیگر باتوں کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ بلکہ حدیث کی جمع تدوین کتابت وغیرہ اور اس سے متعلقہ تمام مباحث اس حد تک علماء

امت کے ذریعہ منقح ہو چکے ہیں کہ اس پر مزید اضافہ ممکن نہیں۔ علم وتحقیق کی یہ باتیں شورش صاحب نہ ہی چھیڑیں تو بہتر ہے اور اگر خواہ مخواہ شوق سخن ہے تو علما ءان سب کا نہایت بسط وتفصیل سے صدیوں قبل فیصلہ کر چکے ہیں۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اس میں اتریں اسلامی لٹریچر میں اب حجیت حدیث ایک مستقل علم بن چکا ہے اور ہندی نژاد پرویز تو کیا یورپ کے مستشرقین تک کے چھکے چھڑا دیئے گئے ہیں۔

اصولی طور پر شورش صاحب پرویز کا نبی کریم کے مقام ومنصب اور تشریعی حیثیت کے بارہ میں بے لاگ لگی لپٹی کہے بغیر خیالات معلوم کر لیں اس کے بعد معاملہ صاف ہو جائے گا۔

رسول کا تشریعی منصب | قرآن تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بار بار رسول کی ان تمام حیثیتوں کو متعین کرا رہا ہے۔ یہاں ہم اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

- رسول بحیثیت معلم و مربی۔ (بقرہ آیت ۱۲۹—۱۵۱ آل عمران ۱۶۴ وغیرہ)
- رسول کتاب اللہ کا شارح ہے۔ وہ قرآن کی تبیین پر مامور ہے (نحل آیت ۴۴)
- رسول پوری امت کے لئے پیشوا مقتدا نمونہ، اسوہ اور واجب الاتباع ہیں (آل عمران آیت ۱۳۱، ۱۳۲)
- رسول خدا کی طرح شارع (LEGISLATOR) ہیں۔ (اعراف، آیت ۱۵۷، حشر، آیت ۷)
- رسول قاضی اور فیصلہ کن اتھارٹی ہیں۔ (النساء ۱۰۵، الشوریٰ ۱۵، النور ۵۱، النساء ۶۵)
- رسول اکرمؐ نبی ہی کی حیثیت سے اللہ کے مقرر شدہ حاکم اور فرمانروا ہیں۔ (النساء ۶۴، ۵۹، ۸۰ الفتح ۱۰، محمد ۳۳)

الغرض سنت اور اہل سنت کے بارے میں پرویز کا اصولی موقف کیا ہے جس کے ماخذ و مصدر قانون ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جس کی اتباع واطاعت ایمان کی اوّلین شرط ہے

اس بارہ میں امت کے واضح اور اجماعی طرز عمل قرآن کریم کی صریح ہدایات نبی کریمؐ کے کھلے ارشادات کے ہوتے ہوئے کسی منکر حدیث کے بارے میں شورش صاحب کس منصب کے زعم میں یہ

حق رکھتے ہیں کہ ہر مکتب فکر کے اجماعی فتویٰ کو واپس لینے کا مشورہ دے سکیں جبکہ یہ حق امت کے کسی بڑے سے بڑے عالم اور رہنما کو بھی حاصل نہیں تو پھر کیا شورش صاحب اخلاص و خیر خواہی پر مبنی ان معروضات پر غور کرتے ہوئے اپنے نئے خوشگوار موقف پر نظر ثانی فرمادیں گے۔ خدا کرے وہ اپنی جذباتی طبیعت پر مبنی اس موقف سے جلد ہی رجوع فرمالیں۔ (جمادی الاولیٰ ۹۴ھ)

فتنۂ تجدّد و الحاد

تجدد و اصلاح کے نعروں کی اصل حقیقت

حکومتی سرپرستی میں جب بھی اسلامی تعلیمات میں دین کے عنوان سے رد و بدل کرنے کی کوشش کی گئی تو دین کا درد رکھنے والے اہل علم حضرات نے اُس فتنے کا بھرپور تعاقب کیا اور اس کی اصلیت لوگوں پر واضح کی۔ ملکِ عزیز پاکستان کے سابق صدر جنرل محمد ایوب خان کی سرپرستی میں تجدد اور الحاد کا فتنہ تحقیق اور ریسرچ کے نام پر بڑے زور و شور سے شروع ہوا اور اسلام میں تحریف کرکے اسے "جدید اسلام" کے طور پر عوام کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس موقعہ پر دیگر علماء حق کی طرح حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے بھی اس فتنے کے خلاف قلم اٹھایا اور اس کی حقیقت کو واضح کیا۔ تاریخ ہند کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مغل فرمانرواؤں میں سے اکبر بادشاہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے صدر ایوب خان کی کوکھ سے جنم لینے والے اس فتنہ کے تعاقب کے ساتھ ساتھ اکبر کے الٰہی دین کو بھی اپنے ایک مضمون میں وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جسے ماہنامہ الحق نے "اکبر دی گریٹ" کے عنوان سے شائع بھی کیا۔ اب اس مضمون کو افادۂ عام کے لیے "فتاویٰ حقانیہ" میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مُرتّب)

اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام

اکبریت کا نیا روپ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

الحمد للہ کہ قافلہ اسلام منزل بہ منزل کو بہ کو عہد سعادتِ نبوت سے لیکر اب تک رواں دواں ہے۔ اسلام کی وہ نعمت جو حضور سرور کائنات صلوات اللہ علیہ نے اپنی امت کے سپرد کی۔ اسلاف نے اس امانت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر اسے سینے سے لگائے رکھا اور ہم تک پہنچایا۔ ہدایت و فلاح کا یہ کبریت احمر آج بھی اپنے اصلی خدوخال میں موجود ہے۔ اسلاف کی اس امانت کی حفاظت کے لئے کیا کچھ کرنا پڑا ؟ یہ داستان کچھ عجیب و غریب ہے۔ ہماری تاریخ جو دعوت و عزیمت اور جہاد و قربانی کی ایک داستان مسلسل ہے، اس سے بھری پڑی ہے۔ ارباب اخلاص ووفا کو کبھی اس راہ میں آگ اور خون سے گزرنا پڑا تو کبھی صرصر و سموم کی تند و تیز لہروں کا سامنا کرنا پڑا، جو اللہ تعالیٰ کی اس روشنی کو بجھانے کے لئے اٹھتے رہے۔ بارہا الحاد و زندقہ کی تاریکیوں نے دین متین کے رخ زیبا کو چھپانے کی سعی کی۔ کفر اور گمراہی کے ظالم ہاتھوں نے خدا کی اس رسّی کو کاٹنا چاہا۔ مگر یہ اسلام کی سخت جانی تھی اور وعدہ خداوندی حفاظت دین کا ظہور کہ ان ہی ظلمتوں سے روشنی کی کرن نمودار ہو جاتی۔ ظلمت اور اندھیرے چھٹ جاتے۔ اسلام کا آفتاب منیر آج بھی دمک رہا ہے۔ نجات کا راستہ اب بھی ایسا ہی صاف اور کھلا ہے جیسا کہ اوّلین عہد سعادت میں رہا۔ (المسحة البیضاء لیلھا کنھار)

دین کی غربت کا عبرتناک زمانہ

اس سرزمین (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام اور مسلمانوں پر نازک سے نازک گھڑی دسویں صدی ہجری کے مغل تاجدار

سلطان جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں ہوئی۔ یہ پچاس سالہ "اکبر عہد" دین کی عزت اہل دین کی بے کسی اور شعائر اسلام کی تباہی اور بربادی کا عبرتناک زمانہ ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اکبر عہد اکبری کی اس داستان سرائی میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے والوں کے لئے کچھ سبق ہے تو رجال دین کے لئے نصیحت اور تسلی کا سامان بھی کہ رحمت خداوندی کا ظہور مایوسیوں کے حد کمال تک پہنچنے میں ہوتا ہے اور یہ کہ دین متین کو دبایا نہیں جاسکتا۔ نہ اس کی حفاظت توپ و تفنگ ہمہ گیر تحریکات منظم پروگرام اور جماعتوں کی رہین منت ہے ــــ آج کی فرصت میں ہم اکبر کے "دین الٰہی" کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اکبر کے خدوخال پر کچھ روشنی پڑ سکے

بے دینوں کے سب بے دین ترجمان | اور اسلام کے بارہ میں ان لوگوں کے عزائم باطنی کا بھی اندازہ لگایا جاسکے جو اس وقت مغل امپائر کے اس "طاغوت اکبر" کا نام بطور آئیڈیل پیش کرتے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ:

"اکبر بادشاہ اور اس کے عہد کے علماء کے درمیان مناقشات رونما ہونے کی بنیادی وجہ مذہبی جذبات کی بنا پر علماء کا اپنے آپ کو طاقتور بنانا تھا، جو مذہب کی آڑ لے کر ہر معاملے میں اس لئے دخل دینا چاہتے تھے کہ ان کا رسوخ بڑھ سکے۔ حکومت ان سے مرعوب ہو اور وہ حقیقی معنوں میں پشت پناہ تخت بن جائیں۔ علماء کے اس "ہوس اقتدار" کی تائید میں خود اکبر کا یہ قول بھی پیش کیا جارہا ہے کہ علماء می خواہند کہ فرمانروائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشد (علماء چاہتے ہیں کہ فرمانروائی اور حکومت میں ہمارے شریک ہوجائیں ــــ" (فکر و نظر ص ۴۶۴ ج ۴ اسلام آباد)

گویا کھلے بندوں اکبر کو حق بجانب قرار دے کر اہل حق کی ان سرفروشیوں اور قربانیوں کا مذاق اڑایا جارہا ہے، جس کا مظاہرہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ اور ان کے

ہمنوا علمائے حق نے احیائے دین اور اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے لئے کیا۔ عہد اکبری کی اس سیاہ تصویر سے ان لوگوں کے نظریات و عزائم کا بھانڈا بھی پھوٹ جائے گا کہ یہ لوگ کبھی اکبر اور کبھی مصطفےٰ کمال کا نام لے کر یہاں کس قسم کے اسلام کو زندہ کرنے کے آرزو مند ہیں۔ وہ کیا حالات تھے جس نے علمائے حق اور اہل حق کو تڑپا کر انہیں اکبر اور اس کے لادینی نظریات کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا ۔۔۔؟ کیا دعوت و عزیمت تجدید و احیائے دین کے میدان میں ان کی سرفروشی اور جاں نثاری اللہ تعالیٰ کی "سنت ماضیہ" اور "عادت جاریہ" کا ظہور تھا یا اقتدار کی ہوس عہد اکبری کے یہ سیاہ تصویر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ہم نے اپنے مضمون میں عہد اکبری کے ایک نہایت ثقہ دیندار عالم بے لاگ اور مستند مورخ ملا عبدالقادر بدایوانی (م سنہ ۱۰۱۰ھ) کی ان چشم دید معلومات کو بنیاد بنایا ہے۔ جو انہوں نے "حلفیہ شہادت" کے بعد اپنی کتاب "منتخب التواریخ" میں جمع کر دیئے ہیں جسے ہمارے زمانہ کے ایک مایہ ناز محقق عالم مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے مذکورہ کتاب کے چار سو صفحات سے تلاش کر کے اپنے مقالہ "الف ثانی" کا تجدیدی کارنامہ" میں سمیٹ دیا ہے۔ منتخب التواریخ کے حوالوں کے بارہ میں ہمارا اعتماد مولانا مرحوم کے مضمون پر ہے منتخب کے علاوہ عہد اکبری کے یہ سیاہ نقوش، دبستان مذاہب اور خود اکبر کے فرزند جہانگیر کی تزک جہانگیری میں بھی پائے جاتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے معتمد ثقہ، امین امام جلیل کے مکتوبات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

آئندہ تفصیل سے معلوم ہو گا کہ ایک سوچے سمجھے پروگرام اور تدریجی رفتار سے اکبری دین کو اس کے مقام ارتقا تک پہنچایا گیا اور اجتہاد، امامت و تشریع اور قانون سازی کے مناصب سے گزرتے ہوئے بالآخر اکبر اس مقام تک پہنچا جہاں سے امامت و نبوت تو کیا معاذ اللہ الوہیت تک رسائی ہو جاتی ہے۔

منصب اجتہاد | سب سے پہلے اکبر نے منصب اجتہاد کو سرفرازی بخشی۔ ملا مبارک ناگوری اور ان کے دونوں بیٹوں ابو الفضل اور فیضی نے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس میں اکبر کو

اجتہاد اور دینی مسائل ہیں یعنی آدم کی معاشی اور دنیوی سہولتوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح اور

اور دوسرے کو ساقط کرنے کا حق دیا گیا اور یہ کہ عوام پر ان "فیصلوں" اور "احکام" کی پابندی لازمی

اور اس کی مخالفت دنیوی اور دینی بربادی کا موجب ہوگی۔ اس محضر نامہ میں بادشاہ کو گویا

"مرکز ملت" قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ خدا کے نزدیک سلطان کا درجہ مجتہد کے درجہ سے زیادہ

ہے۔ (ملاحظہ ہو پورا محضر نامہ۔ منتخب التواریخ صـ ۲۷۲)

سلف کی بے حرمتی | اکبر کے منصب اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد ائمہ سلف اور مجتہدین

امت کی برسر عام توہین و تحقیر کی جانے لگی۔ ان پر "فقیہ کو نہ" "خشک ملا" اور "رفتار زمانہ سے آنکھیں

بند کرنے والے جامد اور متعصب ہونے کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔ دربار اکبری کا مایہ ناز "محقق"

ابوالفضل فقہاء کرام اور مجتہدین امت کے فیصلے یہ کہہ کر ٹھکرا دیتا کہ فلاں حلوائی کفش دوز اور

فلاں چمڑہ فروش کی باتیں کیسے مانوں۔ (منتخب، صـ ۲۰۰)

صحابہ کی بے وقعتی | سلف کی بے حرمتی اور گستاخیوں کی اس جرأت نے بڑھتے بڑھتے

سب سے افضل اور مقدس ترین جماعت صحابہ کرام (جن پر سارے دین کی عمارت کھڑی ہے)

کو بھی آگھیرا۔ ان کی عظمت و حرمت دلوں سے نکالی جانے لگی۔ خاص طور سے خلفاء ثلاثہ (ابوبکر،

عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) کی شان میں ایسی ایسی باتیں نکلنے لگیں جن کو زبان پر نہیں لایا جا سکتا (منتخب)

شان رسالت پر دست درازی | اب خاکم بدہن شان رسالت (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات)

کی باری تھی۔ حریم قدس نبوت پر دست اندازی سے پہلے ضروری تھا کہ حضورؐ کے لائے ہوئے احکام و

تعلیمات اور اسلام کے اساسی ارکان کو عبادات تک کو رفتار زمانہ سے بے جوڑ، نامناسب اور فرسودہ

قرار دیا جائے اور اس طرح بالواسطہ "اسلامی تعلیمات و شعائر" سے کٹ کر امت مسلمہ کا جوڑ اس کے لانے

والے پیغمبر سے بھی کٹ جائے۔

چنانچہ صحابہ کرام، ائمہ دین اور سلف صالحین کی اتباع اور تقلید کو روایت پرستی، شخصیت پروری

اور قدامت پسندی قرار دینے کے بعد اسلام کے سارے اثاثہ پر یہ کہہ کر ہاتھ صاف کرایا گیا کہ العیاذ باللہ ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث اور نامعقول ہے۔ اس کے بنانے والے چند مفلس بدو تھے جو معاذ اللہ سب کے سب مفسد، ڈاکو، لٹ مار تھے۔ ارکان اسلام کا یہ حال کہ روزہ، حج، زکوٰۃ، جبراً ساقط کئے گئے صـ۲۵۱ - کسی کی مجال نہ تھی کہ اکبر کے دربار میں علانیہ نماز پڑھ سکے صـ۲۱۵

روشن خیالی کے نام پر دین سے مذاق | اس طرح دین اور دین کے تمام شعائر کو "تقلیدات" کہا جانے لگا صـ۲۱۶ یعنی غیر معقول باتیں "روایت پسندی" اور "دقیانوسیت" ایک شور برپا کیا گیا کہ مدار دین عقل پر ہے نہ کہ نقل پر صـ۲۱۱ اگر کسی مسئلہ میں اس کی دینی اور شرعی حیثیت پیش کر دی جاتی تو الف ثانی کا یہ "محرف اعظم" یہ کہہ کر جھڑک دیتا کہ ـــــ یہ ملاؤں کی باتیں ہیں۔ مجھ سے تو ان چیزوں کا دریافت کرو جن کا تعلق عقل و حکمت سے ہو صـ۳۰۸

تمام دینی سرمایہ اور اسلامی اثاثہ کے بارہ میں مجموعی طور پر بداعتمادی اور بدظنی پیدا کرنے کے بعد ایک ایک کر کے اسلام کے ان تمام اصول و فروع پر "تیشۂ تحقیق" چلایا جانے لگا جس پر خدائی دین "اسلام" کی ساری عمارت استوار تھی۔ بقول ملا عبد القادر بدایونی رحـ ـــــ ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت مسئلہ کلام، رویت باری تعالیٰ، انسان کا مکلف ہونا، تکوین عالم حشر و نشر وغیرہ کے تمسخر اور استہزاء ہونے لگا۔ صـ۳۰۷ ـــــ پورے دربار میں اسلامی معتقدات کو مشق سخن بنا کر ایک ایک مسئلہ اور شعار کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے۔ دوسرے مذاہب کا ہر وہ رکن جس سے اسلام کا توڑ ہوتا اسے نص قاطع، قطعی دلیل اور اسلام کی تمام باتوں کو مہمل نامعقول، نو پیدا عرب کے مفلسوں کی گھڑی چیزیں خیال کیا جاتا صـ۲۵۹

نبوت اور اخبار غیب سے انکار | مصدر شریعت اور سرچشمہ اسلام نبوت، کبریٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور وقار کو مجروح کرنے کی بہ مذموم کوششیں بڑھتی رہیں اور بالآخر اجتہاد و امامت کا یہ دعویدار صاحب نبوت کی غلامی اور اس کی تشریعی حیثیت ماننے سے بھی

منکر ہوا اور بادشاہ نے وحی کے محال ہونے پر اصرار شروع کیا۔ غیب اور عالم غیب کے بارے میں حضور رسالتمآب علیہ السلام کے اخبار کو جھٹلاکر جن، فرشتے، معجزات، تواتر، قرآن اور اس کے کلام خداوندی ہونے، بعث بعد الموت، حساب کتاب، ثواب وعذاب کا کھلے بندوں انکار کرنے لگا۔ ص ۲۷۳ ـــــ

معجزات سے استہزاء | معجزات نبوت سے نہ صرف انکار، بلکہ بادشاہ کی جہالت اور شوریدہ سری کی انتہا تھی کہ بھرے دربار میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہوکر معراج رسول کی ہنسی اڑاتے لگا اور کہتا کہ جب میں دوسری ٹانگ اٹھا کر کھڑا نہیں ہوسکتا تو راتوں رات ایک شخص کیسے آسمانوں سے اوپر پہنچ گیا، خدا سے باتیں کیں اور جب واپس ہوا تب بھی اُن کا بستر گرم تھا ــــ ہنسی مذاق کا یہی حال شق القمر اور دیگر معجزات کے بارہ میں بھی تھا ص ۲۱۷

شان رسالت میں بے حمیتی | اس گستاخ نے اس پر اکتفا نہ کیا، بلکہ مسلمانوں کا تعلق ان کے مرکز حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توڑنے کی خاطر اس نے درباریوں کے وہ نام تک بدل ڈالے جس میں احمد اور مصطفیٰ شامل ہوتا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ یہ نام ان پر شاق گزرنے لگے تھے ص ۲۱۵ ج ۲ ـــــ یہاں تک کہ غیرت وحمیت سے عاری اس "مغل اعظم" کے دربار میں عیسائی مشنری کے پادریوں نے سرعام شان رسالت میں وہ بیہودہ کلمات استعمال کئے جن کے سننے پر جگر شق ہوجائے۔ مگر اکبر نے ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی، اعزاز واکرام سے نوازا اور اپنے ایک شہزادہ کو حکم دیا کہ تبرکاً ان سے چند سبق پڑھ لو ص ۲۶۹

اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ) | اپنے زعم باطل میں دین محمدی کی تخریب، شعائر اسلامی کے اضمحلال اور رسالت وعہد رسالت سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کرنے کے بعد اکبر کے لئے ضروری تھا کہ تشریع اور قانون سازی کا منصب اب خود سنبھالے اور پرانے دین کے اس ملبہ پر جو اس کے خیال میں اپنی عمر کے ہزار سال پورے کر چکا تھا ایک نئے دین، جدید ملت اور ترقی یافتہ نظام کی عمارت اٹھائے، کہ تخریب کے بعد تعمیر کے راستے کھلے تھے۔ امامت تو کیا نبوت اور الوہیت تک

(معاذ اللہ) اس کی رسائی ہو سکتی تھی اور کون تھا جو اسے روک سکے۔ بقول مؤرخین اس خیال سے
اس نے اپنے دین کو "الٰہی مذہب" کا نام دیا اور دعویٰ نبوت نہ کرتے ہوئے بھی منصب رسالت
تشریع و تبدیل، نسخ احکام وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا ـــــ اب پورے طور پر وہ "دین الٰہی"
کی تدوین اپنے خود ساختہ قوانین کی ترویج اور اسلامی احکام و شعائر کی بربادی و بیخ کنی میں لگ
گیا۔ اعمال و فروع تو کیا عقائد و اصول تک نئے رائج کر دیئے اور اسطرح باقاعدہ ایک جدید ملّت اور سائنٹیفک
مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر دین الٰہی کی "تدوین و تنقیح" کا کام اکیلے اکبر کے بس میں کہاں تھا کہ وہ بیچارہ
تھا۔ بہرحال ایک ان پڑھ اور جاہل دین کے مبادی تک سے بے خبر زمانہ کے روشن خیال "محققین"
نے اسے بام پر چڑھایا اور اقتدار و نخوت کے پندار میں اکبر اس مقام "انا ولا غیری" پر براجمان ہوئے

اسلامی مشاورتی کونسل اور تحقیقاتی ادارے | عقائد و احکام فروع و اصول اور دین کے
ہر ہر شعبہ میں نئے نئے اجتہادات و تحقیقات کے لئے باقاعدہ ادارے کھولے۔ تحقیقی مجالس قائم
کیں اور بیسویں صدی کی اصطلاح اسلامی تحقیق، اسلام کا آزاد مطالعہ سائنٹیفک ریسرچ کے لئے
قانون ساز اداروں کی تشکیل کی گئی۔ باہمی بحث و تمحیص کے لئے کونسلیں قائم ہوئیں۔ دیگر مذاہب
کے ثقافتی لٹریچر کے ترجمہ کے لئے دفتر کھولا گیا۔ ملا مبارک اور اس کے شہرہ آفاق بیٹے ابوالفضل اور
فیضی ان تحقیقاتی امور کے ڈائریکٹر اور خود "اکبر دی گریٹ" کی ذات اس تشریع و تجدید کی آخری اتھارٹی
اور قوت نافذہ تھی ـــ اکبری دربار کے اس ثقہ اور چشم دید راوی ملا عبدالقادر بدایوانی نے تو اکبر کی اس
"اسلامک ایڈوائزری کونسل" کے ارکان کی تعداد تک لکھ دی ہے۔

(بادشاہ) حکم کردند کہ از مقربان چہل کس	بادشاہ نے حکم دیا کہ مقربین میں سے
بعدد چہل تن بہ نشستید و ہر کس ہر چہ	چالیس آدمی یکجا بیٹھا کریں اور ہر شخص جو کچھ چاہتا ہو
داند بگوید و ہر چہ خواہد بپرسد ص ۳۰۸	اسکا اظہار کرے اور ہر قسم کے سوالات کرنا چاہے کرے

اس کمیٹی میں اسلامی عقائد اور مسلمات کے متعلق عقل (سائنس) کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا۔ طرح طرح
کے شبہات، ہنسی مذاق کی شکل میں کیا جاتا اور اگر کوئی ممبر اختلافی نوٹ پیش کرتا تو اسے روک دیا جاتا تھا ۲۰

اس تحقیقاتی ٹکسال میں ابوالفضل کے کئی شاگرد اور سکالر بھی تجدید دین کے کام میں شریک تھے اور بقول منتخب التواریخ صرف ایک شاگرد نے اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور مسخرگی کے پیرایہ میں کئی رسالے تصنیف کئے اور جس نے شاہی بارگاہ میں بڑی مقبولیت پائی صـ۲۵۱

تاریخ کی تطہیر | ان روشن خیال اور آزاد ریسرچ کے شہسواروں کے ایک گروہ کو حکم دیا گیا کہ "تاریخ الفی" کے نام سے اسلام کے ہزار سالہ دور کی ایک تاریخ مرتب کی جائے جو دوسری تمام تواریخ کی ناسخ ہو اور جس میں سن ہجری کی بجائے سن رحلت کو آغاز بنایا گیا ہو صـ۳۰۶

اس کا مقصد بظاہر آج کل کی اصطلاح میں یہ تھا کہ اسلامی تاریخ "پر عجمی اثرات" دینی تعصب و تصلّب اور فقہی جمود کے جو بادل چھا گئے ہیں۔ ان آمیزشوں سے اسلامی تاریخ صاف ہو جائے کہ صرف تاریخ پر کیا منحصر لوپرا اسلامی نظام اور دینی سرمایہ ان کے نزدیک تحریف و تلبیس کا شکار ہو کر ناقابل اعتماد ٹھہر گیا تھا۔ ابوالفضل اور فیضی کے والد ملّا مبارک ناگوری بادشاہ کے سامنے ہندوؤں کو کہتا پھرتا کہ تمہارے دین کی طرح ہمارے دین میں بھی تحریف ہوئی صـ۲۱۱ گویا عجمی سازش قدامت، اور توہم پرستی نے اس پورے اثاثہ کو ناقابل عمل اور غیر معتمد بنا دیا ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب اور بے ہودہ رسوم روایات کی جن جن طریقوں سے حوصلہ افزائی کی گئی ان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ تمام رواداری اور وسیع الخیالی صرف ان نظریات، مذاہب اور خیالات سے تھی جن سے اسلام کے کسی حکم کا توڑ ہوتا۔ صـ۲۵۶

اکبر کی رواداری کا نتیجہ | بخلاف اسلامی ملت کے کہ اکبر کے خیال میں اس "غریب دین" کی ساری باتیں مہمل، نامعقول، نو پیدا اور عرب مفلسوں کی گھڑی ہوئی تھیں۔ یہ "روادار اکبر" جس کو بھی اپنے اعتقاد اور معیار پر پورا نہ پاتا وہ واجب القتل اور راندہ درگاہ ہو جاتا اور اسے فقیہ (ملّا) کا نام رکھ دیا جاتا صـ۲۳۹ ۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب سے "رواداری" (جو ہمیشہ سے الحاد اور گمراہی

لـه منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز اور نام نہاد دانشور اور تجدد زدہ طبقہ یہی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔

کا مبداء اور سرچشمہ ہوتا ہے "مساوات ادیان اور آزادی رائے کا یہ ثمرہ نکلا کہ اکبر نے فرنگیوں کی عیسائی مشنریوں کو حکم دیا کہ بھرے دربار میں انجیل اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور نصرانیت کو مدلائل بیان کریں اور ابو الفضل کو حکم دیا گیا کہ ان پادریوں کی مدد سے انجیل کا ترجمہ کردیا جائے ص ۳۰۹

فرنگی ثقافت اور کلچر | فرنگیوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کئے ص ۳۱۲ اور یہی عقل و دانش اور رواداری کے نام سے یورپ سے درآمد شدہ لعنت کی پہلی کھیپ جس کے نتیجہ میں مملکت کو صدیوں غلام رہنا پڑا۔ یہی "دانش افرنگ" ہے جو آج مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا اور نازک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے —— جشن نوروز میں فرنگی بھی شریک ہوتے جو پیانو اور ہارمونیم بجا بجا کر اپنے ثقافت اور کلچر کا مظاہرہ کرتے اور اکبری داد و دستد کے مستحق ہوتے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ مجددؒ)

اس رواداری کے مظاہرے دنیا کے دیگر فرسودہ مذاہب سے بھی کیے گئے —— آتش پرستوں نے آکر زردشتی دین کی حقیقت بیان کی ص ۳۰۸ —— پھر کیا دیر لگتی اس وسیع الظرف روشن خیال بادشاہ نے ان کی دلجوئی کے لئے شاہی محلات میں دن رات آگ روشن رکھنے کا حکم دیا۔ ص ۳۰۸

سیاست یا الحاد | ہندوؤں اور ان کے مذاہب اور غیر فطری رسم و رواج کے ساتھ اکبر نے جس رواداری کا معاملہ کیا وہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ آخر گردن سے اسلام کا "ربقہ" اتارنے کا یہ سارا ڈھونگ جب ان کی دلجوئی کی خاطر رچایا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ وہ ہندومت کے ساتھ اکبر کی فراخ حوصلگیوں کا کیا عالم ہوگا ؟

ہندوؤں کے تہوار پر قشقہ لگاتا، برہمنوں کے ہاتھ تبرکاً ڈوری بندھوانا، بھجن پڑھنا اور پڑھوانا، یہاں تک کہ اپنی والدہ کی وفات پر سارا سوگ ہندوؤں کی رسم "کریا" پر منایا گیا۔ سر، داڑھی مونچھیں منڈوا کر ماتمی لباس پہنا اور بادشاہ کی تقلید میں ہزاروں لوگ ان رسومات میں شریک ہوئے (شاندار ماضی ص ۸۹ بحوالہ تزک جہانگیری۔ از مولانا محمد میاںؒ) غیروں سے یہ دریا دلی اکبر کے لئے ایک عام بات تھی، خواہ اسے آپ اکبر کی الحادی ذہنیت کا نتیجہ قرار دیں یا سیاست و مصلحت کا

خوشنما نام دیں۔

ملت جدیدہ یا ماڈرن اسلام | عرض اکبر کی یہ "رواداریاں" اور اسلام و دیگر مذاہب کا آزاد سائنٹیفک مطالعہ اور روشن خیالوں کی شبانہ روز بے رحم اور بے لاگ ریسرچ کے نتیجہ میں سرزمین ہند پر ایک نئے ماڈرن اسلام اور "ملت جدیدہ" کا ظہور ہوا جس نے عقائد و اخلاق، سیاست و معاشرت، تہذیب و تمدن، احکام و مسائل غرض قدیم "اسلام" کے ایک ایک شعبہ جزئی سے جزئی مسئلہ اور حکم میں وہ وہ جدت طرازیاں کیں کہ الامان والحفیظ ہندوستان کے اس "فتنۂ کبریٰ" نے بزعم خود ملت مسلمہ کی چولیں ہلا ڈالیں اور جس کی ترویج کے لئے قوت و سطوت، دولت اور خزانوں کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیئے گئے تھے۔

حلف وفاداری | اس دین میں داخل ہوتے وقت جو کلمہ شہادت پڑھا جاتا مورخین کی زبانی وہ "لاالہ الااللہ اکبر خلیفۃ اللہ" ہوتا اور نہ صرف مریدوں کو بلکہ عام رعایا کو بھی اس "ایمان و شہادۃ" کا مکلف ٹھہرایا جاتا ص۲۷۳۔ یہ نو مذہب ان الفاظ سے حلف وفاداری اٹھاتے "میں دلی شوق سے روایتی دین اور باپ دادوں کے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اکبر شاہی دین میں داخل ہوتا ہوں ص۱۱"

تمغہ | اور اس طرح یہ روشن خیال یا ابن الوقت "فرسودہ روایات" کے خول کو توڑ آزاد فضا اور نئی روشنی میں آجاتے اور دین ملت کی متاع عزیز اکبرؔ کے قدموں پر نثار کر کے دربار ہمایوں سے "شجرہ" کے نام سے ایک "تمغہ" حاصل کر لیتے ؎

دینے فروختند و چہ ارزاں فروختند

یہ تمغہ مقبولیت بھی بقول مولانا گیلانیؒ حامیان تجدد کیلئے باعث رشک ہے۔ بادشاہ کی ایک تصویر ان وفا شعاروں کو دے دی جاتی جسے وہ ایک مرصع جواہر نگار غلاف میں رکھ کر اپنی دستاروں پر لگائے رکھتے ص۱۴۱ (کیا مغرب کی تصویر پرست تہذیب کو بیسویں صدی میں بھی یہ جدت سوجھی ہے۔ ابھی بات تصویر کی نقاب کشائی اور نمائشوں تک محدود ہے)

بادشاہ سلامت ہر صبح ایک جھروکہ سے درشن کراتے۔ پردہ سے نکلتے ہی ہزاروں لوگ اپنے اس "معبود" اور "الہ اکبر" کے سامنے سربسجود ہو جاتے ص ۲۶۲۔ اس تہذیب جدید میں باہمی ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کی بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" کا تبادلہ ہوتا ص ۲۶۵

اکبر کی افتاد طبیعت اور اکبر کے "دین الٰہی" پر اس طائرانہ اور اصولی نگاہ ڈالنے کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "دین اکبری" کے بعض معتقدات، معاشرتی اور اخلاقی میدان میں اس کی روشن خیالیوں اور شرعی احکام و فروع میں اس کی دست اندازیوں کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پیش کر دیں۔ شاید ذہن کے اضمحلال و اندراس کے اس آئینہ میں جھانک کر تاریخ سے عبرت لینے والے کچھ عبرت حاصل کر سکیں ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب اوالقی السمع وھو شھید کہ بیشک اس میں ایک نصیحت ہے۔ سننے اور سمجھنے والوں کے لئے ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اکبری عقائد و عبادات: اکبر کی نگاہ میں الوہیت اور نبوت کا جو مقام تھا اس کا اندازہ تو لگ چکا وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو خدائی منصب اور مقام نبوت پر فائز سمجھنے لگا بلکہ اپنی عبادات کروانے کے ساتھ ساتھ تمام مظاہر فطرت آگ، پانی، درخت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجنے لگا ص ۲۶۱۔ آفتاب کی عبادت لازمی طور پر دن میں چار مرتبہ کرتا ص ۱۱ آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں کا وظیفہ پڑھتا ص ۲۲۲ طلوع آفتاب کے وقت نقارہ بجایا جاتا ص ۱۱ اور یہ فرمان جاری کیا کہ آفتاب کا ذکر آنے پر جلت قدرتہ (اس کی قدرت بہت بڑی ہے) کہا جائے۔ نہ صرف یہ کہ آفتاب کی عبادت ہونے لگی بلکہ کائنات کی ربوبیت میں بھی اسے شریک ٹھہرایا گیا ص ۲۶۱ کواکب پرستی بھی کی جانے لگی اور یہاں تک کہ (معاذ اللہ) سور تک کو خدا کا مظہر قرار دیا گیا کہ وہ اس میں حلول ہو چکا ہے ص ۲۶۱ معاد، حشر نشر، بعث بعد الموت سے انکار کر کے ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ پر ایمان لایا ص ۲۵۸ اپنے مقربین پر لازم قرار دیا کہ شمع اور چراغ روشن ہونے کے وقت کھڑے ہو کر تعظیم بجا لایا کریں۔ ص ۲۱۲ آتش پرستی کے لئے ایک الگ آتش کدہ تازہ رہتا۔ آگ کو خدا کی نشانی اور نور قرار دیا ص ۱۱

یہ اس مذہب کے اعتقادات اور اس تحقیقی علم الکلام والعقائد کے چند "شہ پارے" ہیں جنہیں "برعکس نہند نام زنگی کافور" "توحید الٰہی" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اجتہاد اور روشن خیالی کے اس کھیل سے اخلاق و کردار، معاشرہ اور تمدن کے میدان میں وہ گل کھلے کہ عقل و دانش اور دیانت و شرافت کی دنیا سر پیٹ کر رہ گئی۔ "مشتے نمونہ از خروارے" جس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

ریس کورس اور تقاوی سود کی حلت | سود اور جوا حلال قرار دیا گیا۔ شاہی خزانہ سے سودی قرضہ دیا جانے لگا۔ قمار کیلئے شاہی دربار میں ایک الگ جوا گھر (ریس کورس) قائم کیا گیا۔ ۲۴۶

شراب حلال ہے | دربار اکبری سے فتوی جاری کیا گیا کہ طبی طور پر بدن کی اصلاح و تقویت کے لئے شراب حلال ہے۔ البتہ پی کر سڑکوں پر غل غپاڑہ کرنا اور دنگا فساد ممنوع ہے۔ ۲۴۷

محکمہ آبکاری | ایک عورت کی نگرانی میں شراب فروشی کی ایک دکان دربار کے سایہ میں قائم کی گئی۔ نرخ وغیرہ خود حکومت مقرر کرتی تھی۔

جام صحت | تقریبات اور مجالس میں جام پر جام لنڈھائے جاتے، شراب سے ایک دوسرے کے جام صحت تجویز ہوتے۔ دربار اکبری میں تجدد اور روشن خیالی کے ایک ممتاز لیڈر فیضی ایک جام "ملاؤں" کے تعصب اور جمود کے نام پر تجویز کرتے۔

شیو | اس ترقی یافتہ مذہب میں شراب کے بعد زیادہ زور داڑھی منڈھوانے پر دیا جاتا اور شیو کے بارہ میں عقلی و نقلی دلائل کا طومار باندھا جاتا۔

غسل جنابت منسوخ | دین جدید کا ایک مسئلہ یہ تھا کہ جنابت واجب نہیں کہ منی سے نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم بستری سے پہلے غسل کیا جائے (تذکرہ مجدد الف ثانی ص۲۷ مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

عائلی قوانین کی اصلاح | نکاح و طلاق کے متعلق بھی مسلمانوں کے پرسنل لا میں رد و بدل کیا گیا۔ نئے "عائلی قوانین" کی بعض دفعات یہ تھیں۔

ا۔ چچازاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح حرام، کہ میل کم شود (یہ اجنبی تہذیب ہندوؤں کا اثر تھا کہ

بیگانوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ ۲۔ سولہ سال سے پہلے لڑکوں اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور وجہ یہ تھی کہ فرزند ضعیف مے شود۔ گویا جو چیز بعد میں "سارڈا ایکٹ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ دراصل مغل اعظم ایکٹ کہلانے کی مستحق تھی۔ ۳۔ یہ کہہ کر "خدا یکے و زن یکے" ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگادی گئی۔ گویا اسلامی دنیا میں مسئلہ تعدد ازدواج کا جو غلغلہ ہے اس کا کریڈٹ بھی "اکبر اعظم" ہی کو حاصل ہے ـــــ عائلی آرڈی ننس کی مزید بعض دفعات یہ تھیں۔ ۴۔ آئسہ عورت (جس کی ماہواری بند ہو) نکاح نہیں کر سکے گی۔ ۵۔ مرد سے بارہ سال بڑی عورت سے ہم بستری ممنوع ہوگی۔ ۶۔ شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو گاؤں کے کوتوال کے سامنے پیش ہونا ضروری تھا کہ وہ عمر وغیرہ کی تصدیق کرکے باقاعدہ اجازت نامہ دے اور رجسٹریشن ہو سکے۔ ۷۔ کوئی ہندو عورت اگر مسلمان ہو کر کسی مسلمان سے شادی کرے تو اسے جبراً گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ (منتخب التواریخ)

آزادئ نسواں | پردہ ممنوع قرار دیا گیا۔ فرمان شاہی تھا کہ باہر نکلتے وقت عورتیں چہرہ کھلا رکھیں اور اگر برقعہ ہو تو چہرہ کھول دیا کریں ص ۲۹۱

مخلوط کلب، زنا اور فحاشی کی ترویج | ایک طرف دوسری شادی پر پابندی عائد کی گئی دوسری طرف بغیر نکاح کے زنا کی کھلم کھلا اجازت دی گئی۔ "متعہ" رائج کر دیا گیا اور بقول منتخب التواریخ شہر سے باہر "شیطان پورہ" کے نام سے ایک مستقل آبادی بنائی گئی جہاں باقاعدہ محافظ، پولیس اور داروغہ ہوتا۔ جس کا جی چاہتا آکر باہمی رضا و رغبت سے جو چاہتا کرتا اور جسے چاہتا ساتھ لیجاتا ص ۲۹۱ گویا یہ زنا بالرضا کا ایک "مخلوط کلب" ہوتا جہاں سے داشتائیں دستیاب ہوتیں۔ گرل فرینڈز کی ایک دنیا آباد ہوتی ـــــ نئی تہذیب کی تاریکیاں جنہیں اپنی جدت پر ناز ہے ـــــ کیا صدیوں کی جمی ہوئی یہ تاریکی پھر بھی روشنی کہلانے کی مستحق ہے؟ تاریکی بہر حال تاریکی ہے۔ بیسویں صدی کی ہو یا عہد اکبری کی۔ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ

دیگر اصلاحات | میت کے گلے سے خام غلہ یا پکی اینٹیں بندھوا کر اسے پانی میں بہا دیا

جاتا۔ پانی نہ ہوتا تو جلا دیا جاتا یا پھر کسی درخت سے اسے باندھ دیا جاتا۔ اگر تدفین ہوتی تو حکم تھا کہ قبر اس طرح بنائی جائے کہ مردہ کے پاؤں مغرب کی جانب اور سر مشرق کی جانب ہو صفحہ ۳۰۵ و ۳۶۲ یہ دیدہ و دانستہ قبلہ کی توہین اور مسلمانوں کے دلوں سے کعبۂ حجاز کی عظمت نکالنے کی ایک صورت تھی۔ چنانچہ اس نے خود اپنی خوابگاہ بھی اسی طرح بنائی تھی۔

ختنہ پر پابندی | بارہ سال سے پہلے ختنہ کرانے پر پابندی لگائی گئی صفحہ ۳۰۲ اور پختگی عمر کے بعد مشکل کوئی اس سنت پر عمل کرنے پر آمادہ ہو سکتا۔

سونا اور ریشم حلال | مردوں کے لئے سونے اور ریشم کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ تقریباً واجب قرار دیا گیا۔

سور اور کتوں سے دلچسپی | بزعم اسلام سور اور کتے کی نجاست کو منسوخ قرار دے کر اپنے محل میں ان کی سکونت کا انتظام کرایا۔ یہاں تک کہ صبح سویرے ان کا دیکھنا عبادت سمجھا جاتا صفحہ ۳۵۷ ــــ بادشاہ تو بادشاہ روشن خیال فیضی کا حال یہ تھا کہ سفر میں بھی چند کتے ساتھ رکھتا تھا اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا۔ بعض شاعر تو کتوں کی زبان تک اپنے منہ میں لے لیتے صفحہ ۳۵۷

سگ پرست تہذیب | آج مغربی تہذیب نے کتوں سے شیفتگی اور والہانہ محبت کو فیشن قرار دیا ہے۔ کتوں کے نام جائیدادیں وقف ہو رہی ہیں۔ گویا اس "سگ پرست" تہذیب کی داغ بیل بھی انگریزوں سے پہلے "دین الٰہی" کے ہاتھوں ڈالی گئی۔

ذبیحہ گائے پر پابندی | کتوں سے اختلاط اور تعلق کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے، بیل، بھینس کا گوشت حرام قرار دیا گیا تھا۔ اگر کوئی شخص قصائی کے ساتھ کھانا کھا لیتا خواہ اس کی بیوی کیوں نہ ہوتی، حکم تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

علماء حق اور مدارس دینیہ پر دست اندازی | یہ سب کچھ ان بلند بانگ دعووں کے باوجود کہ کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی نگران واقعات نے ثابت کیا کہ سارا ڈھونگ صرف غربت اسلام کے لئے رچایا گیا تھا۔ ورنہ اکبر نے مسلمانوں کی تمام تہذیبی اقدار اور تمدنی اعضا

کو ایک ایک کر کے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ اکبر کی الحاد پسند طبیعت نے صرف اس پر قناعت نہ
کی بلکہ ارادہ کیا کہ ہمیشہ کے لئے اسلام اور اسلامی ورثہ سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹ دیا جائے ـــ
اس مقصد کے لئے اکبر نے دین و رجال دین کو نشانہ بنایا۔ ان دینی معاہد اور اسلامی مدارس پر دست
اندازی کی جو قرآن و سنت اور تعلیمات ربانی کے سرچشمہ تھے۔ ان خانقاہوں پر ہاتھ ڈالا جہاں
سے مسلمانوں کی دینی تربیت اور تزکیہ کا کام وابستہ تھا۔ عربی زبان اسلامی علوم جو اسلام سے مسلمانوں
کی وابستگی کا ایک مضبوط ذریعہ تھا۔ اکبر نے رفتہ رفتہ ان سب چیزوں پر اپنی گرفت سخت کر دی۔
عربی زبان اور عربی ثقافت کے ساتھ اس کا معاملہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ پچھلے دنوں ترکی کے
مصطفیٰ کمال کا رہا ـــــ اکبری دور میں عربی زبان کے اضمحلال اسلامی علوم اور رجال دین کی بے عزتی
اور بے کسی، دینی معاہد کی زبوں حالی اور شعائر اسلامی کی بربادی اور تباہی پر بھی ایک نگاہ حسرت و
عبرت ڈالنی چاہیئے ـــــ قرآنی زبان کو ملک بدر کرنے کی خاطر عربی پڑھنا اور پڑھانا عیب قرار دیا گیا صہ ۳۲۰

عربی زبان سے دشمنی | دوسرا حکم یہ تھا کہ ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص تھے
مثلاً ث، ح، ع، ص، ض، ط، ظ ان کو مقامی بول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا صہ ۳۰۷
عبداللہ کو ابداللہ اور احدی کو اہدی کہنا۔ عربی ناموں کی ترکیب ہندی سے بدل دی گئی
(تذکرہ مجددؒ مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

اسلامی علوم کی کسمپرسی | اسلامیات اور دینیات سے سرکاری سرپرستی اٹھوائی گئی۔ فقہ و تفسیر اور
حدیث پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے۔ صہ ۳۲۰ کہ شاید اکبر کے خیال میں ایسے لوگ
بے کار، قوم پر بار اور معاشی میدان اور مادی کارخانہ کے بے کار اعضاء تھے اور اکبر کی اصلاحات
اور تجدیدات کی تحسین کرنے کی بجائے اس کی مخالفت کرتے رہتے اور آجکل کی زبان میں ان کا کام مخالفت اور فساد و انتشار ہو گیا تھا یہ لوگ اکبر
کے "ترقیاتی پروگرام" میں روڑے اٹکاتے تھے اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کر کے ہزار سال
پہلے کی باتیں کرتے تھے ـــــ اسلامی علوم کی جگہ مدارس میں اس وقت کے ترقی یافتہ علوم
اور سائنسی فنون، نجوم، طب، حکمت، حساب، شعر و تاریخ افسانہ رائج و معروض رائج کئے گئے۔

ایک شاہی سرکلر جاری کیا گیا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر علوم نادرہ عزیبہ نجوم حساب طب فلسفہ پڑھا کرے صد ۳۶۲ نصاب تعلیم کے اس تطہیر و اصلاح کے ساتھ ساتھ ایجابی کام یہ بھی کیا گیا کہ ہندی تہذیب و تمدن اور ہندوؤں کے روحانی بزرگوں کے کتابی ذخائر فارسی میں ترجمہ کئے جانے لگے ان کتابوں کی اشاعت و ترویج کے لیئے باقاعدہ دفتر قائم کئے گئے۔ صد ۳۲۰

دینی اداروں پر پابندیاں | علم دین اور اہل علم کو سرکاری عملداریوں سے نکال پھینکنے کے بعد اب ضروری تھا کہ ملک کے دیگر شعبوں کی بھی ان سے تطہیر ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا معاشی ناطقہ بھی ہر طرف سے بند کر دیا جائے۔

محکمہ قضا کا خاتمہ | بقول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ اسلامی شعائر میں سے اسلامی آبادیوں کا قاضی مقرر کرنا ہے جو قرن اکبری میں مٹا دیا گیا۔ (مکتوبات صد ۱۹۵ ج ۱) قضا اور حکومت تو بڑی بات جمعہ، عیدین اور اسلامی تقریبات کا کام بھی اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

رویت ہلال کمیٹی | عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا۔ شرعی ثبوت سے پہلے اکبر عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیتا۔ (تذکرہ حضرت مجدد صد ۹۴) ایسے ہی ایک موقع پر ابو الفضل، حضرت مجدد الف ثانی رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد روزے سے تھے ابو الفضل نے روزہ نہ کھولنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت مجدد الف ثانی رح سرہندی نے فرمایا: بادشاہ بے دین ست اعتبارے ندارد"

اوقاف سرکاری تحویل میں | علماء و مشائخ آئمہ اور خطباء کے نام جو جاگیریں صدیوں سے وقف چلی آرہی تھیں ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ (تذکرہ صد ۸۲) اسلامی علوم اور اہل علم کے اس مقتل کا نتیجہ ملا عبدالقادر بدایونی کے الفاظ میں یہی ظاہر ہوتا تھا کہ "مدارس اور مساجد ویران اور اکثر علماء جلاوطن کر دیئے گئے۔ (منتخب التواریخ صد ۲۷۴)

حضرت مجدد کی شکل میں رحمت حق کا ظہور | دین اور شعائر دین کی یہ عزت اور بے کسی تھی کہ یکایک رحمت حق جوش میں آئی۔ ان حالات نے سیدنا الامام ناصر سنت قامع

بدعت آبرو ئے مجدد دین دین اللہ کا روشن چراغ ، اللہ کے دشمنوں پر سیف مسلول امام عارف بدرالدین ابوالبرکات مجدد الف ثانی رح، شیخ احمد فاروقی سرہندی کی پاکیزہ اور حساس کو تڑپا دیا۔ دعوت و عزیمت کے وہ جلیل القدر امام جن کی ساری زندگی درد و اضطراب، سوز و ساز، جہاد و ستیز، تڑپ اور ولولہ، دعوت و اصلاح کے روشن احوال اور کارناموں سے لبریز ہے۔ یہ بظاہر فقیر بے نوا مگر اقلیم دعوت و عزیمت کا تاجدار اٹھا اور اس شان سے اٹھا کہ ع

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

اہل حق اور علماء ربانی کے مرید سر خیل دین ابراہیمی اور ملت محمدی کی اس بیکسی پر خون کے آنسو رو سکتے تھے۔ روئے یہاں تک کہ ان کے جگر پاش نالہ و شیون سے زمین لرز اٹھی، آسمان تھرا گئے خوابیدہ ضمیر جاگ اٹھے۔

دین کی بیکسی کا ماتم مجددی جہاد و دعوت کے یہ تابناک نقوش ان کے مکتوبات کے ایک ایک صفحہ پر نقش ہیں وہ چیختے ہیں ــــــــ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نوایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ (مکتوب ۱۸۶ دفتر اول ص ۲۰۳) اکبری دور میں دین کی بیکسی کا کتنا بھیانک نقشہ پیش فرماتے ہیں۔

عزت اسلام نزدیک بہ یک قرن بنہجے	ایک قرن میں اسلام کی عزت اس درجہ کو پہنچی کہ اہل کفر
قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجرائے احکام	صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے احکام کا اعلانیہ
کفر برملا در بلاد اسلام راضی نمے شوند مے	اسلامی بلاد میں اجرا ہو جائے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ
خواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند و	اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیئے جائیں اور اسلام و مسلمان
اثرے از مسلماناں و مسلمانی پیدا نشود، کار تا بآں	کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ بات یہاں تک پہنچائی گئی
سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعائر	ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا
اسلام اظہار نماید بہ قتل مے رسد۔	ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچایا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کا تبصرہ | ملت اسلامیہ کے ایک دوسرے فرزند جلیل شاہ ولی اللہ کے الفاظ ہیں "اکبر نے زندیقیت اختیار کی اور جہالت و گمراہی کے پھریرے اڑنے لگے۔ ہر طرف سے مختلف ملتوں اور باطل مذاہب کے لوگ دوڑ پڑے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے (شرح رسالہ ذکر فقہ از تذکرہ مجدد صفحہ ۳۰)

یہ تھا اس روشن خیال، صلح کل وسیع المشرب "رند با صفا" اور "ملت جدید" کے بانی دولت مغلیہ کے تاجدار "اکبر دی گریٹ" کے دین و مذہب کا ایک اجمالی خاکہ اور مادر پدر آزاد اکبری تہذیب کی حقیقت جس کے ڈھنڈورے الحاد اور اباحیت کے ایوانوں میں زور و شور سے پیٹے گئے کہ آسائش غیر متناعی خلق دراں بود۔

اکبر کا آئیڈیل پیش کرنیوالے | اور آج بھی نام نہاد روشن خیال حلقے اکبر کا آئیڈیل پیش کر کے الحاد اور تحریف دین کی تحسین کر رہے ہیں ——

یہ ہے مغل ایمپائر کے ایک مطلق العنان حاکم اور عصر حاضر کے لادینی حلقوں کے مایہ ناز "ہیرو" کی ایک ہلکی سی تصویر جسے "روشن خیال اور ترقی پسند" سمجھ کر دین اور اہل دین کے استحصال اور بیخ کنی کے سلسلہ میں اس کے سارے کارناموں کی تائید و تصویب کی جا رہی ہے اور اصلاح و خیر خواہی کرنے والے علماء حق کو خود غرض، حریص اقتدار، مجرم اور واجب القتل قرار دیا جا رہا ہے قبل اس کے کہ ان باتوں کی حقیقت احکم الحاکمین کے دربار میں کھل جاتی۔ تاریخ نے یہاں بھی اپنا فیصلہ حق کے حق میں محفوظ رکھا۔ قدرت نے اکبر کے تخت پر جہانگیر اور پھر محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کو بٹھا دیا اور بہت جلد اکبر کی الحادی سلطنت پر حق و اہل حق کا پھریرا لہرانے لگا —— آج اکبر کے "الٰہی مذہب" کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے اور حق قائم و دائم ہے ——————

والحق یعلو ولا یعلیٰ ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔

تجدّد و اصلاح کے نعروں کی اصل حقیقت

• راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس • ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن

پچھلے ہفتہ راولپنڈی میں ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کے زیرِ اہتمام ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی بعض تقریبات دیکھنے کا راقم کو بھی اتفاق ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک کے علماء اور دانشوروں کے علاوہ پاکستان کے دو چار علماءِ حق کو بھی اس میں شرکت کا موقع دیا گیا تھا۔ عالمِ اسلام کے مختلف حصوں کے علماء اور قدیم و جدید طبقات کا باہمی تبادلۂ خیال اور عالمِ اسلام کو درپیش مسائل پر غور و بحث، مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق کی ضرورت کا احساس ایسے امور ہیں جن کے لحاظ سے اس کانفرنس کا اہتمام قابلِ تحسین قرار پاتا ہے مگر تصویر کا دوسرا رُخ وہ ہے جسے ادارۂ تحقیقات اور اس کے کارپردازوں کی ذہنی ساخت نظریات اور تحقیقی "شاہکاروں" کے پس منظر میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ افتتاحی اجلاس میں منتظمین نے اس کانفرنس کے انعقاد سے اپنی جن توقعات کے وابستہ ہونے کا اظہار کیا اس سے بھی یہ حقیقت ایک بار پھر کھل کر سامنے آگئی۔ جس کا اظہار دین کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے اور حالات کے مطابق بنانے، وغیرہ الفاظ سے بار بار کیا جا رہا ہے۔

عالمِ اسلام میں قدیم و جدید کا معرکہ اس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ جن کو ہم اسلامی افکار و اقدار اور مغربی تہذیب و اقدار کے معرکہ کا نام دے سکتے ہیں۔ جو طبقہ تجدد اور مغربی افکار کا حامل ہے۔ اگر اس کی اس تمام غوغا آرائی اور کاوش کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ مغربی تہذیب کی اخلاقی اور روحانی خرابیوں سے پہلو

بچلتے ہوئے قرآن وسنت اور اسلامی اقدار کو مضبوطی سے تھام کر موجودہ عصری علوم، اور سائنسی ترقیات سے استفادہ کیا جائے۔ اور عصرِ حاضر کے درپیش مسائل کی شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں شرعی حیثیت واضح کی جائے۔ اگر وہ مسائل اور نظریات اسلام کی اساس سے متصادم نہ ہوں انہیں اپنا لیا جائے۔

مغرب کے بارہ میں معتدلانہ راستہ | اور نئی تہذیب کی جو باتیں شریعتِ اسلامیہ سے میل نہ کھائیں انہیں بلا تامل یکسر خیر باد کہہ دیا جائے۔ تو اس مقصد کی خوبی میں کسی عالم اور منصف مسلمان کی دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ اسلام نے ہر دور اور ہر زمانہ کی اچھی باتوں کو اپنانے کا تمام مذاہب سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ وہ انسان کو اللہ کا خلیفہ اور بر و بحر کا مالک قرار دیتا ہے۔ اس نے انسان کو کائنات اور عناصر کی تمام جوہری قوتوں کی تسخیر کی دولت سے نوازا ہے۔ اسلام جائز حدود کے اندر انسان کی ضروریات کی تکمیل اور قومی، ملکی اور ملّی مفادات کی حفاظت و دفاع کے لئے ترقیاتِ زمانہ سے استفادہ اور حصولِ علوم و فنون کے لئے دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے سے ہرگز نہیں روکتا۔ جو طبقہ اسلامی علوم و فنون اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہے اس کی طرف سے بارہا یہ چیلنج دیا جا چکا ہے۔ کہ اسلام کے اور نظریہ یا علماءِ حق کے کسی گروہ کی تعلیمات میں عصری اور تجرباتی علوم میں ترقی اور اضافہ سے منع کرنے کی کوئی مثال اگر موجود ہو تو اسے پیش کر دیا جائے۔

تجدد و اصلاح کے علمبرداروں کے اصل عزائم | الغرض تجدد و اصلاح مذہب کے نعرے بلند کرنے والوں کے عزائم اور مقاصد اگر صرف یہی ہوتے تو اختلاف کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی۔ مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں ان کی ذہنی ساخت تعلیم و تربیت، ذاتی و سیاسی مصالح مغربی تہذیب و تمدن میں سرتاپا استغراق اور جن سرچشموں سے ان کے نظریات کی آبیاری ہو رہی

ہے اور اسلام پر تحقیق و ریسرچ کے جو نت نئے نمونے مسلمانوں کے سامنے آ رہے ہیں۔ ان سب چیزوں سے یہ حقیقت مسلّمہ کھل کر سامنے آچکی ہے۔ کہ در اصل ان لوگوں کا مقصد پورے اسلامی معاشرہ کو مغربی تہذیب و تمدن اور لادینی افکار و خیالات میں ڈھالنا اور اسلامی ممالک کو مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلانا ہے۔ اس راہ میں جو بھی دینی تصورات اور ضوابط، قوانین اور دینی اقدار و روایات حائل ہو سکتے ہوں ان میں ترمیم و تنسیخ کی جائے یا اسے کھینچ تان کر اسلام کے دائرہ میں لایا جائے۔

آوازۂ تجدید یا تقلید فرنگ اور مختصراً یہ کہ اس طرح حقیقی خدوخال سے محروم ہو کر ملک و معاشرہ کو "مغربیت" کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے رکاوٹ نہ بنے۔ یہی وہ المناک صورتِ حال ہے جس سے تجدّد اور اصلاح کے خوشنما نام سے اسلام اور راسخ العقیدہ مسلمان دوچار ہیں۔ تجدید کے نام پر مغربی تہذیب و افکار کی یہی وہ اندھی تقلید ہے جس کا رونا علامہ اقبالؒ رو چکے ہیں ؎

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

علماء اور مسلمانوں کی تشویش اور یہی وہ تشویشناک صورتِ حال ہے جس نے دینی اقدار و افکار پر مر مٹنے والے علماء اور غیور مسلمانوں کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کو یورپ کی اخلاقی اور روحانی اقدار سے عاری نظام کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس راہ میں وہ بے خطر ہر میدان میں سنگِ گراں ثابت ہو جاتے ہیں۔ جس کا کچھ مظاہرہ راولپنڈی کانفرنس میں لادینی نظریات پیش ہونے پر حاضرین کے سوادِ اعظم کا شدید نفرت اور بیزاری ظاہر کرنے کی شکل میں ہوا۔

اہلِ تجدّد اور مغرب زدہ طبقہ کے ہاں نئے تقاضوں اور حالات کا ساتھ دینے اور مذہب کے ترقی پذیر ہونے کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ مذہب کو حالات کا تابع بنا دیا

جائے نہ کہ حالات اور زمانہ کو مذہب کے مطابق بنایا جائے۔

عصرِ حاضر کے تقاضے اور اسلام | جہاں تک عہدِ جدید کا تعلق ہے ہم حیران ہیں کہ آخر وہ کون سے تقاضے ہیں جن کا مذہب کو سامنا کرنا پڑا ہے اور اسلام اپنی موجودہ شکل میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اگر انسان پیدل چلنے اور بیل گاڑی کے بجائے جیٹ طیارہ اور خلائی جہازوں میں اڑنے لگا۔ ہاتھ کا پنکھا چلانے کی بجائے ایئرکنڈیشنر استعمال کرنے لگا۔ دستکاری کی جگہ بھاری بھرکم مشینوں اور کارخانوں نے سنبھال لی۔ وہ دال روٹی کی بجائے کیک، ٹوسٹ، اور سینڈوچ کھانے لگا۔ برف اور ٹھنڈے پانی کی بجائے کولر، کولڈ سٹوریج اور ریفریجریٹر کے مشروبات استعمال ہونے لگے۔ کچے مکانات کی بجائے فلک بوس عمارتوں میں رہائش ہونے لگی۔ لوگ سیڑھیوں کی بجائے لفٹ سے چڑھنے لگا۔ انسان تیروتفنگ کی بجائے توپ و تفنگ اور بندوق وریوالور کی بجائے ایٹم و میزائل پر قادر ہوا۔ تو آخر مذہب کا وہ کون سا اصول ہے جو ان تبدیلیوں اور تغیرات سے جوڑ نہیں کھاتا؟ بنیادی کھانے پینے، رہنے سہنے اور مال وجان کی حفاظت کی شکل میں انسان کو جو بنیادی ضروریات تھیں عصرِ حاضر نے ترقی یافتہ شکل میں انہیں پورا کر دیا جو امتدادِ زمانہ کا طبعی نتیجہ تھا۔ مذہب نے پہلے بھی چند ضابطوں اور تقاضوں سے مشروط کر کے ان ضروریات کی تحصیل وتکمیل کی اجازت دی۔ اور آج بھی مذہب مسلمانوں کو ان تقاضوں کے اندر رکھ کر ان مادی ضروریات کے حصول اور استفادہ کی پوری اجازت دیتا ہے۔

مغربی برائیوں کو عصرِ حاضر کا تقاضا نہیں کہا جا سکتا | ہاں اگر نئے تقاضوں اور عصری ضروریات سے صرف سائنسی ترقیات اور تجرباتی علوم وفنون مراد نہیں بلکہ وہ پوری تہذیب ہے جس میں آج یورپ مبتلا ہے اور جو ایک زہریلے سرطان اور مہلک جذام کی شکل میں پوری انسانیت

کا جسم کھائے جا رہی ہے۔ اور آپ اسلام کا جوڑ اس مغربی طرزِ معاشرت سے لگانا چاہتے ہیں۔ جس کا مطلب جنسی بے راہ روی، اخلاقی انارکی، مرد اور عورت کا آزادانہ میل ملاپ، کلبوں کی زندگی، کاک ٹیل پارٹیاں، سود، شراب، جوا، نمائشِ حسن، سیول میرج، گرل اور بوائے فرینڈز، الغرض تمام اخلاقی اور دینی حدود و اصول سے بغاوت ہے۔

اسلام کا جمود و تصلّب | تو یقین جانئیے کہ اسلام اس بارہ میں قطعی جامد اور متعصب ہے اس میں ہرگز عصرِ حاضر کے ان قبیح تقاضوں کے ساتھ چلنے کی سکت نہیں اور وہ ایک پل کے لئے ایسے "ترقی یافتہ" اور "مہذب" لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہ جمود اور تصلّب خود تجدد پسندوں پر ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے اسلام کو اپنی خواہشات کے تابع بنانے اور اس کا صرف لیبل اپنے ساتھ ہر حال میں چپکائے رکھنے کی بجائے جرأت مندانہ بات تو یہ ہے کہ اسے خیرباد کہہ دیجئے۔ آپ بے شک ان نئے تقاضوں کو اپنائیے مگر اسلام بے چارے کو مشقِ ستم نہ بنائیے۔ یہ خدا کی آخری نعمت ہے۔ رہتی دنیا تک انسانیت کے حقیقی فلاح و بہبود کا اسی نسخۂ شفا پر انحصار ہے۔ اگر عصرِ حاضر کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور اس کا مزاج اسلام سے جوڑ نہیں کھاتا۔ تو آنے والی نسلوں کو اس نسخۂ ہدایت سے کیوں محروم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اپنی نفس پرستی، شکم پروری اور خواہشات کی پرستش کے لئے اتنی بڑی نعمت کے ساتھ یہ تلاعب اور استہزاء اور یہ تعصب و عناد ایک ایسی بدترین ناشکری ہو گی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں مشکل سے مل سکے گی۔

تحقیق و ریسرچ کا اصل ہدف | اگر آپ دل سے چاہتے ہیں کہ اسلام کی فوقیت ہر زمانہ پر رہے۔ اور آپ کا واقعی عقیدہ ہے کہ قرآن اور اسلام میں ہر زمانہ کے حوادث و نوازل کا حل موجود ہے۔ اور مغربی تہذیب نے جو ناجائز معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اسلام ان سب کا متبادل حل پیش کر سکتا ہے۔ تو آپ کی تحقیق اور ریسرچ کا ہدف

یہ نہ ہونا چاہیئے کہ یورپ کے حرام طور طریقوں کو جائز ثابت کرانے کے لئے اسلام کے محرمات کو حلال قرار دیں۔ بلکہ اپنی تحقیق کا محور یہ بنائیے کہ یورپ کی ان غلط اور حرام چیزوں کی بجائے کن جائز اور حلال صورتوں سے نئے زمانہ کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے۔ بینکنگ نظام اور سود پر بحث کیجئے مگر اس کو حلال ثابت کرانے کے لئے نہیں بلکہ اس کے متبادل حلال صورتوں مضاربت و مشارکت وغیرہ کو زیرِ بحث لائیے، اور انہیں آزمائیے۔ شراب بے پردگی، اور مخلوط معاشرت کو کھینچ تان کر اسے اسلام میں داخل کرانے کی بجائے معاشرہ کو عصری ترقیات سے ہمکنار کرتے ہوئے ان خرابیوں سے بچنے کی تدابیر سوچیئے، معاشرتی حقوق کی پائمالی، حق تلفی اور ظلم و تعدی سے بچانے کے لئے اسلامی معاشرہ برپا کرنے اور ظلم کے اسباب کے تدارک پر غور کریں۔ نہ کہ آپ تعدادِ ازواج پر پابندی لگائیں یا دیگر معاشرتی مسائل طلاق، عدت وغیرہ میں توڑ موڑ شروع کر دیں۔ معاشی تفاوت، غیر منصفانہ تقسیمِ دولت اور طبقاتی کشمکش ختم کرنے کے لئے آپ اسلام کے نظامِ اقتصاد و اعتدال کو سامنے لاکر آزمائیں نہ کہ اسلام کا رشتہ اور جوڑ سوشلزم، مارکسزم یا سرمایہ دارانہ نظام سے جوڑ دیں۔ نئے حوادث اور مسائل کی قرآن و سنت اور آثارِ صحابہؓ اور فتوے سلف کی روشنی میں مخصوص شرائط اور حدود میں رہتے ہوئے حل نکالئے نہ کہ آپ عقل کو شریعت پر ترجیح دے کر عقل کے کردار کو کھلی چھوٹ دے دیں کہ وہ پوری شریعت اور منصوصاتِ شریعت کو بھی "ویٹو"، کرسکے۔ عقل کو شریعت کے دائرہ میں رہنے کا ذریعہ بنائیے نہ کہ شریعت سے فرار کا۔ آپ سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے شک ترقی کریں۔ مادی آسائش کی راہیں تلاش کریں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا۔ کہ دیگر مادی اقوام کی طرح ان چیزوں کو ہی علم و حکمت سمجھ بیٹھیں۔ تسخیر کائنات با لفاظِ دیگر "شکم پروری کی تدبیروں" کو ہی قرآنی تعلیمات کا خلاصہ، پیغمبرؐ کی تعلیمات کا نچوڑ، تخلیقِ انسانی کا مقصد اور قرآن کے دعوتِ تفکر و تدبر کا محور سمجھ بیٹھیں۔ اور

تعلیماتِ قرآنی کے حقیقی مقصد عبدیتِ خداوندی، حصول و مرضیاتِ الٰہی اور فلاحِ آخرت کو ثانوی حیثیت دے دیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ اسلام کو محض ایک مادی نظام، اور شکم پرور مذہب کی شکل دینا چاہتے ہیں جس کا مقصد سرمایہ داری یا کمیونزم کی طرح صرف جسم اور پیٹ کی پرورش رہ جائے اور تمام اخلاقی اور روحانی قدریں پائمال ہو جائیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اس طرح آپ مذہب کا نام بھی لے سکیں گے۔ اور اس کے تمام مطالبات سے بھی بچ جائیں گے۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ میں مذہب کے ساتھ اس عیاری، تمسخر اور استہزاء کی مثال بمشکل مل سکے گی۔

ہمارے خدشات کی تائید | ہم نے مذہب کے تجدد و اصلاح کی ان کوششوں کے بارہ میں جن خدشات کا اظہار کیا۔ اہلِ تجدد یقیناً اسے سوءِ ظن، ہماری تنگ نظری اور رجعت پسندی قرار دیں گے۔ جیسا کہ ان الزامات کو پچھلے دنوں ادارۂ تحقیقات اور اس کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان کے تعارف پر مشتمل بعض اخباری مضامین میں بار بار دہرایا گیا۔ ادارۂ تحقیقات اور اس کے فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا وجود اس ملک میں تحریک تجدد اور اور مغربیت کا سب سے واضح نشان ہے۔ اس لئے ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے "تحقیقی شاہکار" بطور نمونہ اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر فیصلہ انہی پر چھوڑتے۔ کہ ہم ان خدشات اور بے چینی و اضطراب میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور نئے تقاضوں کے سانچہ میں ڈھال کر کون سا اسلام تصنیف کیا جا رہا ہے، یہ تمام "جواہر پارے" ادارۂ تحقیقات کے ترجمان مجلہ فکر و نظر میں ان کے مضامین یا پھر ان کی تازہ ترین تصنیف "اسلام" (مطبوعہ ویڈنفیلڈ اینڈ نکلسن لندن ۱۹۶۶) سے ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ :۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بعض ملحدانہ خیالات

۱۔ قرآن کریم کے احکام ابدی نہیں بلکہ اس کے علل اور مقاصد ابدی ہیں (یعنی نماز روزہ، حج، زکوٰۃ بجائے خود لازمی نہیں بلکہ ان کے مقاصد ابدی ہیں خواہ وہ جس شکل میں بھی ظاہر ہوں) اب تک اس تحقیق کی دو مثالیں بھی سامنے آچکی ہیں۔ آگے نماز، روزہ حج میں بھی اسی اصول سے ترمیم و تبدیلی کی راہ کھلی ہے۔

الف ،۔ زکوٰۃ عبادت نہیں ٹیکس ہے۔ اور اگر مروجہ نصاب سے مقصد حاصل نہ ہو سکے تو حکومت اس میں کمی بیشی کر سکتی ہے۔

ب ،۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر تھی اسوقت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں اور ایک عورت کی شہادت بھی مرد کے برابر ہے۔

۲۔ شریعت اسلامیہ غیر متبدل ہمہ گیر اور ابدی نہیں۔

۳۔ وہی وحی مقبول ہے جو عقل و بصیرت کے معیار پر پوری اترے۔

۴۔ وحی الٰہی اور رسولؐ دونوں حالات اور زمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

۵۔ قرآن کریم کے فیصلے اور حضورؐ کی احادیث قطعی قوانین نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک اسوۂ نمونہ اور مثال ہیں۔

۶۔ قرآن و سنت کے اکثر احکام خاص حالات سے وابستہ تھے۔ اور وقتی اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں۔

۷۔ اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ اور قرآنی احکام بھی اجتہاد کے زیر اثر ہیں۔ جن میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ وحی ایک واردات قلبی اور نبیؐ کے شعور کی آواز ہے۔

۹۔ جبرائیل علیہ السلام کا کوئی خارجی وجود نہ تھا۔ یہ سب خیالات دوسری تیسری صدی کی پیداوار ہیں۔

۱۰۔ حضورؐ کی حیثیت صرف ایک اخلاقی مصلح کی تھی۔

۱۱۔ پیغمبر ایک عرب قوم کی تشکیل میں مصروف رہے اور قوانین بنانے کے لئے انہیں فرصت نہ مل سکی۔

۱۲۔ معراج ایک افسانہ ہے جو زمانہ مابعد میں تراشا اور عقیدہ رفع مسیح سے مستعار لیا گیا۔

۱۳۔ قرآنی قصص محض بے بنیاد کہانیاں ہیں۔

۱۴۔ حدیث کا بیشتر ذخیرہ خود ساختہ اور موضوعی ہے۔

۱۵۔ اسلامی قانون میں حدیث کو حجت نہیں بتایا جا سکتا۔

۱۶۔ حضورؐ نے پنجگانہ نمازوں اور ان کے احکام کی کوئی واضح تعلیم نہیں دی پنجوقتہ نماز حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ تک رائج نہ تھی، اور بعد کی اختراع ہے۔

۱۷۔ سنتِ نبویؐ کا اکثر حصّہ قبل از اسلام کی رسومات پر مشتمل ہے۔ اور فقہاء نے روم، ایران اور یہود کی روایات لے کر سنت میں داخل کر دی ہیں۔

(ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سنت ان تمام فقہی قوانین سے عبارت ہے جو ان کے زعم میں مذکورہ اقوام اور ان کے قوانین سے مستعار ہیں)

۱۸۔ عہدِ جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ حرام ہے مطلق سود حرام نہیں۔

۱۹۔ صرف انگور سے تیار کی گئی شراب حرام ہے اس کے علاوہ بیئر وغیرہ تمام اقسام

حلال ہیں۔

۲۰۔ نزولِ عیسیٰ کا عقیدہ عیسائیوں سے مستعار ہے۔

۲۱۔ یہی حال شفاعت اور خروجِ مہدی کے عقیدہ کا ہے۔

۲۲۔ اسلام کا خلاء مغرب کی رہنمائی ہی سے پُر ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نظریات کے یہ چند نمونے ہیں جن کا تانا بانا مستشرقینِ یورپ کی تحقیقات سے تیار ہوتا ہے۔ اور پھر وہ مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یہ ہے وہ اسلام جس کا ہیولیٰ سر سید احمد خان کے نیچریت، سید امیر علی اور طٰہٰ حسین کے اظہارِ معذرت جوزف شاخت اور گولڈ تسیہر کی تشکیک و تلبیس اور ولفریڈ اسمتھ (یہودی) کے نقشے کے مطابق اسلام کی منصوبہ جیسے عناصر سے تشکیل پا کر مسلمانوں کے سامنے تجدد و اصلاح کے دعوؤں کے ساتھ پیش ہو رہا ہے۔ اور اگر اہلِ حق علماء کی طرف سے کوئی آواز اٹھتی ہے۔ تو وہ تنگ نظر، انتشار پسند، متعصب اور گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔

فانا للّٰہ و انا الیہ راجعون فیا للاسلام ولغیبتہ المسلمین۔ اللّٰھم انا نسئلك الثبات و الاستقامۃ و التوفیق و السداد و العافیۃ۔

و اللّٰہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل۔

ماڈرن اِزم یا باطنیت کا نیا رُوپ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

اسلام کو ماڈرن بنانے اور اسے زمانہ اور انسانی خواہشات کے ساتھ چلانے کے لئے اس میں تحریف وترمیم کرنے والوں کی ایک خاص تکنیک یہ بھی ہے کہ قرآن و سنت کے الفاظ و اصطلاحات کے جو معانی اور مفہوم خود شارع علیہ السلام نے متعین کئے ہیں اور جن کے حقائق عصراً بعد عصرٍ ملتِ مسلمہ میں تواتر اور تسلسل سے چلے آرہے ہیں۔ ان قطعی اور ابدی معانی کا اپنے الفاظ و اصطلاحات سے تعلق اور رشتہ کاٹ دیا جائے۔ اور پھر نبوت و رسالت، سنت و اجتہاد۔ اجماع و قیاس۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ۔ وغیرہ شرعی اصطلاحات کی جو من مانی تشریح دل میں آئے وہ اختیار کی جائے اور ان میں اتنی توسیع (EXTENTION) کر دی جائے کہ یورپ کی دجالی تہذیب و تمدن کے تمام مسائل و مفاسد، سودی بنکاری، قمار بازی رقص وسرود، ثقافت و کلچر، زناکاری، شراب نوشی، بے پردگی، مخلوط تعلیم اور مساواتِ مرد وزن وغیرہ پر اسلام کا ٹھپہ لگایا جا سکے۔ اسلام کے فکری وعملی نظام کو تہ و بالا کرنے کے لئے عصرِ حاضر کے نام نہاد متجددین اور محققین یہی حربہ آزما رہے ہیں۔ اب تک جو نمونے اس تلبیس و تحریف کے سامنے آچکے ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں:۔

(۱) قرآن کی صرف علل غایات ابدی ہیں۔ احکام میں بدلے ہوئے حالات کے تحت تصرف کیا جا سکتا ہے۔

(۲) سنت کا معنی کسی بھی فرد یا جماعت کی شخصی رائے ہے اور اس کا قبولِ عام حاصل کرنا اجماع ہے۔

(۳) زکوٰۃ سے مراد اسلامی حکومت کی ٹیکس ہے اور حکومت زکوٰۃ کے منصوص مقادیر اور مصارف میں ردّ و بدل کر سکتی ہے۔

(۴) قرآنی ربٰو موجودہ تجارتی سود اور منافع کو شامل نہیں۔

(۵) خمر کا لفظ شراب کی موجودہ کئی قسموں کو شامل نہیں (ملاحظہ ہو ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے مختلف رسائل "فکر و نظر")

قرآنی اصطلاحات کی نئی لُغت | انہی حضرات کے یارانِ تیز گام منکرینِ حدیث اور ان کے سرخیل مسٹر پرویز تو اس قرآنی تحریف و تلبیس کو پہلے سے امّتِ مسلمہ کا نسخۂ شفا قرار دے چکے ہیں۔ مسٹر پرویز لکھتے ہیں:-

"ہمارے ہاں قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم مروّج ہے وہ بیشتر غیر قرآنی ہے[1] مزید ارشاد ہے کہ قرآن کے بہ متعین معانی و مفاہیم چند تصورات و رسومات کی لاشیں ہیں جنہیں مسلمانوں نے سینے سے لگا رکھا ہے[2]، مسلمانوں کو ان لاشوں سے الگ کرنے کا علاج اس امام الضالین کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے تمام مصطلح الفاظ کی ایک نئی لُغت مرتب کی جائے جس کی خصوصیت یہ ہو کہ "قرآن کا جو مفہوم اس لُغت کی روشنی میں متعین کیا جائے گا وہ ہر آنے والے زمانے کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ (IMPROVE) ہوتا (بدلتا یا بڑھتا) جائے گا"[3]

ان کی بدقسمتی کہ اس سائنٹیفک ریسرچ کا سہرا بھی ان کے سر نہیں بلکہ یہ لوگ تحقیقات میں اپنے ان اساتذہ یہودی مستشرقین شاخت وغیرہ کے دریوزہ گر ہیں۔

باطنیت کی تجدید | جن کی اسلام دشمنی کو قرآنِ کریم بارہا صریح الفاظ میں واضح کر چکا ہے اور دجل و تلبیس جن کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے ومن الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ

---

[1] قرآنی فیصلے ص ۲۶ [2] اسباب زوالِ امت ص ۱۷ [3] قرآنی فیصلے ص ۲۶۶

متجددین اور مستشرقین کا یہی فتنہ تیسری صدی ہجری میں باطنیت کے روپ میں ظاہر ہوا جس نے دین و شریعت کی تمام اصطلاحات کے نئے معانی اور مفہوم متعین کئے۔ دین کے بنیادی اصولوں تک کو بدل ڈالا۔ اس فرقہ کو مصر میں صدیوں تک عبیدی سلطنت (نامعلوم سنہ ۲۹۶ تا سنہ ۵۶۷ھ) کی شکل میں اقتدار و عروج حاصل رہا۔ اور اقتدار کے سایہ میں مسلسل اسلامی عقائد و اعمالِ شریعت و سنت سے تمسخر و تلاعب ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قانونِ میراث میں ترمیم کی گئی۔ تراویح اور صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت) پڑھنے پر لوگوں کو تعزیر دی جانے لگی۔ اسی سلطنت کے ایک فرمانروا الظاہر الدین اللہ نے شراب کی عام اجازت دی۔ اہلِ حق مقہور و مظلوم اور اہلِ ہوا غالب و حاوی رہے — یہاں تک کہ حفاظتِ دین کے لئے سنتِ خداوندی کا ظہور سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کی شکل میں ہوا جنہوں نے اس فتنے کی سرکوبی کی۔

یہ امر تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ اس فرقہ میں بھی یہودیت کی روح کارفرما تھی۔ کیونکہ محققین انساب کے نزدیک بالاتفاق ان لوگوں کا مورثِ اعلےٰ عبید مجوسی یا یہودی تھا۔

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ کی ایک اور پیش کش

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ الآیۃ

انوارِ حق

جلد اوّل

جامعہ دار العلوم حقانیہ کے نائب مہتمم استاذ حدیث و تفسیر حضرت مولانا انوار الحق حقانی صاحب کے خطبات اور مواعظ جمعہ کا حسین گلدستہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کی ایک جھلک الولد سر لابیہ کا ایک نمونہ علوم و معارف کا خزینہ مختلف موضوعات پر علمی و دینی اور روح پرور تقاریر کا دلچسپ مرقع ”از دل خیزد و بر دل ریزد“ کا صحیح مصداق، سلاست اور جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے، خطباء، واعظین مبلغین

اور اصلاحی حلقوں میں یکساں مفید ہے

مرتب

حافظ سلمان الحق حقانی

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مطبوعات

مؤتمر المصنفین، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (نوشہرہ)

حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی (جلد اول) افادات: شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ حدیث کی جلیل القدر کتاب جامع ترمذی کی مبسوط اور مدلل شرح، حضرت شیخ الحدیث کی جامع ترمذی سے متعلق تقاریر وافادات درس کا مجموعہ۔

دعوات حق (۲ جلد) ضبط و ترتیب: مولانا سمیع الحق مدظلہ۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کے خطبات وارشادات کا عظیم الشان مجموعہ، دین و شریعت، اخلاق و معاشرت علم و عمل، عروج و زوال، نبوت و رسالت اور شریعت و طریقت کے ہر پہلو پر حاوی کتاب۔

قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ضبط و ترتیب: مولانا سمیع الحق مدظلہ۔ قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی دینی و ملی مسائل پر قرار دادیں، مباحث، تقاریر، آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد کی مستند داستان، ایک سیاسی، آئینی اور تاریخی دستاویز۔

عبادات و عبدیت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، بندگی اور اس کے آداب، عبادات کی حکمتیں، برکات، اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبوبیت اور دیگر موضوعات پر عمدہ کتاب۔

مسئلہ خلافت و شہادت مسئلہ خلافت و شہادت حسینؓ، تعدیل صحابہؓ وغیرہ پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مبسوط تقریر۔ مولانا سمیع الحق مدظلہ کی تعلیقات اور حواشی کے ساتھ۔

اسلام اور عصر حاضر از مولانا سمیع الحق مدظلہ۔ عصر حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی، سائنسی، آئینی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا موقف، عصر حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کارزار حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز جھلک اور مغربی تہذیب کا تجزیہ۔ پیش لفظ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق از مولانا سمیع الحق مدظلہ۔ تعمیر اخلاق، اصلاح معاشرہ، تطہیر نفس میں قرآن کریم کا معتدلانہ انداز اور حکیمانہ طرز عمل، عبادات کا پہلو۔

کاروانِ آخرت

رشحاتِ قلم، مولانا سمیع الحق مدظلہ ــــ مشاہیر علماء، مشائخ، سیاسی زعماء، عالمی سیاستدانوں، ادباء، شعراء اور اہم شخصیات کی وفات پر مدیر "الحق" مولانا سمیع الحق مدظلہ کے سحر نگار قلم سے تعزیتی تاثرات، شذرات اور تبصرے ــــ ترتیب: مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی

قادیانیت اور ملتِ اسلامیہ کا مؤقف

تصنیف: مولانا سمیع الحق مدظلہ و جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران قومی اسمبلی پاکستان میں ملتِ اسلامیہ کا وہ بیانِ استغاثہ جس پر قومی اسمبلی نے بالاتفاق دستور میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ ایک تاریخی دستاویز، مستند ماخذ اور تحقیقی شاہکار۔

قادیان سے اسرائیل تک

برطانوی صیہونی سامراج اور قادیانیوں کے باہمی روابط و تعلقات، اسلام دشمنی کی مشترکہ سرگرمیوں اور شرمناک سیاسی کردار کے بارے میں بیسویں صدی کا سب سے مستند، واضح اور تحقیقی جائزہ ــــ بسعی و اہتمام: مولانا سمیع الحق مدظلہ

قومی و ملی مسائل میں جمعیۃ کا مؤقف

افادات: مولانا سمیع الحق مدظلہ ــــ تحریکِ نفاذِ شریعت، پارلیمنٹ میں جمعیۃ کا مقدمہ، تحریکِ انقلابِ اسلامی کے اہداف، مقاصد، لائحہ عمل اور جمعیۃ علمائے اسلام کی مساعی، تاریخی کردار اور انقلابی عزائم، خالص دینی و اسلامی سیاست کے واضح خدوخال پر مشتمل مولانا سمیع الحق کے انٹرویوز، تقاریر اور بیانات پر مشتمل اہم دستاویز۔

الحاوی علیٰ مشکلات الطحاوی

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ اور مظاہر العلوم سہارنپور کے دیگر ممتاز محدثین کے مشترکہ غور و فکر کا نتیجہ، طحاوی شریف کی تقریباً ایک سو مشکلات کا حل۔

افاداتِ حلیم

مرتبہ: مولانا محمد ابراہیم فانی ــــ حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ کے بعض افادات اور مختصر سوانح۔

حیاتِ صدر المدرسین

مرتبہ: مولانا محمد ابراہیم فانی ــــ متکلمِ عصر مولانا عبدالحلیم زروبویؒ کا تذکرہ و سوانح، کمالات و خصوصیات، علمی و ادبی خدمات، مرکزِ علم دارالعلوم حقانیہ کی تاریخ کا اہم باب۔

ماہنامہ "الحق" "شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نمبر"

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی شخصیت، علمی اور روحانی کمالات، سیرت و کردار، ملکی و ملی خدمات، گویا کہ یہ نمبر حضرت الشیخؒ کی مکمل سوانح عمری ہے۔